تاریخ احمدیت

جلد ہشتدہم

(۱۸)

مئی ۱۹۵۵ء — جون ۱۹۵۶ء

مؤلفہ
دوست محمد شاہد

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد ہفت دہم
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000
شائع کردہ	:	نظارت نشرو اشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 181-7912-124-0

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-17(Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Edition : 2007

Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516

Distt.Gurdaspur (Punjab) INDIA

Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 181-7912-124-0

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایا پلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جابجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے مؤرخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گذشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یاد رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہوگیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنّفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۱۸ کو جلد نمبر ۱۷ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر واشاعت قادیان بھی تاریخ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد ہفتد ہم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر واشاعت قادیان)

فہرست مضامین تاریخ احمدیت جلد ہژدہم

عنوان	صفحہ
پہلا باب	
مجلس مشاورت ۱۳۳۴ہش / ۱۹۵۵ء سے لیکر امریکہ میں نظام "الوصیت" کے نفاذ کی تحریک تک	۱
فصل اوّل	
مجلس مشاورت ۱۹۵۵ء	۴
افتتاح	۵
حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا نوٹ	۵
حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام	۷
شوریٰ کی کارروائی	۹
ارشاد مبارک حضرت مصلح موعودؓ	۱۱
مشرقی پنجاب میں صداقت احمدیت کا ایک نشان	۱۵
فصل دوم	
حضرت اماں جی صغریٰ بیگم صاحبہؓ کی المناک وفات	۱۷
حضرت مصلح موعودؓ کا برقیہ	۱۷
اولاد	۲۲
تأثرات	۲۲
فصل سوم	
اتحاد بین المسلمین کی تحریک	۲۸
مسلمان اپنے داخلی اختلافات کو نظرانداز کر کے اشاعت اسلام کیلئے متحد ہو جائیں	۲۹
فصل چہارم	
برصغیر پاک و ہند میں سیلاب اور امدادی سرگرمیاں	۳۴
ہندوستان	۳۶
قادیان	۳۶
قادیان کے مضافات میں رفاہی خدمات	۳۹
پاکستان میں سیلاب کی تباہ کاریاں اور جماعت احمدیہ کی امدادی خدمات	۴۶
پاکستانی پریس اور جماعت احمدیہ کی امدادی خدمات	۶۷
فصل پنجم	
صنعت و حرفت کی ترویج کیلئے خصوصی تحریک	۱۰۰
نوجوانان احمدیت کو عبادت کی خصوصی تحریک	۱۰۳
صیغہ زود نویسی کو اپنی ذمہ داری پر خطبات امام شائع کرنے کی اجازت	۱۰۳
فصل ششم	
امریکہ میں نظام "الوصیت" کے نفاذ	

عنوان	صفحہ
کی پُرزور تحریک	۱۰۴
دُوسرا باب	
حضرت مُصلح موعودؓ کے افریقن احمدیوں کے نام پیغام سے لیکر لائبیریا مشن کے قیام تک۔	
فصل اوّل	
حضرت مُصلح موعودؓ کا پیغام افریقن احمدیوں کے نام	۱۱۵
خواتین مبارکہ کے اعزاز میں عصرانہ	۱۱۹
بیرونی ممالک کے احمدیوں کے لئے دو اہم ہدایات	۱۲۰
وقفِ زندگی کی پُرجوش تحریک	۱۲۲
فصل دوم	
عقیدۂ ختم نبوت سے متعلق ایک نہایت اہم خطبہ	۱۳۳
دُعاؤں کی خصوصی تحریک	۱۳۷
خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع اور حضرت مصلح موعود کے پُرمعارف خطابات	۱۳۸
تلقینِ عمل کا پروگرام	۱۴۵
ہندوستان میں تبلیغی جدوجہد سے متعلق ایک اعلان	۱۴۶
فصل سوم	
مجلس انصاراللہ مرکزیہ کا پاکستان میں پہلا سالانہ اجتماع	۱۴۷
ایک الوداعی دعوت میں حضرت مُصلح موعودؓ کا خطاب	۱۵۱
صوبہ مدراس اور جنوبی ہند کے احمدیوں کے نام محبت بھرا پیغام	۱۵۲
قادیان دارالامان کی طرف رجوعِ خلائق	۱۵۵
فصل چہارم	
قادیان اور ربوہ میں سالانہ جلسے	۱۵۶
قافلۂ پاکستان دیارِ حبیبؐ میں	۱۵۷
جلسہ کا افتتاح اور حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام	۱۵۹
قادیان کی رُوحانی فضا	۱۶۲
ربوہ کا سالانہ جلسہ اور حضرت مصلح موعودؓ کی ایمان افروز تقریریں	۱۶۳
۲۷ دسمبر کی ایمان افروز تقریر	۱۷۱
۲۸ دسمبر کا ایمان افروز خطاب	۱۷۶
ایک غیراز جماعت مسلمان کے تأثرات	۱۷۸
جماعت احمدیہ کی شاندار تعلیمی جدوجہد پر ایک نظر	۱۸۲
حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی طرف سے دینی اور دُنیوی وقف کی تحریک	۱۹۱
فصل پنجم	
حضرت مسیح موعودؑ کے جلیل القدر اصحاب کا انتقال	۱۹۴

عنوان	صفحہ
حضرت چوہدری محمد عبداللہ صاحب نمبردار بہلولپوریؓ	۱۹۴
حضرت چوہدری باغ دین صاحبؓ	۱۹۸
حضرت ڈاکٹر فیض علی صابر صاحبؓ اسسٹنٹ سرجن بہاولپور	۲۰۰
حضرت حکیم شیخ فضل حق صاحبؓ	۲۰۴
حضرت سیّد نذیر حسین شاہ صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ گھٹیالیاں	۲۰۶
حضرت ماسٹر محمد حسن آسان صاحب دہلویؓ	۲۰۹
حضرت خان صاحب سیّد غلام حسین شاہ صاحب بھیروی	۲۲۹
حضرت سیّد علی احمد صاحب مہاجر رجاولی ضلع انبالہ	۲۳۶
حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحب	۲۳۹
چوہدری فضل الٰہی صاحب امیر جماعت احمدیہ کھاریاں	۲۵۱

فصل ششم

عنوان	صفحہ
بعض دیگر مخلص اور جاں نثار خدامِ احمدیت کی وفات	۲۵۳
حضرت مولوی عبدالمغنی خان صاحب	۲۵۴
جناب حکیم فضل الرحمن صاحب مبلغ مغربی افریقہ	۲۶۱
الحاج مولانا نذیر احمد علی صاحب رئیس التبلیغ مغربی افریقہ	۲۶۵
جناب صوفی مطیع الرحمن صاحب بنگالی ایم اے مبلغ امریکہ	۲۷۱
نواب محمد الدین صاحب کی تدفین بہشتی مقبرہ میں	۲۷۴

فصل ہفتم

عنوان	صفحہ
۱۹۵۵ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	۲۷۵
خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں پُرمسرت تقاریب	۲۷۵
خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں اضافہ	۲۷۶
مبلغ انڈونیشیا کے اعزاز میں عشائیہ	۲۷۶
قادیان کے بزرگ درویش اور اخبار ریاست	۲۷۶
ایک غیر احمدی صحافی کے تاثرات	۲۷۷
صدر انجمن احمدیہ کے لئے تحریک واقفین	۲۷۸
ربوہ میں ایک مشہور اطالوی پروفیسر کی آمد	۲۷۹
لجنہ اماء اللہ کا عہد	۲۷۹
جماعت احمدیہ کے خلاف بے بنیاد پراپیگنڈہ	۲۸۰
مالابار کے ایک قدیم احمدی کا انتقال	۲۸۱
مولانا ابوالعطاء صاحب کا سفر قادیان	۲۸۲
امریکن رسالہ لائف میں جماعت احمدیہ کی شاندار تبلیغی جدوجہد کا ذکر	۲۸۳

عنوان	صفحہ
امریکی رسالہ "لائف" کے مضمون پر اخبار نوح و قلم کا تبصرہ	۲۸۸
احمدی طلباء کی نمایاں کامیابی	۲۸۹
جامعہ احمدیہ کی احمد نگر سے ربوہ منتقلی	۲۹۱
قادیان سے رسالہ "اصحاب احمد" کا اجراء	۲۹۱
قادیان کے احمدی اور شرنارتھی	۲۹۲
وفات خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی	۲۹۴
کوئٹہ میں بہائیوں پر اتمام حجت	۲۹۷
آنریری مبلغ احمدیت سوڈان کا انتقال	۲۹۹
ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کا معلومات افزا لیکچر جھنگ مگھیانہ میں	۳۰۰
دفتر لجنہ اماء اللہ کراچی کا افتتاح	۳۰۱
جامعۃ المبشرین میں ایک مبارک تقریب	۳۰۲
لبنان میں جماعت احمدیہ کے کارناموں کا تذکرہ	۳۰۳
یوم تشکر	۳۰۴
تأثرات "ربوہ"	۳۰۶
چوہدری محمد ظفراللہ خانصاحب کی تقریر روحانیت سے متعلق دوسری قومی کانفرنس میں	۳۰۸
مارشل بلگانن اور مسٹر کروشچیف کو ترجمۃ القرآن انگریزی کا تحفہ	۳۰۹
جلالۃ الملک شاہ سعود کی خدمت میں اسلامی لٹریچر	۳۱۰

عنوان	صفحہ
مبلغین کی ایک تقریب میں حضرت مصلح موعودؓ کی شرکت	۳۱۰
ایک نہایت اہم تحریک	۳۱۱
بیرونی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں	۳۱۲
مجاہدین احمدیت کی روانگی اور کامیاب مراجعت	۳۲۶
نئی مطبوعات	۳۲۸
تیسرا باب	
احمدیہ مشن لائبیریا کا قیام اور اس کی دینی خدمات	
فصل اوّل	
لائبیریا میں احمدیت کا پیغام	۳۲۹
مشن کی بنیاد	۳۳۰
حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایات اور تبلیغی وسعت	۳۳۱
فصل دوم	
مجاہدین احمدیت کی تبلیغی سرگرمیاں	۳۳۴
سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ کو لٹریچر	۳۳۵
ڈاکٹر بلی گراہم پر اتمام حجت	۳۳۶
حبشہ کے شہنشاہ ہیلی سلاسی کو پیغام حق	۳۳۷
جماعت احمدیہ کی غیر معمولی ترقی	۳۳۷
لائبیریا پریس میں اثر و نفوذ	۳۳۸

عنوان	صفحہ
تعطیلِ جُمعہ کی کامیاب کوشش	۳۳۹
مکرم بشیر احمد خان صاحب رفیق کا دورۂ لائبیریا	۳۴۰
مشن ہاؤس کے لئے عمارت کی خرید	۳۴۱
سیرت النبیؐ کا کامیاب جلسہ	۳۴۲
دو لبنانی علماء کو تبلیغ	۳۴۵
امام جماعت احمدیہ کا لائبیرین مسلمانوں کو عید مبارک کا پیغام	۳۴۷
ہائی سکول کا اجراء	۳۴۸
قائدِ اعظم کی صد سالہ تقریبات کا انتظام	۳۵۳
آرچ بشپ آف کنٹربری پر اتمامِ حُجّت	۳۵۶
امریکی بحریہ کے کمانڈر کو اسلامی لٹریچر	۳۶۰
مشن ہاؤس کی جدید عمارت	۳۶۲
احمدیہ کلینک کا اجراء	۳۶۲
خانۂ خدا کی تعمیرِ نَو	۳۶۵
لائبیریا مشن کا اہم ترین واقعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی تشریف آوری	۳۶۵
فصل سوم	
مشن کی عظیم الشان خدمات سے متعلق تأثرات	۳۶۷
چوتھا باب	
تبلیغِ احمدیت کی خصوصی تحریک سے لیکر احمدیہ مشن سکنڈے نیویا کے قیام تک۔	
فصل اوّل	
تبلیغِ احمدیت کی خصوصی تحریک	۳۷۴
حضرت مصلح موعودؓ کا جامعۃ المبشرین میں پُرمعارف خطاب	۳۷۹
احباب جماعت کے لئے ضروری اعلان	۳۸۱
امریکہ سے متعلق ایک پُرشوکت پیشگوئی	۳۸۲
مبلغین کے اعزاز میں ایک خصوصی تقریب	۳۸۴
فصل دوم	
کتب حضرت مسیح موعودؑ کے پڑھنے اور حضور کے مقدس تبرکات کی حفاظت کے لئے تحریک	۳۸۵
حضرت مصلح موعودؓ کی قیمتی نصائح مسلمان طلباء کو	۳۸۶
ایک بہائی بیرسٹر کا بے بنیاد پروپیگنڈا اور حضرت مصلح موعودؓ کا حقیقت افروز جواب	۳۹۰
حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام جماعت احمدیہ ڈیرہ غازیخان کے نام	۳۹۵
طلباء تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ سے حضرت مصلح موعودؓ کا خطاب	۳۹۶
فضلِ عمر ہسپتال اور دفتر مجلس انصاراللہ مرکزیہ کا سنگِ بنیاد	۳۹۹
دفتر انصاراللہ مرکزیہ کی عمارت کی تکمیل	۴۰۰

عنوان	صفحہ
فصل سوم	
سپین میں تبلیغ پر پابندی اور حضرت مصلح موعودؓ	۴۰۲
مشرقی پاکستان پریس کی طرف سے زبردست احتجاج	۴۰۵
فصل چہارم	
وقف زندگی سے متعلق تجاویز اور حضرت مصلح موعودؓ کا اظہار رائے	۴۰۸
قادیان کے لئے تحریکِ وقفِ زندگی	۴۱۲
اہم خطبہ شادی بیاہ کے متعلق	۴۱۲
فصل پنجم	
اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قیام پر جماعتِ احمدیہ پاکستان کا جشنِ مسرت	۴۱۵
فصل ششم	
افغانستان میں ایک مخلص احمدی کی شہادت	۴۲۲
اسلامی ممالک کی نسبت حضرت مصلح موعودؓ کے تأثرات	۴۲۴
داؤد جان کی شہادت سے متعلق اخبار "ریاست" کا اداریہ	۴۳۱
فصل ہفتم	
نخلہ کے نام سے ایک نئی بستی کی بنیاد	۴۳۳
اخبار المنیر لائل پور کا اعترافِ حق	۴۳۶
مجلس مشاورت ۱۹۵۶ء (۱۳۳۵ ہش)	۴۴۷
مالا بار احمدیہ کانفرنس کیلئے برقی پیغام	۴۵۲
حضرت مصلح موعود کا پیغام تعلیم الاسلام ہائی سکول کے سٹاف کے نام	۴۵۴
نور ہسپتال کے نام پر ایک شاخسانہ	۴۵۴
فصل ہشتم	
نوجوانانِ احمدیت میں روحانی انقلاب	۴۶۰
ٹیونس۔ زیکوسلاواکیہ اور مراکش میں اشاعت احمدیت	۴۶۱
فصل نہم	
سیرالیون میں ایک عظیم نشان کا ظہور	۴۶۴
مسلمانوں پر حکومتِ فرانس کے ظلم و تشدد کے خلاف احتجاج	۴۷۷
فصل دہم	
احمدیہ مسلم سکنڈے نیویا مشن کا قیام	۴۷۹
مشن کا پہلا دور (خلافتِ ثانیہ میں)	۴۸۲
سکنڈے نیویا کے بعض دیگر ابتدائی مبایعین	۴۸۳
اوسلو میں مرکز کا قیام	۴۸۳
کوپن ہیگن پریس میں احمدیت کا چرچا	۴۸۴
ملکی لائبریریوں میں اسلامی لٹریچر	۴۸۴
نومسلموں کی تعلیم و تربیت	۴۸۴
فن لینڈ میں پیغام احمدیت	۴۸۶
ماہنامہ ایکٹو اسلام کا اجراء	۴۸۶
ڈنمارک مستقل مشن کی حیثیت سے	۴۸۷

عنوان	صفحہ
صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کا دورۂ کوپن ہیگن	۴۸۷
دوسرے مرکزی مبشرین کی آمد	۴۸۷
خواتینِ احمدیت کی مالی قربانی	۴۸۹
مسجد نصرت جہاں کا سنگِ بنیاد	۴۹۰
مسجد نصرت جہاں کا افتتاح	۴۹۱
کوپن ہیگن کی اہم شخصیتوں کی ملاقات اور حضرت امام جماعت احمدیہ کا عیسائی دُنیا کو چیلنج	۴۹۲
تقریبِ افتتاح کا چرچا ڈنمارک پریس میں	۴۹۴
کلیسیا کی طرف سے مخالفت کا آغاز	۴۹۷
ڈینش ترجمہ قرآن کی اشاعت و مقبولیت	۴۹۹
اخبار "خلیج ٹائمز" میں ڈینش ترجمہ قرآن کا ذکر	۴۹۹
یوگوسلاوین حلقوں میں احمدیت کا اثر و نفوذ	۵۰۰
گوٹن برگ مشن کی بنیاد	۵۰۲
حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے دستِ مبارک سے مسجد ناصر کا سنگِ بنیاد	۵۰۳

عنوان	صفحہ
گوٹن برگ میں یورپین مبلغین کی کانفرنس	۵۰۳
چودہ یوگوسلاوین کا قبول احمدیت	۵۰۳
مسجد ناصر کی افتتاحی تقریب	۵۰۵
پریس میں چرچا	۵۰۷
حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا سفر ۱۹۷۸ء	۵۱۱
احمدی مبلغ کو وزارتِ انصاف کی خصوصی اجازت	۵۱۶
مسجد نُور اوسلو کا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ہاتھوں مبارک افتتاح	۵۱۸
حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کا پہلا سفر سکنڈے نیویا	۵۲۱
پریس کانفرنس	۵۲۳
استقبالیہ تقریب	۵۲۴
ربّانی تائید کا ایک خاص نشان	۵۲۵
خطبہ جمعہ	۵۲۵
پہلی مجلس شوریٰ	۵۲۷
سکنڈے نیویا پریس میں چرچا	۵۲۹
مشن کی مطبوعات	۵۳۶

ضمیمہ

۱۔ فہرست قافلہ پاکستان برائے جلسہ سالانہ قادیان ۱۹۵۶ء — ۱

۲۔ پاکستان فورم آف لائبیریا کے متعلق اخبار لائبیرین سٹار کی خبر — ۱۱

۳۔ پاکستانی سفیر کے خطوط — ۱۳

تصاویر

۱۔ حضرت مصلح موعودؓ جامعۃ المبشرین کی ایک تقریب میں — صا
۲۔ جامعۃ المبشرین میں سیّد ولی اللہ شاہ صاحب کی الوداعی تقریب — صا۱۵۱
۳۔ جلسہ سالانہ ربوہ ۱۹۵۵ء کی بعض یادگار تصاویر — صا۱۶۳
۴۔ ممباسہ مشرقی افریقہ میں حضرت مسیح موعودؑ کے بعض رفقائے خاص — صا۲۰۰
۵۔ سیّدنا حضرت مسیح موعودؑ کا ایک تاریخی گروپ فوٹو — صا۲۰۰
۶۔ معتکفین مسجد مبارک قادیان ۱۹۵۵ء — صا۲۸۲
۷۔ سنگِ بنیاد فضل عمر ہسپتال حضرت مصلح موعودؓ کے دستِ مبارک سے۔ — صا۳۹۹
۸۔ سنگِ بنیاد دفتر انصاراللہ مرکزیہ ربوہ حضرت مصلح موعودؓ کے دستِ مبارک سے — صا۳۹۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ

پہلا باب

مجلسِ مشاورت ۱۳۳۴ہش ۱۹۵۵ء سے لے کر
امریکہ میں نظام "الوصیّت" کے نفاذ کی تحریک تک

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کے بابرکت عہدِ مبارک بلکہ آپ کی پوری زندگی کا جامع نقشہ اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی الہامی پیشگوئی میں موجود ہے اور اس کا خلاصہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے درج ذیل اشعار میں بیان فرمایا ہے ؎

بشارت دی کہ اِک بیٹا ہے تیرا   جو ہو گا ایک دن محبوب میرا
کروں گا دُور اُس مہ سے اندھیرا   دکھاؤں گا کہ اِک عالَم کو پھیرا
بشارت کیا ہے اِک دل کی غذا دی   فَسُبۡحَانَ الَّذِیۡ اَخۡزَی الۡاَعَادِیۡ[1]

اِس الہامی بشارت کے ہر لفظ کا عملی ظہور حضرت مصلح موعودؓ کے مبارک زمانہ میں اِس کثرت اور تواتر سے

---

[1] "مجموعہ آمین" صفحہ ۱۱ مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان ۲۷ نومبر ۱۹۰۱ء

ہؤا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور علمِ تاریخ اور اس کے فلسفہ کا کوئی بڑے سے بڑا ماہر بھی اسے محض اتفاق سے تعبیر نہیں کرسکتا۔ قدرتِ ثانیہ کے اس عظیم الشان مظہر کی راہ میں بار بار اندھیرے آئے مگر نیرِ صداقت کی کرنوں کی تاب نہ لاکر پاش پاش ہوگئے جس پر ۱۹۱۴ء، ۱۹۲۷ء، ۱۹۳۴ء، ۱۹۳۶ء، ۱۹۴۷ء اور بعد کے سالوں کی تاریخ گواہ ہے۔

اسی طرح ۱۹۵۵ء کا سال بھی ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس کے شروع میں خدا کے محبوب بندہ اور حضرت مسیح موعودؑ کے لختِ جگر سیدنا محمود المصلح الموعودؓ کی شدید بیماری سے دُنیائے احمدیت پر ایک تاریک رات چھا گئی جو حضور کے سفرِ مشرقِ وسطیٰ و یورپ اور لندن میں مبشّرینِ اسلام کی عالمی تبلیغی کانفرنس کے بعد نہ صرف ایک پُر نور سویرے میں بدل گئی بلکہ مغربی ممالک میں قرآنِ مجید کے عالمی رُوحانی اور تبلیغی انقلاب کے لئے ایک زبردست حرکت پیدا کرنے کا موجب بنی اور "مسلم یورپ" کا وہ تصوّر جو حضرت مسیح موعودؑ نے القاءِ ربّانی کے تحت کتاب "ازالہ اوہام"[1] اور "نور الحق"[2] (حصّہ اوّل) میں پیش فرمایا تھا جلد جلد حقیقت کا رنگ پکڑنے لگا۔

۱۹۵۵ء کے یادگار سال کے مندرجہ ذیل واقعات کا ذکر تاریخِ احمدیت کی سترھویں جلد میں آچکا ہے:۔

۱۹۵۵ء کا پہلا خطبہ جمعہ۔ جماعتِ احمدیہ انڈونیشیا کے لئے قیمتی تبرّک۔ شاہدین سے متعلق نئی سکیم۔ صدر انجمن احمدیہ کے لئے تحریکِ وقف۔ ضروری لٹریچر تیار کرنے کا ارشاد حضرت مصلح موعودؓ کی تشویشناک علالت (۲۶ فروری) حضور کے رُوح پرور پیغامات۔ دوسرا کامیاب سفرِ یورپ (روانگی از ربوہ ۲۳ مارچ)۔ دمشق، بیروت، زیورک، نیورمبرگ۔ ہمبرگ اور ہالینڈ میں شاندار تبلیغی مساعی۔ لندن میں مبلّغینِ احمدیت کی عالمی کانفرنس (۲۲ تا ۲۴ جولائی)۔ کراچی میں ورُود (۵ ستمبر)۔ ربوہ میں عظیم الشان استقبال (۲۵ ستمبر)۔

اب اِس جلد میں سب سے پہلے ۱۹۵۵ء کے بقیہ واقعات درج ہوں گے بعد ازاں

---

[1] صفحہ ۵۱۵، ۵۱۶ طبع اوّل (۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۱ء) ریاض ہند پریس امرتسر۔

[2] صفحہ ۴۴ طبع اوّل (۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۴ء) مفید عام پریس لاہور۔

تاریخی ترتیب کے مطابق سیکنڈے نیویا مشن کی بنیاد تک کے ضروری کوائف و احوال پر روشنی ڈالی جائے گی جس سے نہ صرف اُس دَور کی عالمگیر جماعتی سرگرمیوں کی تفصیل آنکھوں کے سامنے آجائے گی بلکہ یہ بھی معلوم ہوگا کہ خدا کے آسمانی سِلسلہ کا قدم اپنے پیارے امام ہمام کی بیماری کے ایّام میں بھی پیچھے نہیں ہٹا بلکہ الٰہی نوشتوں کے مطابق آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا جیسا کہ خود حضرت مصلح موعودؓ نے دس سال قبل ۹ راپریل ۱۹۴۵ء کی مجلس مشاورت (قادیان) سے خطاب کرتے ہوئے پیشگوئی فرمائی تھی کہ :-

"ہر احمدی کو سمجھ لینا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود ..... نے اللہ تعالیٰ سے اِلہام پاکر میرے متعلق جو یہ خبر دی ہے کہ مَیں جلد جلد بڑھوں گا اِس کے معنے ..... یہ تھے کہ کام کی اہمیّت کے پیشِ نظر میرا فرض ہوگا کہ مَیں تیزی اور سُرعت کے ساتھ اپنے قدم کو بڑھاتا چلا جاؤں اور جب مَیں ..... جلد جلد قدم بڑھاؤں گا تو خدا تعالےٰ ان لوگوں کو بھی جو مجھ پر ایمان لائیں گے اِس بات کی توفیق عطا فرماوے گا کہ وہ جلد جلد اپنے قدم بڑھائیں۔ اِسی طرح جب خدا نے مجھے خبر دی کہ زمین میرے پاؤں کے نیچے سمٹتی چلی جا رہی ہے اور مَیں تیزی سے بھاگتا چلا جا رہا ہوں تو اس کے معنٰی بھی درحقیقت یہی تھے کہ جب مَیں تیزی کے ساتھ بھاگوں گا اور زمین میرے قدموں کے نیچے سمٹنی شروع ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان سچے مخلصوں کو بھی جنہیں میرے ساتھ وابستگی حاصل ہوگی اِس امر کی توفیق عطا فرماوے گا کہ وہ زمین کو جلد جلد طے کریں اور آناً فاناً دُور دراز فاصلوں کو طے کرتے ہوئے دُنیا کے کناروں تک پہنچ جائیں۔" [1]

---

[1] "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۷۸، صفحہ ۱۷۹ مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان ۔

فصل اوّل

مجلسِ مشاورت ۱۹۵۵ء

اِس سال جماعتِ احمدیہ کی چھتیسویں مجلسِ مشاورت کا اِنعقاد ۷، ۸، ۹ اپریل ۱۹۵۵ء (مطابق ۷، ۸، ۹ شہادت ۱۳۳۴ ہش) کو عمل میں آیا۔ یہ مشاورت بھی لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کے ہال میں ہوئی اور اِس میں ۳۰۷ پاکستانی نمائندگان کے علاوہ بعض بیرونی ممالک کی احمدی جماعتوں کے مندوب بھی شامل ہوئے۔

حضرت مصلح موعودؓ اُن دنوں سفرِ یورپ کے ارادہ سے کراچی میں قیام فرما تھے۔ حضورؓ کی ہدایت کے مطابق مجلس کی صدارت کے فرائض مکرم جناب مرزا عبدالحق صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ صوبہ پنجاب نے انجام دئے۔ یہ پہلا موقع تھا جبکہ یہ مرکزی تقریب حضور کی عدم موجودگی میں منعقد ہوئی اور اس نے ہر نمائندہ کو پوری شدت سے محسوس کرا دیا کہ امامِ وقت کا مبارک اور خدانما وجود کتنی بھاری برکات اپنے اندر رکھتا ہے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود اکمل و اتم درجہ پر فائز محبوبانِ درگاہِ الٰہی کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

"خدا کا نُور اُن کی پیشانی میں اپنا جلوہ ظاہر کرتا ہے۔ ایسا ہی اُن کے ہاتھوں میں اور پیروں میں اور تمام بدن میں ایک برکت دی جاتی ہے جس کی وجہ سے اُن کا پہنا ہوا کپڑا بھی متبرّک ہو جاتا ہے اور اکثر اَوقات کسی شخص کو چھونا یا اُس کو ہاتھ لگانا اُس کے امراضِ رُوحانی یا جسمانی کے اِزالہ کا موجب ٹھہرتا ہے۔ اِسی طرح اُن کے رہنے کے مکانات میں بھی خدائے عزّوجلّ ایک برکت رکھ دیتا ہے۔ وہ مکان بَلاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔ خدا کے فرشتے اُس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اِسی طرح اُن کے شہر یا گاؤں میں بھی ایک برکت اور خصوصیت دی جاتی ہے۔ اِسی طرح اس خاک کو بھی کچھ برکت دی جاتی ہے جس پر اُن کا قدم پڑتا

ہے"۔ ؎

شمعِ خلافت کے پروانے جب دیکھتے کہ اُن کا جان سے بھی پیارا آقا اُن کے درمیان موجود نہیں تو اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا جاتیں اور اُن کے قلوب کی گہرائیوں سے یہ دُعا نکلتی کہ خدا کرے وہ دن جلد از جلد آجائے جبکہ حضور صحتِ کاملہ و عاجلہ کے ساتھ ہم خادموں کے درمیان رونق افروز ہوں اور ہمیں حضور کے رُوح پرور کلمات سُننے اور حضور کی برکات سے مُستفیض ہونے کی سعادت حاصل ہو۔

اِفتتاح بہرکیف افسردگی اور متضرعانہ دعاؤں کے اِس ماحول میں مشاورت کی اِفتتاحی کارروائی حسبِ پروگرام ۷؍ اپریل کو ٹھیک ۲½ بجے بعد دوپہر شروع ہوئی۔ تلاوتِ قرآن کریم جناب صالح شبیبی صاحب انڈونیشین نے کی۔ اِس کے بعد صدرِ مجلس مرزا عبدالحق صاحب نے حاضرین سمیت دُعا کی اور فرمایا افسوس ہے کہ ہم اِس مرتبہ ایسے حالات میں یہاں جمع ہوئے ہیں کہ حضرت مصلح موعودؓ اپنی بیماری کی وجہ سے ہم سے دُور تشریف لے گئے۔ حضور کی عدم موجودگی میں دوستوں کو زیادہ سے زیادہ دعاؤں سے کام لینا چاہیئے تاکہ عملی لحاظ سے ہم پہلے کی نسبت بہتر ہو جائیں اور جس رنگ میں ہم سے قربانی کا مطالبہ کیا جائے اُسی رنگ میں ہم اپنی قربانی پیش کرسکیں اور ہماری طرف سے جو اطلاعات حضور کی خدمت میں پہنچیں وہ حضور کے لئے خوشی کا موجب ہوں۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا نوٹ صدرِ مجلس نے اِس اہم نکتہ کی طرف توجہ دلانے کے بعد حضرت مرزا بشیر احمد صاحب امیرِ مقامی کا رقم فرمودہ مندرجہ ذیل نوٹ پڑھ کر سُنایا:-

"حضرت صاحب کی بیماری میں جماعت پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوگئی ہے جماعت کو اس کا احساس ہونا چاہیئے۔ اپنے اندر تقویٰ پیدا کریں اور اندرونی اور بیرونی

؎ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶، ۱۷ طبع اوّل مطبوعہ مطبع میگزین قادیان۔ تاریخ اشاعت ۱۵؍ مئی ۱۹۰۷ء۔

فِتنوں کی طرف سے چوکس رہیں اور مرکز کو باخبر رکھیں۔

۲ - اِس شوریٰ میں صدر کا کام فیصلہ کرنا نہیں ہوگا بلکہ صرف اِنتظام قائم رکھنا اور شوریٰ کے مشورہ کو ریکارڈ کرنا ہوگا۔

۳ - اگر کسی امر میں شوریٰ کا مشورہ صدر انجمن احمدیہ کی تجویز کے مطابق ہوگا تو وہی آخری فیصلہ سمجھا جائے گا کیونکہ حضرت صاحب کی موجودہ صحت کی حالت میں حضور کے سامنے زیادہ امور پیش کرنے مناسب نہیں لیکن اگر شوریٰ نے کسی امر میں صدر انجمن احمدیہ سے اِختلاف کیا اور صدر انجمن اپنی رائے پر مُصِر رہی تو پھر حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کر کے آخری فیصلہ کے لئے کوئی بورڈ تجویز کرا لیا جائے گا یا اگر حضور کی صحت میں افاقہ ہؤا تو حضور سے مناسب رنگ میں اِستصواب کر لیا جائے گا۔

۴ - اصلی معاملہ اِس سال کے ایجنڈے میں بجٹ کا ہے باقی امور معمولی ہیں بجٹ پر اچھی طرح غور ہونا چاہیئے اور نیّت خالصتہً اِصلاح اور جماعت کے کاموں میں بہتری کی رکھنی چاہیئے۔ چونکہ ایک سرسری نظر سے حضرت صاحب بھی انجمن کے بجٹ کو دیکھ چکے ہیں اِس لئے کوشش ہونی چاہیئے کہ موجودہ حالات میں خرچ میں کوئی اضافہ نہ ہو سوائے کسی اشد ضروری امر کے، ایسی اشد ضروری صورت میں بالمقابل تعیّن، اضافہ آمد کا بھی ضرور تجویز ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ اہلِ شوریٰ اور جماعت کا حافظ و ناصر ہو اور انہیں راستی اور رسداد کی طرف رہنمائی فرمائے۔“ [1]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب امیرِ مقامی کے اِس نوٹ کے سُنائے جانے کے بعد ایجنڈا کے مطابق باقاعدہ کارروائی شروع ہوئی اور دو سب کمیٹیوں کا تقرر عمل میں آیا۔ ایک سب کمیٹی بیت المال و تحریک جدید کی تھی اور دوسری دعوۃ و تبلیغ و بہشتی مقبرہ

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت منعقدہ ۷ تا ۹ اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۱-۳ ؎

کی پہلی کمیٹی ستائیس[۲۷] نمائندوں پر اور دوسری بیس[۲۰] پر مشتمل تھی۔

حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام

مجلس مشاورت کا دوسرا اجلاس ۸۔اپریل بعد دوپہر دو[۲] بجکر چالیس منٹ پر شروع ہوا۔ تلاوتِ قرآن کریم کے بعد جو حضرت ماسٹر فقیر اللہ صاحب نے کی صدرِ مجلس نے سب سے پہلے لمبی دُعا کرائی اور پھر حضرت مصلح موعودؓ کا وہ تازہ پیغام نمائندگان کو پڑھ کر سُنایا جو حضورؓ نے کراچی سے خاص طور پر اِس موقع کے لئے ارسال فرمایا تھا۔ اِس قیمتی پیغام کا متن درج ذیل ہے:-

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ——— نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّـــــــاصِرُ

احبابِ جماعتِ احمدیہ! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

پہلی بات تو مَیں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ شوریٰ میری غیر حاضری میں آ رہی ہے۔ پہلے سال مَیں بوجہ زخم کے شوریٰ میں پُورا حصّہ نہیں لے سکا اِس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشق کروا دی مگر مَیں محسوس کرتا ہوں کہ ابھی آپ لوگوں میں اِتنی طاقت نہیں پیدا ہوئی کہ میری غیر موجودگی میں اپنی ذمّہ داری پر پُورا کام کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ایسی طاقت بھی پَیدا کر دے اور مجھے بھی ایسی صحت بخشے کہ آپ سے مِل کر اسلام کی فتح کی بنیادیں رکھ سکوں۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے پچھلے چند دنوں سے میری طبیعت زیادہ خراب ہونے لگ گئی تھی مگر دو[۲] دنوں سے پھر بحالی کی طرف قدم جلدی جلدی اُٹھ رہا ہے چنانچہ اِس وقت بھی کہ مَیں یہ پیغام لکھوا رہا ہوں مَیں کمرہ میں ٹہل رہا ہوں اور میرے قدم آسانی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ پہلے جو بیماری کے حملہ کے بعد دماغ خالی خالی معلوم ہوتا تھا کل سے وقفہ وقفہ کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میں بھی نیک تغیّر پیدا ہو رہا ہے اور مَیں بعض اَوقات محسوس کرتا ہوں کہ مَیں سوچ سکتا ہوں اور نہ پچھلے

واقعات کا تسلسل میرے دماغ میں شروع ہو جاتا ہے بلکہ کراچی آتی دفعہ ریل میں ایک سُورۃ میرے دماغ میں آئی جس کے بعض حصّے لوگوں سے اَب تک حل نہیں ہو سکے تھے اور باوجود بیماری کے اس سُورۃ کی شرح و بسط مَیں نے کرنی شروع کی اور وہ تفسیر عمدگی کے ساتھ حل ہونی شروع ہوئی۔ تب مَیں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے خدا! ابھی دُنیا تک تیرا قرآن صحیح طور پر نہیں پہنچا اور قرآن کے بغیر نہ اسلام ہے نہ مسلمانوں کی زندگی۔ تُو مجھے پھر سے توفیق بخش کہ مَیں قرآن کے بقیہ حصّہ کی تفسیر کر دوں اور دُنیا پھر ایک لمبے عرصے کے لئے قرآن شریف سے واقف ہو جائے اور اس پر عامل ہو جائے اور اس کی عاشق ہو جائے۔ بہرحال آج میری طبیعت پچھلے چند دن سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہے کچھ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ سفر کی پریشانیاں جو پیدا ہو رہی تھیں وہ دُور ہو رہی ہیں۔ پچھلے دنوں اختر صاحب اور مشتاق احمد صاحب باجوہ جو کام کے لئے جاتے رہے تو اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے یہ نہیں سمجھتے تھے کہ فوراً رپورٹ نہ پہنچی تو مجھے صدمہ ہوگا۔ دو چار دن کے تجربہ کے بعد مَیں نے خود اس بات کو محسوس کر لیا ہے اور انہیں ہدایت کر دی کہ جب وہ باہر جایا کریں تو ایک زائد آدمی لیکر جایا کریں اور اسے اس وقت کی رپورٹ دے کر میرے پاس بھجوا دیا کریں تاکہ مجھے پتہ لگتا رہے جب سے اس پر عمل ہؤا ہے میری گھبراہٹ اور پریشانی دُور ہونی شروع ہو گئی اور اب خدا تعالیٰ کے فضل سے طبیعت میں سکون ہے۔ خدا نے یہ بھی فضل کیا کہ جہاز کے ٹکٹوں کے ملنے کے غیر معمولی سامان ہو گئے اور ایکسچینج کے ملنے کے سامان بھی پیدا ہو گئے۔ اِس موقع پر اسلامی ممالک[1] کے بعض نمائندوں نے غیر معمولی شرافت کا ثبوت دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اِن کے ملکوں کو عزّت اور ترقّی بخشے۔ اِس واقعہ سے طبیعت میں اَور بھی زیادہ سکون پیدا ہؤا

---

[1] سہواً ملک چھپ گیا۔

اور پریشانی دُور ہوئی۔ خدا کرے کہ مسلمانوں میں پھر سے اتحاد پیدا ہوجائے اور پھر سے وہ گذشتہ عروج کو حاصل کرنے لگ جائیں اور اسلام کے نام میں وہی رعب پیدا ہوجائے جو آج سے ہزار بارہ سَو سال پہلے تھا مَیں اس دن کے دیکھنے کا متمنی ہوں اور ہروقت اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہوں۔ جب سعودی، عراقی، شامی اور لبنانی، ترک، مصری اور یمنی سو رہے ہوتے ہیں اور مَیں ان کے لئے دعا کررہا ہوتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ دعائیں قبول ہوں گی خدا تعالیٰ ان کو پھر ضائع شدہ عروج بخشے گا اور پھر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قوم ہمارے لئے فخر و مباہات کا موجب بن جائے گی۔ خدا کرے جلد ایسا ہو۔

مَیں شوریٰ میں آنے والے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ سنجیدگی سے بجٹ اور دوسری باتوں پر غور کریں۔ اِس سال دس بارہ دن لگا کر مَیں نے خود بجٹ کو حل کیا ہے اِس لئے بجٹ میں دوستوں کو زیادہ تبدیلی نہیں کرنی چاہیئے۔ میرا خیال ہے کہ میری بیماری کا موجب وہ محنت بھی تھی جو تحریک اور انجمن کے بجٹوں کو ٹھیک کرنے کے لئے مجھے کرنی پڑی۔ مَیں تو بیمار ہوگیا مگر میری محنت کئی سال تک آمد و خرچ کے توازن کو ٹھیک کردے گی۔

اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو اور آپ کو ان فرائض کے پُورا کرنے کی توفیق دے جن کا آپ وعدہ کرچکے ہیں اور جن کے بغیر جماعت کی ترقی ناممکن ہے۔"[1]

شوریٰ کی کارروائی

اِس ایمان افروز اور اثر انگیز پیغام کے بعد مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور سیکرٹری مجلس مشاورت نے حضرت مصلح موعودؓ کی وہ ہدایات پڑھ کر سُنائیں جن کے تحت اِس مشاورت کا اِنعقاد جناب مرزا عبدالحق صاحب کی زیرِ صدارت عمل

---

[1] "رپورٹ مجلس مشاورت" منعقدہ ۷تا۹۔اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۷-۹

میں آیا۔ ازاں بعد حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ نے مجلس مشاورت ۱۹۵۴ء کے فیصلوں کی تعمیل پر مشتمل مفصل رپورٹ سنائی۔ آپ کے بعد سیکرٹری مجلس مشاورت نے رپورٹ اضافہ بجٹ ۵۵-۱۹۵۴ء پڑھ کر سنائی۔ یہ رپورٹ سنائی جا چکی تو صدرِ مجلس کی ہدایت پر حضرت مولوی محمد دین صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ سٹیج پر تشریف لائے اور سب کمیٹی نظارت دعوۃ و تبلیغ و بہشتی مقبرہ کی رپورٹ پیش فرمائی جس میں ایجنڈا کی تین تجاویز زیرِ غور آئیں :۔

۱۔ اُمراء اور مبلغین کے باہمی تعلقات۔

۲۔ پروگرام جلسہ سالانہ میں تغیّر و تبدّل۔

۳۔ بہشتی مقبرہ میں کسی علیحدہ قطعے کا میاں اور بیوی کے لئے مخصوص کیا جانا۔

اِس اجلاس میں سب کمیٹی اور نمائندگان کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز پہلی تجویز رہی جس کے دَوران صدر انجمن احمدیہ کا قاعدہ ۱۹۳۵ء ۶۸۱-الف اور حضرت مصلح موعودؓ کا ارشادِ مُبارک مطبوعہ اخبار الفضل ۲۶ مارچ ۱۹۴۹ء خاص طور پر پیش کیا گیا۔ اِن ہر دو کی عبارت ذیل میں نقل کی جاتی ہے :۔

نقل قاعدہ ۶۸۱ الف صدر انجمن احمدیہ

”جب کسی مبلغ کو مرکز کی طرف سے کسی جگہ مقرر کیا جاوے یا بھیجا جاوے تو وہ مرکز کا نمائندہ ہوگا اور اس کے فرائض میں یہ بھی شامل ہوگا کہ وہ مقامی کارکنوں کو مرکز کی ہدایات کی طرف توجہ دلائے لیکن اس کا فرض ہوگا کہ حتی الوسع مقامی امیر یا پریذیڈنٹ سے مشورہ کر لیا کرے۔ اگر مبلغ کسی مقامی عہدیدار کے طریقِ کار کو قابلِ اِصلاح سمجھے تو اسے چاہیئے کہ مقامی امیر یا پریذیڈنٹ کے واسطہ سے اِصلاح کرائے مبلغ کو حق ہوگا کہ مقامی انجمن یا مجلس میں حاضر ہو کر مشورہ میں شریک ہو مگر وہ ووٹ نہیں دے سکتا۔ اگر مبلغ اور امیر یا پریذیڈنٹ میں اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ مرکز کی طرف سے ہوگا۔ مبلغ کو ہر قسم کی مقامی پارٹی بازی سے مجتنب رہنا ہوگا۔ خاص حالات میں کسی بڑی اور اہم جماعت کے متعلق ناظر دعوۃ و تبلیغ کو اختیار ہوگا کہ مبلغ کو یہ ہدایت دے کہ وہ مقامی امیر یا پریذیڈنٹ کی ہدایات کے

ماتحت کام کرے۔"[1]

ارشادِ مُبارک حضرت مصلح موعودؓ

"سِلسلہ جن کو نمائندہ بنا کر بھیجے مقامی جماعت کے وہ لوگ جن کی آمدنیاں زیادہ ہوں وہ اس کو ملّانوں کی سی حیثیت دے دیں اور وہ ماتحت کی حیثیت میں رہے غلط بات ہے اسے ہم کبھی برداشت نہیں کریں گے۔ جو ہمارا نمائندہ ہو کر جائے گا وہی افسر ہوگا دوسرا خواہ لاکھ روپے کماتا ہو وہ اس کا ماتحت ہوگا۔ کمائی کی وجہ سے اپنے آپکو بڑا سمجھنا ویسی ہی بات ہے جیسے عبداللہ بن ابی سلول نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا تھا کہ مدینہ کا معزز ترین شخص ذلیل ترین شخص کو مدینہ سے نکال دے گا۔ بہرحال سلسلہ کا نمائندہ دُنیوی دولت مندوں سے زیادہ معزز ہے اور مقامی لوگوں کو اس کا ادب اور احترام کرنا ہوگا اگر وہ نہیں کریں گے تو فتنہ کا موجب ہوں گے اور اپنے کئے کی سزا پائیں گے۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ ہمارا نمائندہ غلطی نہیں کر سکتا اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نمائندے سے پُرسش نہیں ہوگی وہ غلطی بھی کر سکتا ہے اور پُرسش بھی ہوگی اور اس کے جُرم کے مطابق اسے سزا دی جائے گی لیکن سب کچھ آئین کے مطابق ہوگا افراد کو کوئی حق نہیں کہ اپنا فیصلہ کر کے حکومت جتانا چاہیں اِسلام ناواجب حکومت کے بھی خلاف ہے اور وہ نشوز کے بھی خلاف ہے ..."[2]

حضرت مولوی محمد دین صاحب نے سب کمیٹی کی رپورٹ میں صدر انجمن احمدیہ کے مندرجہ بالا قاعدہ اور ارشاد حضرت مصلح موعودؓ کا خاص طور پر ذکر کیا۔ اِن ہر دو تحریرات کے سُنائے جانے کے بعد سب کمیٹی میں کُھل کر تبادلۂ خیالات ہؤا جس میں متعدد ممبروں نے حصّہ لیا۔ اِس سلسلہ میں چوہدری انور حسین صاحب بی۔ اے، ایل ایل۔ بی وکیل و امیر شیخوپورہ نے اِس امر کی تائید کی کہ مبلّغین حسبِ دستور مرکز کے ماتحت ہی رہنے چاہئیں کیونکہ اوّل تو تمام جماعتوں کی تعلیمی استعداد

---

[1] "رپورٹ مجلس مشاورت" منعقدہ ۷ تا ۹ اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۴

[2] الفضل ۲۶ مارچ ۱۹۴۹ء صفحہ ۲

ایک جیسی نہیں ہوتی پھر جماعتوں کے رُجحانات الگ الگ ہوتے ہیں اِس طرح اگر الگ الگ افراد وجماعتوں کے رحم وکرم پر مبلّغین چھوڑ دیئے جائیں تو تبلیغ کی پالیسی کی یکسانیت ٹوٹ جاتی ہے بعض جگہوں میں ابھی تک مبلّغین کے علمی مقام اور نمائندہ مرکز کی حیثیت کا وہ اِحساس نہیں جیساکہ ہونا چاہیئے مبلّغ کے اِحترام کے پیشِ نظر اس کا مرکز کے ماتحت ہی براہِ راست رہنا ضروری ہے۔

مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ نے فرمایا کہ قاعدہ صدر انجمن ۱۶۸ الف اور ارشادِ حضور نہایت واضح ہیں اِن میں تمام مشکلات کا حل موجود ہے اور ہر مبلّغ کی حیثیت بمقابلہ امراء وضاحت سے بیان کی گئی ہے اس میں کسی قِسم کی تبدیلی کی ضرورت نہیں جن مشکلات کا ذکر کیا گیا ہے وہ مرکز کی طرف رجوع کرنے سے حل ہوسکتی ہیں اِس لئے مبلّغ کی حیثیت برقرار رکھنی چاہیئے اور وہ مقامی جماعت کا رُوحانی اُستاد ہونے کی وجہ سے یہ حق رکھتا ہے کہ اس کی پوزیشن بالا رہے۔

مولوی احمد خاں صاحب نسیمؔ نے فرمایا کہ جو مبلّغ امیرِ مقامی اور جماعت سے تعاون ومشورہ سے کام نہ لے اُن کو وہ مبلّغ نہیں سمجھتے۔ اُن کو اِس امر پر زور دینے کی ضرورت اِس وجہ سے بھی محسوس ہوئی کہ بعض ممبروں کا اِن کی طرف بھی اشارہ اِن کو محسوس ہوا مگر انہوں نے وضاحت فرمائی کہ اگر کبھی اِن کے دَورہ میں رکاوٹ پیدا ہوئی تو وہ بجٹ کے ختم ہوجانے کی وجہ سے اور مقامی جماعت کے پاس فنڈز کی قِلّت کی وجہ سے۔ وَالّا وہ ہمیشہ مشورہ اور تعاون سے کام کرنے کے عادی ہیں۔

بالآخر مولانا ابوالعطاء صاحب نے اپنی اِخلاص سے پُر تقریر کے ساتھ تمام احباب کی توجہ اِس طرف مبذول کروائی کہ مبلّغ خواہ کیسا ہی نوجوان ہو اس کی پوزیشن ایک رُوحانی اُستاد معلّم اور رہنما کی ہوتی ہے احبابِ جماعت جس قدر اس پوزیشن کو اعلیٰ اور ارفع بنائیں گے اسی قدر اس کے کام میں برکت ہوگی اور دوسروں کی نظروں میں بھی اور اپنوں کی نظروں میں اس کا احترام و اَدب پیدا ہوگا اور اتنی ہی اس کے الفاظ میں برکت ہوگی اور اگر اس کو ایک معمولی کارندہ اور مُلّا کی حیثیت دی جائے گی تو وہ اپنے کام میں ناکام رہے گا۔

اس کے بعد حضرت مولوی محمد دین صاحب نے بتایا کہ انہوں نے سب کمیٹی کے صَدر

حضرت قاضی محمد یوسف صاحب امیر سرحد کی اجازت سے نظارت اِصلاح و ارشاد کے طریق کار کی وضاحت کی اور مختصر لفظوں میں کہا کہ ابھی تک دستور اور طریق یہ ہے کہ حضور خود مبلّغ کا تقرر و تعیین فرماتے ہیں خود مبلّغ کو علیحدہ اور اکٹھے ہدایات دیتے ہیں پروگرام تمام مبلّغوں کے لئے حضور خود مجموعی اور انفرادی طور پر تجویز فرماتے ہیں اور پھر تمام مبلّغوں کی رپورٹوں پر خود تنقید فرماتے ہیں۔ مبلّغوں کا تقرر و تبدّل حضور کے حکم سے ہوتا ہے پھر ان مبلّغین کا انتخاب اِن لوگوں میں سے ہوتا ہے جو انٹرنس پاس کر کے چار سال میں مولوی فاضل پاس کرتے ہیں اور دیگر دینی علوم حاصل کرتے ہیں اس کے دو اڑھائی بلکہ اب تو ساڑھے تین سال جامعۃ المبشّرین میں لگاتے ہیں اور جامعۃ المبشّرین کی تعلیم و کورس اور اِمتحان تمام حضور کی نظروں کے ماتحت ہوتے ہیں وقتاً فوقتاً حضور ہدایات جاری فرماتے ہیں۔ اِس طرح سے یہ مبلّغین ۲۰ سال سے اُوپر اور ۲۵ سال تک تعلیم حاصل کرنے پر اور اب اس کے بعد مزید دو سال کی ٹریننگ کے بعد پھر ان کو پہلے بطور ماتحت مبلّغ کے لگایا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اِن مبلّغین کی تعلیم و تربیت پر کس قدر وقت اور روپیہ صَرف ہوتا اور دماغ سوزی کی جاتی ہے باوجود اِن باتوں کے غلطیاں ہوتی ہیں تو اِن کی اِصلاح ہوتی رہتی ہے۔ غلطی پر پُرسش اور پُرسش سے زیادہ تعزیری کارروائی تک کی جاتی ہے۔ مبلّغین کو ہدایات دی جاتی ہیں کہ وہ حتّی الوسع اپنے پروگرام مقامی جماعت کے امیر کے مشورہ سے تیار کر کے مرکز سے منظوری لے لیں نیز صیغہ نے تمام ممبران کو یقین دلایا کہ جس قدر بے قاعدگیاں دفتر کے نوٹس میں آتی رہتی ہیں اِن کا ازالہ کیا جاتا ہے احباب کو چاہیئے کہ مرکز کو وقتاً فوقتاً باخبر رکھتے رہیں۔ اِس پر تمام احباب نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ موجودہ طریقِ کار منظور کردہ صدر انجمن احمدیہ ۶۸۱ الف اور مضمون مندرجہ الفضل ۲۶ مارچ ۱۹۴۹ء ہی صحیح ہے اس میں کسی تغیّر کی ضرورت نہیں ہاں رخصت کا علم اور پروگرام کے تجویز کرنے میں حتّی الوسع مقامی جماعت کے مشورہ اور علم کو ملحوظ رکھا جائے۔"[1]

حضرت مولوی صاحب نے اپنی رپورٹ کے آخری حصہ میں جلسہ سالانہ کے پروگرام کی نسبت

---

[1] "رپورٹ مجلس مشاورت" (منعقدہ ۷ تا ۹ اپریل ۱۹۵۵ء) صفحہ ۲۰، ۲۱

سب کمیٹی کی یہ رائے بتائی کہ جلسہ ۱۹۵۴ء کا پروگرام ہی صحیح ہے۔

جہاں تک میاں بیوی کے لئے بہشتی مقبرہ میں ایک قطعہ کے مخصوص کئے جانے کا معاملہ تھا اُس پر سب کمیٹی کی رائے یہ تھی کہ الگ قطعہ کی ضرورت نہیں۔

سب کمیٹی دعوۃ و تبلیغ و بہشتی مقبرہ کی رپورٹ پر تفصیلی بحث و تمحیص ہوئی جس کی تفصیل مشاورت کی مطبوعہ رپورٹ میں درج ہے۔

مشاورت کا آخری دن

مشاورت کے تیسرے اور آخری روز کی کارروائی ۹ر اپریل کو ساڑھے سات بجے صبح اجتماعی دُعا کے ساتھ شروع ہوئی جس میں بابو محمد عبداللہ صاحب ناظر بیت المال نے سب کمیٹی بجٹ شوریٰ بابت ۱۹۵۵-۵۶ء کی رپورٹ پیش کی۔ اِس سب کمیٹی کا اجلاس ڈاکٹر محمد عبدالحق صاحب لاہور کی زیرِ صدارت منعقد ہوا تھا۔ سب کمیٹی نے میزانیہ صدر انجمن احمدیہ و تحریکِ جدید کا جائزہ لیا اور سٹینڈنگ فنانس کمیٹی کی جملہ سفارشات اور ترمیمات اور دونوں بجٹوں کے منظور کئے جانے کی سفارش کی۔

سب کمیٹی کی اِس رپورٹ کے بعد بجٹ پر عمومی بحث ہوئی اور بالآخر نمائندگانِ شوریٰ نے بالاتفاق سفارش کی کہ صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید کے بجٹ جس شکل میں سب کمیٹی کی طرف سے پیش کئے گئے ہیں اُنہیں منظور کر لیا جائے۔ ازاں بعد سات ممبران پر مشتمل ایک کمیشن کا تقرر کیا گیا جس کے اغراض و مقاصد میں یہ تھا کہ وہ صدر انجمن احمدیہ کے کاموں کا جائزہ لے اور انجمن کے پنشنرز اور کارکنوں کے حقوق اور مفاد کے بارہ میں تحقیقات کر کے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمتِ اقدس میں اپنی رپورٹ پیش کرے۔

نمائندگانِ مجلسِ شوریٰ کے سامنے بالآخر ایجنڈا کی تجاویز میں سے آخری تجویز یہ زیرِ غور آئی کہ مجلسِ شوریٰ میں صدر انجمن احمدیہ کے نمائندوں کی تعداد کو بیس ۲۰ سے بڑھا کر پچیس ۲۵ کر دیا جائے۔ نمائندگان کی اکثریت نے اِس تجویز کے حق میں رائے دی۔

اختتام

اِس کے بعد صدرِ مجلس مرزا عبدالحق صاحب نے مختصر اختتامی تقریر کی جس میں فرمایا کہ اِس سال مجلس مشاورت میں نہایت درجہ افسردگی رہی ہے۔ حضور کی تقاریر اور ہدایات سے ہماری رُوحیں جو تازگی حاصل کرتی تھیں اِس دفعہ ہم اُن سے محروم رہے ہیں۔ اِن درد بھرے

الفاظ کے بعد (جو ہر احمدی کے دلی جذبات کی ترجمانی کر رہے تھے) آپ نے حضرت مصلح موعودؓ کے سفر کے بابرکت ہونے اور حضور کی کامل و عاجل شفایابی کے لئے دُعا کی تحریک کی اور اس سلسلہ میں جماعت کو مالی قربانی کی طرف بھی توجہ دلائی اور اجتماعی دُعا کے ساتھ شوریٰ کے اختتام کا اعلان کیا۔

بالآخر یہ بتانا ضروری ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ نے مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء میں یہ اعلان فرمایا تھا کہ:۔

"اسلامی اصولِ شریعت کے مطابق کسی امر کے فیصلہ کا حق خلیفہ کو ہی ہے دوسروں کا کام مشورہ دینا ہے۔ پس مجلس مشاورت کوئی فیصلہ نہیں کرتی بلکہ مشورہ دیتی ہے فیصلہ خلیفہ کرتا ہے۔"

اِس ارشاد کی تعمیل میں پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے مجلسِ شوریٰ کی سفارشات حضور کی خدمت میں بغرض منظوری پیش کرنے کے لئے عرض کیا تو حضور نے فرمایا

اِن سب امور کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں جس کے متعلق ناظر صاحب اعلیٰ سمجھیں کہ میرے فیصلہ کے لئے پیش کرنا ضروری ہے اسے پیش کر دیں۔

جہاں تک میزانیہ کا تعلق تھا حضور اُس کی منظوری پہلے ہی عطا فرما چکے تھے۔[۱]

مشرقی پنجاب میں صداقتِ احمدیت کا ایک نشان

"داغِ ہجرت" کے عظیم سانحہ کے بعد متعدد نشانات احمدیت کی تائید میں قادیان اور اس کے گرد و نواح میں ظاہر ہوئے جن کی وجہ سے مخالفانہ ماحول بہت حد تک سازگار فضا میں تبدیل ہوا اور درویشانِ قادیان کی مشکلات میں بھی نمایاں کمی ہوئی۔ اِس سلسلہ میں ۱۹۵۵ء کے وسط میں ایک ایمان افروز نشان ظاہر ہوا جس سے پتہ چلتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کِس طرح احمدیت کی تائید و نصرت کے لئے جوش زن ہے۔

ذیل میں اِس نشان کی تفصیل مولوی برکات احمد صاحب راجیکی بی۔ اے ناظر بیت المال قادیان

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۵ء۔

کے قلم سے درج کی جاتی ہے:۔

"گورداسپور میں ایک معزز ہندو دوست دیوان کیدار ناتھ صاحب قیام پذیر ہیں وہ تقسیمِ ملک کے بعد ضلع سیالکوٹ سے آکر بطور پناہ گزین کے گورداسپور میں مقیم ہوئے۔ قادیان کے بعض احمدی دوستوں سے اُن کے اچھے مراسم ہیں۔ ایک عرصہ کی بات ہے کہ اُن کو کسی دوست سے اِتفاقاً حضرت مسیح موعود کا فوٹو مل گیا جو انہوں نے اپنے رہائشی مکان کے ایک کمرہ میں آویزاں کر لیا۔ دو ماہ پیشتر وہ بعارضہ وجع المفاصل GOUT سخت بیمار ہو گئے۔ ان کے گھٹنے اور پاؤں میں ورم ہو گیا اور ہر وقت شدید درد رہنے لگا۔ انہوں نے سول ہسپتال گورداسپور اور بعض اَور ماہر ڈاکٹروں سے علاج کروایا ہر قسم کی اَدویہ اور ٹیکے استعمال کئے مگر آرام نہ ہُوا۔

ایک دن جب وہ شدّتِ درد سے بہت بے چین تھے تو حضرت اقدس .... کے فوٹو کی طرف مُنہ کر کے انہوں نے نہایت تضرّع سے دعا کی ابھی وہ دُعا کر ہی رہے تھے کہ ان کو زور سے آواز آئی:۔

"تمہارا عِلاج قادیان میں ہے"

اِس غیبی آواز کے سُننے کے بعد اُن کو یہ یقین ہو گیا کہ قادیان ہی میں جا کر ان کو افاقہ ہو گا چنانچہ وہ اپنے ایک پڑوسی کے سہارے قادیان پہنچے اور اپنی بیماری کی تفصیل اور قادیان آنے کی وجہ بیان کی چنانچہ مکرمی ڈاکٹر بشیر احمد صاحب انچارج احمدیہ شفاخانہ نے ان کا علاج شروع کر دیا ابھی علاج کرتے ہوئے دو دن ہوئے تھے کہ اُن کا درد جاتا رہا اور چند دن میں ورم بھی اُتر گیا اور وہ جلد ہی تقریباً شفایاب ہو کر واپس گورداسپور تشریف لے گئے۔ اِس واقعہ کا ذکر وہ اکثر لوگوں سے کرتے رہتے ہیں کہ کس طرح ان کی شدید بیماری قادیان اور اس کے درویشوں کی برکت سے دُور ہوئی اور کس طرح غیبی آواز نے اُن کو قادیان جا کر علاج کروانے کی طرف رہنمائی کی۔ اِس واقعہ کا بفضلہٖ تعالیٰ عام پبلک پر بہت خوشگوار اثر ہُوا ہے۔"[1]

---

[1] روزنامہ الفضل یکم جولائی ۱۹۵۵ء (یکم وفا ۱۳۳۴ہش) صفحہ ۳، ۴

فصلِ دوم

حضرت امّاں جی صغریٰ بیگم صاحبہؓ کی المناک وفات

جماعتِ مومنین کے لئے اپنی رُوحانی والدہ حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم کی رحلت[1] کا المناک اور دردانگیز صدمہ ابھی تازہ ہی تھا کہ حضرت امّاں جی صغریٰ بیگم صاحبہ (حرم حضرت خلیفۃ المسیح اوّل مولانا نورالدینؓ) بھی ۶، ۷ اگست ۱۹۵۵ء کی درمیانی شب کو ربوہ میں اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملیں انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون۔

یہ خبر سُنتے ہی امیر مقامی حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔ اے، صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب (ناظر اعلیٰ) اور خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے دیگر معزز ارکان کے علاوہ بزرگانِ سلسلہ اور احباب میاں عبدالمنان صاحب عمرؔ کے کوارٹر پر پہنچ گئے جہاں انہوں نے زندگی کے آخری ایام گذارے تھے۔ صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید کے دفاتر بند کر دئے گئے۔

حضرت مصلح موعودؓ کا برقیہ

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ اُن دنوں لندن میں قیام فرما تھے حضور کی خدمتِ اقدس میں اس حادثہ کی اطلاع دی گئی تو آپ کی طرف سے تعزیّت کا حسبِ ذیل تار موصول ہوُا:۔

"امّاں جی کی وفات کی خبر سُن کر بہت افسوس ہوُا۔ تمام خاندان تک میری طرف سے تعزیّت کا پیغام پہنچا دیں۔ خدا تعالیٰ ان کی رُوح کو بلند درجات عطا فرمائے۔ ان کو صالحہ بیگم صاحبہ (اہلیہ میر محمد اسحٰق صاحب مرحوم) کی قبر کے ساتھ دفن کیا جائے۔

مرزا محمود احمد"[2]

---

[1] تاریخ وفات ۲۰، ۲۱ اپریل ۱۹۵۲ء۔

[2] (ترجمہ) "الفضل" ۱۰ ظہور ۱۳۳۴ہش / ۱۰ اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔

حضرت اماں جی کو جس پانی سے غسل دیا گیا اس میں آبِ زمزم شامل تھا اور غلافِ کعبہ کے بابرکت کپڑے سے آپ کا کفن تیار کیا گیا۔ ساڑھے پانچ بجے شام آپ کا جنازہ تابوت میں رکھ کر باہر لایا گیا اس وقت تک بیرونی مقامات مثلاً سرگودھا، لائل پور (فیصل آباد)، جھنگ، شیخوپورہ، اور لاہور کی جماعتوں کے احباب خاصی تعداد میں پہنچ چکے تھے۔

پونے چھ بجے شام مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ نے ریلوے لائن کے سامنے کھلے میدان میں نمازِ جنازہ پڑھائی جس میں ہزار ہا افراد نے شرکت کی۔ نمازِ جنازہ کے بعد تابوت موصیوں کے قبرستان میں لے جانے کے لئے اُٹھایا گیا جس چارپائی پر تابوت رکھا گیا اس کے ساتھ لمبے بانس باندھے گئے تھے۔ سوا چھ بجے جنازہ قبرستان میں پہنچا۔ تابوت کو قبر میں اُتارنے میں جن بزرگوں نے حصّہ لیا ان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اصحاب کے علاوہ ربوہ میں مقیم بعض بیرونی ممالک مثلاً انڈونیشیا، مشرقی افریقہ اور ٹرینیڈاڈ کے احمدی طلباء بھی شامل تھے۔ پونے سات بجے شام آپ کے جسدِ خاکی کو حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایت کے مطابق بیگم صاحبہ حضرت سید محمد اسحٰق صاحب کے مزارِ مبارک سے متصل جگہ پر سپردِ خاک کر دیا گیا اور مکرم مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ ہی نے آخری اجتماعی دعا کرائی۔[1]

حالاتِ وشمائل

حضرت اماں جی لدھیانہ میں ۱۲۹۱ھ[2] (۷۵-۱۸۷۴ء) کے دَوران پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت صوفی احمد جان صاحب تھے جنہوں نے "براہین احمدیہ" پر شاندار تبصرہ شائع فرمایا۔ سیدنا حضرت مسیح موعود فرمایا کرتے تھے کہ سجادہ نشینوں میں سب سے پہلے انہوں نے مجھے مانا ہے[3] "ازالہ اوہام" صفحہ ۷۹۱ تا ۷۹۳ میں حضور نے نہایت قابلِ رشک

---

[1] الفضل ۹ اگست ۱۹۵۵ء / ۹ ظہور ۱۳۳۴ ہش صہ ۱ ؎

[2] حضرت پیر افتخار احمد صاحب فرماتے ہیں کہ آپ کی تاریخ پیدائش "والدہ عبدالسلام" ہے یعنی ۱۲۹۱ھ (رسالہ مصباح ربوہ ستمبر ۱۹۵۵ء صہ ۳)

[3] افتخار الحق صہ ۲۵۱ از حضرت پیر افتخار احمد صاحب۔ ناشر حکیم عبداللطیف صاحب شاہد تاجر کتب۔ ۱۴۳ مین بازار گوالمنڈی لاہور۔ وفات ۱۷ ربیع الاوّل ۱۳۰۳ھ لدھیانہ "گورغریباں" میں دفن کئے گئے مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد اوّل و دوم ؎

الفاظ میں اُن کا ذکر کیا اور تحریر فرمایا کہ :-

"اگرچہ حضرت موصوف اس عاجز کے شروع سِلسلہ بیعت سے پہلے ہی وفات پا چکے لیکن یہ امر اُن کے خوارق میں سے دیکھتا ہوں کہ انہوں نے بَیت اللہ کے قصد سے چند روز پہلے اِس عاجز کو ایک خط ایسے اِنکسار سے لکھا جس میں انہوں نے درحقیقت اپنے تئیں اپنے دِل میں سلسلہ بیعت میں داخل کر لیا۔"

حضرت امّاں جی صغریٰ بیگم کی شادی اپنے والد بزرگوار کے وصال کے بعد مارچ ۱۸۸۹ء میں ہوئی سیدنا حضرت مسیح موعود نے آپ کو حضرت مولانا نورالدین بھیروی کی زوجیّت کے لئے منتخب فرمایا اور جانبین کو تحریک فرمائی اور حضرت مولوی صاحب کی برات کے ساتھ لدھیانہ بھی تشریف لے گئے[1] پھر قادیان سے آپ کو بذریعہ مکتوب ارشاد فرمایا کہ :-

"آپ بھی دعا میں مشغول رہیں۔ نئی بیوی کی دِلجوئی نہایت ضروری ہے کہ وہ مہمان کی طرح ہے۔ مناسب ہے کہ آپ کے اَخلاق اس سے اوّل درجہ کے ہوں اور ان سے بے تکلّف مخالطت اور محبّت کریں اور اللہ جلّشانہٗ سے چاہیں کہ اپنے فضل و کرم سے ان سے آپ کی صافی محبّت تعشّق پَیدا کر دے کہ یہ سب امور اللہ جلّشانہٗ کے اختیار میں ہیں۔ اَب اس کے نکاح سے گویا آپ کی نئی زندگی شروع ہوئی ہے اور چونکہ اِنسان ہمیشہ کے لئے دُنیا میں نہیں آیا اِس لئے نسلی برکتوں کے ظہور کے لئے اب اِسی پیوند پر اُمیدیں ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کے لئے یہ بہت مبارک کرے۔ مَیں نے اِس محلہ میں خاص صاحبِ اسرار واقف لوگوں سے اِس لڑکی کی بہت تعریف سُنی ہے کہ بالطبع صالحہ، عفیفہ وجامع فضائل محمودہ ہے اس کی تربیت تعلیم کے لئے بھی توجہ رکھیں اور آپ پڑھایا کریں کہ اس کی استعدادیں نہایت عمدہ معلوم ہوتی ہیں اور اللہ جلّشانہٗ کا نہایت فضل اور احسان ہے کہ یہ جوڑ بہم پہنچایا ورنہ اس قحط الرّجال میں ایسا اِتفاق محالات

---

[1] "رجسٹر روایات" غیر مطبوعہ جلد ۷ صفحہ ۴، ۵ (از حضرت پیر افتخار احمد صاحب)
"حیاتِ احمد" جلد سوم صفحہ ۱۵ (از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی)

کی طرح ہے "۔[۱]

مارچ ۱۸۸۹ء کی بیعتِ اولیٰ کے دَوران آپ لدھیانہ میں تھیں اور جیسا کہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے لکھا ہے:۔

" حضرت امّاں جان (مَتَّعَنَا اللّٰہُ بِطُوْلِ حَیَاتِہَا) کے سوا وہ سب سے پہلی خاتون ہیں جن کو شرفِ بیعت حاصل ہوا۔ حضرت کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے رجسٹر میں ان کی تاریخ بیعت ۲۵۔مارچ ۱۸۸۹ء نمبر ۶۹ پر درج ہے"۔[۲]

حضرت مولانا نورالدین (خلیفۃ المسیح الاوّل) اگست ۱۸۹۱ء میں ریاست جموں کی ملازمت ترک کرنے کے بعد اپنے آبائی وطن بھیرہ میں تشریف لے آئے اور ۱۸۹۳ء کی پہلی سہ ماہی میں آپ مستقل طور پر ہجرت کر کے قادیان آ گئے تو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السّلام نے آپ کو مع اہل و عیال" الدّار" ہی میں جگہ دی اس کے بعد آپ کا مطب تیار ہوا اور پھر وہ مکان بنا جہاں اب مہمان خانہ کی قدیم عمارت ہے۔ حضرت مولانا نورالدین پہلے اس جگہ منتقل ہو گئے بعد ازاں آپ نے مطب[۳] کے شمالی جانب ڈھاب کے سامنے ایک وسیع مکان بنوایا اور پھر اسی مکان میں رہائش پذیر ہو گئے۔[۴] حضرت امّاں جی اُن خوش قسمت خواتین میں سے تھیں جنہیں حضرت مسیح موعودؑ کے زمانے میں ہی نظامِ الوصیّت سے وابستہ ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ نظارت

---

[۱] "مکتوباتِ احمدیہ" جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۶۷، ۶۸

[۲] "حیاتِ احمد" جلد سوم صفحہ ۱۵ (از حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی) مطبوعہ اسلامی پریس حیدرآباد دکن۔ اگست ۱۹۵۲ء۔

[۳] سلسلہ کے ان ابتدائی ایّام میں آپ کا مطب ہی بطور مہمان خانہ استعمال ہوتا تھا جہاں الدّار کے علاوہ آنے والے مہمان بکثرت قیام فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب (سابق مہتہ گورا ندتہ مل) پہلی بار وارد قادیان ہوئے تو آپ اسی مطب میں مقیم ہوئے تھے۔
(الحکم ۱۴ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۷)

[۴] "ذکرِ حبیب" از حضرت مفتی محمد صادق صاحب صفحہ ۸

بہشتی مقبرہ کے ریکارڈ کے مطابق آپ نے ۲۸۵ نمبر پر ۱۷ فروری ۱۹۰۸ء کو وصیت کی اور حصہ وصیت ۱/۳ مقرر کیا۔ آپ کا وصیت فارم ریکارڈ میں محفوظ ہے اور اس پر بطور گواہ آپ کے عالی مرتبت خاوند نیز حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ایڈیٹر الحکم اور حضرت شیخ غلام احمد صاحب واعظ کے دستخط ہیں۔

۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۴ء تک آپ نے قادیان کی احمدی مستورات کی علمی ترقی اور بیداری کے لئے قابلِ قدر مساعی کی جس کا ثبوت اس دَور کے اخبارات و رسائل ہیں جن میں آپ کی بعض تقاریر یا مضامین شائع ہوئے[۱]

حضرت مصلح موعود کے مبارک دَور میں آپ جلسہ سالانہ کے دَوران اپنے گھر کی ناظمہ کی حیثیت سے ۱۹۱۶ء سے لے کر ۱۹۴۶ء تک خواتین کی مہمان نوازی کا فریضہ بجالاتی رہیں[۲] علاوہ ازیں آپ کا مستورات کے پہلے سالانہ جلسہ پر خطاب کرنا بھی ثابت ہے[۳] فروری ۱۹۲۳ء کی تحریک برائے چندہ مسجد برلن میں آپ نے ایک سو روپیہ چندہ پیش کیا جس کا ذکر حضرت مصلح موعود نے اپنے ایک مضمون میں خاص طور پر فرمایا[۴]

آپ اُن خوش نصیب خواتین میں سے ہیں جنہیں ۱۹۳۹ء میں لوائے احمدیت کے لئے اپنے ہاتھ سے سُوت کاتنے کی توفیق عطا ہوئی[۵]

---

[۱] مثلاً بدر ۲۰ مئی ۱۹۰۹ء صفحہ ۶، ۱۷ جون ۱۹۰۹ء صفحہ ۹، الحکم ۲۱ جون ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۵، رسالہ "احمدی خاتون" قادیان جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۳۹، ۴۰۔

[۲] الفضل ۱۹/۲۲ دسمبر ۱۹۱۶ء صفحہ ۱۶، "مصباح" قادیان ۱۵ جنوری ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۴۔ تاریخ لجنہ اماء اللہ جلد اوّل صفحہ ۵۸۸ (مرتبہ حضرت اُمِّ متین سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ)

[۳] الفضل ۳ جنوری ۱۹۱۵ء صفحہ ۸۔

[۴] رسالہ "احمدی خاتون" قادیان فروری ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۶۔

[۵] تاریخ لجنہ اماء اللہ جلد ا صفحہ ۴۵۰۔ "روئداد جلسہ جوبلی" صفحہ ج (حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب درد ایم۔ اے سیکرٹری خلافت جوبلی) ناشر مینیجر بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان)

حضرت امّاں جی، خاندان حضرت مسیح موعودؑ کی خواتینِ مبارکہ کے ہمراہ ۲۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو قادیان سے ہجرت کر کے پاکستان میں تشریف لائیں اور پہلے لاہور اور پھر ربوہ میں قیام پذیر ہوگئیں۔

اولاد حضرت امّاں جی کے بطن سے حسبِ ذیل اولاد ہوئی:۔

میاں عبدالحی صاحب	(ولادت ۱۵ر فروری ۱۸۹۹ء۔ وفات ۱۱ر نومبر ۱۹۱۵ء)
امۃ الحی صاحبہ حرم حضرت مصلح موعود	(ولادت ار اگست ۱۹۰۱ء۔ وفات ۱۰ر دسمبر ۱۹۲۴ء)
میاں عبدالقیوم صاحب	(ولادت ۲۲ر ستمبر ۱۹۰۳ء۔ وفات ۱۲ر اگست ۱۹۰۵ء)
میاں عبدالسلام صاحب عمرؔ	(ولادت ۲۵ر دسمبر ۱۹۰۵ء۔ وفات ۲۵ر مارچ ۱۹۵۶ء)
میاں عبدالوہاب صاحب عمرؔ	(ولادت ۸ر فروری ۱۹۰۸ء۔ وفات ۲۰ر جون ۱۹۷۹ء)
میاں عبدالمنان صاحب عمرؔ	(ولادت ۱۹ر اپریل ۱۹۱۰ء)

تاثّرات ۱۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے آپ کے اِنتقال پر صاحبزادہ میاں عبدالمنان صاحب عمرؔ کے نام حسبِ ذیل تعزیتی مکتوب لکھا:۔

"عزیزم مولوی عبدالمنان صاحب عمرؔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ حضرت امّاں جی کا اِنتقال ہوگیا ہے۔ اِس خبر سے بے انتہا صدمہ ہوُا۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ پُرانے بزرگ آہستہ آہستہ گزرتے جاتے ہیں..... حضرت امّاں جی سے بھی مجھے بہت محبّت اور اُن کا خاص احترام تھا اور پھر جس باپ کی وہ بیٹی تھیں اس کی وجہ سے بھی خاص اثر تھا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو غریقِ رحمت کرے اور آپ سب کا حافظ و ناصر ہو۔"

۲۔ حضرت اُمّ مظفر صاحبہ (حرم حضرت مرزا بشیر احمد صاحب) نے اخبار الفضل[۱] میں لکھا کہ:۔

"حضرت امّاں جی مرحومہ بہت زندہ دل اور مہمان نواز تھیں۔ جب بھی میں اُنکے گھر جاتی تو وہ اِنتہائی محبت اور شفقت سے پیش آتیں اور چونکہ اُن کی اور میری ہر دو کی مادری زبان فارسی تھی اس لئے ہم دونوں نہایت بے تکلفی کے

---

[۱] الفضل ۹ر ظہور ۱۳۳۴ہش / ۹ر اگست ۱۹۵۵ء صا

ساتھ فارسی میں گفتگو کر کے اپنا دِل بہلاتے تھے ..... حضرت امّاں جی کا اندازِ گفتگو بھی بڑا دلچسپ اور بے تکلّفانہ ہوتا تھا۔

..... ہماری امّاں جان مرحومہ (یعنی حضرت سیّدہ نصرت جہاں نوّر اللہ مرقدہا) کے پاس حضرت امّاں جی کا بہت آنا جانا تھا۔ جب بھی وہ حضرت امّاں جان کے پاس آتیں یا حضرت امّاں جان اُن کے گھر جاتیں تو گویا محبّت و شفقت کے جذبات سے مجلس گرما جاتی تھی۔ حضرت امّاں جان کی زندہ دِلی اور مہمان نوازی اور شفقت اور غرباء پروری تو مشہور رہی ہے۔ حضرت امّاں جی بھی ان کے قدم پر بہت مہمان نواز اور شفیق اور غریب پرور تھیں۔" ؎۱

۳۔ صاحبزادہ میاں عبدالسلام صاحب عمؔر نے اپنے ایک مضمون میں حضرت امّاں جی کے اَخلاق وعادات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا:۔

"مہمان نوازی، یتیم اور نادار بچّوں کی پرورش، صِلہ رحمی، خلوص اور شکر گزاری، سادگی اور توکّل آپ کی سیرت کے نہایت ممتاز اور نمایاں پہلو تھے۔ آپ کے ان اوصافِ حمیدہ کی شہادت میں بے شمار واقعات آپ کے جاننے اور ملنے والوں کے دِل پر ثبت ہیں جن کی یاد کبھی بھی محو نہیں ہو سکتی۔

..... قادیان کی ساری زندگی میں عموماً آپ کا وسیع مکان ایک مستقل مہمان خانہ بنا رہتا تھا خصوصاً جلسہ سالانہ کے موقع پر سینکڑوں خواتین اور ان کے بچّے آپ کے ہاں بطور مہمان ٹھہرتے اور آپ سب کی مہمان نوازی اور آرام کا خیال ایسی محبّت، انہماک، محنت اور جوش کے ساتھ کرتیں کہ اس کی مثال ملنی محال ہے خصوصاً غرباء، ضعیف العمر، بیمار اور بچّے آپ کی توجّہ کا خاص مرکز بنے رہتے تھے۔ جلسہ کے ایّام میں بمشکل گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کچھ تھوڑا سا آرام فرما لیتی تھیں جس کا نام آرام رکھنا بھی شاید درست نہ ہو۔ ایّامِ جلسہ میں عموماً آپ اپنا بستر وغیرہ تو پہلے ہی کسی

؎۱ الفضل ۱۷ ظہور ۱۳۳۴ ہش / ۱۷ اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۲

ضرورت مند کے حوالہ کر دیتی تھیں لیکن جب دوبارہ اور سہ بارہ سخت سردی کی وجہ سے اور آپ کے آرام کے خیال سے بستر آپ کے لئے مہیا کیا جاتا تو وہ بھی کسی نہ کسی ضرورت مند کو اُڑھا دیتیں۔ بارہ ایک بجے رات تک ضعیفوں، بیماروں اور بچّوں کو کھلانے پلانے اور کپڑا اُڑھانے میں مصروف رہتیں۔ خود اکثر اپنے ہاتھ سے چاول وغیرہ تیار کروا کر تقسیم فرماتیں اور پھر تین چار بجے رات سے ہی اسی تیاری میں دوبارہ مصروف ہو جاتیں۔ ہر ایک مہمان سے نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتیں۔ غرض جہاں تک مہمان نوازی کا تعلق ہے آپکی ذات خود ایک مہمان خانہ تھی۔

یہاں ربوہ میں آ کر گو مکان وغیرہ میں اِس قدر وسعت نہیں تھی پھر بھی حالات کے مطابق مہمانوں کو اپنے پاس ٹھہرانے اور ان کی خاطر و مدارت کرنے میں بڑی خوشی محسوس کرتیں اور روزانہ آنے جانے والوں کی بھی کچھ نہ کچھ تواضع ضرور کرتی تھیں اور جب تک کچھ کھلا پلا نہ دیتیں تسلّی نہ ہوتی تھی۔

نادار اور یتیم بچّوں کی پرورش آپ کی زندگی کا محبوب ترین مشغلہ تھا کئی ایک یتیم اور نادار بچّوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت اپنے بچّوں کی مانند کرتیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے متعدد افراد موجود ہیں جو کامیاب اور مخلصانہ زندگیاں گزار رہے ہیں۔ ایسے بچّوں کی پرورش اپنے بچّوں کی طرح کرتیں یتیموں کی محبّت اور پرورش کا آپ کو اِس قدر خیال تھا کہ اس مرض الموت میں بھی جب مَیں نے دریافت کیا کہ کوئی خاص وصیت یا بات فرمانی ہو تو فرما دیں۔ کہنے لگیں کوئی خاص بات تو نہیں لیکن ہاں یہ یتیم بچی سعیدہ جو اَب میرے پاس ہے اس کو ضرور پڑھا دینا اور اس کی اچھی تربیت کرنا۔

..... تمام رشتہ داروں کا خاص خیال فرماتی تھیں اور ان کی خدمت کا جب موقع ملتا اِس فرض کو بڑی بشاشت اور خوش اسلوبی کے ساتھ ادا فرماتیں اور کہتی تھیں یہ میرے خاوند کے عزیز اور رشتہ دار ہیں۔ خود اپنے بھائیوں

اور بہن کی اولاد سے خاص محبت اور مروّت کا سلوک ہمیشہ فرماتی تھیں۔

جذبۂ خلوص اور شکر گزاری میں ایک منفردانہ شان کی حامل تھیں۔ اکثر فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے اگر کسی نے محبت سے پانی کا گھونٹ بھی پلایا ہے تو مجھے یہ بات نہیں بھولتی۔ جب بعض احباب یا خواتین کی خاص خاطر و مدارت فرماتیں تو اپنے بچوں سے بار بار کہتیں تمہیں معلوم نہیں انہوں نے تمہارے ساتھ کیسی کیسی نیکیاں کی ہیں اور ہمیشہ ان کے لئے دعائیں کرتی رہتی تھیں۔

اِس مرض الموت اور اس سے پہلے بھی مَیں اکثر یہ دریافت کرتا تھا کہ امّاں جی کوئی تکلیف یا فِکر تو آپ کو نہیں تو فرماتیں بالکل نہیں اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے۔۔۔۔۔

ہاں بے شک عمل کمزور ہیں مگر جس رحیم اور رحمان ہستی نے اِس دُنیا میں اتنے فضل فرمائے اس کی ذات سے یہ بھی یقین ہے کہ آخرت میں بھی اس کا رحم اور اس کی مہربانیاں میرے شاملِ حال رہیں گی۔

کِسی تکلیف یا گھبراہٹ کے وقت اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل توکّل رکھتیں اور کبھی مایوس نہ ہوتی تھیں اور فی الواقع اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ان کی ہر ضرورت کی تکمیل اپنے خاص فضل سے فرمائی اور اس کے بے شمار واقعات ہم نے اپنی آنکھوں سے روزمرّہ دیکھے کہ کسی خواہش یا ضرورت کا اِدھر اظہار کیا اُدھر اللہ تعالیٰ نے اس کو پُورا کر دیا۔ ساری عمر نہایت وقار، سیر چشمی اور قناعت کے ساتھ بسر کر دی۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ان کو ملتی رہتیں مگر وہ سب کچھ اس کی راہ میں تقسیم کر ڈالتیں اس آخری عمر میں اگر ہم ان کے جسمانی فرزند یا رُوحانی فرزند کوئی خاص مالی خدمت بجا لاتے تو وہ رقم بھی فوراً مستحق لوگوں میں تقسیم فرما دیتیں۔ بعض اوقات ہم اپنی کمزوری سے یہ بھی عرض کرتے کہ یہ رقم تو آپ کے آرام، علاج یا لباس کے لئے تھی تو وہ فرماتیں مجھے اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دیا ہے مَیں کسی کی محتاج نہیں۔ اگر تم یہ خدمت میری خوشی کے لئے کرتے ہو تو مَیں بھی اپنی خوشی پوری کر لیتی ہوں۔ اکثر ان کی بعض

رُوحانی بیٹیاں یا ان کی اپنی بہوئیں کوئی اچھا لباس شوق سے ان کی خدمت میں پیش کرتیں تو اکثر بغیر استعمال کے یا تھوڑے استعمال کے بعد کسی نہ کسی کو دے ڈالتیں اور اب وفات کے وقت آپ نے نہ کوئی پیسہ نہ زیور اور نہ ہی کوئی عمدہ لباس چھوڑا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل کے ساتھ ایک نہایت معقول ماہوار مستقل رقم کا اِنتظام آپ کے لئے فرما رکھا تھا۔ صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے بھی آپ کے گزارے کا معقول اِنتظام تھا۔ اِس کے علاوہ سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود، جناب چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب، جناب سیٹھ عبداللہ الٰہ دین صاحب اور ملک بشیر احمد صاحب آف کراچی اور بعض دیگر احباب مستقل طور پر ہر ماہ باقاعدگی کے ساتھ خدمت کرتے رہتے تھے اور اہلیہ صاحبہ میاں عبدالرحمٰن صاحب ڈائریکٹر انسپکشن لاہور بڑے اہتمام کے ساتھ ہمیشہ ان کے لئے لباس اور بستر تیار کر کے پیش کرتیں یا بھجوا دیتی تھیں۔ اِسی طور پر ان کے بعض اَور بھی روحانی اور جسمانی فرزند ان کی خدمات وقتاً فوقتاً کرتے رہتے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی جناب سے اجرِ عظیم عطا فرمائے۔“ [۱]

۴۔ آپ کی ایک بہو محترمہ امۃ الرحمٰن صاحبہ (بنت حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ) کا بیان ہے کہ
”سترہ نومبر ۱۹۴۰ء سے لے کر جب مَیں اپنی شادی کے بعد حضرت اماں جیؓ کے پاس آئی مجھے آپ کی زندگی کے آخری سانسوں تک آپ کے ساتھ شب و روز رہنے کی سعادت حاصل رہی۔ اس تمام عرصہ میں مَیں نے آپ کو ایک اعلیٰ درجہ کی محبّت کرنے والی ماں اور مُشفق و مہربان ساس پایا۔ شادی سے قبل میری طبیعت میں بعض اثرات کے ماتحت طبعاً ایک ڈر سا تھا اور بعض اوقات تو طبیعت میں اسی خوف کے ماتحت عجیب سی گھبراہٹ ہوجاتی کہ عام ساس اور بہو کے دُنیاوی رشتوں کی طرح ہمارے تعلقات میں کہیں کوئی کبیدگی پیدا نہ ہوجائے لیکن .....

---

[۱] الفضل ۱۳ ظہور ۱۳۳۴ ہش / ۱۳ اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۳، ۴

واقعات کی روشنی میں مَیں نے محسوس کیا کہ آپ عام ماؤں سے مختلف ماں اور عام ساسوں سے مختلف ساس تھیں اور میرے شادی سے قبل کے تمام خدشات بے اصل اور بے بُنیاد تھے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔

بحیثیت آپ کی بہو ہونے کے مَیں نے خاص طور پر اِس چیز کو محسوس کیا کہ آپ میں وہ کوتاہ نظری، تنگ ظرفی اور تنگ دِلی اور بگاڑ کی عمارت سازی نہیں پائی جاتی جو عموماً گھروں میں ساس بہو کے جھگڑوں کی بنیاد بن جاتی ہے۔ آپ کے پاس آکر مَیں نے یہ کبھی محسوس نہیں کیا کہ مَیں کسی غیر اور اجنبی جگہ آگئی ہوں بلکہ آپ کی محبّت اور شفقت نے تو میری اپنی ماں کی وفات کے بعد جو ایک زبردست خلاء میری زندگی میں واقع ہوگیا تھا اس کو بہت حد تک بھر دیا تھا۔ آپ کی مہربانیات میں مجھے ماں کی سی شفقت اور محبت نظر آتی تھی اور آپ نے مجھے اپنی بیٹیوں کی طرح رکھا۔ نہ اُنہیں مجھ سے غیریت تھی اور نہ ہی مجھے ان سے اجنبیّت۔ ماں اور بیٹی نے پندرہ سال کا عرصہ جو اَب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ آنکھ جھپکنے میں گذر گیا راحت و آرام، شفقت و محبّت، دلداری اور وفا شعاری میں بسر کیا۔ اس عرصہ میں ایک مرتبہ بھی نہ تو کوئی الجھن پیدا ہوئی اور نہ بدمزگی۔ نہ طعن و تشنیع کا کوئی موقع آیا اور نہ کڑھنے اور جلنے کی کوئی گھڑی دیکھی۔ غرضیکہ محبّت و شفقت سے اِس دَور کا آغاز ہؤا اور وہی محبّت و شفقت اس وقت بھی آپ کی آنکھوں میں موجود تھی جب اِس دُنیا میں آپ مجھ سے جُدا ہو رہی تھیں۔ آپ میری قابلِ قدر مُحسنہ تھیں۔ جس جس رنگ میں آپ نے میرے جذبات کا خیال اور میرے آرام کو مدِّنظر رکھا اُسے اگر تمام سائیں اپنا شعار بنا لیں تو مجھے یقین ہے کہ دُنیا میں ساس بہو کے جھگڑوں کی آواز بند ہو جائے اور یہ گھناؤنی چیز جس نے ہزاروں ہزار گھرانوں کے امن و چین کو پامال کر رکھا ہے یک قلم ختم ہو جائے اور تمام گھر سکون و آرام کے نشیمن بن جائیں۔

آپ اپنی بہوؤں کی ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت کی احسان مند ہو جاتیں اور

ان کی ذرا ذرا سی نیکیوں کو اپنے اُوپر خدا تعالیٰ کا بہت بڑا فضل گردانتیں بعض اَوقات تو ہماری جانب سے حقیر ترین خدمت کا بھی اپنے حلقۂ احباب میں اِس طرح تذکرہ کرتیں کہ ہماری گردنیں مارے شرم کے جُھک جاتیں کہ ہم نے کونسی ان کی اِتنی بڑی خدمت کر دی ہے جس کا ذکر اِس قدر قدر شناسی اور احسان مندی کے جذبات سے کیا جاتا ہے۔“ [۱]

فصل سوم

اِتّحادِ بین المسلمین کی تحریک

حضرت مسیح موعودؑ کے مقاصدِ بعثت میں سے ایک عظیم مقصد وحدتِ اُمّت ہے جیسا کہ آپ پر ۲۰ نومبر ۱۹۰۵ء کو الہام نازل ہوا کہ :-

”سب مسلمانوں کو جو رُوئے زمین پر ہیں جمع کرو۔ عَلٰی دِیْنٍ وَّاحِدٍ۔“ [۲]

حضرت اقدس نے اِس کلامِ ربّانی کی تشریح یہ فرمائی کہ :-

” اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مسلمانانِ رُوئے زمین عَلٰی دِیْنٍ وَّاحِدٍ جمع ہوں اور وہ ہو کر رہیں گے۔“ [۳]

حضرت مصلح موعودؓ چونکہ حُسن و احسان میں مثیلِ مسیح موعود تھے اِس لئے آپ ہمیشہ ہی اتحادِ بین المسلمین کے پُرجوش داعی اور علمبردار رہے مسلم قوم کا تفرقہ آپ سے دیکھا نہیں جاتا تھا اور آپ ہمیشہ

---

[۱] ماہنامہ ”مصباح“ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۰ تا ۱۶

[۲] بدر و الحکم ۲۴ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ و صفحہ ۱۔ تذکرہ صفحہ ۵۷۷ طبع سوم ۱۹۶۹ء

[۳] الحکم ۳۰ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲

شدتِ غم سے بیقرار ہو کر یہ دُعا کرتے کہ ؎

دانۂ سبحہ[1] پراگندہ ہیں چاروں جانب

ہاتھ پر میرے انہیں آپ اکٹھا کر دیں (کلامِ محمود)

مسلمانوں کو متحد کرنے کا یہ جذبہ سفرِ یورپ کے بدلے ہوئے رُجحانات کو دیکھ کر اَور زیادہ اُبھر آیا اور حضور نے پاکستان میں پہنچتے ہی یہ آواز بلند فرمائی کہ یورپ کو مسلمان بنانے کے لئے سب مسلمانوں کو اکٹھا ہو جانا چاہیئے۔ اِتحادُ بین المسلمین کی یہ تحریک حضور نے ۲۱ستمبر ۱۹۵۵ء کی ایک تقریب میں فرمائی جس کا اِہتمام جماعتِ احمدیہ کراچی نے کیا تھا۔ چنانچہ اخبار "المصلح" کراچی نے لکھا:۔

"مسلمان اپنے داخلی اختلافات کو نظر انداز کر کے اشاعتِ اسلام کیلئے متحد ہو جائیں

یورپ کے لوگ اِس وقت اسلام کی طرف بڑی تیزی سے آ رہے ہیں

بیچ لگژری ہوٹل کے عصرانہ میں امام جماعتِ احمدیہ کی تقریر

کراچی ۲۱ ستمبر۔ امام جماعتِ احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے

---

[1] یعنی مسلمان

[2] ہفت روزہ "تنظیم" پشاور نے اپنی ۳۰ ستمبر ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں حضرت مصلح موعودؓ کی دَورۂ یورپ سے کامیاب واپسی پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:۔

"تنظیم بشیر الدین محمود کی اسلامی سرگرمیوں کو قدر کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس سفر سے جو دراصل یورپ میں دینِ اسلام کے متعلق ایک صحیح جائزہ لینے کے لئے اختیار کیا گیا تھا بخیریت واپسی پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔ اگرچہ بظاہر انہوں نے اپنی بیماری کے علاج کا بہانہ سامنے رکھا لیکن ہم آپ کی طبیعت کی گہرائیوں سے واقف ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ اس بیمار دین اسلام کو اللہ تعالیٰ کامل صحت عطا فرمائے گا۔"

آج بیچ لگژری ہوٹل[1] میں تقریر کرتے ہوئے تمام مسلمانوں سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنے باہمی اختلافات کو نظر انداز کرکے اشاعت وتبلیغِ اسلام کے اہم کام کیلئے متّحد و منظّم ہوجائیں اور اُن اعتراضات کا علمی جواب دیں جو یورپ اور دوسرے ممالک کی غیر مسلم دُنیا، اِسلام اور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدّس وجود پر کر رہی ہے۔ امام جماعت احمدیہ اُس دعوتِ عصرانہ میں یہ تقریر فرمارہے تھے جو آپ کے یورپ سے تشریف لانے پر آپ کے اعزاز میں آج کراچی کی جماعتِ احمدیہ کی طرف سے بیچ لگژری ہوٹل کے وسیع وشاداب لان میں دی گئی تھی۔ امام جماعتِ احمدیہ نے قرآن مجید کی وہ آیت تلاوت فرمائی جس میں یہود اور عیسائیوں کو نظریۂ توحید کی اشاعت وتبلیغ کے لئے تعاون کی دعوت دی گئی ہے امام جماعتِ احمدیہ نے نہایت دلچسپ طرزِ استدلال کے بعد فرمایا اگر اسلام اور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن یہودی اور عیسائیوں کو یہ دعوت دی جاسکتی ہے کہ وہ رسالتِ نبوی کے لئے نہیں بلکہ محض وحدانیتِ خداوندی کے لئے مجتمع ہوجائیں اور باہمی تعاون سے کام لیں تو کیا وجہ ہے کہ آج مسلمان اپنے اپنے باہمی اختلافات کو نظر انداز کرکے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور اسلام کی اشاعت کے لئے باہمی تعاون اور اشتراک سے کام نہ لے سکیں؟ سفرِ یورپ کے تاثرات بیان فرماتے ہوئے آپ نے فرمایا میرا مشاہدہ ہے کہ اب یورپ اِسلام کی طرف بڑی تیزی سے مائل ہورہا ہے اور وہاں کے لوگ اِسلام اور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اِعتراف کر رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم لوگ اپنی جانی و مالی قربانی سے وہاں اِسلام کے پیغام کو پہنچائیں اور جو لوگ کبھی محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے کلمات نکالتے رہے ہیں آج اُنہی کے مُونہوں سے آپ کے لئے درود وسلام کا نذرانہ پیش کریں۔

---

[1] BEACH LUXURY HOTEL

امام جماعتِ احمدیہ نے اِس امر پر نہایت افسوس کا اظہار کیا کہ آج مسلمانوں کے مختلف فرقے نہایت معمولی معمولی مسائل پر باہم دست وگریباں ہیں حالانکہ ان سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور اِسلام پر ہونے والے حملوں کا دفاع کس طرح کریں؟ آپ نے کہا کہ مسلمانوں کی مختلف تنظیمیں اور مختلف فرقے یورپ اور دوسرے ممالک میں تبلیغِ اسلام کے لئے مشن کھولیں تو یقیناً چند ہی سالوں کے اندر اندر یورپ کی کثیر آبادی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقۂ غلامی میں آسکتی ہے۔ آپ نے کہا کہ اگر آج مسلمانوں نے بھی اپنی سستیوں اور غفلتوں کو ترک نہ کیا اور اِسلام کی اصل ضرورت کو سمجھ کر میدان میں نہ آئے تو وہ قیامت کے روز شافع محشر کو اپنا مُنہ نہ دکھاسکیں گے۔ تقریر کے اِختتام پر امام جماعتِ احمدیہ نے اکثر حاضرین کو شرفِ مصافحہ بخشا اور ان سے گفتگو فرمائی۔ اِس تقریب میں کئی سفارتی نمائندے، اعلیٰ سرکاری حکام، ممتاز شہری، اخباری نمائندے اور دیگر معزز افراد شریک تھے۔" [1]

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی یہ اہم تقریر اتحادِ بین المسلمین کی عظیم الشان تحریک تھی جسے پاکستان کے اُردو اور انگریزی اخبارات نے نمایاں طور پر شائع کیا جن کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ روزنامہ اِنقلاب کراچی (۲۳ر ستمبر ۱۹۵۵ء)

۲۔ روزنامہ جنگ کراچی (۲۴ر ستمبر ۱۹۵۵ء)

۳۔ روزنامہ المصلح کراچی (۲۳ر ستمبر ۱۹۵۵ء)

۴۔ روزنامہ ایوننگ سٹار کراچی (۲۲ر ستمبر ۱۹۵۵ء)

۵۔ روزنامہ پاکستان سٹینڈرڈ کراچی (۲۲ر ستمبر ۱۹۵۵ء)

۶۔ روزنامہ امروز کراچی (ر ستمبر ۱۹۵۵ء)

۷۔ روزنامہ ملّت لاہور (۲۴ر ستمبر ۱۹۵۵ء)

---

[1] روزنامہ المصلح کراچی ۲۳ر ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳

۸ ۔ روزنامہ "نوائے کشمیر" لاہور (۲۳ ستمبر ۱۹۵۵ء)

۹ ۔ روزنامہ "پاسبان" ڈھاکہ (۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء)

بطور نمونہ چند اخبارات کے نوٹ سپرد قرطاس کئے جاتے ہیں ۔

۱ ۔ روزنامہ "ملت" لاہور ۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء نے لکھا :۔

"یورپی ممالک میں اسلامی وفود بھیجے جائیں ۔ دورۂ یورپ سے واپسی پر احمدیہ جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود کا بیان ۔

کراچی ۲۲ ستمبر ۔ احمدیہ جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود نے بیچ لگژری ہوٹل میں ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے یورپی ممالک میں اسلامی وفود بھیجنے کی ضرورت پر زور دیا ہے مرزا صاحب جو حال ہی میں یورپ کے دورہ سے واپس آئے ہیں وہ دورہ کے متعلق اپنے تاثرات بیان کر رہے تھے ۔ انہوں نے کہا کہ یورپ کے لوگ اسلام سے متعلق کافی علم حاصل کرنے کے خواہاں ہیں ۔ جہاں بھی وہ گئے تو لوگوں نے انہیں اسلامی وفود بھیجنے پر اصرار کیا تاکہ انہیں اسلام کے بارے میں کچھ علم ہو سکے ۔ انہوں نے کہا کہ یورپ میں لوگ بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ ان تک اسلامی تعلیمات صحیح طریقے سے پہنچانے کا انتظام ہو سکے ۔ انہوں نے کافی لوگوں کو پردے اور کثرت ازدواج کا حامی دیکھا ۔ آخر میں مرزا صاحب نے اپنی تقریر میں چندہ اکٹھا کرنے کی ضرورت پر زور دیا تاکہ اس سے بیرونی ممالک میں اسلامی وفود بھیجے جا سکیں ۔"

۲ ۔ روزنامہ "جنگ" کراچی نے ۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں لکھا :۔

"کراچی ۲۲ ستمبر (اپ پ) مرزا بشیر الدین محمود نے کل ایک نجی تقریب میں کہا کہ اشاعتِ اسلام کے لئے آج یورپ کے ممالک میں تبلیغی وفود روانہ کرنے کی ضرورت ہے ۔ آپ نے بتایا کہ یورپ کے عوام اسلام کی بابت واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ وہ جہاں کہیں بھی گئے عوام نے ان سے مل کر اسلام کی بابت باتیں دریافت کیں ۔ یورپ کی ایک بہت بڑی اکثریت اسلام کو قبول کرنے پر آمادہ ہے بشرطیکہ انہیں اسلام کی صحیح واقفیت بہم پہنچائی جائے ۔ آپ نے بتایا کہ لندن کے اکثر لوگ ان سے ملے جو ایک سے زیادہ شادیوں اور پردے کے حامی تھے ۔ آپ نے بیرونی

ممالک میں تبلیغی وفود بھیجنے کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کا بھی مشورہ دیا۔"

۳۔ روزنامہ "انقلاب" کراچی ۲۳ ستمبر ۱۹۵۵ء نے لکھا:۔

"جماعتِ احمدیہ کے امام مرزا بشیرالدین محمود نے آج کراچی کی جماعتِ احمدیہ کی طرف سے بیچ لگژری ہوٹل میں دیئے ہوئے ایک عصرانہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ آج یورپ اسلام کے لئے بھوکا بیٹھا ہوا ہے۔ ان کو کہیں پناہ نصیب نہیں ہوتی ضرورت صرف تبلیغ کی ہے۔ انکے کانوں تک اسلام کا پیغام پہنچانا ہے اور وہ قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دن آئے گا جب کہ امریکہ اور یورپ مشرّف بہ اسلام ہو جائے گا۔ آپ نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ فروعی مذہبی اختلافات کو چھوڑ کر واحدانیت کی تبلیغ میں متّفق ہو جائیں۔ آپ نے بتایا کہ اگر کراچی کا ہر باشندہ پانچ روپے بھی دیدے تو بیس لاکھ افراد سے ایک کروڑ روپے جمع ہو جائیں گے اور اس سرمایہ سے یورپ میں زبردست تبلیغ ہو سکتی ہے۔ آپ نے اپنے یورپ کے دَورے کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ یورپ کے ہر ملک میں لوگ میرے پاس آتے رہے اور نہایت دلچسپی کے ساتھ اِسلام کے متعلق تحقیقات کرتے رہے۔ سوئٹزرلینڈ کے ایک کالج میں میری تقریر ہوئی تو اس وقت کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا اور ایک طالبِ علم نے کہا کہ جب اسلام کے اندر اِس قدر خوبیاں ہیں تو کیوں نہ عیسائی اور مسلمان مِل کر دُنیا کے ان علاقوں میں وحدانیت کی تبلیغ کریں جو خدا کے مُنکر ہیں؟ مرزا صاحب نے کہا کہ ضرورت ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ تبلیغی مِشن بھیجیں۔ یہ ضروری نہیں کہ احمدیوں کے مِشن جائیں، سُنّی بھیجیں، شیعہ بھیجیں، اہلحدیث اور آغا خانی بھیجیں...... اگر آپ ہم احمدیوں کو بُرا سمجھتے ہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن آپ بھی ہمارے مقابلہ میں تبلیغی مِشن روانہ کیجئے۔ ہماری چھوٹی جماعت ہے اگر ہم دس مِشن کو روانہ کرتے ہیں تو آپ دس ہزار روانہ کیجئے۔ تبلیغ میں مقابلہ کیجئے اِس سے فائدہ ہی ہوگا۔ آخر میں مرزا صاحب نے کراچی کے مسلمانوں سے پھر اپیل کی کہ وہ تبلیغی امداد کی طرف زیادہ توجّہ دیں۔"

۴۔ روزنامہ "پاسبان" ڈھاکہ (۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء) نے لکھا:۔

"یورپ کے لوگ اِسلام سے قریب تر ہو رہے ہیں۔ مرزا بشیرالدین کا بیان۔

کراچی ۲۲ ستمبر (پ پ ی) احمدیہ فرقہ کے امام مرزا بشیرالدین محمود احمد نے کل کراچی

کے ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ یورپ اور خاص کر جرمنی میں اسلام کا پرچار کرنے کے کافی مواقع ہیں جہاں کے عوام اسلام کے متعلق بہت کچھ جاننے کے خواہشمند ہیں۔ انہوں نے مزید یہ بتایا کہ وہاں کے لوگ اسلام سے بہت زیادہ قریب تر ہوتے جارہے ہیں کیونکہ انہیں حق کی بیحد تلاش و جستجو ہے اور صرف اسلام ہی سے ان کی تشفی ہوسکتی ہے۔ چنانچہ یہی وقت ہے کہ ہم انہیں اسلام کا سچا اور صحیح راستہ دکھا سکتے ہیں۔"

فصل چہارم

برِّصغیر پاک و ہند میں سیلاب اور امدادی سرگرمیاں

بلاشبہ احمدیت ایک بین الاقوامی تحریک ہے اور تمام بنی نوعِ انسان اور جملہ ممالک کے باشندوں کی خدمت، بہبود اور خیر خواہی اس کے بنیادی اصولوں میں شامل ہے مگر چونکہ قادیان اور ربوہ کے مقدس مراکزِ احمدیت برِّصغیر پاک و ہند میں واقع ہیں اور احمدیوں کی سب سے زیادہ تعداد بھی یہیں آباد ہے اِس لئے جہاں دُنیا بھر کے احمدیوں کی قلبی محبت اور رُوحانی وابستگی پاکستان اور ہندوستان دونوں ممالک کے ساتھ ہے وہاں اِن ممالک کے احمدیوں کی بھی ہمیشہ یہ روایت رہی ہے کہ وہ بمطابق حدیث "حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ"[1] اِس خطۂ ارض میں آنے والی ہر آفت و مصیبت سے متاثر ہونے کے باوجود اپنی تکلیفوں اور دُکھوں کو بُھلا دیتے ہیں اور اپنے ہم وطن بھائیوں کی خدمت میں دیوانہ وار مصروف ہوجاتے ہیں۔

برِّصغیر کے مخلص اور ایثار پیشہ احمدیوں نے خدمت اور اُخوّت کی ایک شاندار مثال ۱۹۵۵ء کے وسطِ آخر میں بھی قائم کر دکھائی جبکہ قیامت خیز سیلابوں سے ہر دو ملکوں میں اِس قدر

[1] موضوعاتِ کبیر صفحہ ۳۵ (از حضرت امام علی القاریؒ متوفّٰی ۱۰۱۴ھ)

شدید جانی و مالی نقصان ہوا کہ تباہی اور بربادی کے صدیوں کے ریکارڈ مات ہوگئے اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے نہایت جلالی الفاظ میں پیشگوئی فرمائی تھی کہ :-

"نوح کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے گا" [1]

سیلاب کی ہولناکیوں کو دیکھ کر دانشوروں کی زبان پر سچ مچ طوفانِ نوح کے الفاظ جاری ہوگئے۔ چنانچہ دِلّی کے اخبار "دعوت" نے لکھا کہ :-

"طوفانِ نوح کے بعد سے اتنے وسیع و عریض خطّہ پر اِس قدر تباہ کُن سیلاب ہندوستان میں کبھی نہیں آیا۔ عام طور پر سادہ لَوح ذہنیتیں اور اِس ملک کے وہ لوگ جو اہلِ مغرب سے بھی زیادہ مادیّت پر یقین کرنے لگے ہیں ان سیلابوں کو ایک اِتّفاقی ہنگامے سے زیادہ اَور کوئی اہمیّت نہیں دیتے۔ لیکن بصیرت کی آنکھ رکھنے والا خداترس انسان اور ایک ایسا شخص جس کی نظر واقعاتِ عالَم پر وسیع اور گہری ہو ہندوستان کی معلوم تاریخ کے اِس عظیم ترین سیلاب پر سے سرسری طور سے نہیں گذر سکتا۔ سیلابوں کی یہ پے در پے یورش ہر معتدل فہم رکھنے والے آدمی کو جھنجھوڑ کر ایسے مقام پر لاکھڑا کرتی ہے جہاں سے وہ اُن کے دُوررس نتائج و اثرات پر غور کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔" [2]

اِسی طرح ہفت روزہ "چٹان" نے اپنی ۷ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں صفحہ ۴ پر لکھا :-

"قرآن مجید میں طوفانِ نوح کا ذکر پڑھتے تو عقل کوتاہ اندیش کو حیرت ہوتی لیکن پنجاب کو طغیانی کے جن تھپیڑوں نے ہلاک کیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ طوفان کیا تھا۔ لاہور کے طوفانِ نوح کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

برِّصغیر کے احمدیوں نے اِس خوفناک سیلاب کے ایّام میں جو امدادی خدمات انجام دیں اُن کا خلاصہ درج ذیل کیا جاتا ہے :-

---

[1] حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۷ (طبع اوّل) اشاعت ۱۵ر مئی ۱۹۰۷ء

[2] اخبار "دعوت" دہلی، ۱ر اکتوبر ۱۹۵۵ء بحوالہ ہفت روزہ "بدر" قادیان ۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱

ہندوستان

۱۔ اڑلیسہ :۔ بکثرت باراں اور سیلاب سے صوبہ اڑلیسہ کے ہزاروں دیہات نذر آب ہو گئے۔ قادیان سے بے خانماں لوگوں میں ریلیف کا کام شروع کرنے کے لئے دوسو روپیہ بھجوایا گیا اور سو روپیہ اور کچھ پارچات جماعت ہائے اڑلیسہ نے خود جمع کر کے ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو تین وفود متأثرہ علاقہ میں بھجوا دیئے۔ پہلا وفد مولوی محمد محسن صاحب، مولوی سیّد غلام مہدی صاحب مبلّغ سلسلہ احمدیہ کٹک، مکرم سیّد ضیاء الدین صاحب نائب امیر سونگھڑہ اور میاں رحمت علی صاحب پرمشتمل تھا جو جانب موضع سدا نند پورہ پنسودہ بھجوایا گیا۔ دوسرا وفد مولوی سیّد صمصام علی صاحب، مولوی سیّد فضل عمر صاحب مبلّغ سلسلہ عالیہ احمدیہ و میاں محمود احمد صاحب قائد مجلس خدام الاحمدیہ سونگھڑہ پرمشتمل جانب چٹودہ کلاٹ ون بندھا کی طرف بھجوایا گیا۔ تیسرا وفد جو منشی محمد یوسف خانصاحب و مولوی سیّد محمد موسیٰ صاحب مبلّغ سلسلہ عالیہ احمدیہ اور منشی شہاب الدین صاحب پرمشتمل تھا التی کی جانب بھجوایا گیا۔ ان وفود نے سیلاب زدگان میں نقد رقوم اور پارچات تقسیم کئے۔ وفود کو دلدل اور پانی میں سے گزر کر سیلاب زدہ دیہات میں جانا پڑا لیکن انہوں نے محض خدمتِ خلق کے اسلامی جذبہ کے تحت خندہ پیشانی اور تن دہی سے یہ کام سرانجام دیا۔ جماعت احمدیہ کی اس خدمت کو ہندو اور مسلمان معززین کے علاوہ افسران نے بھی سراہا[1]

۲۔ قادیان :۔ ساٹھ گھنٹہ کی مسلسل طوفانی بارش نے قادیان اور اس کے مضافات میں حشر سا بپا کر دیا تھا۔ یہ بارش ۴ر اکتوبر سے شروع ہوئی جس سے علاقہ کے بہت سے مکانات گر گئے۔ قادیان کی آبادی میں سب سے زیادہ نقصان احمدیہ محلہ کا ہُوا جو شہر کے مجموعی نقصان کا نصف تھا۔ پچاس مکانات تو بالکل پیوندِ زمین ہو گئے اور ۴۰ کو سخت نقصان پہنچا اور کئی لاکھ کا نقصان ہُوا۔ وجہ یہ کہ قادیان اور اس کے نواح کا سارا پانی جمع ہو کر اسی جہت میں بہہ نکلا۔ جہاں درویشوں کا محلہ واقع ہے۔ سب سے

---

[1] ہفت روزہ بدر قادیان ۲۱ر نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۹ (رپورٹ سیّد محمد احمد صاحب صوبائی امیر اڑلیسہ)

زیادہ متأثر حلقہ ناصر آباد ہوا۔ جو نسبتاً نشیبی حصّہ پر تھا بارش اور سیلاب کا پانی جب اس محلہ میں داخل ہونے لگا تو اس کے مکین اندرونی محلہ میں منتقل ہونے لگے۔ پانی کی سطح اتنی بلند ہوگئی تھی کہ ضروری سامان کو اندرونی حصّہ میں لانے کے لئے کشتیاں استعمال کرنا پڑیں اور درویشوں نے بمشکل مساجد میں پناہ لی۔ اسی اثنا میں قریشی عطاء الرحمٰن صاحب ناظر بیت المال دوسرے بھائیوں کے لئے بھاگ دوڑ کرتے ہوئے گر پڑے اور ان کے بائیں بازو کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اس نشیبی حصّہ میں جو درویش مقیم تھے اُن کا غلّہ اور سرمائی سامان سب غارت ہوگیا اور کھیتی باڑی کرکے اپنا بوجھ اُٹھانے والے درویش اپنی فصلوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ بہشتی مقبرہ کی طرف جانے والی سڑک سیلاب میں بہہ گئی اور رستہ پانی کے دباؤ کے باعث ناقابلِ عبور ہوگیا۔ اور اگر بعض درویش اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر مدد کو نہ پہنچتے تو بعض غیر مُسلموں کا ڈوب جانا یقینی تھا۔ قادیان میں ۴ر اکتوبر سے ۸ر اکتوبر تک بجلی اور ریل کی آمد و رفت اور تار اور ٹیلی فون کا سلسلہ بند رہا اور قادیان کی بستی کئی دن تک باقی دُنیا سے منقطع رہی۔

بارش کی اس شدّت کے دوران نہ صرف درویشانِ قادیان کے حوصلے نہایت بلند رہے بلکہ انہوں نے اپنے غیر مُسلم بھائیوں کی خدمت و اعانت کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا کئی بھائیوں کو اپنے محلّہ کے اندرونی حصّہ میں پناہ دی اور کئی ہمسایہ دوستوں کو فراخدلانہ پیشکش کی کہ جب بھی وہ اپنے یہاں زیادہ خطرہ محسوس کریں احمدیہ محلّہ میں تشریف لے آئیں۔ جب بارش پر مسلسل چالیس گھنٹے گذر چکے تو بعض غیر مُسلم احباب نے خواہش ظاہر کی کہ فوری طور پر حضرت امام جماعت احمدیہ کی خدمت میں بذریعہ تار درخواستِ دُعا کی جائے چنانچہ جب انہیں بتایا گیا کہ جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے تار دی جاچکی ہے تو وہ بھی مطمئن ہوگئے اور درویشوں کے دلوں کو بھی سکینت حاصل ہوئی[1]

اس مرحلہ پر قادیان کے ایک جوان ہمّت درویش مرزا محمود احمد صاحب کا ذکر کرنا ضروری

---

[1] ہفت روزہ بدر قادیان ۲۱ر اکتوبر ۱۹۵۵ء ص۱

ہے جو ذاتی طور پر حضرت مصلح موعودؓ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو کر دُعا کی درخواست کرنے کے خیال سے قادیان سے پیدل روانہ ہوگئے۔ چنانچہ ۵ر اکتوبر تک قادیان میں بارش ہوتی رہی اور ذرائع آمدورفت بالکل مسدود ہو چکے تھے مگر یہ نوجوان ۷ر اکتوبر کو اس نیک جذبہ کو لے کر قادیان سے پیدل روانہ ہوگئے۔ یہ ایسا وقت تھا جبکہ قادیان سے واہگہ سرحد تک جس طرف نظر جاتی پانی ہی پانی دکھائی دیتا تھا۔ رستہ میں گاؤں کے گاؤں زیرِآب تھے خشکی کا نشان نہ ملتا تھا لوگ اونچی جگہوں پر پناہ لئے ہوئے تھے۔ متعدد مقامات سے ریلوے لائن ٹوٹ گئی۔ سڑکیں بہہ گئیں۔ چنانچہ بعض جگہ انہیں تیرنا بھی پڑا۔ اکثر راستہ میں گلے گلے تک پانی بہہ رہا تھا۔ بٹالہ تحصیل اور ذیل گھر کے آس پاس سات سات فٹ پانی بڑی تیز رفتاری سے بہہ رہا تھا۔ الغرض صبح سات بجے چل کر ساڑھے پانچ بجے شام بڑی مشکل سے وہ امرتسر پہنچ گئے۔ اگلی صبح واہگہ کی سرحد سے گزر کر لاہور آئے۔ لیکن آگے راوی کے شدید سیلاب نے رستہ بالکل مسدود کر رکھا تھا۔ چنانچہ اس نوجوان کو ناچار ۱۱ر اکتوبر تک لاہور ہی میں ٹھہرنا پڑا۔ آخر ۱۲ر اکتوبر کو حالات قدرے سازگار ہوئے تو یہ لاہور سے کالاشاہ کاکو تک پانی میں پیدل چل کر پہنچے۔ یہ رستہ بھی سیلاب کے باعث حد درجہ خستہ اور خراب ہو چکا تھا۔ پھر گوجرانوالہ کے رستہ اسی روز بخیریت ربوہ پہنچ گئے۔ اگلے روز ۱۳ر اکتوبر کو انہیں بعد نمازِ ظہر سیّدنا حضرت المصلح الموعودؓ کی ملاقات کا شرف حاصل ہؤا اور درخواستِ دُعا کا بھی موقعہ ملا۔ حضور نے ان کے حالاتِ سفر سُنکر اظہارِ خوشنودی فرمایا جس کی اطلاع پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کی طرف سے انہیں حسب ذیل الفاظ میں دی گئی :۔

> آپ جس ہمت اور کوشش سے قادیان سے لاہور اور پھر ربوہ پہنچے ہیں ان حالات کی اطلاع حضور کی خدمت میں دی گئی۔ حضور نے آپ کو جزاکم اللہ احسن الجزا فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ قادیان کے سب درویشوں کو تیرنا سیکھنا چاہیئے کیونکہ خطرے کے وقت آتے ہی رہتے ہیں۔ ایسے موقعہ پر ایک نہیں آنا چاہیئے بلکہ دو تین ہوں اور باہمی رسّہ پکڑا ہوا

ہو، سکھوں اور ہندوؤں کی مدد بھی کرنی چاہیئے۔"[1]

۳۔ قادیان کے مضافات میں رفاہی خدمات:۔ درویشانِ قادیان نے حضرت مصلح موعودؓ کے اس ارشادِ مبارک پر جس والہانہ انداز میں لبیک کہا اُسے ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ اگرچہ طوفانی بارش اور سیلاب سے پیدا شدہ تشویشناک صورتِ حال نے سب سے زیادہ انہی کو متأثر کیا تھا۔ اور اپنے مکانوں کی از سرِ نو تعمیر اور مرمّت کے لئے انہیں بھاری اخراجات درکار تھے مگر گذشتہ شاندار جماعتی روایات کے عین مطابق انہوں نے نہ صرف قادیان کے متعدد مستحق اور ضرورت مند غیر مُسلم اصحاب کو نقد امداد دی اور ان میں کپڑے اور اناج تقسیم کیا۔ بلکہ فوری طور پر چوہدری بدر الدین صاحب عامل معتمد مجلس خدام الاحمدیہ کے زیرِ قیادت بیٹ کے علاقہ میں امدادی سرگرمیاں جاری کر دیں۔ یکم نومبر ۱۹۵۵ء کو قادیان سے ایک وفد سیلاب سے متأثرہ علاقہ کے حالات اور فوری ضروریات کا جائزہ لینے کے لئے اس علاقہ کی طرف روانہ ہُوا۔ وفد مندرجہ ذیل اصحاب پر مشتمل تھا۔ شیخ عبدالحمید صاحب عاجز ناظر امورِ عامہ، ملک صلاح الدین صاحب ایم اے مولّف "اصحابِ احمد"، مولوی برکت علی صاحب جنرل سیکرٹری لوکل کمیٹی، چوہدری غلام ربّانی صاحب انچارج احمدیہ شفاخانہ، چوہدری منظور احمد صاحب چیمہ اور مرزا محمود احمد صاحب۔

یہ وفد اس علاقہ کے دورہ سے اس نتیجہ پر پہنچا کہ سیلاب زدہ علاقہ کی فوری امداد کے لئے باقاعدہ امدادی کیمپ کھولنا ضروری ہے۔ اس فیصلہ پر اگلے روز ۲؍ نومبر ۱۹۵۵ء کو پھیروچیچی کے مقام پر ایک طبّی اور امدادی کیمپ قائم کر دیا گیا جس نے ہر ممکن ذریعہ سے مصیبت زدگان کی خدمت کا فریضہ انجام دیا۔ یہ کیمپ ۱۶؍ نومبر ۱۹۵۵ء تک جاری رہا۔ تیس سے زیادہ دیہات کے ہزارہا ضرورت مندوں نے اس سے استفادہ کیا۔ کیمپ کے حلقہ میں جو دیہات تھے اُن میں گھوڑے واہ۔ نینو وال۔ پھیروچیچی۔ بھینی کھنڈہ۔ راج پورہ۔ راج گڑھ۔ ملاں وال۔ بسوال۔ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اس امدادی و طبّی کیمپ سے

---

[1] ہفت روزہ "بدر" قادیان ۲۸؍ اکتوبر ۱۹۵۵ء صا

امدادی پارٹیاں صبح صبح مختلف دیہات میں کام کرنے کے لئے نکل جاتیں اور خدمتِ خلق کے جذبہ سے سرشار ہو کر سارا دن علاج معالجہ اور امدادی کام میں مصروف رہتیں۔ اس امدادی کیمپ میں پانچ درویش ہمہ وقت مصروفِ کار رہتے اور اُن کا ہاتھ بٹانے کیلئے روزانہ ہی تین چار تازہ دَم نوجوان قادیان سے پہنچ جاتے۔ کیمپ کے انچارج مکرّم بشیر احمد صاحب انچارج احمدیہ ڈسپنسری تھے اور محمود احمد صاحب مبشر، چوہدری بشیر احمد صاحب مہار، چوہدری منظور احمد صاحب چیمہ اور مرزا محمود احمد صاحب اُن کے ساتھ کام میں سرگرمِ عمل رہتے۔ چونکہ گندم اور چنے وغیرہ کی فصلیں بونے کا وقت آچکا تھا اس لئے ایک طرف ضلع اور صوبہ کے حکام کو بیج اور مویشیوں کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی گئی، دُوسری طرف قادیان سے مستری منظور احمد صاحب امدادی کیمپ میں ہل وغیرہ کی مرمّت کے لئے پہنچ گئے۔ اس امدادی کیمپ کو کامیاب اور مؤثر بنانے کے لئے صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نائب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ قادیان نے خاص طور پر گہری دلچسپی لی۔ چنانچہ آپ ۳ر نومبر ۱۹۵۵ء کی شام کو (یعنی کیمپ کے قائم ہونے کے اگلے دن) امدادی کاموں میں شرکت اور ریلیف کام کا معائنہ کرنے کے لئے خود تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ چوہدری عبدالقدیر صاحب، چوہدری غلام ربّانی صاحب انچارج احمدیہ شفاخانہ اور یونس احمد صاحب اسلم مصروفِ عمل رہے۔ صاحبزادہ صاحب نے خدام الاحمدیہ کی طرف سے خدام الاحمدیہ کے فنڈ سے مبلغ دو سو (۲۰۰) روپے اور اپنی طرف سے بہت سے پارچات بھی عنایت فرمائے اسی طرح آپ کی بیگم صاحبہ نے لجنہ اماء اللہ کی طرف سے اور سیّد محمد شریف صاحب نے مجلس انصار اللہ کی طرف سے ایک ایک سو روپیہ اس فنڈ میں دیا۔ اسی طرح صدر انجمن احمدیہ قادیان نے (جس کی نگرانی میں یہ ریلیف کیمپ کھولا گیا تھا) پانچ سو روپے کا عطیہ دیا۔ اُن دنوں درویشوں کے گھر خدمتِ خلق کے مراکز بنے ہوئے تھے۔ جماعت کی طرف سے کپڑوں کے تھان خرید کر بچوں عورتوں اور مردوں کے لئے کپڑے تیار کروائے گئے۔ سلائی کا کام احمدی درزیوں نے بلا اُجرت کیا اور رات دن اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کے لئے پارچات تیار کرنے میں

مصروف رہے۔ احمدی مستورات نے پارچات اور غلّہ جمع کیا جو ضرورت مندوں میں تقسیم کیا گیا۔

پھیروچیچی کیمپ کے ذریعہ سے ایسا شاندار امدادی کام ہُوا کہ اکثر دیہات کے سرپنچوں اور پنچایت کے ممبروں نے تحریری طور جماعتِ احمدیہ کی خدمات پر شکر گزاری کے پیغامات نظارت امورِ عامہ قادیان کو بھجوائے۔ ان معزز غیر مُسلم دوستوں کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ سردار منگل سنگھ صاحب ایم ایس سی ایل ایل بی نمبردار و پنچ موضع بھینی میاں خان۔
۲۔ ٹھاکر ترلوک سنگھ صاحب سرپنچ و سردار امر سنگھ صاحب نمبردار موضع بھاگڑیاں۔
۳۔ سردار تیزاں سنگھ صاحب نمبردار و سردار بہادر سنگھ صاحب سرپنچ موضع ملاں وال۔
۴۔ سردار نرنجن سنگھ صاحب ولد روڑ سنگھ صاحب نمبردار موضع راجپورہ۔
۵۔ سردار رچھو سنگھ صاحب نمبردار موضع کوٹ خان محمد۔
۶۔ پنڈت دیوان صاحب سرپنچ و سردار بلدیو سنگھ صاحب ممبر پنچایت موضع خان محمد کھوجکی پور دکھڑ۔
۷۔ سردار سنت سنگھ صاحب ممبر پنچایت و سردار سنتوک سنگھ صاحب سرپنچ موضع نانووالی۔
۸۔ سردار بلدیو سنگھ صاحب سرپنچ و سردار سنسار سنگھ صاحب ممبر پنچایت موضع عالماں۔
۹۔ سردار دیوان سنگھ صاحب ممبر پنچایت و سردار جگت سنگھ صاحب موضع چھجرا۔
۱۰۔ سردار سنگھ صاحب ولاب سنگھ صاحب ممبر پنچایت و سردار مان سنگھ صاحب سرپنچ پھیروچیچی۔
۱۱۔ سردار گیل سنگھ صاحب ممبر پنچایت بھلوال۔

امدادی کیمپ کی کارکردگی کی اطلاع جب ضلع اور صوبہ کے افسران کو ہوئی تو سرکاری و کانگریسی حلقوں نے بھی ان خدمات پر خراجِ تحسین ادا کیا اور شکریہ کے پیغامات اور خطوط لکھے جن میں سے چند بطور نمونہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

(۱)۔ "جو قیمتی خدمات آپ کی جماعت سیلاب سے متأثر مصیبت زدہ لوگوں کی کر

رہی ہے وہ بہت زیادہ تعریف اور قدر کے قابل ہیں۔ ہم ان سرگرمیوں کیلئے آپ کے شکر گزار ہیں"۔ (ترجمہ چٹھی مورخہ ۹ ر نومبر ۱۹۵۵ء۔ جنرل سیکرٹری صاحب کانگریس صوبہ پنجاب)

(۲)۔ "جناب ہوم منسٹر صاحب کے پاس آپ کی چٹھی اور اخبار بدر مورخہ ۷/۱۱/۵۵ کا پرچہ پہنچا ہے جس میں سیلاب زدگان کی امداد کے متعلق جماعتِ احمدیہ کی سرگرمیوں کا ذکر ہے۔ جناب ہوم منسٹر صاحب نے ان خدمات کے لئے مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنے کی ہدایت کی ہے"۔ (ترجمہ مراسلہ مورخہ ۹ ر نومبر ۱۹۵۵ء از طرف شری اے۔ ڈی۔ پانڈے، آئی اے ایس پرائیویٹ سیکرٹری آنریبل ہوم منسٹر صاحب نئی دہلی)۔

(۳)۔ "سیلاب کی شکل میں اس قدرتی قہر کا مقابلہ کرتے ہوئے جہاں باقی سیلاب زدہ حلقوں میں مختلف سبھا، سوسائٹیوں کے ذریعہ ریلیف کا کام ہوا وہاں یہ بات کافی سراہنے کے قابل ہے کہ جماعت احمدیہ نے بھی اپنی گذشتہ روایات کے مطابق علاقہ بیٹ بیاس موضع پھیرو چیچی میں اپنا ریلیف کیمپ قائم کرکے گرد و نواح کے سیلاب زدہ لوگوں کو محنت اور ہمدردی سے امداد بہم پہنچائی ہے۔ جماعت کی طرف سے نیشنل سپرٹ کے ساتھ جہاں دیہات میں آٹا، کپڑے اور ادویہ سے لوگوں کی مدد کی گئی ہے وہاں قادیان خاص میں بھی مستحقین کو نقد مالی امداد دی گئی اور ایک مشنری سپرٹ اور خدمتِ خلق کے جذبہ کے ماتحت بعض بے آسرا اور نحیف سجنوں کے مکانوں کی مرمّت اپنے ذمّہ لے رہے ہیں۔

جماعتِ احمدیہ کا یہ کام جہاں قابلِ ستائش ہے وہاں میں باقی جماعتوں سے بھی توقع رکھتا ہوں کہ وہ ایسے آڑے وقت میں مصیبت زدگان کی تکالیف کو دُور کرنے میں کوشش کرکے اپنا فرض ادا کریں گی"۔ (پنڈت گورکھ ناتھ صاحب شرما ایم ایل اے صدر کانگریس کمیٹی گورداسپور کا تحریری بیان)

(۴)۔ "مجھے اس بات کے علم سے خوشی ہوئی ہے کہ آپ کی جماعت نے علاقہ کے

سیلاب زدگان کی امداد کے لئے ریلیف کیمپ کھول کر مفاد عامہ کا ایک اعلیٰ کام کیا ہے " (چٹھی مورخہ ۸، نومبر ۱۹۵۵ء۔ جناب سردار پرتاب سنگھ صاحب کیروں وزیر ترقیات حکومتِ پنجاب)

(۵)۔ " مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ جماعتِ احمدیہ کے ریلیف کیمپ نے سیلاب زدہ لوگوں کو ریلیف پہنچانے کے لئے بہت عمدہ خدمات سر انجام دی ہیں " (چٹھی مورخہ ۱۵، نومبر ۱۹۵۵ء۔ جناب سردار اجل سنگھ صاحب وزیر مال حکومتِ پنجاب)۔

(۶)۔ " جناب منسٹر صاحب نے جماعت کے اس قابل قدر خدمت کے کام کی تعریف فرماتے ہوئے مجھے ہدایت دی ہے کہ آپ کو شکریہ کا پیغام پہنچا دوں " (شری سرناگت سنگھ صاحب پرائیویٹ سیکرٹری پبلک ورکس منسٹر چنڈی گڑھ مورخہ ۱۸، نومبر ۱۹۵۵ء)

(۷)۔ " ہمارے نزدیک سیلاب زدہ علاقہ میں آپ کی ریلیف کی قیمتی خدمات قدر اور تعریف کے قابل ہیں " (جنرل سیکرٹری پنجاب کانگریس کمیٹی جالندھر۔ مورخہ ۲۶، نومبر ۱۹۵۵ء)۔

(۸)۔ " مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ جماعت احمدیہ قادیان کے سجن کئی دنوں سے ان دیہاتیوں میں طبی اور دیگر امداد کا کام بڑی سرگرمی اور شوق سے کر رہے ہیں۔ جماعت کی طرف سے موضع بھیرو چیچی میں ایک ریلیف کیمپ بھی کھلا ہے۔ جہاں بیماروں اور مصیبت زدگان کی ہر طرح سے امداد کی جاتی ہے۔ احمدی نوجوانوں کی امدادی پارٹیاں ادویات، پرہیزی راشن اور کپڑے وغیرہ لے کر خود مختلف سیلاب زدہ دیہاتوں میں امداد کر رہی ہیں مجھے اس بات کے اظہار سے خوشی ہے کہ جو پبلک سیوا کا کام قادیان کے احمدی دوست پوری ہمدردی اور خدمت کے جذبہ کے ساتھ سرانجام دے رہے ہیں اس سے علاقہ بیٹ کی مصیبت زدہ جنتا کو بہت آرام پہنچا ہے " (سردار بشن سنگھ صاحب نائب تحصیلدار علاقہ بیٹ)

(۹)۔ " خدمت کے بے لوث جذبہ، بے پناہ جوش اور خلوص کے ساتھ جماعت احمدیہ قادیان

کی امدادی پارٹی نے علاقہ بیٹ کے تمام دیہات میں پھر کر مصیبت زدہ افراد کی امداد اور مریضوں کے علاج کا کام کیا، میں جس کا اظہار الفاظ میں مشکل سے کر سکتا ہوں۔ ان لوگوں کی بے غرض خدمت اور سیوا کا کام بے حد شکریہ اور مبارک بادی کا مستحق ہے۔" (شری پیارے لال صاحب نائب تحصیلدار کا منوان)

اگرچہ پھیرو چیچی کا امدادی کیمپ شب و روز خدمت بجا لانے کے بعد ۱۶ر نومبر کی شام کو کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہو گیا لیکن جماعت احمدیہ قادیان کی رفاہی اور طبّی سرگرمیاں کئی دنوں تک زور شور سے بدستور جاری رہیں۔ چنانچہ علاقہ بیٹ کے پریشان حال مریض اور ضرورت مند لوگ متواتر اپنے علاج اور کپڑوں وغیرہ کی امداد کے لئے قادیان پہنچتے رہے اور مرکزِ احمدیت کی طرف سے حسبِ حالات ان کی خدمت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کے علاوہ قادیان کے اردگرد کے متأثرہ دیہات تک درویشوں کی طبّی سرگرمیاں بہت بڑھ گئیں۔ اور سینکڑوں ایسے مریض جو اپنی مجبوریوں کے باعث قادیان کے احمدیہ شفاخانہ میں نہیں آسکتے تھے، اُن کے گھروں تک دوائیں پہنچا دیں۔ دو احمدی ڈسپنسر چوہدری غلام ربّانی صاحب اور ملک بشیر احمد صاحب ناصر باری باری دیہات کا دورہ کرتے رہے۔ اس انتظام کے ماتحت ۲۳ر نومبر تک مندرجہ ذیل بارہ دیہات میں قریبًا ایک ہزار مریضوں کا تسلّی بخش طور پر علاج کیا گیا:۔

تغل والا ۔ رجادہ ۔ ٹھیکری والا ۔ نت ۔ موکل ۔ لیل کلاں ۔ بوہڑ ۔ کاہلواں ۔ بسرانواں ۔ رام پورہ ۔ کوٹلہ ۔ کاظم پورہ ۔

طبّی امداد کے علاوہ ان دیہات سے کئی افراد بغرض امداد قادیان پہنچے اور باوجود مالی مشکلات کے مرکز کی طرف سے اپنی توفیق اور بساط کے مطابق کسی نہ کسی رنگ میں اُن کی خدمت ضرور کی گئی۔

درویشانِ قادیان نے اس موقع پر بعض منہدم مکانات کی ازسرِ نو تعمیر میں بھی حصّہ لیا۔ جیسا کہ شیخ عبد الحمید صاحب عاجز ناظر امورِ عامہ قادیان کے مندرجہ ذیل بیان سے ظاہر ہے:۔

"خاص قادیان میں ہمارے دس خدّام نے مکرم مولوی برکت علی صاحب انچارج تعمیرات کی نگرانی میں تین چار روز کی محنت اور ہمّت سے محلّہ دارالرحمت میں سردار جیون سنگھ صاحب کے رہائشی مکان ..... کی تعمیر مکمّل کردی ہے اور ہماری پیشکش کے مطابق قادیان کی کانگریس کی طرف سے ہمیں کسی اور حقیقی مستحق اور ضرورتمند غیر مسلم کے مکان میں تعمیر کی امداد کے لئے اطلاع دی گئی تو ہم خوشی سے ایسی خدمت کے کام کو سرانجام دینے کو تیار ہوں گے"[1]

بالآخر یہ بتانا ضروری ہے کہ درویشانِ قادیان کی ان قابل قدر اور ناقابلِ فراموش مساعی کا چرچا بھارتی پریس میں بھی ہُوا۔ چنانچہ دہلی کے مشہور ہفت روزہ "ریاست" نے لکھا کہ :-

"اس سال سیلاب کے باعث پنجاب میں جو تباہی نازل ہوئی۔ اس کی مثال پچھلی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ امرتسر اور گورداسپور وغیرہ اضلاع میں گھروں کے اندر چھ چھ فٹ تک پانی پہنچ گیا۔ جس کے باعث نوّے فیصدی مکانات کو نقصان پہنچا۔ اور قادیان ضلع گورداسپور سے جو اطلاعات آئی ہیں۔ ان کے مطابق وہاں کی احمدی جماعت کے ۷۰، ۷۵ فیصدی کے قریب مکانات کو نقصان پہنچا ہے۔ اور مکانات میں جو سامان تھا وہ الگ تباہ ہوا۔ اور یہ واقعہ دلچسپ ہے کہ قادیان کے احمدی حضرات نے جب قریب کے دیہات کی تباہی کی خبریں سُنیں تو یہ اپنی تباہی کو بھول گئے۔ اور انہوں نے دیہات میں جاکر ان لوگوں کو بچایا۔ جو دیہات بالکل ہی تباہ ہو چکے تھے۔ اور اَب بھی یہ لوگ ان دیہات کے لوگوں کے لئے غلّہ اور کپڑے پہنچانے میں مصروف ہیں۔ ایک درویش کا شعار ہے کہ وہ اپنی ذاتی ضرورت کے مقابلہ میں دُوسرے کی ضرورت کو ترجیح دے۔ اگر کوئی دوسرا شخص بھوکا ہو تو خود بھوکا رہتے ہوئے بھی اپنا کھانا دُوسروں کو دے۔ درویشانہ زندگی کے اس اصول کے مطابق

---

[1] ملخصاً از ہفت روزہ "بدر" قادیان ۸ رستمبر ۱۹۵۵ء تا ۲۸ رنومبر ۱۹۵۵ء۔

قادیان کے ان احمدی حضرات کو یقیناً درویش قرار دیا جا سکتا ہے۔ جو سیلاب کی تباہی کے دنوں اپنی مصیبت کو بھول گئے۔ اور جنہوں نے اپنے گر چکے یا گر رہے مکانات کی پروا نہ کرتے ہوئے دیہات میں پہنچ کر دیہاتیوں کو سیلاب کی تباہی سے بچانے کی کوشش کی۔ اور خدا تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت کو اپنا فرض قرار دیا۔ احمدی جماعت ایک مذہبی جماعت ہے۔ اور ہمارا یہ پچھلا تجربہ ہے کہ اس جماعت میں نیک اور بلند لوگ دوسرے مذاہب کے مقابلہ پر اوسطاً زیادہ ہیں۔ چاہے اس کی وجہ اس جماعت کے حلقہ کا محدود ہونا ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ ہر مذہب جب تک محدود رہا۔ اس میں اچھے لوگوں کی کثرت رہی۔ اور جب اس نے وسعت اختیار کی تو اس میں غلاظت بھی بڑھتی چلی گئی چنانچہ فسادات کے زمانہ میں زندگی اور موت کی کشمکش سے بے نیاز ہو کر قادیان کے کئی سو احمدی حضرات کا قادیان میں موجود رہنا اور اپنی مذہبی عبادت گاہوں اور بزرگوں کے مقبروں کو نہ چھوڑنا ان کی بلندی کا بہت بڑا ثبوت تھا۔ اور اب ان لوگوں نے سیلاب کے زمانہ میں ضلع گورداسپور کے دیہاتیوں کی جو خدمت سرانجام دی۔ اسے بھی ان کے مذہبی شعار کی بلندی قرار دیا جا سکتا ہے۔ جس کی ہر شخص سے توقع نہیں کی جا سکتی۔ ہماری خواہش ہے کہ یہ حضرات آئندہ بھی اس طرح ہی خدا کی مخلوق کی خدمت کو ایک فرض سمجھ کر انجام دیں۔ اور جہاں تک بھی ممکن ہو اس خدمت اور فرض کو پروپیگنڈا سے دُور رکھا جائے۔ کیونکہ اگر خدمت فرض یا سروس کے ساتھ پروپیگنڈا کی آلائش بھی شامل ہو۔ تو اس کا اثر فرض شناسی اور خدمت گذاری پر اچھا نہیں پڑتا[1]۔"

پاکستان میں سیلاب کی تباہ کاریاں

پاکستان کو ۱۹۵۵ء میں دوہری آفات کی تباہ کاریوں سے دوچار ہونا پڑا۔ پہلے ۱۲ فروری اور ۱۹ فروری کو زلازل کے پے در پے جھٹکوں نے بلوچستان میں

---

[1] "ریاست" ۱۲ نومبر ۱۹۵۵ء بحوالہ الفضل ۲۹ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱

ہیجان برپا کر دیا۔ ازاں بعد وسط اگست سے شدید سیلابوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس نے نہ صرف مشرقی بنگال بلکہ صوبہ پنجاب کے مندرجہ ذیل سات اضلاع کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ڈیرہ غازیخان، لاہور، سیالکوٹ، شیخوپورہ، لائل پور (حال فیصل آباد)، منٹگمری (ساہیوال)، ملتان۔ یہ وسیع علاقہ گویا ایک سمندر بن گیا۔ بہت سی قیمتی جانوں کا ضیاع ہؤا، لاکھوں من غلّہ بہہ گیا اور اربوں کی جائیدادیں اس ہولناک طوفان کی نذر ہو گئیں۔

جماعت احمدیہ ملک بھر کی واحد دینی جماعت تھی جس کے محبِ وطن، انتھک اَور فرض شناس جوانوں نے زلزلہ[1] اور سیلاب سے پیدا شدہ صورتِ حال سے نپٹنے میں حکومتِ پاکستان کا ہر ممکن طریق سے ہاتھ بٹایا اور اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی اعانت کے لئے اپنے اموال اور اوقات کی ہر مطلوبہ قربانی پیش کر دی۔ اس نازک موقع پر احمدی پروفیسر، احمدی طلبہ، احمدی ڈاکٹر، احمدی معمار، احمدی تاجر، احمدی وکیل، احمدی زمیندار، احمدی کارکن غرضیکہ ہر طبقہ کے مخلصین نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ جو جماعتیں اور مجالس براہِ راست زلزلہ اور سیلاب سے متأثر تھیں، انہوں نے بھی ایثار کا نمونہ دکھاتے ہوئے دُوسروں کی خدمت کا حق ادا کر دیا اور جو علاقے بالکل محفوظ رہے تھے ان کی احمدی تنظیموں نے نقدی، خوراک پوشاک اور ادویہ سے گرانقدر امداد کی اور ڈاکٹر اور معمار اور دُوسرے رضا کار

---

[1] اس آفت سے کوئٹہ کے ۱۲ نواحی دیہات یا تو بالکل زمین بوس ہو گئے یا انہیں انتہائی شدید نقصان پہنچا۔ جن میں ایک گاؤں کلی عالموں بھی تھا۔ کوئٹہ کے احمدی نوجوانوں نے اپنے امیر میاں بشیر احمد صاحب اور قائد مجلس شیخ محمد حنیف صاحب (حال امیر جماعت احمدیہ بلوچستان) کی راہنمائی اور سرپرستی میں اس گاؤں کا انتخاب کیا اور اس میں ۲۲ فروری سے ۱۷ اپریل تک وسیع پیمانے پر امدادی خدمات انجام دیں اور زلزلہ سے متأثر لوگوں کو دیگر ضروریاتِ زندگی مہیّا کرنے کے علاوہ اپنے ہاتھوں سے متعدد مکانات تعمیر کئے۔ ("الفضل" ربوہ ۱۶ مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۔ ماہنامہ "خالد" ربوہ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۴۴-۴۶)

بھجوائے۔ غرضیکہ جس طرح مُلک پر آنے والی یہ آفات اپنی مثال آپ تھیں اسی طرح احمدی جوانوں کا جوشِ عمل اور بے لوث جذبۂ خدمت بھی بے نظیر تھا۔

دراصل حضرت مُصلح موعودؓ مدتوں سے خدمتِ خلق کی جو علمی و عملی ٹریننگ نونہالانِ جماعت کو دیتے آرہے تھے۔ اس کے وسیع اثرات و برکات اب پبلک میں ایک واضح اور منظم شکل میں آنے شروع ہو گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت اور عوام نے ان کی سرفروشانہ سرگرمیوں پر زبردست خراجِ تحسین ادا کیا اور مُلکی پریس اور خبر رساں ایجنسیوں نے بھی ان کی اشاعت میں غیر معمولی دلچسپی لی۔

جماعت احمدیہ پاکستان کی رضا کارانہ خدمات کا عمومی ذکر کرنے کے بعد مناسب ہو گا کہ اُن احمدی جماعتوں اور مجالس خدام کا کسی قدر اجمالی تذکرہ بھی ضرور کر دیا جائے جن کو ان دنوں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنے قومی اور مُلکی فرائض بجا لانے کی نمایاں توفیق ملی۔

(۱) ڈھاکہ

(امیر مشرقی بنگال[1] کیپٹن خورشید احمد صاحب)

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ ابھی لنڈن میں تشریف فرما تھے کہ حضور کو مشرقی بنگال کے سیلاب کی اطلاع ہوئی۔ حضور نے تیرہ ہزار روپے بے خانماں لوگوں کے لئے منظور فرمائے اور بذریعہ برقیہ جماعت کو بھی تحریک فرمائی کہ "وہ بھی اپنی استطاعت کے مطابق سیلاب زدگان کی مدد کے لئے چندہ دے کیونکہ اب کے بھی وہاں سیلاب گذشتہ سال کی طرح خطرناک نوعیت اختیار کر گیا ہے[2]"

حضور کا ارشاد پہنچتے ہی بنگال کی مرکزی انجمن احمدیہ ڈھاکہ نے بلا تاخیر ریلیف کا کام شروع کر دیا چنانچہ سب سے پہلے انجمن کے ایک وفد نے وزیرِ اعلیٰ مسٹر ابو حسین سرکار کو اپنی رضا کارانہ خدمات پیش کیں اور پھر افسرانِ حکومت سے مشورہ کے بعد پگلہ، چاشں ہرا، برہمن بڑیہ، میرپور کالونی، نارائن گنج اور پاڑہ میں ریلیف سنٹر کھول

---

[1] حال بنگلہ دیش۔ [2] روزنامہ "الفضل" ۱۳ راگست و ۲۵ راگست ۱۹۵۵ء صا

دیئے اور ہزاروں سیلاب زدگان میں نقد رقوم کے علاوہ ادویہ، چاول، دودھ اور دیگر اشیاء کی بھاری مقدار تقسیم کی۔ ۲۱؍ اگست ۱۹۵۵ء کو مسٹر غلام قادر چوہدری ایم ایل اے و ایم سی نے بشیر احمد صاحب سیکرٹری ریلیف کی معیت میں اچانک دوپہر کے وقت پکلہ ریلیف سنٹر کا معائنہ کیا اور اُس کی امدادی سرگرمیوں کو دیکھ کر بہت خوشنودی کا اظہار کیا اور اپنے قلم سے مندرجہ ذیل الفاظ لکھے کہ:۔

"آج مَیں نے اچانک موضع پکلہ میں جماعتِ احمدیہ کے ریلیف سنٹر کا معائنہ کیا۔ مَیں اس سنٹر کو دیکھ کر بہت خوش ہُوا ہوں۔ جماعت احمدیہ کے کارکن اپنے محدود ذرائع کے باوجود بہت وسیع پیمانہ پر امدادی کام کر رہے ہیں اور اخلاص اور دیانت داری سے عوام کی خدمت کر رہے ہیں۔ کئی ہزار آدمیوں میں چاول، دُودھ اور دوائیاں تقسیم کی جا چکی ہیں۔ کاش کہ یہ رُوح دوسرے اداروں میں بھی پیدا ہو اور وہ اس اخلاص اور محنت سے کام کریں جس اخلاص اور محنت اور ہمدردی سے جماعت احمدیہ کے کارکن کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اجرِ عظیم دے۔ غلام قادر چوہدری ایم ایل اے"

اسی طرح امدادی امور کے صوبائی وزیر مسٹر ہاشم الدین احمد، متعلقہ افسران اور سٹاف کے ہمراہ ۲۴؍ ستمبر ۱۹۵۵ء کو میر پور کالونی کے احمدیہ ریلیف سنٹر میں تشریف لے گئے اور ریلیف کے کام میں گہری دلچسپی کا ثبوت دیا۔

حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایت کے مطابق مولانا رحمت علی صاحب سابق مبلغ انڈونیشیا اور سیّد اعجاز احمد صاحب مربّی سلسلہ برہمن بڑیا پہنچے اور مقامی مجلس خدام الاحمدیہ کے تعاون سے سیلاب زدگان کی امداد کا کام پہلے سے زیادہ اہتمام اور باقاعدگی کے ساتھ شروع کر دیا۔ برہمن بڑیا کے کشتی شفاخانہ اور خیراتی شفاخانہ کے ذریعہ جن افراد کا مفت علاج کیا گیا اُن کی تعداد وسط ستمبر ۱۹۵۵ء تک ۲۴۰۰ تک جا پہنچی۔ سلسلہ کے تیسرے مربّی مہاشہ محمد عمر صاحب بھی دوسرے مربیان کے ساتھ ڈھاکہ اور میر پور کالونی، برہمن بڑیا اور نارائن گنج کے مختلف علاقوں میں امدادی کاموں کے لئے وقف رہے۔

۱۹۵۴ء کی طرح اس سال بھی محترمہ بیگم صاحبہ صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب سیکرٹری

لجنہ اماء اللہ ڈھاکہ نے زیرنگرانی بیگم صاحبہ گورنر صاحب مشرقی پاکستان امدادی خدمات انجام دیں۔ اور لجنہ اماء اللہ کی طرف سے پانچ سو روپے کی رقم ریلیف کے لئے پیش کی۔ اور لجنہ اماء اللہ کی بعض ممبرات مختلف مقامات پر ریلیف کے فرائض بجالاتی رہیں۔[1]

(۲)۔ ڈیرہ غازیخاں (امیر مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر قائد مجلس خدام الاحمدیہ میاں خیر محمد صاحب)

یہاں ۱۳ر اگست کو زبردست سیلاب آگیا جس نے پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ہر طرف پانی ہی پانی نظر آتا تھا اور ہر شخص کی زبان پر نفسی نفسی کی صدا تھی۔ جماعت احمدیہ کے افراد بالخصوص خدام احمدیہ نے بلا امتیازِ فرقہ مصیبت زدگان کی فوری اور بروقت امداد کرنے کے سلسلے میں قابلِ قدر مساعی سے کام لیا۔ اور ۱۴ر اگست کو امدادی کیمپ کھول کر ضرورت مند افراد کی خدمت کے لئے ہر ممکن ذرائع بروئے کار لے آئے، گرتے ہوئے مکانوں میں سے سامان نکالا۔ ملبہ اٹھایا۔ دیواریں بنائیں اور مستحقین کے لئے کھانے کا انتظام کیا۔ علاوہ ازیں ڈیرہ غازیخان اور اُس کے نواح میں نادار اور مستحق خاندانوں میں پارچات تقسیم کئے۔ ایک احمدی غلام حسن خانصاحب (بستی مندرانی) نے جن کا گھر سیلاب کی نذر ہو چکا تھا، دوسرے مصیبت زدگان کو مکان بنانے کے لئے دو سو اسی مرلے زمین مفت دے کر قربانی اور ہمدردیٔ خلق کی ایک اعلیٰ مثال قائم کی۔[2]

(۳)۔ ربوہ اس ہولناک سیلاب میں پاکستان کے احمدی جوانوں نے جو قابلِ رشک امدادی خدمات انجام دیں۔ اُس میں مجلس خدام الاحمدیہ کی مرکزی قیادت کی فرض شناسی بالغ نظری اور حُبّ الوطنی کا بھاری عمل دخل تھا۔ اُن دنوں صاحبزادہ مرزا منوّر احمد صاحب مجلس خدامِ احمدیہ مرکزیہ کے صدر تھے۔ سیلاب کی خبر سُن کر مجلسِ مرکزیہ

---

[1] روزنامہ "الفضل" ۹ ستمبر و ۲۲ ستمبر ۱۹۵۵ء۔ و ماہنامہ "خالد" ربوہ جنوری ۱۹۵۶ء

[2] روزنامہ "الفضل" ۲۱، ۲۶، ۲۷ر اگست و یکم و ۲۳ ستمبر ۱۹۵۵ء (رپورٹ مولوی عبدالواحد خانصاحب انچارج کیمپ بستی مندرانی)

نے فوری طور پر صورتِ حال کا جائزہ لیا اور چوہدری انور حسین صاحب امیر شیخوپورہ کے مشورہ اور راہنمائی سے شیخوپورہ کے متاثرہ علاقہ میں متعدد ریلیف کیمپ قائم کردیئے۔ علاوہ ازیں مرکزی ہدایات کے مطابق لاہور، سیالکوٹ، لائل پور (حال فیصل آباد) اور ملتان کی مجالس خدام الاحمدیہ پوری جانفشانی سے طوفان زدہ لوگوں کو بچانے اور اُن کی رہائش، خوراک اور طبّی ضروریات مہیّا کرنے کے لئے سرگرم عمل ہوگئیں۔ چنانچہ چند دِن بعد عزّت مآب چوہدری محمد علی صاحب وزیرِ اعظم پاکستان اور میاں مشتاق احمد صاحب گورمانی گورنر مغربی پاکستان نے عوام سے اپیل کی کہ وہ امدادی کاموں میں حکومت کا ہاتھ بٹائیں تو خدام الاحمدیہ مرکزیّہ کے معتمد مولوی محمد صدیق صاحب کی طرف سے اُن کی خدمت میں ۱۳؍اکتوبر ۱۹۵۵ء کو مندرجہ ذیل برقیہ ارسال کیا گیا:۔

"آپ کی طرف سے سیلاب کے سلسلہ میں امداد کرنے کی اپیل کی گئی تھی اس کی تعمیل میں سیالکوٹ، لاہور، لائل پور اور ملتان کی مجالس خدام الاحمدیہ پہلے ہی امدادی کام کر رہی ہیں۔ ربوہ کے ۴۰ رضاکاروں پر مشتمل ایک ریلیف پارٹی جس میں ڈاکٹر اور معمار بھی شامل ہیں، شیخوپورہ میں کام کر رہی ہے۔ آپ کی نشری اپیل کے سلسلہ میں تمام مجالس کو ہدایات بھجوادی گئی ہیں کہ وہ مقامی حکام کے ساتھ رابطہ قائم کریں اور انہیں اپنی خدمات پیش کردیں۔"

برقیہ کے جواب میں مندرجہ ذیل خطوط موصول ہوئے جن میں مجلس کی سرگرمیوں کو سراہتے ہوئے یہ لکھا گیا تھا:۔

(۱)۔ "کراچی ۱۸؍اکتوبر ۱۹۵۵ء — مجھے عزّت مآب وزیرِ اعظم نے ہدایت فرمائی ہے کہ مَیں آپ کی تار مورخہ ۱۲؍اکتوبر کا شکریہ ادا کروں۔ احمدی نوجوانوں کے اس جذبہ کو وزیرِ اعظم نے بہت سراہا ہے جس کی وجہ سے انہوں نے سیلاب زدگان کی خدمت کا بیڑا اٹھایا ہے"۔ جائنٹ سیکرٹری کیبنٹ A.A. HAMID"

(۲)۔ "گورنمنٹ ہاؤس لاہور — ۱۷؍اکتوبر ۱۹۵۵ء — نمبر ۸۵۴۰۵
عزّت مآب گورنر پنجاب نے مجھے ہدایت فرمائی ہے کہ مَیں آپ کی تار مورخہ ۱۲؍اکتوبر

کا جواب دُوں اور جماعتِ احمدیہ کی اُن محبِّ وطن کوششوں کا شکریہ ادا کروں جو انہوں نے سیلاب زدگان کے دُکھ درد کو دُور کرنے کے لئے شروع کی ہیں۔

(دستخط) رشید احمد۔ پرائیویٹ سیکرٹری ہز ایکسیلینسی گورنر مغربی پاکستان

۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۵ء ''

مرکزی قیادت کی براہِ راست نگرانی میں سب سے پہلی مجلس جو میدانِ عمل میں آئی وہ ربوہ کی مقامی مجلس خدام الاحمدیہ تھی جس نے شیخوپورہ کے سیلاب زدہ علاقہ میں مسلسل ایک ماہ تک وسیع پیمانے پر امدادی خدمات انجام دیں۔ ۷ر اکتوبر کو قائد ربوہ مکرم مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب کی پُرزور تحریک پر ربوہ کے مختلف اداروں اور خدام نے جن میں ڈاکٹر اور معمار اور مستری بھی شامل تھے، ذوق و شوق سے اپنی خدمات پیش کیں۔ اگلے روز ۸ر اکتوبر کی شام کو خدام الاحمدیہ ربوہ کا پہلا امدادی وفد مولوی محمد احمد صاحب ثاقب پروفیسر جامعۃ المبشرین (مہتمم خدمتِ خلق) کی زیرِ قیادت ربوہ سے روانہ ہو کر صُبح سات بجے شیخوپورہ پہنچا۔ اس وفد نے اپر چناب، چیچوکی ملیاں اور چک حیدر آباد میں کیمپ قائم کر کے مخلوقِ خدا کی خدمت کا حق ادا کر دیا۔ جس پر اس علاقہ کی کئی مقتدر شخصیات نے اظہارِ خوشنودی کیا۔ مثلاً شیخوپورہ کے لائن پولیس آفیسر نے ۱۳ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کو حسب ذیل سرٹیفکیٹ دیا:۔

'' امدادی کیمپ خدام الاحمدیہ مقیم ہیڈ خان پور جس کے انچارج مولوی محمد احمد ثاقب ہیں نہایت محنت اور جانفشانی سے کام کر رہے ہیں۔ دِن بھر مریضوں کے علاج اور بھوکوں کو کھانا کھلانے کا کام کرتے ہیں۔ دیہات میں خود جا جا کر ڈوبتوں کو بچاتے ہیں۔ میں ان کے کام سے بہت مسرور ہوں۔ سرکاری افسران کے ساتھ بھی ان کا تعاون قابلِ رشک ہے۔ کیمپ ۲ جو کہ چیچوکی ملیاں میں مقیم ہے وہ بھی اپنے فرائض کی ادائیگی میں کسی سے کم نہیں ہے۔ سب (لوگ) جماعت کی اِن خدمات کے تہ دل سے شکر گزار ہیں۔''

انچارج سیکٹر سیّد والا جناب ڈاکٹر عابد علی صاحب نے خدام کی مساعی پر دِلی مسرّت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:۔

'' رضاکارانِ مجلس خدام الاحمدیہ نے سیکٹر سیّد والہ میں ۵ر نومبر سے ۱۴ر نومبر تک

سیلاب زدگان میں دواؤں کا کام نہایت تندہی، جانفشانی اور ایمانداری سے کیا۔ اس دوران میں رضا کاران نے شکایت کا کوئی موقع نہ دیا۔ قوم کی خدمت کا جذبہ رضاکاران میں کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہُوا ہے۔ اُمید ہے کہ آئندہ بھی نازک حالات میں یہ رضا کاران ملک و ملّت کی خدمت سرانجام دیں گے۔ خدا انہیں جزا دے۔"

ان امدادی مراکز کی سرگرمیاں پُورے زوروں پر تھیں کہ یکے بعد دیگرے تین اور پارٹیاں ربوہ سے ضلع شیخوپورہ کے سیلاب زدہ علاقہ میں پہنچ گئیں۔ جنہوں نے نارنگ شاہ مسکین اور مانگٹانوالہ میں تین اور فعّال ریلیف سنٹر کھول دیئے۔ نوجوانانِ احمدیت نے پُرخطر اور دشوار گزار راستوں سے ہوتے ہوئے رات کی تاریکیوں میں گہرے پانی کو عبور کیا اور مصیبت زدگان کی امداد کو پہنچ گئے۔ ۲ رنومبر ۱۹۵۵ء کو سردار عبدالحمید صاحب دستی وزیرِ صحت نارنگ تشریف لائے تو اہلِ نارنگ نے سپاسنامہ پیش کرتے ہوئے احمدی جوانوں کی خدمات کو بہت سراہا جس کے جواب میں دستی صاحب نے فرمایا کہ مَیں خدام الاحمدیہ بلکہ مجموعی طور پر اُن پارٹیوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے سیلاب کے دوران میں بروقت خدمتِ خلق کا فریضہ انجام دیا ہے۔ اِن نئے ریلیف کیمپوں کی امدادی سرگرمیوں کے متعلق بطور نمونہ چند آراء درج ذیل کی جاتی ہیں:۔

(۱)۔ "خدام الاحمدیہ ربوہ کی ایک امدادی پارٹی نے جو کہ ۱۹۵۵ء کے سیلاب کے سلسلہ میں چوہدری فضل داد صاحب انچارج ریلیف پارٹی کی قیادت میں کام کرتی رہی ہے، علاقہ کلر اور نارنگ کے مضافات میں حد درجہ مفید خدمت سرانجام دی ہے۔ خدام الاحمدیہ کے یہ نوجوان رضا کار سیلاب زدگان کی امداد کی غرض سے ایک ایک بستی میں ہی نہیں بستی کے ایک ایک دروازہ تک پہنچے اور انہوں نے ستم رسیدہ انسانوں کو بچانے کے لئے اپنی جانوں کی بازی لگا دی۔ ان کی خدمات نے علاقہ کو متأثر کیا ہے اور وہ لائق صد تحسین و مبارکباد ہیں کہ وہ حقیقی مجاہد ہیں اور انہوں نے سیلاب زدہ لوگوں کی نہایت مخلصانہ اور بے لوث خدمات کی ہیں۔

مَیں اپنی طرف سے اور ریڈ کراس سوسائٹی (ہلالِ احمر) کی طرف سے خدام الاحمدیہ کے

ناظمین کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان کی پُرمسرّت زندگی اور تابندہ مستقبل کے لئے دُعاگو ہوں ۔ محمد رفیق ورک

ڈپٹی چیف آرگنائزر ریڈکراس سوسائٹی نارنگ کیمپ"۔ (انگریزی سے ترجمہ)

(۲)۔ "۱۸ ۱/۵۵ ۔ انجمن خدام الاحمدیہ کی ایک رضا کار جماعت جو ۳۲ رضا کاروں پرمشتمل تھی، نارنگ آئی ۔ یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب سیلاب کی وجہ سے رسل ورسائل کے تمام ذرائع ختم ہوچکے تھے ۔ اس جماعت نے ان تمام دیہات کے ہر تباہ شدہ گاؤں میں جاکر لوگوں کو طبّی امداد پہنچائی ۔ اس جماعت میں طلباء، ڈاکٹر اور کمپونڈر شامل تھے ۔ خدمتِ خلق کا جذبہ دیکھ کر علاقہ کے لوگ بہت متأثر ہوئے ۔ مَیں ماسٹر محمد فضل داد صاحب قائد رضا کاران کا فلڈ ریلیف کمیٹی کی طرف سے و انجمن آڑھتیان کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے رضا کاروں کی کمان بڑی قابلیت سے کی اور ان نوجوان طلباء رضا کاروں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنھوں نے اپنی تعلیم کا نقصان کرکے نسلِ انسانی کی خدمت کرکے سچے مومنوں کا سا ثبوت دیا ۔

یہ چند سطور لکھ کر اپنا فرضِ انسانی ادا کیا ہے ۔ مَیں دُعا کرتا ہوں کہ ہر مُسلمان خدمتِ خلق کا اپنے اندر جذبہ پیدا کرے ۔

نذیر حسین پریذیڈنٹ انجمن رائس مرچنٹ نارنگ منڈی ۔ سردار محمد سیکرٹری انجمن آڑھتیان وسیکرٹری فلڈ ریلیف کمیٹی نارنگ منڈی ضلع شیخوپورہ ۲۴ ۱۱/۵۵ "۔

(۳)۔ مانگٹانوالہ سیکٹر کے میڈیکل آفیسر جناب غوری صاحب نے اپنے سرٹیفکیٹ میں لکھا :-

"مَیں شیخ رشید احمد اور ان کی پارٹی کو یہ سرٹیفکیٹ دینے میں مسرت محسوس کرتا ہوں جنھوں نے خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی زیرِ ہدایت میرے ساتھ حلقہ مانگٹانوالہ کے سیکٹر میں کام کیا ہے ۔

ان لوگوں نے نہایت تندہی سے خدمت کی اور ان کی خدمات بہت ہی مفید ثابت ہوئیں ۔ انہوں نے دُور دراز کے دیہاتی لوگوں کو طبی امداد بہم پہنچائی ۔ منزلِ مقصود پہ

پہنچنے کے لئے دشوار گزار راستے اس پارٹی کے لئے کبھی سدِّ راہ نہ بن سکے ۔ مَیں بلاخوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان لوگوں نے تنظیم، اتحاد اور یقین سے اپنے کام کو سرانجام دیا۔ خدا انہیں ہمیشہ کامیابی عطا فرمائے ۔

(دستخط) میڈیکل آفیسر انچارج مانگٹانوالہ سیکٹر ضلع شیخوپورہ ‘‘ ۸ ؍نومبر ۱۹۵۵ء

ربوہ کے احمدی نوجوانوں اور بزرگوں نے مشرقی بنگال کے سیلاب زدگان کی امداد میں بھی سرگرم حصّہ لیا اسی طرح مغربی پاکستان کے مختلف ریلیف سنٹروں کو پارچات بھی روانہ کئے نیز احمدی خواتین کی بین الاقوامی تنظیم لجنہ اماء اللہ کی مقامی شاخ نے اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی اعانت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مجلس خدام الاحمدیہ ربوہ کے اُن خوش قسمت رضاکاروں کی تعداد جنہیں مختلف ریلیف سنٹرز میں خدمات سرانجام دینے کی توفیق ملی۔ قریبًا ایک سَو چودہ تک پہنچ گئی جن میں دمشق کے احمدی نوجوان السید سلیم الجابی بھی شامل تھے جو اُن دنوں ربوہ آئے ہوئے تھے۔

مجلس خدام الاحمدیہ ربوہ کے رضاکاروں نے سیالکوٹ اور خانیوال میں بھی امدادی خدمات انجام دیں۔ ربوہ سے جانے والے چار معمار خدام کو نادار اور غریب لوگوں کے مکانات بنانے کے لئے بدوملہی سیکٹر کمانڈر کے زیر انتظام متعین کیا گیا۔ ان معماروں نے جس برق رفتاری سے مکانات تعمیر کئے۔ اس سے مقامی لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ ربوہ کے یہ رضاکار جب مصروفِ عمل ہوتے تو بہت سے لوگ اُن کو دیکھنے کے لئے جمع ہوجاتے۔ اگرچہ ہر روز چودہ خدام اور انصار ان معماروں کے ساتھ بطور مزدور کام کرتے تھے مگر ان سرفروشوں کے ساتھ بمشکل پُورے اُتر سکتے تھے ۔

خانیوال جانے والی امدادی پارٹی معتمد مجلس ربوہ مولوی عبدالباسط صاحب کی زیر قیادت ۴ ؍دسمبر کو خانیوال پہنچی اور بستی محمود الحق کی منہدم مسجد کو از سر نو تعمیر کرنے کے علاوہ متعدد مکانات اور رہائشی جھونپڑیوں کی تعمیر میں حصّہ لینے کے بعد ۱۳ ؍دسمبر کو ربوہ پہنچی۔[1]

---

[1] رسالہ ’’خالد‘‘ ربوہ جنوری ۱۹۵۶ء صہ ۹ - ۲۴ ، الفضل ۱۲ اکتوبر و نومبر ۱۹۵۵ء

(۴) ۔ لاہور (امیر جماعت چوہدری محمد اسد اللہ خاں صاحب ۔ قائد مجلس خالد ہدایت صاحب ۔ نگرانِ اعلیٰ میاں محمد یحییٰ صاحب نیلا گنبد)

لاہور اور اس کا نواحی علاقہ ۴ ؍ اکتوبر کی صبح کو خطرناک سیلاب کی زد میں آ گیا۔ جس کے فوراً بعد مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے جودھامل بلڈنگ میں اپنا امدادی مرکز قائم کر کے نہایت منظم رنگ میں امدادی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ مجلس نے پچھلے سال کے سیلاب میں جو مثالی خدمات سرانجام دی تھیں ، اُن کے گہرے نقوش ابھی تک عوامی اور سرکاری حلقوں میں قائم تھے یہی وجہ ہے کہ مجلس کے ایک نمائندہ وفد نے جب اپنے نائب امیر ڈاکٹر محمد عبد الحق صاحب کی زیرِ قیادت پولیس ، فوج اور سول حکام کو اپنی خدمات پیش کیں تو اُسے بلا تاخیر افسرانِ حکومت کا مخلصانہ تعاون حاصل ہو گیا جس کے نتیجہ میں لاہور کے احمدی رضا کاروں کی امدادی کوششیں لاہور شہر اور اس کے ماحول میں نہایت تیزی سے وسعت پکڑ گئیں ۔ چنانچہ پہلے روز ہی تربیت یافتہ احمدی نوجوان فوجی حکام کی کشتی پر مصری شاہ میں پہنچے اور پینتالیس افراد کو موت کی آغوش سے نکال کر محفوظ مقامات میں لے آئے ۔ ۵ ؍ اکتوبر کو ڈیڑھ صد خدام کی امدادی پارٹیاں متاثرہ علاقوں میں پھیل گئیں اور دو ہزار سے زائد سیلاب زدگان کو ضروری اشیاء بہم پہنچائیں اور ڈھائی سو افراد کو محفوظ مقامات میں منتقل کیا ۔ اس روز خدام نے جن علاقوں میں خدمت انجام دی ان میں سنت نگر ، کرشن نگر ، راج گڑھ ، اسلامیہ پارک ، سمن آباد ، تاج پورہ ، وسن پورہ ، حبیب گنج ، مصری شاہ ، بھارت نگر اور نو لکھا چرچ کے علاقے شامل ہیں ۔ مجلس کی ایک پارٹی بذریعہ کشتی لاہور سے ۱۲ میل دُور تلواڑہ اور ملک پور ، سانی وال کے علاقہ میں پہنچی اور ایک ہزار سے زائد مصیبت زدگان کو کھانا کھلایا ۔ اس پارٹی نے قریباً ۳۶ گھنٹے متواتر امدادی کام کیا اور ۳۰ بے بس عورتوں اور معصوم بچوں کو جو درختوں پر بیٹھے زندگی اور موت کی کشمکش سے دوچار تھے ، محفوظ مقامات تک پہنچایا ۔ جب یہ خدام موضع سانی وال پہنچے تو ان کو بتایا گیا کہ ایک فرلانگ دُور ایک نوجوان دو دن سے امداد کے لئے چلّاتا

رہا ہے مگر کوئی اس کی مدد کو نہیں پہنچ سکا کیونکہ پانی کا بہاؤ اس درجہ شدید ہے کہ اس میں جانا موت کو دعوت دینا ہے۔ یہ بات سنتے ہی شیر دل احمدی جوانوں نے اپنی کشتی کا رُخ اس طرف کر لیا اور دو گھنٹہ کی جان توڑ کوشش کے بعد وہاں پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس علاقہ میں بارڈر پولیس کے سینئر سپرنٹنڈنٹ خدام کے کام سے بہت متاثر ہوئے اور کئی جگہ انہوں نے خود اس پارٹی کے ساتھ دورہ کیا۔ فوجی حکام نے اس پارٹی کی جدوجہد سے متاثر ہو کر اس کشتی میں ایک وائرلیس سیٹ بھی نصب کر دیا تھا جس سے وقتاً فوقتاً ان کی خیریت دریافت کی جاتی اور پھر جودھامل بلڈنگ کے مرکزی سینٹر میں بذریعہ ٹیلی فون اطلاع کر دی جاتی۔ سول اور فوجی افسروں نے عوام کو بذریعہ ریڈیو ہدایت کی کہ وہ سیلاب میں امدادی کام کے سلسلہ میں جودھامل بلڈنگ کے امدادی مرکز سے رابطہ قائم کریں اور ساتھ ہی اس کا ٹیلی فون نمبر بھی بتا دیا گیا۔ اس انتظام سے لوگوں کو بہت فائدہ ہوا اور انہیں اپنے عزیزوں کی خیریت کے بارے میں بروقت اور صحیح معلومات حاصل ہوئیں۔ اس مرکز کی فراہم کردہ بعض اطلاعات ریڈیو پر بھی نشر کی گئیں۔

۹ر اکتوبر کو چوہدری محمد اسد اللہ خاں صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور نے قائد مجلس خالد ہدایت صاحب اور شیخ مبارک محمود صاحب پانی پتی (نائب نگران ریلیف سینٹر) کی معیت میں لاہور کے گرد و نواح کی سیلاب زدہ بستیوں کا ایک طیارے کے ذریعہ فضائی جائزہ لیا۔ اس جہاز کا انتظام چوہدری صاحب نے خود کیا تھا۔ واپسی پر انہوں نے خدام کو تفصیلی ہدایات دیں جن کے تحت فوری طور پر امدادی پارٹیاں جلّو اور شاہدرہ کے علاقوں میں روانہ کی گئیں۔ ایک پارٹی چھ خدام پر مشتمل قصور بھیجی گئی جس نے متعدد دیہات میں ریلیف کا کام کیا۔ دو ہزار سے زائد افراد میں کھانے کی خشک اشیا تقسیم کیں اور چھ سو سے زیادہ افراد کو طبّی امداد پہنچائی اور ایک سو پچیس افراد میں کپڑے تقسیم کئے گئے۔ علاوہ ازیں شہر لاہور سے بارہ بارہ میل تک کالا شاہ کاکو کی نواحی بستیوں میں بھی خدام کی امدادی پارٹیوں نے وسیع پیمانے پر ضروری اشیاء تقسیم کیں اور ہزارہا افراد

کو طبی امداد پہنچائی۔ اس علاقے میں ایک کثیر تعداد ایسے دیہات کی تھی جن میں صرف جماعت احمدیہ کو امدادی خدمات بجا لانے کی سعادت نصیب ہوئی۔

شہر میں پانی کے اُترنے کے بعد بے حد غلاظت اور گند گی پھیل گئی تھی مجلس خدام الاحمدیہ نے اپنے چار امدادی سینٹر سلطان پورہ، شاہدرہ، کرشن نگر اور اسلامیہ پارک میں قائم کر دیئے۔ جہاں سے خدام روزانہ دوائیاں، کھانے کی خشک اشیاء، آٹا اور کپڑے وغیرہ لے کر دُور دُور تک سیلاب زدہ علاقوں میں تقسیم کرتے رہے۔ نیز خدام نے بالخصوص کرشن نگر کے علاقہ میں جو سب سے زیادہ متأثر تھا۔ پولیس کے ساتھ مل کر صفائی کا کام کیا اور فضا کو تعفّن اور بدبو سے بچانے کی قابلِ قدر خدمات انجام دیں جن کا اس علاقہ کے لوگوں اور پولیس پر بہت نمایاں اثر تھا۔ چنانچہ وہاں کے سب انسپکٹر پولیس چوہدری محمد اشرف صاحب نے معززینِ علاقہ کا ایک وفد بلایا اور اُس میں برملا کہا کہ درحقیقت جماعتِ احمدیہ ہی خدمتِ خلق کا کام کر رہی ہے اور یہی لوگ ہیں جو سب سے آگے ہیں۔ آنریبل ڈاکٹر خاں صاحب وزیرِ اعلیٰ مغربی پاکستان بھی اس علاقہ میں تشریف لائے اور خدام الاحمدیہ کے ریلیف کیمپ اور کام کا معائنہ کیا اور سراہا۔ سول ڈیفنس اور اینٹی ملیریا کے محکمہ جات کے ساتھ بھی خدام کام کرتے رہے۔ اور مسٹر آئی یو خان ریلیف کمشنر کو بھی پچاس خدام کی مستقل خدمات پیش کیں۔ یہ محکمے خدا تعالیٰ کے فضل سے ان خدام کے کام کو دیکھ کر بہت متأثر ہوئے اور کئی بار جودھامل بلڈنگ کے مرکز میں پہنچ کر احمدی نوجوانوں کو خراجِ تحسین ادا کیا مجموعی طور پر خدامِ احمدیت نے ساڑھے تین سو سے زائد افراد کو محفوظ مقامات تک پہنچایا۔ اور پندرہ ہزار سات سو افراد میں پکا ہُوا کھانا اور سولہ ہزار چھ سو سیلاب زدگان میں دُوسری ضروری اشیاء تقسیم کیں۔ اور جن افراد کو انہوں نے ٹیکے لگائے یا دَوائیں تقسیم کیں اُن کی مجموعی تعداد ۱۵۰۰۷ تک پہنچتی ہے۔ جن مستحقین میں پارچات یا لحاف تقسیم کئے گئے وہ ان کے علاوہ ہیں۔[1]

---

[1] "خالد" جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۲۵ تا ۲۸

(۵) مغلپورہ

(پریذیڈنٹ: عبدالحکیم صاحب، قائد مجلس: مرزا محمد اسلم صاحب)

لاہور کی طرح اس مجلس کی امدادی سرگرمیاں سیلاب کی خبر پاتے ہی شروع ہوگئیں۔ چنانچہ قائد مجلس کی معیت میں پہلی ریلیف پارٹی موضع محمود بوٹی میں پہنچی اور سیلاب سے گھرے ہوئے مسلمان باشندوں اور چار عیسائی خاندانوں کو اونچی جگہ پر منتقل کیا۔ ازاں بعد اگلے دن (۷؍اکتوبر کو) یہاں ریلیف کیمپ قائم کیا اور پولیس اور حکام کے تعاون سے سیلاب زدگان کو خوراک اور طبّی امداد بہم پہنچائی۔

۸؍اکتوبر کو مجلس نے اپنے وسیع پروگرام کے تحت ایک ریلیف پارٹی جس میں ایک ڈاکٹر پانچ فرسٹ ایڈرز اور سات مددگار تھے، کشتی کے ذریعہ رٹ گڑھا اور مرل میں پہنچی۔ یہ بدنصیب دیہات پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اُن کے پاس خوراک تھی نہ بیٹھنے کے لئے جگہ۔ دلدل میں پھنسے ہوئے دیہاتی عوام حیران تھے کہ احمدی نوجوان سامانِ خوراک اور ادویہ لے کر کیسے پہنچ گئے۔ ۹؍اکتوبر کو مجلس کی دو امدادی پارٹیوں نے محمود بوٹی بند سے آٹھ میل کے رقبہ میں امدادی خدمات سرانجام دیں۔ ۱۱؍اکتوبر کو مجلس مغلپورہ کی ایک پارٹی قائد مجلس کی نگرانی میں روانہ ہوئی۔ یہ پارٹی ایک کشتی میں کمبل، سامانِ خوراک، چنے اور ضروری طبّی امداد کا سامان ساتھ لے گئی۔ پانی اُس دن بہت گہرا اور تیز تھا۔ کشتی درختوں کے ایک جھنڈ میں پھنس گئی اور بڑی مشکل سے ایک دوسری کشتی کی راہ نمائی سے اسے نکالا گیا۔ واپسی پر شام ہوچکی تھی۔ ایک سنتری کو راہ نمائی کے لئے ساتھ لیا۔ مگر اندھیری رات اور ٹھاٹھیں مارتے ہوئے پانی میں وہ بھی اچھی راہنمائی نہ کر سکا۔ اس موقع پر مجلس کے دو خادم محمد رشید صاحب اور رشید احمد صاحب چوہدری نے کشتی کو نکالنے میں بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔ وہ دو میل تک کشتی کو پانی میں اُتر کر کھینچتے چلے گئے اور رات گئے خشکی پر اُترنے میں کامیاب ہوئے۔ نواحی دیہات میں کام کرنے کے بعد مغلپورہ کے احمدی نوجوانوں نے ۱۶؍اکتوبر سے اپنی مساعی کا رُخ لاہور شہر کے بعض سیلاب زدہ حصّوں کی طرف موڑ دیا اور اُس کی طبّی پارٹیوں نے کرشن نگر کی جامع مسجد کے قریب ایک طبّی مرکز قائم کرکے مریضوں میں دوائیاں تقسیم کیں۔ اگلے

روز محمود بوٹی کیمپ کے ذریعہ ڈھائی سو اشخاص کو طبّی امداد پہنچائی اور ٹیکے لگوائے۔ اس کیمپ کا معائنہ بھی ڈاکٹر خانصاحب وزیرِ اعلیٰ مغربی پاکستان نے کیا اور مجلس کی خدمات پر بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔

(۶) شیخوپورہ

(امیر:۔ چوہدری انور حسین صاحب وکیل۔ قائد مجلس خدام الاحمدیہ: مرزا عبد السمیع صاحب)

اس سیلاب میں شیخوپورہ کے احمدی جوانوں نے ربوہ کے رضا کاروں کے دوش بدوش خانپور ہیڈ، منڈھیالی اور قلعہ ستار شاہ کے کیمپوں میں اپنی ہمت سے بڑھ کر کام کیا۔ اس کے علاوہ بسوں اور کاروں میں سفر کرنے والے سینکڑوں افراد کو پینے کے لئے پانی بہم پہنچایا۔ ضلع شیخوپورہ کی احمدی جماعتوں کی طرف سے ۱۲۲ مکمل بستر ڈپٹی کمشنر صاحب شیخوپورہ کو مستحقین میں تقسیم کے لئے بھجوائے گئے

(۷) سیالکوٹ

(امیر:۔ بابو قاسم الدین صاحب۔ قائد خدام الاحمدیہ: محمد احمد قمر صاحب)

خدام الاحمدیہ سیالکوٹ نے اپنی گذشتہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے ضلع بھر میں وسیع پیمانے پر خدمتِ خلق کا کام کیا۔ ابتداء میں یہ کام ساہووال، چپراڑ سیکٹر (تحصیل نارووال و تحصیل سیالکوٹ) میں شروع کیا۔ مگر بعد ازاں اُسے جلد ہی تحصیل شکر گڑھ، بدوملہی اور گدیاں تک پھیلا دیا گیا۔ ان تمام علاقوں میں قریباً ستّر خدام اور اٹھارہ انصار نے جن میں ڈاکٹر، معمار اور سماجی کارکن بھی شامل تھے پوری ہمت سے خدمتِ خلق کا فریضہ انجام دیا اور مشکل اور دشوار گزار راستوں سے گذر کر مصیبت زدگان تک راشن اور ادویات پہنچائیں نیز گرم کپڑے اور لحاف تقسیم کئے۔ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کو ڈاکٹر خان صاحب وزیرِ اعلیٰ مغربی پاکستان کھمبرانوالہ ضلع سیالکوٹ میں تشریف لائے تو یہاں بھی انہیں احمدی جماعت کی خدمات کا اعتراف کرنا پڑا۔ اسی طرح ڈپٹی کمشنر صاحب ضلع سیالکوٹ نے بھی جو اُس وقت اُن کے ہمراہ تھے، خدمتِ خلق کی جماعتی مساعی کو سراہا۔ ۲۳ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کو جماعت احمدیہ نے ایک پورا ٹرک جس میں کھانے پینے

کا سامان اور گرم اور سرد پارچات تھے، تحصیل شکر گڑھ بھجوایا۔ ٹرک کے ساتھ قائد خدام الاحمدیہ اور آٹھ خدام تھے۔ یہ ٹرک اگرچہ رستے کی خرابی کے باعث منزلِ مقصود تک نہ پہنچ سکا۔ تاہم سامان کو اونٹوں پر لاد کر بعض قریبی دیہات تک لے جایا گیا جہاں سے سرفروش خدام نے اپنے سروں پر اٹھا کر راتوں رات دریا کے پار پہنچا دیا اور سیکٹر کمانڈر صاحب اور دیگر حکام کی زیرِ نگرانی تقسیم کیا۔ ضلع سیالکوٹ میں سب سے زیادہ نقصان بدوملہی میں ہوا۔ یہاں پانی بارہ سے پندرہ فٹ تک بہہ رہا تھا اور کوئی انسانی طاقت بچانے والی نہ تھی۔ کئی لاکھ کی جائیدادیں تباہ اور کئی قیمتی جانیں لقمۂ اجل ہوگئیں اور غلّہ منڈی زمین میں دب گئی۔ شہر میں اس قدر تعفّن اور بُو پھیلی کہ وبا پھوٹنے کا شدید خطرہ لاحق ہوگیا۔ چنانچہ مقامی حکام کے مشورہ سے جماعتِ احمدیہ سیالکوٹ کی طرف سے پندرہ جوانوں کا ایک دستہ شہر کی گلیوں اور سڑکوں کی صفائی کے لئے بھجوایا گیا جس کے انچارج خواجہ محمد امین صاحب تھے۔ اس دستہ نے بھی مثالی محنت اور جانفشانی اور اخلاص سے کام کیا جس پر سیکٹر کمانڈر صاحب بدوملہی نے یہ تحریری سرٹیفکیٹ دیا کہ:۔

"جو کچھ جس نے انہیں کہا، انہوں نے بڑی خوشی، محنت اور خوش اسلوبی سے سرانجام دیا اور لوگ بہت خوش ہوئے۔ شہر میں جو کام ان کی طاقت میں تھا، انہوں نے کر دیا ہے، اَب تو لوگوں کے مکانات وغیرہ بنانے اور مدد کرنے کا کام باقی ہے وہ بھی انہوں نے کافی کیا ہے[1]"

(۸)۔ لائل پور (فیصل آباد)

(امیر جماعت:۔ شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ
قائد مجلس خدام الاحمدیہ:۔ چوہدری غلام دستگیر صاحب)

سیلاب کی تند و تیز لہریں اس ضلع میں ۷ ار اکتوبر کو داخل ہوئیں۔ اور اسی روز احمدیوں نے امیر جماعت اور قیادت مجلس کی زیرِ نگرانی امدادی مساعی شروع کر دیں اور حکامِ ضلع کی راہنمائی، سرپرستی اور ہدایات پر کمالیہ سے ڈھائی میل دُور احمدیہ ریلیف

---

[1] ماہنامہ "خالد" ربوہ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳۱ تا ۳۴

کیمپ کھول دیا۔ یہ کیمپ پہلے خیموں میں تھا۔ پھر اسے ریسٹ ہاؤس میں منتقل کر دیا گیا۔
۱۴؍ اکتوبر کو پرنسپل صاحب نشتر کالج ملتان، ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر صاحب، انسپکٹر صاحب پولیس کمالیہ اور چوہدری محمد نواز صاحب چیمہ مجسٹریٹ علاقہ کے مشورہ سے طے ہوا کہ مضافات کے کنوؤں کو فوری طور پر صاف کیا جائے تا جو لوگ پانی اُترنے کے بعد اپنے گھروں کو واپس ہوں، وبائی امراض کا شکار نہ ہو جائیں۔ صورتِ حال ایسی نازک تھی کہ حکومت کی طرف سے دوا کا فوری انتظام نہ ہو سکتا تھا۔ مگر جذبۂ خدمت سے سرشار احمدی جوانوں کے لئے یہ کوئی مسئلہ ہی نہ تھا۔ انہوں نے از خود بیس پونڈ پوٹاشیم پرمنگنیٹ خرید لی اور اپنے فلاکت زدہ بھائیوں کی خدمت کے لئے چار چار فٹ گہرے پانی میں پا پیادہ نکل کھڑے ہوئے اور پچیس میل کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ایک سو تیس کنوؤں کو دوائی ڈال کر قابلِ استعمال بنا دیا۔ اس کے علاوہ کمالیہ احمدیہ ریلیف کیمپ نے ہزار مریضوں کو مفت دوا مہیا کی اور پانچ سو افراد کو ٹیکے لگائے۔ یہ واحد کیمپ تھا جس نے اس علاقہ میں اس وقت شاندار کوششوں کا آغاز کیا جبکہ یہاں کسی اور امدادی مرکز کا نام و نشان نہیں تھا اور اس وقت اپنی سرگرمیاں ختم کیں جبکہ دوسرے کیمپ اکھڑ چکے تھے۔ ۲۵؍ اکتوبر کو احمدیہ کیمپ پیر محل کے چک نمبر ۷۴۶ گ۔ب میں منتقل کر دیا گیا جہاں خدام کو متاثرہ دیہات کے ۱۲۹ بیماروں کو طبی امداد پہنچانے کی توفیق ملی۔ یہ کیمپ ۲۸؍ اکتوبر ۱۹۵۵ء تک قائم رہا[1]۔

(۹) منٹگمری (ساہیوال)

(امیر جماعت چوہدری محمد شریف صاحب وکیل۔
قائد مجلس ماسٹر عبدالحق صاحب ناصر)

۱۱؍ اکتوبر کو منٹگمری سے ۱۷ میل دور ہڑپہ کا تاریخی قصبہ خطرناک سیلاب کی زد میں آیا۔ مجلس خدام الاحمدیہ نے پہلے تو اس قصبہ کے کئی بچوں اور عورتوں کو محفوظ مقامات تک پہنچایا پھر سیلاب زدگان کی امداد کے لئے پے در پے چھ پارٹیاں بھیجیں۔ پہلی پارٹی

---

[1] رسالہ "خالد" جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳۴، ۳۵

نے سائیکلوں پر چالیس میل سفر کر کے مصیبت زدگان تک ضروری اشیاء پہنچائیں۔ دوسری پارٹی نے ہڑپہ کے آٹھ سو سے زائد افراد کو طبّی امداد مہیّا کی جس سے ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر بہت متاثر ہوئے اور خدام کو بصیر پور سیکٹر میں کام کرنے کا مشورہ دیا جہاں اس آفت سے بہت سے دیہات تباہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ خدام الاحمدیہ کی تیسری پارٹی بصیر پور میں پہنچ کر دس روز تک امدادی خدمات بجا لاتی رہی۔ جس کی واپسی کے معًا بعد ۶ نومبر کو چوتھی پارٹی بھی اسی علاقہ میں بھجوائی گئی جس نے شبانہ روز کوشش سے بقیّہ کام تکمیل تک پہنچا دیا۔ خدام کو یہ سیکٹر ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر صاحب کی طرف سے ایک ماہ کے لئے سپرد کیا گیا تھا۔ مگر احمدی جوانوں نے پندرہ دن میں پورے سیکٹر کے دس ہزار مریضوں کو طبّی امداد پہنچا کر اپنا فرض پُورا کر دیا۔ سردی کے ان ایام میں خدام نے کھلے میدانوں میں راتیں بسر کیں اور روزانہ آٹھ دس میل پیدل سفر کر کے نہایت خندہ پیشانی سے مشکلات پر قابو پایا۔ ڈاکٹر محمد اکرم صاحب اسسٹنٹ میڈیکل آفیسر انچارج بصیر پور سیکٹر نے خدام الاحمدیہ کی مساعی کو حسب ذیل الفاظ میں خراجِ تحسین ادا کیا:۔

"رضاکارانِ مجلس خدام الاحمدیہ نے بصیر پور سیکٹر میں ۸/۱۱/۵۵ سے ۲۲/۱۱/۵۵ تک کام بہت محنت سے سرانجام دیا ہے۔ میں ان سے بہت خوش ہوں۔" (دستخط انگریزی ڈاکٹر محمد اکرم اسسٹنٹ میڈیکل آفیسر بصیر پور)

ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر نے بھی مجلس کے کام پر اظہارِ خوشنودی کرتے ہوئے سرٹیفکیٹ عطا کیا۔ ۱۲ نومبر کو کمشنر صاحب ملتان بصیر پور تشریف لائے اور احمدی جوانوں کی بہت تعریف کی۔ ۲۷ نومبر کو مجلس کی دو مزید پارٹیاں میدانِ عمل میں بھیجی گئیں۔ ان پارٹیوں نے بھی تباہ حال اور اُجڑے ہوئے لوگوں کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔[1]

(۱۰)۔ ملتان

(امیر:۔ چوہدری عبدالرحمٰن صاحب ۔ قائد خدام الاحمدیہ:۔ چوہدری عبداللطیف صاحب)۔

۱۸ اکتوبر کو قیادت ضلع کی ایک پارٹی سیلاب کی تباہ کاریوں کا جائزہ لینے اور

[1] رسالہ "خالد" جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳۶-۳۸

کام کی نوعیت سے متعلق سروے کرنے کے لئے متاثر علاقہ میں پہنچی۔ اگلے روز پارٹی نے فلڈ ریلیف آفیسر محترم راجہ محمد ایوب صاحب مجسٹریٹ سے ہدایات لیں۔ ہیڈ سندھنائی میں ریلیف سینٹر قائم کر دیا گیا۔ جس نے چوہدری محمد امین صاحب اور ڈاکٹر محمد حسین صاحب ساجد ایم بی بی ایس سول ہسپتال کراچی کی نگرانی میں نمایاں طبی خدمات انجام دیں خدام کی پارٹیاں روزانہ ارد گرد کے دیہات میں ادویہ، خوراک اور ضروریاتِ زندگی کی اشیاء اور پارچات تقسیم کرتی تھیں جلد ہی ڈپٹی کمشنر صاحب ملتان اور فلڈ ریلیف کمیٹی ملتان کے صدر عبدالحمید صاحب پرنسپل ایمرسن کالج ملتان کا مخلصانہ تعاون حاصل ہو گیا جن کی زیرِ ہدایت ان امدادی کاموں میں وسعت پیدا ہو گئی۔ یہ کام بے حد پیچیدہ اور مشکل تھا مگر خدام ہر قسم کے خطرات سے بے پروا ہو کر اور پانی اور دلدل کے پُرخطر راستوں سے گذرتے ہوئے اُن فاقہ زدہ اور نیم عریاں لوگوں کے پاس پہنچے جو اپنی جان بچانے کے لئے درختوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک خادم کو رات سوتے وقت کسی زہریلے جانور نے کاٹ لیا مگر اس کے جذبۂ خدمت میں کوئی کمی نہ آئی۔ ایک نوجوان کے پاؤں دلدل میں چلتے چلتے سُوج گئے اور آگے بڑھنا سخت دشوار ہو گیا لیکن انہوں نے منزلِ مقصود پر پہنچ کر ہی دم لیا۔ ایک اور نوجوان کُتّے کے کاٹنے سے بُری طرح زخمی ہوئے لیکن وہ اپنی مصیبت کو بھول کر مفوّضہ خدمات سرانجام دیتے رہے۔ بہرحال ان تمام مشکلات کے باوجود مجلس کے جواں ہمّت رضا کار ہر ضروری اور اہم علاقہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

۱۹؍ اکتوبر سے ۵؍ نومبر ۱۹۵۵ء تک مجلس کے نوجوانوں نے تین ہزار ایک سو پینتالیس افراد کو طبی امداد پہنچائی اور ایک ہزار اٹھائیس نفوس کو کھانے کی مختلف اشیاء دیں۔ اس کے علاوہ مستحقین کو گندم، مٹی کا تیل، لیمپ وغیرہ بھی تقسیم کئے اور جب پانی کافی حد تک اُتر چکا تو احمدی رضا کاروں نے مکانات کی تعمیر کی طرف بھی توجہ دی اور بیسیوں مکانوں کا ملبہ صاف کیا اور کئی دیواریں اپنے ہاتھوں سے تعمیر کیں۔

(۱۱)۔ کراچی (امیر: چوہدری عبداللہ خان صاحب۔ قائد مجلس: مرزا عبدالرحیم بیگ صاحب) مجلس خدام الاحمدیہ کراچی نے جو ہمیشہ ہی ملّی خدمات میں بہت ممتاز

رہی ہے مشرقی اور مغربی پاکستان کے سیلاب زدہ بھائیوں کی نقدی، پارچات اور ادویہ کی صورت میں بھرپور امداد کی۔ اُس نے پہلے تو مشرقی پاکستان کے ستم رسیدہ بھائیوں کے لئے ایک ہزار روپے کا عطیہ دیا اس کے بعد نہ صرف مغربی پاکستان کے سیلاب زدہ عوام کی امداد کے لئے مجلسِ مرکزیہ کو بھی ایک ہزار روپیہ پیش کیا بلکہ ۲۵ ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کو ناظم خدمتِ خلق مرزا محمد اکرم صاحب اور ایک خادم پر مشتمل وفد کے ذریعہ بڑی مقدار میں پارچات اور قیمتی ادویات مجلسِ مرکزیہ کے لئے روانہ کیں۔ ۱۶ ر نومبر ۱۹۵۵ء کو مجلس کراچی نے مرکز میں کپڑوں کی ایک اور کھیپ روانہ کی۔ ۱۱ ر نومبر ۱۹۵۵ء کو مجلس کراچی کے نوجوان ڈاکٹر محمد حسین صاحب ساجد نے ملتان اور شیخوپورہ میں دس روز تک شاندار طبّی خدمات انجام دیں۔ قائد مجلس نے گورنر جنرل پاکستان میجر جنرل سکندر مرزا، گورنر مغربی پاکستان میاں مشتاق احمد گورمانی، وزیرِ اعلیٰ ڈاکٹر خانصاحب اور صوبہ کے ریلیف کمشنر مسٹر آئی یو خان کو بذریعہ تار کراچی کے محبِّ وطن اور ایثار پیشہ احمدی نوجوانوں کی امدادی خدمات سے مطلع کیا جس پر گورنر جنرل پاکستان، گورنر مغربی پاکستان اور فلڈ ریلیف کمشنر کی طرف سے قائد مجلس کے نام شکریہ کے خطوط موصول ہوئے جن میں مجلس کی مساعی کو سراہا گیا تھا۔ لجنہ اماء اللہ کراچی نے بھی سیلاب زدگان کی امداد کے لئے پارچات کا گراں قدر عطیہ پیش کیا جو مجلس کراچی کی دوسری قسط کے ساتھ بغرضِ تقسیم مرکز میں بھجوا دیا گیا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق مجلسِ کراچی کو تقریباً نو دس ہزار روپے کی رقم بطور اعانت پیش کرنے کی توفیق ملی۔ زلزلہ کوئٹہ کے موقع پر مجلس کی طرف سے دو صد روپے کی جو اعانت دی گئی وہ مزید برآں ہے۔

(۱۲)۔ دیگر مقامات کے احمدیوں کی خدمات مندرجہ بالا جماعتوں یا مجالسِ خدام کے علاوہ دیگر مقامات کے احمدیوں نے بھی خدمتِ خلق کا ایسا عُمدہ مظاہرہ کیا کہ صحابہ نبویؐ کی قدیم روایاتِ اخوّت پھر سے تازہ ہوگئیں۔ مجلس آنبہ ضلع شیخوپورہ نے ایک غریب اور ایک بیوہ کے مکان تعمیر کئے۔ ننکانہ کے احمدی جوان آنبہ کے امدادی کام میں ہاتھ بٹاتے

رہے۔ مجلس خدام الاحمدیہ چوہڑ کانہ[1] کے تین جوان شیخوپورہ ریلیف سنٹر میں مصروفِ عمل رہے۔ سانگلہ ہل کے ایک احمدی چوہدری امداد علی صاحب کمپونڈر نے قلعہ ستار شاہ کے امدادی کیمپ میں طبّی خدمات سرانجام دیں۔ جماعت احمدیہ چک چہور ۱۱۷ ضلع شیخوپورہ نے سیلاب زدگان کے لئے چار سو پچپن روپے کا عطیہ دینے کے علاوہ پارچات اور غلّہ بھی جمع کیا اور ڈاکٹر غلام محمد صاحب ریٹائرڈ کیپٹن تقریبًا دو ہفتہ تک شیخوپورہ امدادی کیمپ میں طبّی خدمات کے لئے وقف رہے۔ مجلس خدام الاحمدیہ ۵/۳ ٹکڑا ضلع فیصل آباد کے احمدی دوست دریا کے کنارے آباد تھے جو براہِ راست سیلاب کی زد میں آگئے مگر انہوں نے اپنے ہمسایہ دوستوں کے اموال، اور مویشی محفوظ مقامات تک پہنچائے اور کئی دنوں تک اُن کے مویشیوں کو چارہ دیتے رہے اور پانی اُترنے کے بعد غربا کے مکانات بنوانے میں امداد دی۔ مجلس خدام الاحمدیہ مانگٹ اونچے اور کھاریاں کی طرف سے قریبی ریلیف سنٹر میں پارچات بھجوائے گئے۔ مجلس خدام الاحمدیہ سرگودہا کے ممتاز رکن اور کوالیفائڈ ڈاکٹر جناب حافظ ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے لائل پور اور سیالکوٹ کے ریلیف سنٹروں میں قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔ مجلس جھنگ مگھیانہ کے سترہ خدام نے نہایت محنت اور جانفشانی سے آفت زدہ مکان تعمیر کئے۔ مجلس خدام الاحمدیہ راولپنڈی نے زلزلۂ کوئٹہ سے متأثرین اور سیلاب زدہ بھائیوں کی خدمت نقدی، پارچات اور دیگر ضروری اشیاء کی صورت میں کی۔ علاوہ ازیں مرکز کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ڈاکٹر بشیر احمد صاحب اور ڈاکٹر مہر محمد صاحب قریشی دس دس روز تک نہایت محنت اور جانفشانی سے شیخوپورہ ریلیف سنٹر میں طبّی خدمات بجا لاتے رہے۔ اسی طرح واہ کینٹ کی جماعت نے جس کے پریذیڈنٹ چوہدری جلال الدین صاحب قمر تھے، لاہور اور سیالکوٹ کے ریلیف سنٹروں کے لئے کثیر تعداد میں پارچات بھجوائے۔ ایک نوجوان محمد شفیع صاحب سلیم پوری ناروال تحصیل میں امدادی خدمت بجا لاتے رہے۔ صوبہ سرحد کی مجالس میں سے پشاور اور مردان نے بھی مقدور بھر

---

[1] موجودہ نام فاروق آباد ہے۔

حصّہ لیا۔ چنانچہ مجلس پشاور نے ملتان کے مصیبت زدہ بھائیوں کے لئے پارچات دیئے اور مجلس مردان نے پانچ رضا کاروں کی خدمات پیش کیں۔

الغرض اس ہوش رُبا طوفان اور ہلاکت آفرین سیلاب کے دوران احمدیوں نے خدا تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق اور محض اُس کے فضل وکرم سے اسلامی ایثار اور مخلوقِ خدا کی سچی اور حقیقی ہمدردی کا قابلِ رشک نمونہ دکھا کر ثابت کر دیا کہ وہ اپنے عہدِ بیعت میں صادق ہیں اور خدا اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی کے لئے سچ مچ اپنی زندگی وقف کئے ہوئے ہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ کی راہ میں زندگی کا وقف کرنا جو حقیقتِ اسلام ہے دو قسم پر ہے ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کو ہی اپنا معبود اور مقصود اور محبوب ٹھہرایا جاوے اور اس کی عبادت اور محبّت اور خوف اور رجا میں کوئی دُوسرا شریک باقی نہ رہے اور اس کی تقدیس اور تسبیح اور عبادت اور تمام عبودیت کے آداب اور احکام اور اوامر اور حدود اور آسمانی قضا و قدر کے امور بدل و جان قبول کئے جائیں اور نہایت نیستی اور تذلّل سے ان سب حکموں اور حدّوں اور قانونوں اور تقدیروں کو بارادتِ تامّہ سر پر اُٹھا لیا جائے ..... دُوسری قسم اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کی یہ ہے کہ اس کے بندوں کی خدمت اور ہمدردی اور چارہ جوئی اور بار برداری اور سچّی غمخواری میں اپنی زندگی وقف کر دی جاوے دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے دُکھ اُٹھاویں اور دوسروں کی راحت کے لئے اپنے پر رنج گوارا کر لیں۔"[1]

پاکستانی پریس اور جماعتِ احمدیہ کی امدادی خدمات

جماعت احمدیہ پاکستان نے اِن ایّام میں نہایت وسیع پیمانے پر جو بے لَوث اور بے غرضانہ للّٰہی خدمات انجام دیں، اُس کا ذکر مُلک کے با اثر اور مقتدر اخبارات نے بکثرت اور نمایاں رنگ میں کیا۔ ذیل میں کوئٹہ سے لے کر ڈھاکہ

---

[1] آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۶۰ (رُوحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۶۰)۔

تک کے بعض مشہور اردو، بنگالی اور انگریزی اخبارات کے ضروری اقتباسات درج کئے جاتے ہیں[۱]

۱۔ اخبار "میزان" کوئٹہ

"کوئٹہ ۲۹ مارچ ۔ جماعت احمدیہ کوئٹہ کے مضافات میں زلزلہ زدگان کے لئے امدادی اقدامات شروع کر دیئے ہیں۔ اس جماعت کے ایک شعبے "انصاراللہ" نے اب تک متاثرہ علاقوں میں ایک ڈاکٹر کی زیرِ نگرانی قریبًا سات سو اشخاص کو طبّی امداد بہم پہنچائی ہے۔ طبّی امداد کے دوران میں غریب لوگوں میں کھانا تقسیم کیا گیا ....

جماعت کے قریبًا پچاس کارکن رضاکارانہ خدمت میں مصروف ہیں۔ اَب تک یہ کارکن دس مکان تعمیر کر چکے ہیں۔ کلی عالمو اور کلی کوتوال میں دس مزید مکانوں کے لئے عمارتی سامان بہم پہنچایا جا چکا ہے۔

امیر جماعت احمدیہ میاں بشیر احمد نے متاثرہ علاقوں میں اے پی اے کو بتایا کہ ہمارے کام کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ عوام میں اپنی مدد آپ اور خدمت کا جذبہ پیدا کیا جائے لوگوں میں یہ جذبہ پیدا ہو رہا ہے اور انہوں نے اپنے مکان تعمیر کرنے شروع کر دیئے ہیں"[۲]

۲۔ اخبار "زمانہ" کوئٹہ

"جماعت احمدیہ کا امدادی کام"

کوئٹہ ۲ اپریل ۔ کوئٹہ کے نواحی زلزلہ زدہ علاقہ میں جماعت احمدیہ شاخ کوئٹہ کی طرف سے امدادی کام کے سلسلہ میں تقریبًا ۱۲ رہائش گاہوں کی تکمیل ہو چکی ہے۔ اس امدادی کام میں جماعت احمدیہ کے دونوں شعبے انصاراللہ اور خدام الاحمدیہ ہر اتوار کو اپنے امیر کی نگرانی میں مضافاتی دیہات میں امدادی کام کے لئے جاتے ہیں۔

جماعت کے دونوں شعبوں نے رہائش گاہوں کی تعمیر کے علاوہ مصیبت زدہ لوگوں میں خوراک اور ادویات بھی تقسیم کی ہیں"[۳]

---

[۱] ماخوذ از رسالہ "خالد" دسمبر ۱۹۵۵ء و جنوری ۱۹۵۶ء ۔ [۲] "میزان" کوئٹہ یکم اپریل ۱۹۵۵ء ۔
[۳] اخبار "زمانہ" کوئٹہ یکم اپریل ۱۹۵۵ء

۳۔ اخبار "پاسبان" ڈھاکہ

(۱) "ڈھاکہ ۱۸ ر ستمبر گذشتہ ہفتہ میں جماعت احمدیہ ریلیف کمیٹی کی نگرانی میں میر پور۔ بھکہ۔ فتح اللہ۔ علی گنج۔ نارائن گنج۔ منشی گنج۔ نند لال گرام۔ بلکتی۔ برہمن بڑیہ اور کرولا کے علاقہ میں سیلاب زدہ لوگوں میں چاول۔ دوائی اور دودھ تقسیم کیا گیا۔ ریلیف کمیٹی کے ممبران نے سیلاب زدہ علاقہ کا دَورہ کیا اور تباہ شدہ مکانات کا جائزہ لیا تاکہ ان کو درست اور مرمّت کرانے کی کوشش کی جائے۔ بعض مقامات پر سیلاب سے متأثرہ لوگوں میں نقدی بھی تقسیم کی گئی۔ نیز بیماری سے بچاؤ کے لئے انجکشن بھی دیئے گئے"۔[۱]

(۲)۔ "ریلیف کمیٹی ڈھاکہ کی طرف سے آنریبل ریلیف منسٹر کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آنریبل منسٹر میر پور کالونی میں تشریف لے جاکر احمدیہ ریلیف سنٹر میں چاول تقسیم کریں۔ آنریبل منسٹر نے کمیٹی کی درخواست کو قبول فرمایا اور ۲۴ ر ستمبر کو چار بجے جانے کا وعدہ فرمایا۔ جب آنریبل منسٹر میر پور کالونی چلنے کے لئے تیار ہوئے تو شدید بارش شروع ہوگئی۔ آنریبل منسٹر نے فرمایا کہ مَیں ضرور جاؤں گا۔ چنانچہ آپ سخت بارش میں میر پور کالونی تشریف لے گئے اور ایک ٹوٹی ہوئی جھونپڑی میں قیام فرمایا اور وہیں پر آپ نے اپنے ہاتھ سے سیلاب زدہ لوگوں میں چاول تقسیم کئے۔ نیز مہاجرین کے ایک وفد سے بھی ملاقات فرمائی"۔[۲]

۴۔ اخبار "نوائے پاکستان" لاہور

"جہاں کسی مخالف شخص یا جماعت کے اچھے کام کی تعریف نہ کرنا اخلاقی گراوٹ کی ایک بیّن دلیل ہے وہاں اپنے مخالف فریق کی نقل کرنا اور وہ بھی بھونڈے طریق پر اور ساتھ ہی اسے اپنانا گندی ذہنیت کا مظاہرہ کرنے کے مترادف ہے۔

حال ہی کا واقعہ ہے کہ شہر ڈیرہ غازیخاں میں مورخہ ۳ ر اگست کو پہاڑی نالہ بہہ پڑنے سے رود کوہی کا ایک زبردست طوفان لہریں مارتا ہوا شہر میں داخل ہوگیا۔ کمر کمر سے

---

[۱] "پاسبان" ڈھاکہ ۱۹ ر ستمبر ۱۹۵۵ء۔ [۲] "پاسبان" ڈھاکہ ۲۷ ر ستمبر ۱۹۵۵ء۔

اُوپر پانی ہر گلی میں بہہ رہا تھا۔ عورتیں بچے بوڑھے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھائے ہوئے تھے اس افراتفری اور شور و پکار میں رات سر پر آگئی۔ جو لوگوں نے جاگتے اور دعائیں مانگتے بسر کی۔ صبح کو سب سے پہلے جماعتِ مرزائیہ کے امیر عبدالرحمٰن مبشر نے اعلان کروا دیا کہ ہماری جماعت کے آدمی رضا کارانہ طور پر غرباء، محتاجوں اور بیکسوں کی ہر ممکن امداد کرنے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ۱۵ آدمی مختلف محلّوں میں لوگوں کی امداد کرنے کے لئے بھیج دیئے۔ علاوہ ازیں سیلاب زدگان کی امداد کے لئے جماعتی فنڈ سے قریباً ۲ من آٹا اور کچھ نقدی بھی تقسیم کروائی۔ بلکہ سُنا ہے کہ وہ لوگ مستقل طور پر اس کام کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ متعلقہ حکام بھی بڑی مستعدی سے سیلاب زدگان کی امداد کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔ ادھر صالحین کی اسلامی جماعت کو جو لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہونے کا یکدم مروڑ اٹھا تو جھٹ سے آؤ دیکھا نہ تاؤ شہر میں منادی کروا دی کہ ابھی ابھی جماعت اسلامی کا ایک وفد جناب ڈی سی صاحب بہادر اور دُوسرے متعلقہ اعلیٰ حکّام سے مِلا ہے اور انہوں نے فرمایا ہے کہ لوگ فوراً شکستہ بند پر پہنچ جائیں اور اس کی مسدودی میں امداد دیں۔

واہ رے اسلامی جماعت تیرے پروپیگنڈے کے شاہکار! اسے کہتے ہیں لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہونا اور سستی شہرت حاصل کرنا حالانکہ امرِ واقع یہ ہے کہ حکام بے چارے تو پہلے موقع پر پہنچ چکے تھے اور لوگوں کو جمع کر کے کام کی ابتدا کر چکے تھے۔ لیکن بُرا ہو نام و نمود اور سستی شہرت کا جو کسی مرحلہ پر بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔[1]

۵۔ اخبار "سِول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور

(۱)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے جودھامل بلڈنگ میں ایک ریلیف سنٹر کھول دیا ہے جس کا فون نمبر ۵۲ ۷ ۳ ہے۔ مجلس جو سیلاب زدگان کو ہر ممکن امداد بہم پہنچا رہی ہے اَب تک سیلاب زدہ علاقوں کے پچاس افراد کو محفوظ

---

[1] "نوائے پاکستان" ۲۵ر اگست ۱۹۵۵ء صـ۳ مـ۵ ۔

مقامات پر پہنچا چکی ہے۔ یہ بھی معلوم ہُوا ہے کہ مجلس نے لوگوں کو گھرے ہوئے مقامات سے نکالنے کے لئے فوج کو پچاس خدّام پیش کئے ہیں[۱]۔"

(۲)۔ "ہفتہ کے روز مجلس خدام الاحمدیہ کی ایک ریلیف پارٹی نے لاہور کے گردونواح میں سیلاب زدہ دیہات کا دَورہ کیا اور مصیبت میں پھنسے ہوئے لوگوں میں دوائیں، گرم کپڑے اور کھانے پینے کی اشیاء تقسیم کیں[۲]۔"

(۳)۔ "احمدیہ ریلیف کمیٹی سیالکوٹ کے پچاس کے قریب رضا کار مختلف سیکٹروں میں سیلاب زدگان کو امداد بہم پہنچانے میں مصروف ہیں۔ ان رضا کاروں میں ڈاکٹر صاحبان مریضوں کی دیکھ بھال کرنے والے افراد اور سماجی خدمت بجا لانے والے دیگر کارکن شامل ہیں۔ ان لوگوں نے ضلع کے دُور دراز علاقوں تک جا جا کر مصیبت زدگان کو ادویہ اور ریلیف کا دوسرا سامان بہم پہنچایا ہے[۳]۔"

(۴)۔ "عین اس وقت جب کہ خطرہ زوروں پر تھا اور تمام سیاسی اور سماجی تنظیموں نے چُپ سادھ رکھی تھی۔ احمدیہ ریلیف کمیٹی معرضِ وجود میں آئی اس نے نہایت بے تابانہ طریق پر ریلیف کا کام شروع کیا۔ ریلیف کمیٹی کے ایک وفد نے ضلع کے ڈپٹی کمشنر شیخ منظور الٰہی صاحب سے ملاقات کی اور سیلاب میں گھرے ہوئے لوگوں کو ہر ممکن امداد پہنچانے کے سلسلہ میں اپنی خدمات پیش کیں۔ اس وقت پولیس اور سول کا دوسرا عملہ ریلیف کے کام میں بے حد مصروف تھا اس کے باوجود کارکنوں کی شدید قلّت تھی۔ ڈپٹی کمشنر کے کہنے پر ریلیف کمیٹی کی طرف سے ڈاکٹر صاحبان کی زیرِ سرکردگی رضا کاروں کے پانچ گروپ سیلاب زدہ علاقوں میں روانہ کئے گئے۔ انہوں نے سیلاب زدگان کے لئے جو کپڑے وغیرہ جمع کئے تھے انہیں متاثرہ دیہات میں تقسیم کیا گیا۔ کپڑے، دوائیں، راشن اور دوسری اشیاء جو انہوں نے تقسیم کیں اس کی مالیت ۲۰ ہزار تھی۔ ان تمام دیہی بستیوں کو جو سیلاب

---

[۱] "سول اینڈ ملٹری گزٹ" ۷ راکتوبر ۱۹۵۵ء (ترجمہ)۔ [۲] "سول اینڈ ملٹری گزٹ" ۲۳ راکتوبر ۱۹۵۵ء (ترجمہ)۔ [۳] "سول اینڈ ملٹری گزٹ" یکم نومبر ۱۹۵۵ء (ترجمہ)۔

کی وجہ سے پانی میں بہہ گئی ہیں۔ احمدیہ ریلیف کمیٹی اور مقامی حکام کی طرف سے فراہم کردہ رضاکاروں کی مدد سے ازسرِنو تعمیر کیا جا رہا ہے۔ کام کی رفتار بہت تیز ہے اس لئے امید کی جاتی ہے کہ مکانات بہت جلد مکمّل ہو جائیں گے۔ لیکن سیلاب زدہ علاقے کے باشندوں میں خوف اب بھی پایا جاتا ہے اور اُن کا احساس یہی ہے کہ وہ تاحال خطرے کی زد میں ہیں۔"[1]

۶۔ اخبار "آفاق" لاہور

(۱)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ نے نواحی دیہات میں کام کرنے کے بعد آج اپنی مساعی کے دھارے کا رُخ لاہور شہر کے سیلاب زدہ حصّوں کی طرف موڑا اور اس مجلس کی طبّی امداد کی پارٹیوں نے کرشن نگر کی جامع مسجد کے متصل طبّی پوسٹ کا قیام کر کے آج ۱۵۵ مریضوں کو دیکھا اور ان میں دوائیاں تقسیم کیں۔ بیشتر اشخاص نے مفید طبّی مشورے حاصل کئے اور ہر شخص کو ٹائیفائڈ اور ہیضے کے ٹیکے لگوانے کی تلقین کی گئی۔"[2]

(۲)۔ "معتمد مجلس خدام الاحمدیہ نے اطلاع دی ہے کہ آج مجلس کے ۱۵۰ کارکنوں نے فوجی افسروں کی زیرِ ہدایت اور اکثر بطورِ خود لاہور کی زیرِ آب بستیوں میں مصیبت زدہ عوام میں کھانے کی خشک اشیاء، پکا ہوا کھانا اور پینے کا پانی تقسیم کیا۔ مجلس کے کارکنوں نے فوجی جوانوں کے ہمراہ ۲۵ بوڑھوں، بچّوں اور عورتوں کو ڈوبنے سے بچایا اور ۲۵۰ افراد کو محفوظ مقامات پر پہنچایا۔ مجلس خدام الاحمدیہ کی اطلاع کے مطابق جلّو کا علاقہ بھی زیرِ آب آچکا ہے۔ چنانچہ خدام کے ۱۲ کارکنوں کی ایک پارٹی اس علاقے میں تمام رات امدادی کام کرنے کے لئے فوجی نوجوانوں کے ہمراہ روانہ ہوگئی ہے۔"[3]

(۳)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ" ۔ "مجلس کی ایک امدادی پارٹی آج قصور روانہ ہوگئی۔ دُوسری آٹھ پارٹیوں نے آج شہر کے سیلاب سے متأثرہ علاقوں کی گلیوں اور سڑکوں کی

---

[1] "سول اینڈ ملٹری گزٹ" ۱۰ نومبر ۱۹۵۵ء (ترجمہ)۔ [2] "آفاق" لاہور ۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴
[3] "آفاق" لاہور ۹ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔

صفائی کا کام کیا۔ اور شاہدرہ، ٹھٹھہ، ابوالخیر، بیگم کوٹ و دیگر دیہات میں کونین کے ٹیکے لگائے اور پانچ سو افراد میں ادویات تقسیم کیں کارکنوں نے سلطان پورہ، مصری شاہ تاجپورہ، شاد باغ، وسن پورہ، سنت نگر، راج گڑھ میں امدادی کام کیا۔"[1]

(۴)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ کی ایک امدادی پارٹی نے آج کوٹ خواجہ سعید، مندر، کالورام مڑھی، شیر سنگھ اور بھگت پورہ میں تین سو افراد کو طبی امداد بہم پہنچائی اور مصیبت زدگان میں کچّا گوشت تقسیم کیا۔ دوسری امدادی پارٹی نے ڈھیٹر کرول۔ جادا۔ اور گاہی گل۔ گورنمنٹ رائس فارم کالا شاہ کاکو میں قریباً ڈیڑھ سو افراد کو کونین کے ٹیکے لگائے۔ قصور کے مرکز میں کام کرنے والے کارکنوں نے قصور۔ بنگلہ مان۔ گنڈا سنگھ والا۔ برج نادرا والہ۔ میانوالہ۔ وزیر پور۔ کھریپڑ۔ اور جوڑا کے دیہات میں مصیبت زدگان کو امداد بہم پہنچائی۔"[2]

(۵)۔ "آج مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی تین پارٹیاں مختلف جگہوں پر امدادی کام میں مصروف رہیں۔ سلطان پورہ ریلیف سنٹر سے شاد باغ۔ مصری شاہ۔ وسن پورہ اور تاج پورہ کے علاقوں کو طبی امداد بہم پہنچائی گئی۔

احمدی مستورات کے ایک وفد نے شاہدرہ اور اس کے ملحقہ علاقوں میں ۲۶ مستحق افراد میں پارچات اور ایک صد مریضوں میں ادویہ تقسیم کیں۔

ربوہ سے خدام الاحمدیہ کے ۱۷ افراد پر مشتمل ایک قافلہ آج گیارہ بجے شاہدرہ پہنچ گیا۔ سیلاب زدگان کو ہر قسم کی امداد بہم پہنچانے کے لئے نارنگ، کالا خطائی اور ایچڑ پر کیمپ لگائے جائیں گے۔"[3]

(۶)۔ "امام جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے اپیل کی ہے کہ اُن کی جماعت کے ڈاکٹر سیلاب زدگان کی امداد کے لئے اپنے آپ کو پیش کریں۔ اپیل میں کہا گیا ہے کہ احمدی ڈاکٹر جہاں کہیں بھی ہوں سیلاب زدوں کی طبی امداد کے لئے کم از کم دس روز وقف کریں۔

---

[1] "آفاق" لاہور ۱۸ راکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔ [2] "آفاق" لاہور ۱۹ راکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵
[3] "آفاق" لاہور ۲۰ راکتوبر ۱۹۵۵ء۔

مقامی مجلس خدام الاحمدیہ نے ڈاکٹروں کی نگرانی میں سلطان پورہ، شاہدرہ، کرشن نگر اور اسلامیہ پارک میں امدادی کیمپ قائم کئے ہوئے ہیں۔ جہاں سے ملحقہ بستیوں کو ادویات، گرم کپڑے اور کھانے کی اشیاء پہنچائی گئیں[۱]"۔

(۷)۔ "لاہور سے خدام الاحمدیہ کا ایک دستہ جو چھ رضا کاروں پر مشتمل ہے قصور پہنچا ہے اور اس نے قصور کے نواحی دیہات میں امدادی کام شروع کر دیا ہے مقامی جماعت احمدیہ نے بھی قصور میں کیمپ کھول دیا ہے جس میں سیلاب زدوں کیلئے پکا ہوا کھانا اور آٹا تقسیم کیا جا رہا ہے[۲]"۔

(۸)۔ "یہ لوگ موقع کے مطابق گھرے ہوئے لوگوں کی خوراک اور پارچات سے امداد کرنے کے علاوہ بیماروں کو ہر طرح طبی امداد بھی پہنچا رہے ہیں[۳]"۔

(۹)۔ "احمدیہ ریلیف کمیٹی سیالکوٹ اس وقت تک کھرانوالہ، چپراڑ، چوڑ منڈا، نارووال، بدوملہی خاص میں راشن، دوائیاں، گرم، سرد کپڑے اور بعض نادار لوگوں میں نقدی تقسیم کر چکی ہے۔ تین مزید مرکز گدیاں، رعیہ اور میانوالی میں کھولے گئے ہیں۔ چوہدری نذیر احمد باجوہ ایڈووکیٹ صدر احمدیہ ریلیف کمیٹی ایک ہزار نئے و پرانے گرم و سرد کپڑے لے کر رعیہ کے علاقے میں تقسیم کرنے کے لئے (نارووال پہنچ گئے ہیں[۴]) دس معماروں نے ریلیف کمیٹی کو ایک ہفتہ کے لئے اپنی خدمات مکانات تعمیر کرنے کے لئے پیش کی ہیں[۵]"۔

۷۔ اخبار "امروز" لاہور

(۱)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ کی سرگرمیاں"۔

"آج مجلس کی ریلیف پارٹیوں نے شہر کے مختلف حصوں سے پچاس کے قریب افراد کو گہرے پانی سے نکالا اور محفوظ مقامات پر پہنچایا۔ مجلس نے اپنا ایک ریلیف سنٹر جودھامل بلڈنگ (فون نمبر ۳۷۵۲) قائم کر دیا ہے جہاں سے سیلاب

---

[۱] "آفاق" لاہور ۲۳ر اکتوبر ۱۹۵۵ء ص۵۔ [۲] "آفاق" ۲۳ر اکتوبر ۱۹۵۵ء ص۵۔

[۳] "آفاق" ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۵ء ص۵۔ [۴] یہ الفاظ سہواً رہ گئے۔ ملاحظہ ہو "نوائے پاکستان" لاہور مورخہ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۵ء۔ [۵] "آفاق" ۲۳ر اکتوبر ۱۹۵۵ء ص۵۔

کے سلسلہ میں ہر ممکن امداد مہیا کی جارہی ہے مجلس نے پانی میں گھرے ہوئے لوگوں کو نکالنے کے لئے فوج کو اپنے پچاس تربیت یافتہ خدام پیش کئے ہیں۔ مجلس کی ایک پارٹی نے ملٹری کے ساتھ مل کر گھرے پانی میں ریلیف کا کام کیا اور متعدد ڈوبتے ہوئے بچّوں اور عورتوں کو بچایا[1]۔"

"ملتان کے سیلاب زدہ علاقے میں خدام الاحمدیہ نے آج ۲۵۰ پونڈ خوراک تقسیم کی۔ خدام الاحمدیہ نے آج کرشن نگر لاہور میں جامع مسجد کے پاس اپنا طبّی مرکز قائم کر دیا ہے۔ مرکز نے لوگوں کو ٹیکے لگوانے کی ہدایت کی۔"

(۲)۔ "انجمن کی چار پارٹیاں شیخوپورہ کے سیلاب زدہ دیہات میں کام کر رہی ہیں۔ خدام نے ایک ہزار افراد کو کھانا کھلایا۔ دوصد افراد میں خشک اشیاء تقسیم کیں۔ ایک سو اشخاص کو طبّی امداد دی اور پینے کا پانی مہیّا کیا گیا[2]۔"

(۳)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی امدادی پارٹیوں نے کل مختلف سینٹروں میں سیلاب زدگان کی امداد کی۔ ایک پارٹی نے محکمہ سول ڈیفنس کے ریسکیو آفس میں ایمرجنسی سروس کے لئے اپنی خدمات پیش کیں اور سارا دن اُن کے ماتحت کام کرتے رہے مجلس کے سلطان پورہ سنٹر کے خدام کوٹ خواجہ سعید۔ مندر کالو۔ مڑھی شیر سنگھ اور بھگت پورہ میں پانی کو عبور کرتے ہوئے گئے اور تین صد افراد کو طبّی امداد بہم پہنچائی اور اس کے علاوہ کچّا گوشت تقسیم کیا۔

شاہدرہ سنٹر کے خدام ڈھیر، کرول، جادا، دوگاہی گل، گورنمنٹ رائس فارم کالا شاہ کاکو گئے اور تقریباً ڈیڑھ صد افراد کو ٹیکے لگائے گئے۔

قصور کے سنٹر میں کام کرتے والے خدام قصور۔ بنگلہ مال۔ گنڈا سنگھ والا۔ برج نامدار والا۔ میانوالہ۔ وزیر پور، کھر پڑ، اور جوڑا میں گئے۔ بعض جگہ ۱۷ میل تک پانی میں سفر کر کے سیلاب زدہ لوگوں تک پہنچے اور انہیں ہر قسم کی امداد بہم پہنچائی گئی[3]۔"

---

[1] "امروز" لاہور ۸/ اکتوبر ۱۹۵۵ء۔ [2] "امروز" لاہور ۱۸/ اکتوبر ۱۹۵۵ء۔
[3] "امروز" لاہور ۲۰/ اکتوبر ۱۹۵۵ء

(۴)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ کوئٹہ نے لاہور کی مجلس کو سیلاب زدگان کی امداد کے لئے دو سو روپے بھیج دیئے ہیں۔ قصور اور اس کے ملحقہ بستیوں میں خدام الاحمدیہ کی ایک پارٹی مصیبت زدہ لوگوں میں ادویات، پارچات تقسیم کرنے میں مصروف ہے۔ اس کے علاوہ کل سلطان پورہ۔ مصری شاہ۔ شاد باغ۔ تاج پورہ۔ اسلامیہ پارک۔ راج گڑھ۔ کرشن نگر اور شاہدرہ کی ملحقہ بستیوں میں تقریباً تین سو افراد میں ادویات تقسیم کی گئیں۔ مجلس کے ان علاقوں میں امدادی کیمپ قائم ہیں[۱]۔"

(۵)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے آج ڈاکٹروں کی نگرانی میں سیلاب زدگان کو طبی امداد بہم پہنچائی۔ مجلس نے سلطان پورہ۔ شاہدرہ۔ کرشن نگر اور اسلامیہ پارک میں اپنے امدادی کیمپ قائم کئے ہیں۔ جہاں سے ملحقہ بستیوں کو ادویات، گرم کپڑے اور کھانے کی اشیاء بہم پہنچائی گئیں۔ علاوہ ازیں مجلس خدام الاحمدیہ ربوہ کی امدادی پارٹیوں نے خانپور سیڈ منڈھیالی۔ نارنگ، ایچڑ۔ کالا خطائی۔ شاہ مسکین۔ مانگٹانوالہ اور ملحقہ علاقوں میں مقامی ہیلتھ آفیسر کے ہمراہ ادویات گرم کپڑے اور دیگر ضروریات کی چیزیں سیلاب زدگان میں تقسیم کی ہیں[۲]۔"

۸۔ اخبار "نوائے وقت" لاہور

(۱)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ مغلپورہ کی ریلیف پارٹی جس میں ایک ڈاکٹر پانچ فرسٹ ایڈرز اور سات مددگار تھے نے کل رات گڑھا اور مرل کے لوگوں میں امدادی کام کیا۔ عوام میں خوراک تقسیم کی گئی اور تقریباً ڈیڑھ سو اشخاص کو طبی امداد بہم پہنچائی گئی[۳]۔"

(۲)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کے زیر اہتمام امدادی سرگرمیوں کو اب اور وسیع کر دیا گیا ہے۔ اور آج سے سلطان پورہ میں نیا امدادی مرکز کام کر رہا ہے جہاں سے

---

[۱] "امروز" لاہور ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۵ء۔ [۲] "امروز" لاہور ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء
[۳] "نوائے وقت" لاہور ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔

مصری شاہ، کاچھو پورہ، بھارت نگر، تاج پورہ، شاد باغ اور وسن پورہ کے مصیبت زدہ عوام کی مدد کی جائے گی۔

مجلس کی دو پارٹیوں نے آج حضوری باغ کے کیمپ میں بھی امدادی کام کیا اور سول ڈیفنس کے کارکنوں کے ساتھ مل کر سیلاب زدگان کی مدد کی۔[1]"

(۳)۔ "لاہور ۱۶ راکتوبر۔۔۔ مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ کی ایک پارٹی ضروری سازوسامان ادویہ پارچات وغیرہ لے کر قصور روانہ ہوگئی ہے۔ لاہور میں اس وقت مجلس کے زیر اہتمام آٹھ امدادی مرکز کام کر رہے ہیں۔۔۔۔

مجلس خدام الاحمدیہ مغلپورہ لاہور کے طبی مرکز نے آج سیلاب زدہ علاقوں میں تقریباً ۲۵۰ اشخاص کو مفت دوائی اور طبی امداد بہم پہنچائی۔ مغربی پاکستان کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خانصاحب نے بھی آج کیمپ کا معائنہ کیا اور کارکنوں کی امداد کو سراہا۔[2]"

(۴)۔ "لاہور ۱۷ راکتوبر۔۔۔ مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے آج محکمہ شہری دفاع کے ارکان کے ساتھ کام کیا اور کوٹ خواجہ سعید۔ مڑھی شیر سنگھ اور بھگت پورہ کے دیہات میں سیلاب زدگان کو طبی امداد بہم پہنچائی۔[3]"

(۵)۔ "خدام الاحمدیہ ربوہ کے مقامی ارکان نے سلطان پورہ کے امدادی مرکز سے شاد باغ مصری شاہ، وسن پورہ اور تاج پورہ کے علاقوں میں عوام کو طبی امداد دی اور مستورات کے ایک وفد نے شاہدرہ میں گرم کپڑے تقسیم کئے۔ عنقریب کالا خطائی اور ایچرہ میں بھی امدادی کیمپ کھولے جائیں گے۔[4]"

(۶)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ ربوہ نے آج سیلاب زدگان میں ادویات اور پارچات تقسیم کئے اور سلطان پورہ، مصری شاہ، شاد باغ، تاج پورہ، اسلامیہ پارک، راج گڑھ، کرشن نگر اور شاہدرہ میں اینٹی ملیریا ادویات تقسیم کیں۔[5]"

---

[1] "نوائے وقت" لاہور ۱۴ راکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶ ۔ [2] "نوائے وقت" لاہور ۱۸ راکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶
[3] "نوائے وقت" لاہور ۱۹ راکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶ [4] "نوائے وقت لاہور ۲۰ راکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶
[5]۔ "نوائے وقت" ۲۱ راکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶

(۷)۔ "ملتان (ڈاک سے) مجلس خدام الاحمدیہ ملتان کے امدادی کارکن غوث پور، کبیر والہ، علی پور، جسن پور اور دوسرے سیلاب زدہ علاقوں میں مصیبت زدگان کی امداد کر رہے ہیں۔ انہوں نے کبیر والا کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا ہے۔ دوسرے علاقوں کی ضروریات کے بارے میں اطلاع ملنے پر مزید کارکن روانہ کئے جائیں گے۔"[1]

(۸)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے آج بھی سلطان پورہ کے مرکز سے امدادی کام جاری رکھا۔ سیلاب سے متأثرہ علاقوں میں ڈی ڈی ٹی کا چھڑکاؤ کیا گیا اور بیماروں میں کونین بانٹی گئی۔ قلعہ لچھمن سنگھ، راوی روڈ اور بڈھا دریا کے کنارے پناہ گزینوں کو لحاف وغیرہ دیئے گئے۔"[2]

(۹)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی طرف سے کالا شاہ کاکو اور دیگر نواحی گاؤں میں ادویات اور دیگر ضروری اشیاء تقسیم کی گئیں اسی علاقہ میں طبّی امداد کا سلسلہ بھی جاری ہے۔"[3]

(۱۰) "مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کے رضا کاروں نے آج بھی سیلاب زدہ دیہات میں صفائی کا کام جاری رکھا۔"[4]

(۱۱)۔ "سیالکوٹ کے عوام اور سیاسی جماعتوں کی بے حسی حیرت انگیز اور افسوسناک ہے۔ احمدیہ ریلیف کمیٹی اور لنڈا بازار لاہور کے علاوہ کسی دوسری جماعت نے سیلاب زدہ علاقوں میں جا کر عملی کام شروع نہیں کیا۔ جماعت اسلامی، عوامی لیگ، خاکسار جماعت، مُسلم کانفرنس اور دوسری اَن گنت جماعتیں ان دنوں نہ جانے کن مصروفیات میں منہمک ہیں کہ سیلاب زدہ علاقوں میں جانا پسند نہیں کرتیں۔"[5]

(۱۲)۔ "لاہور۔ ۳۰ / اکتوبر۔۔۔ مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی طرف سے آج تین ہزار سیلاب زدگان میں اجناسِ خوردنی تقسیم کی گئیں، ۱۲۵۰ افراد کو ملیریا کے ٹیکے لگائے

---

[1] "نوائے وقت" ۲۴ / اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۔ [2] "نوائے وقت" ۲۶ / اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶
[3] "نوائے وقت" ۲۵ / اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔ [4] "نوائے وقت" ۲۸ / اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۸
[5] "نوائے وقت" ۳ / نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۔

گئے۔ اور سلطان پورہ میں شکستہ مسجد اور مکانوں کی مرمّت میں لوگوں کی امداد کی گئی۔
علاوہ ازیں خدام کی ایک دوسری پارٹی نے کالا خطائی۔ ہیچڑ۔ پکھیالی۔ قلعہ ستار شاہ۔
دھوکا منڈی اور مانگٹانوالہ کے دیہات میں پارچات اور ادویہ تقسیم کیں۔[1]

۹۔ اخبار "ملّت" لاہور

(۱) "سیلاب زدگان کی امداد"

"سیلاب کے دوران میں جماعت احمدیہ نے جو کام کیا اس کا مختصر سا ذکر آپ کے اخبار میں کرنا چاہتا ہوں۔

یہ اطلاع موصول ہوئی کہ ڈیرہ غازیخاں سے ۶۰ میل دُور درّہ سنگھڑ کے جنوب مشرقی کنارے سوکڑ۔ مندرانی اور جھوک کھبوے والی بستیاں تباہ ہو گئی ہیں۔ فیصلہ کیا گیا کہ بستی مندرانی میں سیلاب زدگان کا امدادی کام شروع کیا جائے۔ چنانچہ دو خدام اور ان پر ایک نگران کو مقرر کر کے مبلغ دو صد روپیہ نقد اور دو تھان کپڑوں کے دے کر مذکورہ بالا مقام کی طرف روانہ کیا گیا۔ ہم لوگ پہلے روز بارش میں بھیگتے ہوئے ۱۲ میل تک بارش میں چلنے کے بعد پہاڑی نالوں کو جو بڑی تیزی سے تین تین چار چار فٹ گہرائی میں بہہ رہے تھے عبور کرتے ہوئے چار روز پیدل چل کر منزلِ مقصود پر پہنچے۔ وہاں جا کر ہم نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ حالتِ زار بیان سے باہر ہے مکان گر کر پیوندِ خاک ہو چکے تھے۔ سب کچھ پانی کی نذر ہو چکے تھے اور خود مکین ایک اونچے پہاڑی ٹیلہ پر پناہ گزیں ہو چکے تھے۔ بھوک سے نڈھال بچے بلبلا رہے تھے اور اُن کے والدین نیم وا آنکھوں سے انہیں دیکھ دیکھ کر موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھے ہم نے وہاں جا کر بستی مندرانی کے ڈھائی صد افراد میں پانچ من آٹا گندم۔ تین من غلّہ گندم۔ سات من غلّہ جوار دو تھان کپڑوں کے۔ آدھ من دال آدھ من گڑ اور ایک صد روپیہ تقسیم کیا جو وہاں کے مصیبت زدہ لوگوں کے لئے نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوئے۔

[1] "نوائے وقت" یکم نومبر ۱۹۵۵ء ص۶

اس سلسلہ میں ایک عجیب اور بے مثال قربانی کا نمونہ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ وہاں کے احمدی دوستوں نے بھی جو خود اس بلائے ناگہانی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ ان لوگوں میں غلّہ وغیرہ تقسیم کرنے کے علاوہ ۲۸۰ مرلہ زمین ان لوگوں میں مفت تقسیم کرنی شروع کر دی جن کے مکانات گر کر مستقل طور پر ندی کا طاس بن چکے تھے۔ یہ زمین ایک محفوظ مقام پر ہے اور اس کی بازاری قیمت مبلغ سات صد روپے سے کم نہیں ہے۔ اس قربانی کا سہرا غلام حسن خانصاحب کے سر ہے جنہوں نے محض لوجہ اللہ سیلاب زدگان میں مفت تقسیم کرنی شروع کر دی۔ اسی طرح دیہات میں ایک جگہ ساٹھ گز لمبے اور تین فٹ گہرے پانی میں خشک مٹی ڈال کر لوگوں کے لئے راستہ بنایا گیا جس سے بچوں، عورتوں کو ایک بڑی تکلیف سے نجات مل گئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مخلوق کی خدمت کرنے کی ہمیشہ توفیق عطا فرماوے کہ یہی انسانیت کا معراج ہے۔ عبدالواحد خاں انچارج کیمپ بستی مندرانی ضلع ڈیرہ غازی خاں[1]"

(۲)۔ "۹ راکتوبر ۱۹۵۵ء کو مجلس خدام الاحمدیہ گنج مغلپورہ کی دو امدادی پارٹیوں نے ڈاکٹر محمد حفیظ صاحب سابق اسسٹنٹ سرجن آزاد کشمیر کی زیر ہدایت محمود بوٹی بند سے ۱۸ میل کے رقبہ میں واقع دیہات موضع بھینی پار، رتہ گڑھ، قرل، سنت نگر، آوان سکیاں میں کشتی کے ذریعہ پہنچ کر اپنے امدادی کام کو جاری رکھا۔ مجموعی طور پر ۶۱۶ افراد کو طبّی امداد بہم پہنچائی اور ۶۰ آدمیوں کو مرہم پٹی کی گئی۔

۱۰ راکتوبر ۱۹۵۵ء کو مجلس نے اپنے امدادی کام کو بدستور جاری رکھا اور شیخ اعجاز احمد صاحب مجسٹریٹ متعینہ علاقہ محمود بوٹی کی زیر ہدایات موضع کر اول، جھگیاں اور جبّو کے میں کشتی کے ذریعہ پہنچ کر خوراک، ماچس، چائے کے بنڈل اور موم بتیاں وغیرہ تقسیم کیں۔ اس کے علاوہ مجلس نے ان دیہات میں دوائیاں بھی تقسیم کیں اور ۱۲۰ آدمیوں کو طبّی امداد دی گئی[2]"

(۳)۔ "مرکزیہ خدام الاحمدیہ ربوہ سے ۴۰ خدام پر مشتمل ایک پارٹی سیلاب زدگان کی امداد کے لئے بھیجی گئی۔ ان خدام نے ایک کیمپ شیخوپورہ سے ۸ میل دور لاہور کی جانب

---

[1] روزنامہ "ملت" لاہور ۱۳ ستمبر ۱۹۵۵ء ص۲۔ [2] "ملت" لاہور ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۵ء ص۶

نہر اپر چناب کے کنارے لگایا ہے۔ ان خدام میں ڈاکٹر، کشتی ران، تیراک شامل ہیں جن کے پاس طبّی امداد اور دوسری امداد کا ہر قسم کا سامان موجود ہے ان کیمپوں سے قلعہ ستار شاہ مسّن کالر، خان پور، روک، لہیاں، پنڈالی اور مومن پور میں امدادی پارٹیاں روانہ کی گئیں جنہوں نے پانی میں گھرے ہوئے سینکڑوں افراد میں کھانا تقسیم کیا۔ طبّی امداد بہم پہنچائی۔ پھنسے ہوئے افراد کو محفوظ مقامات پر پہنچایا۔"[1]

(۴)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ کی طرف سے شیخوپورہ میں متعینہ چالیس خدام آج چار پارٹیوں میں تقسیم ہو کر شیخوپورہ کے مختلف مقامات کلّہ، رحمت خان، نبی پور، ڈیرہ بھیال والا ملوکے، منڈھیالی، دین محمد کا ڈیرہ، ٹھٹھہ قریشی اور چنگڑوں کے محلہ میں گئے۔ جہاں ایک ہزار افراد کو کھانا کھلایا گیا۔ دو صد افراد میں خشک اشیاء تقسیم کی گئیں۔ ایک صد افراد کو طبّی امداد بہم پہنچائی گئی اور پچیس سو افراد کو پینے کے لئے پانی مہیا کر دیا گیا۔

عبداللطیف قائد خدام الاحمدیہ ضلع ملتان نے اطلاع دی ہے کہ جماعت احمدیہ ملتان کی طرف سے جماعت کے کارکن سیلاب زدگان کی امداد کے لئے مصروفِ عمل ہیں آج سیلاب زدوں کو کئی پونڈ خوراک بہم پہنچائی گئی۔"[2]

(۵)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے آج بھی مختلف سینٹروں میں سیلاب زدگان کی امداد کا کام جاری رکھا۔ ایک پارٹی نے محکمہ سول ڈیفنس کے ریسکیو آفس میں ایمرجنسی سروس کے لئے اپنی خدمات پیش کیں اور سارا دن اِن کے ماتحت کام کرتے رہے مجلس سلطان پورہ سنٹر کے خدام کوٹ خواجہ سعید، مندر کالو رام، مڑھی شیر سنگھ اور بھگت پورہ میں پانی کو عبور کرتے ہوئے گئے اور تین صد افراد کو امداد پہنچائی۔ اور اس کے علاوہ کچا گوشت تقسیم کیا گیا۔ شاہدرہ سنٹر کے خدام ڈھیر کرول، جادا، درگا کی گل، گورنمنٹ رائس فارم اور کالا شاہ کاکو گئے۔ اور تقریباً ڈیڑھ صد افراد کو کونین کے ٹیکے لگائے گئے۔

قصور کے سنٹر میں کام کرنے والے خدام قصور، وزیر پور، کھر پڑ اور جوڑا میں

---

[1] "ملّت" لاہور ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔ [2] "ملّت" لاہور ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۲

گئے اور بعض جگہ سترہ سترہ میل تک پیدل پانی میں سفر کیا۔ اور سیلاب زدگان تک پہنچے اور انہیں ہر قسم کی امداد بہم پہنچائی گئی[1]۔"

(۶)۔ "لاہور ۱۸ اکتوبر۔ آج بھی مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی تین پارٹیاں مختلف جگہوں میں امدادی کام میں مصروف ہیں۔ سلطان پورہ ریلیف سنٹر سے شادباغ، مصری شاہ دسن پورہ اور تاج پورہ کے علاقوں کو طبّی امداد بہم پہنچائی گئی۔

احمدی مستورات کے ایک وفد نے شاہدرہ اور اس کے ملحقہ علاقوں میں ۲۶ مستحق افراد میں پارچات اور ایک صد مریضوں میں ادویات تقسیم کیں۔ اس علاقہ میں خدام کے ایک وفد نے بھی علاوہ ادویات کے دیا سلائی اور موم بتیاں تقسیم کیں۔

ربوہ سے خدام الاحمدیہ کے سترہ افراد پر مشتمل ایک اور قافلہ آج گیارہ بجے شاہدرہ پہنچ گیا ہے سیلاب زدگان کو ہر قسم کی امداد بہم پہنچانے کے لئے مندرجہ ذیل مقامات پر کیمپ لگائے جائیں گے۔ نارنگ۔ کالا خطائی اور ایچڑ[2]۔"

(۷)۔ "آج بھی حسب معمول مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کے زیر اہتمام سلطان پورہ، اسلامیہ پارک، کرشن نگر، اور شاہدرہ کے سنٹروں میں بڑی سرگرمی سے ریلیف کا کام جاری رہا۔ خدام ان علاقوں میں ادویات تقسیم کرنے اور صفائی کے کام میں مدد کرنے میں مصروف رہے۔

اس کے علاوہ قلعہ لچھمن سنگھ۔ شمشان بھومی۔ اور اس کے ملحقہ علاقہ میں..... مجلس کی چھ افراد پر مشتمل پارٹی جو کہ ۱۶ اکتوبر کو قصور کی طرف روانہ کی گئی تھی آج واپس لاہور پہنچ گئی ہے اس پارٹی نے اس دوران میں بنگلہ قیصر گڑھ، مان گنڈا سنگھ والا، میانوالہ، للّوکے حسین خاں والا، جوڑا اور ان کے علاوہ دیگر چھوٹے چھوٹے دیہات میں پانی میں گزر کر امدادی کام کیا تقریباً ڈیڑھ ہزار افراد میں ادویات تقسیم کی گئیں[3]۔"

---

[1] "ملت" لاہور ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔ [2] "ملت" لاہور ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶
[3] "ملت" لاہور ۲۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔

(۸)۔ "لاہور ۲۴ر اکتوبر۔ آج مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے اپنی امدادی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ محکمہ اینٹی ملیریا سے مل کر ان کے گھروں میں ڈی۔ ڈی۔ ٹی چھڑکنے کا انتظام کیا گیا۔ جو سیلاب سے بُری طرح متاثر ہوئے تھے۔ سلطان پورہ سنٹر میں بھی حسبِ معمول کام ہوتا رہا۔ مجلس نے آج قلعہ لچھمن سنگھ راوی روڈ اور بڈھا دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے تین صد افراد میں پارچات اور ادویات تقسیم کیں[۱]۔"

(۹)۔ "دیپال پور اوکاڑہ روڈ سیلاب زدگان کے مختلف کیمپوں میں خدام الاحمدیہ اوکاڑہ کی طبّی امداد اس قدر برمحل اور مفید ثابت ہوئی کہ دُور افتادہ سیلاب سے تباہ شدہ دُوسرے دیہات کے لوگوں نے خدام سے اپیل کی ہے کہ ان کی طرف بھی توجہ کی جائے لیکن ذرائع محدود ہونے کی وجہ سے خدام ان کی خواہش کی تکمیل سے قاصر ہیں۔ سردست میاں محمد شفیع نمبردار چک ۲/۲۳ کی درخواست پر راجباہ ٹو۔ ایل کے چکوک ۳۲، ۳۳، ۳۴ ۳۵ اور دوسرے قرب وجوار میں ڈیرے لگائے ہوئے سیلاب زدگان کی طبّی امداد کے پیشِ نظر طبّی کیمپ کو کلاس بنگلہ نہر پر منتقل کر دیا ہے۔

کاش کہ دیگر جماعتیں بھی وسیع پیمانہ پر سیلابی علاقہ میں ایسی طبّی امداد کا انتظام کریں کہ اب وہاں سیلاب کے بعد ملیریا و دیگر امراض کی وبائی صورت میں پھیلنے کا سخت خطرہ ہے[۲]۔"

(۱۰)۔ "لاہور۔ ۲۶ر اکتوبر۔ آج بھی مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی پارٹیاں سرگرم عمل رہیں۔ انہوں نے سلطان پورہ، کاچھو پورہ، بھارت نگر، مسلم گنج، فیض باغ اور نولکھا پارک میں صفائی کا کام کیا۔ مختلف جگہوں اور گھروں میں فینائل اور ڈی ڈی ٹی کا چھڑکاؤ کیا۔ خدام نے ملحقہ علاقوں میں بھی صفائی کا پروگرام بنایا ہے[۳]۔"

(۱۱)۔ "لاہور ۲۷ر اکتوبر۔ مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے ایک ہنگامی اجلاس

---

[۱] "ملت" لاہور ۲۶ر اکتوبر ۱۹۵۵ء۔ [۲] "ملت" لاہور ۲۶ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صہ۲
[۳] "ملت" لاہور ۲۸ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صہ۱۔

میں فیصلہ کیا ہے کہ سیلاب زدگان میں علاوہ ادویات و پارچات تقسیم کرنے کے مکانات کی تعمیر کا کام شروع کیا جائے۔ اس سلسلہ میں مجلس بہت سے معماروں کا انتظام کر رہی ہے جو متاثرہ علاقہ میں مستحق غرباء کے مکانات تعمیر کرنے میں مدد دیں گے۔ مجلس نے آج اپنے امدادی مرکز سے ایک صد پارچات سیلاب زدگان میں تقسیم کئے۔"[1]

۱۰- اخبار "مغربی پاکستان" لاہور

(۱)۔ "آج بھی مجلس خدام الاحمدیہ کی امدادی پارٹیاں تمام دن ریلیف کے کام میں مصروف رہیں۔ ایک امدادی پارٹی سائیکلوں پر کالا شاہ کاکو تک گئی اور راستہ میں سڑک پر بیٹھے ہوئے سیلاب زدگان کی امداد کی۔ یہ پارٹی پانچ گھنٹے کے بعد واپس لوٹی۔ ایک اور امدادی پارٹی جو پرسوں لاہور سے ہربکے جانے والی سڑک پر روانہ ہوئی تھی آج سہ پہر کو واپس پہنچ گئی۔ اس پارٹی نے برکی، برکا کلاں۔ برکا خورد، جاہمن، ہڈیارہ میں کام کیا۔ مجلس کے سلطان پورہ کے سنٹر سے بھی لوگوں کو ہر طرح کی امداد بہم پہنچانے کا کام ہوتا رہا۔"[2]

(۲)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ کی طرف سے خدام شیخوپورہ کے مختلف مضافات کلہ رحمت خاں، نبی پورہ، ڈیرہ سہیاں والا، للوکے، منڈھیالی، دین محمد کا ڈیرہ، ٹھٹھہ قریشی اور چنگڑوں کے محلہ میں گئے جہاں ایک ہزار افراد کو کھانا کھلایا گیا۔ دو صد افراد میں خشک اشیاء تقسیم کی گئیں۔ دو صد افراد کو طبّی امداد بہم پہنچائی گئی اور پچیس سو افراد کو پینے کے لئے پانی مہیا کر دیا گیا۔ لاہور، شیخوپورہ روڈ کے کھل جانے اور ٹریفک کے زیادہ ہونے کی وجہ سے دو کاریں پانی میں پھنس گئیں جنہیں خدام نے مل کر بڑی تگ ودو سے باہر نکالا۔

مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے آج بھی محکمہ سول ڈیفنس، اینٹی ملیریا، ریڈ کراس اور پولیس کو اپنی خدمات پیش کیں اور شاہدرہ سنٹر میں بھی بڑے جوش وخروش

---

[1] "ملت" لاہور ۲۹ / اکتوبر ۱۹۵۵ء صـ۶۔ [2] "مغربی پاکستان" لاہور ۱۵/ اکتوبر ۱۹۵۵ء صـ۶

سے ریلیف کا کام سرانجام دیا جاتا رہا۔"[1]

(۳)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ کوئٹہ نے آج مجلس لاہور کو سیلاب زدگان کی امداد کے لئے دو صد روپیہ بھجوایا ہے تاکہ وہ اپنے کام کو اور بھی وسعت دے سکیں۔
قصور اور اس کی ملحقہ بستیوں میں مجلس خدام الاحمدیہ کی ایک امدادی پارٹی مصیبت زدگان میں ادویات اور پارچات تقسیم کرنے میں مصروف ہے۔ اس کے علاوہ خدام نے آج سلطان پورہ، مصری شاہ، شاد باغ، تاج پورہ، اسلامیہ پارک، راج گڑھ، کرشن نگر اور شاہدرہ کی ملحقہ بستیوں میں قریباً تین صد افراد کو اینٹی ملیریا ادویات تقسیم کیں۔ مجلس نے سلطان پورہ، اسلامیہ پارک، شاہدرہ اور کرشن نگر کے علاقوں میں اپنے امدادی کیمپ قائم کئے ہوئے ہیں۔"[2]

۱۱۔ اخبار "پاکستان ٹائمز" لاہور

(1) "FLOOD RELIEF WORK IN SIALKOT"
(From a Correspondent)

"Sialkot; Oct 13: The Ahmadiyya Relief Committee, District Sialkot, distributing rations, medicines and clothes through various centres intend to construct damaged houses of the poor people. The Relief Committee despatched another consignment of clothes, medicines and soap to the chaprar sector for distribution."[1]

(2) "SIALKOT; Oct 18: According to information gathered from reliable sources, the out-break of epidemic in the majority of flood-affected villages, has presented the district authorities with a new problem.

Despite the unstinting efforts of the Deputy Commissioner, Sheikh Manzoor, and the medical authorities, the situation is still said to be out of control for lack of adequate medical staff.

ل "مغربی پاکستان" لاہور ۱۷؍اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔ ۲ "مغربی پاکستان" لاہور ۱۲؍اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶

1. Pakistan Times, Lahore, 15 October, 1955 P: 7 - Col. 5

The only local Relief committee formed by the Jamma'at Ahmadia, is working in the flood area with its five Doctors since October 6. Meanwhile two Doctors have reached here from Rabwah, and another two are expected soon. The Jamma'at Ahmadia has already distributed 1,300 articles of clothing, while medicines are being sent across to the marooned persons with the help of all available resources. The Relief Committee's work is distributed in 15 sections. Under instructions from the Deputy Commissioner, it is learnt the Jamma'at Ahmadia has requested its central authorities to send more doctors with auxiliary staff to Sialkot."[1]

(3) "The Majlis Khuddam-ul-Ahmadiyya, Lahore, is running four relief centres in Sultanpura, Islamia Park, Shahdara and Krishen Nagar, where clothes food and medicines are being distributed."[2]

ترجمہ :۔ (۱) ۔سیالکوٹ ۱۳؍ اکتوبر ضلع سیالکوٹ کی احمدیہ ریلیف کمیٹی جو متعدد مراکز کے ذریعہ راشن، دوائیں اور کپڑے وغیرہ تقسیم کر رہی ہے اَب اس نے ارادہ کیا ہے کہ غریبوں کے مکانات بھی تعمیر کئے جائیں ۔ ریلیف کمیٹی نے کپڑوں، دواؤں اور صابن وغیرہ کی ایک اور کھیپ تقسیم کرنے کے لئے چپراڑ کے علاقے میں روانہ کی ہے۔[۱]

(۲) ۔سیالکوٹ ۱۸؍ اکتوبر۔ موثق ذرائع سے حاصل کی ہوئی اطلاعات کے مطابق سیلاب زدہ علاقوں کے بیشتر دیہات میں وبائیں پھیلنے کے خطرے نے ضلع کے حکام کو ایک نئے مسئلہ سے دوچار کر دیا ہے ۔شیخ منظور احمد ڈپٹی کمشنر اور طبّی افسران کی انتھک کوششوں کے باوجود تربیت یافتہ طبّی عملے کی کمی کے باعث صورتِ حال اب تک قابو سے باہر بیان کی جاتی ہے ۔

جماعت احمدیہ کی طرف سے قائم کردہ علاقے کی واحد ریلیف کمیٹی اپنے پانچ ڈاکٹروں کی مدد سے سیلاب زدہ علاقے میں ۶؍ اکتوبر سے کام کر رہی ہے ۔ اس عرصہ میں ربوہ سے

1. Pakistan Times, Lahore 19 October, 1955 P: 2 - Col. 7

2. Pakistan Time Lahore, 20 October, 1955 P: 3 - Col. 3

[۱] "پاکستان ٹائمز" ۱۵؍ اکتوبر ۱۹۵۵ء (ترجمہ)

دو ڈاکٹر یہاں پہنچ چکے ہیں نیز توقع ہے کہ مزید دو ڈاکٹر بھی عنقریب پہنچ جائیں گے۔ جماعت احمدیہ پہلے پہننے کے تیرہ سو کپڑے تقسیم کر چکی ہے اسی طرح جُملہ وسائل کو بروئے کار لاکر پانی میں گھرے ہوئے لوگوں کے پاس جا جا کر انہیں دوائی بھی بہم پہنچائی جا رہی ہے۔ ریلیف کمیٹی کا کام پندرہ حصّوں میں منقسم ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ ڈپٹی کمشنر صاحب کی زیرِ ہدایت جماعت احمدیہ نے اپنے مرکزی ارباب حل و عقد سے درخواست کی ہے کہ وہ امدادی عملے کے ساتھ مزید ڈاکٹر سیالکوٹ بھجوائیں[1]

(۳)۔ مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے سلطان پورہ، اسلامیہ پارک، شاہدرہ اور کرشن نگر میں ریلیف کے چار مرکز قائم کر رکھے ہیں۔ ان مراکز میں کپڑے، خوراک اور ادویہ تقسیم کی جا رہی ہیں[2]

۱۲۔ ہفت روزہ "چٹان" لاہور

مدیر چٹان آغا شورش کاشمیری نے لکھا:۔

"جماعت احمدیہ نے اپنی ہمت کے مطابق کام میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی اس کا اعتراف نہ کرنا اخلاقی بددیانتی ہوگی[3]"

۱۳۔ اخبار "احسان" لاہور

(۱)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ کی طرف سے شیخوپورہ میں متعینہ ۱۸ خدام چار پارٹیوں میں تقسیم ہو کر شیخوپورہ میں مختلف مضافات کلّہ رحمت خاں، نبی پورہ، ڈیرہ سیال والا، للوں کے، منڈھیالی، دین محمد کا ڈیرا، ٹھٹھا قریشی اور چنگڑوں کے محلّہ میں گئے۔ جہاں ایک ہزار افراد کو کھانا کھلایا گیا۔ دو سو افراد میں خشک اشیاء تقسیم کی گئیں ایک سو افراد کو طبّی امداد بہم پہنچائی گئی اور پچیس افراد کو پینے کے لئے پانی مہیّا کیا گیا۔ لاہور شیخوپورہ روڈ

---

[1] "پاکستان ٹائمز" ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۵ء۔ [2] "پاکستان ٹائمز" ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۵ء۔

[3] ہفت روزہ "چٹان" ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۔

کھل جانے اور ٹریفک زیادہ ہونے کی وجہ سے دو کاریں پانی میں پھنس گئیں جنہیں خدام نے مل کر بڑی تگ و دو سے باہر نکالا[1]"

(۲) ۔"مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی امدادی پارٹیوں نے آج مختلف مراکز میں سیلاب زدگان کی امداد کی ایک پارٹی نے محکمہ ڈیفنس شہری کے ریسکیو آفس میں ایمرجنسی سروس کے لئے اپنی خدمات پیش کیں اور سارا دن ان کے ماتحت کام کرتے رہے۔ مجلس کے سلطانپورہ مراکز کے خدام کوٹ خواجہ سعید، مندر کالو رام، مڑھی شیر سنگھ اور بھگت پورہ میں پانی عبور کرتے ہوئے گئے اور تین سو افراد کو امداد بہم پہنچائی اور اس کے علاوہ کچا گوشت بھی تقسیم کیا گیا[2]"

۱۴۔ "ہلال پاکستان" لاہور

(۱) ۔"لاہور۔ ۱۶ اکتوبر۔ مجلس خدام الاحمدیہ نے اپنی امدادی سرگرمیاں اور بھی وسیع کر دی ہیں۔ آج مجلس کی ایک پارٹی سیلاب زدگان کی امداد کے لئے قصور روانہ ہوگئی۔ یہ پارٹی اپنے ساتھ ادویات، پارچات اور اشیاء خوردنی مصیبت زدگان میں تقسیم کے لئے لے گئی ہے اس کے علاوہ مجلس کی آٹھ پارٹیاں لاہور کے مختلف حصوں میں امدادی کام کرتی رہیں۔ کرشن نگر کے علاقہ میں چودھری محمد اشرف انچارج تھانہ پرانی انارکلی کی نگرانی میں ۲۱ خدام کی ایک پارٹی نے گلیوں اور سڑکوں میں صفائی کا کام کیا۔ ڈاکٹر خان صاحب وزیر اعلیٰ مغربی پاکستان نے بھی خدام کے کام کا معائنہ کیا۔ ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب موگا کی زیر قیادت طبی امدادی پارٹیاں بھی مختلف علاقوں میں ادویات تقسیم کرتی رہیں۔ شاہدرہ ٹھٹھہ ابوالخیر، بیگم کوٹ اور نواحی بستیوں میں ۱۵۰ افراد کو کونین کے ٹیکے اور ۵۰۰ افراد میں ادویات تقسیم کی گئیں۔

علاوہ ازیں محکمہ ڈیفنس اینٹی ملیریا اور پولیس کی نگرانی میں خدام، ادویات کی تقسیم، شہر کی صفائی اور پارچات تقسیم کرنے میں مصروف رہے۔ امیر جماعت احمدیہ لاہور

---

[1] اخبار "احسان" لاہور ۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء۔ [2] اخبار "احسان" لاہور ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۵ء

چودھری اسداللہ خانصاحب نے متاثرہ علاقوں کا دورہ کرکے خدام کو مناسب ہدایات دیں جن علاقوں میں خدام نے امدادی کام کیا ہے۔ ان میں سلطانپورہ، شاد باغ، وسن پورہ، اور احاطہ تھانیدار سنت نگر اور راج گڑھ کے علاقے شامل ہیں۔"[1]

(۲)۔ "مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی امدادی پارٹیوں نے آج بھی مختلف سنٹروں میں سیلاب زدگان کی امداد کا کام جاری رکھا۔ ایک پارٹی نے محکمہ سول ڈیفنس کے ریسکیو آفس میں ایمرجنسی سروس کے لئے اپنی خدمات پیش کیں اور سارا دن اُن کے ماتحت کام کرتے رہے مجلس کے سلطانپورہ سنٹر کے خدام کوٹ خواجہ سعید، مندر کالو رام، مڑھی شیر سنگھ اور بھگت پورہ میں پانی کو عبور کرتے ہوئے گئے اور تین صد افراد کو طبّی امداد بہم پہنچائی اور اس کے علاوہ کچّا گوشت بھی تقسیم کیا گیا۔

شاہدرہ سنٹر کے خدام ڈھیر کرول، جاوا، درگاہی گل، گورنمنٹ رائس فارم کالا شاہ کاکو گئے اور تقریباً ڈیڑھ صد افراد کو کونین کے ٹیکے لگائے گئے۔ قصور کے سینٹر میں کام کرنے والے خدام قصور، بنگلہ جات، گنڈا سنگھ والا، برج نامدار والا، بازید پور، کھر پیڑ اور جوڑا میں گئے اور بعض جگہ ۲ میل تک پیدل پانی میں سفر کیا اور سیلاب زدگان تک پہنچے اور انہیں ہر قسم کی امداد پہنچائی گئی۔"[2]

(۳)۔ "لاہور ۱۸ راکتوبر۔ آج بھی مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کی تین پارٹیاں مختلف جگہوں پر امدادی کام میں مصروف رہیں۔ سلطان پورہ ریلیف سینٹر سے شاد باغ، مصری شاہ، وسن پورہ، اور تاج پورہ کے علاقوں کو طبّی امداد بہم پہنچائی گئی۔

مستورات کی ایک جماعت نے شاہدرہ اور اس کے ملحقہ علاقے میں ۲۶ مستحق افراد میں پارچات اور ایک سو مریضوں میں دوائیں تقسیم کیں اس علاقہ میں خدّام کے ایک وفد نے بھی دیا سلائی اور موم بتیاں تقسیم کیں۔ ربوہ سے خدام الاحمدیہ کا ۱۷ افراد پر مشتمل ایک قافلہ آج گیارہ بجے شاہدرہ پہنچ گیا ہے۔"[3]

---

[1] "ہلال پاکستان" لاہور ۱۸ راکتوبر ۱۹۵۵ء [2] "ہلال پاکستان" لاہور ۱۹ راکتوبر ۱۹۵۵ء
[3] "ہلال پاکستان" ۲۱ راکتوبر ۱۹۵۵ء۔

۱۵۔ اخبار "تسنیم" لاہور "شاہدرہ کے تمام امدادی مراکز میں سیلاب زدگان کے لئے خوراک اور ادویات کا مناسب انتظام کر دیا گیا ہے۔ سرکاری محکموں کے علاوہ متعدد تنظیموں مثلاً صوبائی میڈیکل ایسوسی ایشن کیمسٹ اینڈ ڈسپنسرز یونین، خدام الاحمدیہ نے اپنی امدادی سرگرمیاں تیز کر دی ہیں۔"[1]

۱۶۔ اخبار "نوائے پاکستان" لاہور "مکرمی! ضلع سیالکوٹ میں اس وقت تک اخبارات میں جو عام اندازے نقصانات کے ظاہر کئے گئے ہیں اب جوں جوں شکر گڑھ اور پسرور کے بدترین سیلاب زدہ علاقوں کی آمدورفت بحال ہو رہی ہے۔ وہ اندازے حقیقی جانی و مالی نقصان کے مقابلے میں کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ اِن علاقوں کے لوگوں کی ہر چیز پانی کی نذر ہو چکی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہر سیاسی، مذہبی، سماجی جماعت اپنے تباہ حال بھائیوں بہنوں کی امداد کے لئے سرگرم عمل ہو۔

آج چوہدری نذیر احمد باجوہ ایڈووکیٹ صدر احمدیہ ریلیف کمیٹی ایک ہزار نئے و پرانے گرم و سرد کپڑے لے کر رعیہ کے علاقہ میں تقسیم کرنے کے لئے نارووال پہنچ گئے ہیں اور شکر گڑھ میں جہاں سب سے زیادہ نقصان ہُوا ہے ابھی تک کسی جماعت کی طرف سے وہاں کسی قسم کی امداد نہیں پہنچی۔ اس لئے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا ہے کہ شکر گڑھ میں بھاری تعداد میں گرم کپڑے بھجوانے کا فوری انتظام کیا جائے۔ دس معماروں نے ریلیف کمیٹی کو ایک ہفتہ کے لئے اپنی خدمات پیش کی ہیں۔ خدا کا خوف رکھنے والوں سے اُمید کی جاتی ہے کہ وہ اپنی جانوں اور اپنی اولادوں کی جانوں کو آفات سے بچانے کے لئے اپنے ننگے بھائی بہنوں کے لئے گرم و سرد کپڑے عطا کریں گے تاکہ وہ سر پر آئی ہوئی سردی سے محفوظ رہ سکیں۔ ظہور احمد سیالکوٹ"[2]

۱۷۔ اخبار "نوائے وقت" لائل پور (۱) "لائل پور ۷ اکتوبر مولوی محمد احمد ثاقب کی قیادت میں خدام الاحمدیہ ربوہ کا پہلا

---

[1] "تسنیم" لاہور ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔ [2] نوائے پاکستان ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۔

امدادی وفد جو چالیس رضا کاروں پر مشتمل ہے ضلع شیخوپورہ کے سیلاب زدگان کی امداد کے لئے لائل پور سے روانہ ہو رہا ہے۔ وفد میں ڈاکٹر، تیراک اور معمار ہیں۔ وفد کے قائد نے مصیبت زدگان سے اپیل کی ہے کہ خدام الاحمدیہ کے شعبہ خدمتِ خلق سے رجوع کریں[۱]۔"

(۲)۔ "احمدیہ ریلیف کیمپ کمالیہ نے تین سو مریضوں کو کونین کے ٹیکے لگائے اور نواحی دیہات کے کنوئیں صاف کرنے کے لئے بیس پونڈ پوٹاشیم پرمنگنیٹ صرف کی۔ تیرہ کالج کے خدام نے کیمپ آفیسر چودھری محمد نواز چیمہ کو آج کمالیہ میں اپنی خدمات پیش کیں۔ اسی جماعت کے شیخوپورہ گروپ نے پانچ سو افراد کو خوراک اور دواؤں کی امداد بہم پہنچائی۔ چھ من روٹیاں، تین سو روپے کی دوائیں اور دو سو روپے کے کپڑے سیلاب زدگان میں تقسیم کئے گئے[۲]۔"

(۳)۔ "کمالیہ (ڈاک سے) خدام الاحمدیہ لائل پور نے اپنے مقامی امدادی کیمپ کمالیہ کے ۱۴۹ سیلاب زدگان میں ادویہ اور ۲۰ سیر بھنے ہوئے چنے تقسیم کئے[۳]۔"

(۴)۔ "احمدیہ ریلیف کیمپ کمالیہ کے خدام نے ۴۵ میل کی مسافت پیدل طے کی اور بوٹ کمالیہ، حمدانہ خورد، چک غلام حسین، دیروانہ، عظمت شاہ، چک قادر بخش، چک جونیاں، چک حکیم عظیم شاہ، باگوانہ، پریم ستی۔ چک ۲۴۷ گ۔ب، چک ۷۱۲ گ۔ب، چک ۷۲۵ گ۔ب، کے ۵۹ کنوؤں میں دوائی ڈالی۔ لوگوں کو طبّی امداد پہنچائی۔ ان دیہات میں تقریباً تین سو مکانات منہدم ہو گئے ہیں[۴]۔"

(۵)۔ "انجمن خدام الاحمدیہ نے کمالیہ کے علاقہ میں چک ۱۶/۷ د، ۷/۱۷، ر۱۸، ر۱۹/۷ اور ۲۰/۷ میں کنوؤں میں جراثیم کش ادویات ڈالیں۔ مریضوں کو طبّی امداد بہم پہنچائی ہے اور خدمت خلق کے اس گروپ میں ایک کوالیفائیڈ ڈاکٹر اور سینیٹری انسپکٹر کو

---

[۱] نوائے وقت لائل پور ۹؍اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴۔ [۲] نوائے وقت لائل پور ۱۷؍اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶
[۳] نوائے وقت لائل پور ۱۸؍اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔ [۴] نوائے وقت لائل پور ۱۹؍اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶

شامل کر دیا ہے۔ کمالیہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ، شورکوٹ اور جڑانوالہ کے معزز معاونین نے سیلاب زدگان کو خوراک، ادویات اور کپڑوں کی امداد دی۔"[1]

۱۸۔ اخبار "خدمت" منٹگمری

"جماعت احمدیہ کا کیمپ"

"اوکاڑہ اور دیپالپور کے درمیان اوکاڑہ سے ۹ میل کے فاصلے پر جماعت احمدیہ نے چک ۵/ے کے مقام پر ایک کیمپ کھولا ہے۔ جس کی افادیت اس لئے بھی اہمیت رکھتی ہے کہ کیمپ سیلاب زدہ علاقے کے بالکل کنارے پر ہے۔ یہاں گذشتہ آٹھ روز میں کافی آدمیوں کو امداد پہنچائی گئی ہے۔ طبّی امداد کے سلسلہ میں ڈاکٹروں نے ساڑھے تیرہ سو افراد کا اَب تک علاج کیا ہے۔ اُن کو مکمّل امداد اور دَوائی مہیّا کی۔

خدام الاحمدیہ کے رضا کار بھی سیّد عزیز احمد صاحب اور ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب کی معیت میں مفلوک الحال لوگوں کی ادویات اور دال چاول کے علاوہ پارچات سے بھی امداد میں مصروف ہیں۔"[2]

۱۹۔ اخبار "کوہستان" راولپنڈی

"سیالکوٹ ۱۵ اکتوبر (نامہ نگار) ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ نے ضلع میں سیلاب سے نقصانات کا اندازہ لگانے کے لئے ۱۷ امدادی مرکز قائم کئے ہیں۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ اپیل کی ہے کہ لوگ سیلاب زدگان کی امداد کے لئے دَوائیاں، گرم اور سرد کپڑے اور لحاف جمع کریں۔ ادھر احمدیہ ریلیف کمیٹی نے تین سو گرم کپڑے اور دوائیاں ڈپٹی کمشنر کے حوالے کی ہیں اور اس بات کی اجازت حاصل کر لی ہے کہ کمیٹی یہ اشیاء خود سیلاب زدہ لوگوں میں تقسیم کرے گی۔"[3]

---

[1] "نوائے وقت" لائل پور ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۵ء صہ ۶۔ [2] اخبار "خدمت" منٹگمری ۲ نومبر ۱۹۵۵ء و اخبار "نوائے وقت" لاہور ۲ نومبر ۱۹۵۵ء صہ ۵ و اخبار "نوائے وقت" لاہور ۶ نومبر ۱۹۵۵ء صہ ۲

[3] اخبار "کوہستان" راولپنڈی ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء صہ ۶۔

۲۰۔ اخبار "تعمیر" راولپنڈی

"مجلس خدام الاحمدیہ راولپنڈی کی طرف سے سیلاب زدگان کی امداد۔

"راولپنڈی ۸ر نومبر۔ مجلس خدام الاحمدیہ راولپنڈی نے سیلاب زدگان کی امداد کے لئے ایک ڈاکٹر کو دس روزہ دورہ کے لئے ضلع شیخوپورہ میں بھجوایا ہے۔ ان کے ہمراہ ضروری ادویات۔ سوا چار سو کپڑے جن میں کمبل، گرم کوٹ اور لحاف وغیرہ اور دیگر استعمال کی اشیاء ہیں بھجوائی گئی ہیں۔ ان کے دورہ کے اختتام پر دوسرے ڈاکٹر کو مزید سامان کے ساتھ بھجوایا جائے گا۔"[۱]

۲۱۔ اخبار "مارننگ نیوز" کراچی

(۱)۔ مجلس خدام الاحمدیہ کراچی نے اپنی مرکزی تنظیم کو جو سیلاب زدہ علاقوں میں ریلیف کا کام کر رہی ہے۔ ریلیف کا کام جاری رکھنے کے لئے ایک ہزار روپے کی رقم ارسال کی ہے۔ یہ رقم پہلی قسط کے طور پر بھجوائی گئی ہے مزید اقساط دو تین دن کے اندر اندر بھجوائی جائیں گی مصیبت زدگان سیلاب میں تقسیم کرنے کے لئے مجلس نے کپڑے بھی جمع کئے ہیں۔ مجلس کا ایک عہدے دار کل اس علاقے کے دورے پر روانہ ہو گیا ہے جسے سیلاب سے شدید نقصان پہنچا ہے۔ دورے سے واپس آنے کے بعد وہ رپورٹ پیش کرے گا کہ مجلس کو کس قسم کی امداد بہم پہنچانی چاہیئے۔"[۲]

(۲)۔ "احمدیہ نوجوانوں کی سماجی تنظیم مجلس خدام الاحمدیہ کراچی کے قائد مرزا عبدالرحیم بیگ نے گورنر جنرل پاکستان میجر جنرل سکندر مرزا گورنر مغربی پاکستان مسٹر مشتاق احمد گورمانی، مغربی پاکستان کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خانصاحب اور ریلیف کمشنر مسٹر آئی۔ یو۔ خان کی خدمت میں حسب ذیل تار ارسال کیا ہے:۔

"سیلاب کی تباہ کاریوں کے باعث جو نقصان ہوا ہے مجلس خدام الاحمدیہ کراچی اس پر انتہائی افسوس کا اظہار کرتی ہے اور ان لوگوں سے جو سیلاب کا شکار ہوئے

---

[۱] اخبار "تعمیر" راولپنڈی ۱۰ر نومبر ۱۹۵۵ء ص۵۔ [۲] "مارننگ نیوز" کراچی ۲۵ر اکتوبر ۱۹۵۵ء

ہیں، پوری ہمدردی رکھتی ہے۔ مجلس کراچی نے اپنی مرکزی تنظیم کو جو سیلاب زدہ علاقوں میں امدادی کام کر رہی ہے سیلاب زدگان کی امداد کے لئے ایک ہزار روپے کی پہلی قسط روانہ کی ہے۔[۱]" (ترجمہ)

۲۲۔ اخبار "جنگ" کراچی

"کراچی ۔ ۲۵ر اکتوبر (ای پی پی) مجلس خدام احمدیہ کراچی نے مغربی پاکستان کے سیلاب زدگان کی امداد کے لئے اپنی مرکزی جماعت کو ایک ہزار روپیہ ارسال کیا ہے۔ مجلس نے متاثرہ لوگوں میں تقسیم کے لئے کپڑے بھی جمع کئے ہیں۔ مجلس کا ایک خاص نمائندہ سیلاب زدہ علاقوں کا دورہ کرنے کے لئے روانہ ہو گیا جو واپس آکر اپنی رپورٹ پیش کرے گا۔ بتایا گیا ہے کہ مجلس مذکور کی شاخیں سارے مغربی پاکستان میں سیلاب زدگان کی امداد کا کام کر رہی ہیں۔[۲]"

۲۳۔ اخبار "نئی روشنی" کراچی

"کراچی ۱۴ر اکتوبر۔ مجلس خدام الاحمدیہ کراچی کا ایک وفد جو دو ممبروں پر مشتمل تھا۔ پرسوں شام ناظم خدمتِ خلق مرزا محمد اکرم کی قیادت میں سیلاب زدہ علاقوں میں کپڑے اور دوائیں تقسیم کرنے کے لئے جناب ایکسپریس کے ذریعہ روانہ ہو گیا۔ وفد اپنے ساتھ ایک ہزار کپڑے جن میں قمیص، کوٹ، پتلون، کمبل اور سوئٹیر وغیرہ شامل ہیں اور دو ہزار پیلوڈرین کی گولیاں اور تین ہزار سلفامیزاتھین کی گولیاں، ایسپرین اور کونین انجکشن لے کر گیا ہے مجلس خدام الاحمدیہ کراچی کی طرف سے کپڑوں اور دواؤں کی یہ پہلی قسط ہے جو سیلاب زدہ علاقوں کو روانہ کی گئی ہے۔ مجلس کے رضا کار اپنے قائد مرزا عبدالرحیم بیگ کی قیادت میں کپڑے اور دوائیں جمع کرنے کے کام میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ مجلس کراچی نے اپنی مہم مرکزی ہیڈ کوارٹر ربوہ کی اس اپیل کے بعد کہ وہ مجالس جو حالیہ سیلاب سے متاثر نہیں ہوئیں سیلاب زدگان کے لئے زیادہ سے زیادہ امداد روانہ کریں، تیز کر دی گئی ہے۔ یہ امر

---

[۱] "مارننگ نیوز" کراچی ۲۵ر اکتوبر ۱۹۵۵ء ایضاً "امروز" کراچی ۲۶ر اکتوبر ۱۹۵۵ء

[۲] "جنگ" کراچی ۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۵ء ایضاً "ٹائمز آف کراچی" ۲۶ر اکتوبر ۱۹۵۵ء۔

قابلِ ذکر ہے کہ مجلس خدام الاحمدیہ کراچی اس سے قبل ایک ہزار روپے کی قسط روانہ کر چکی ہے۔[1]

۲۴۔ اخبار "قلندر" پشاور

"(نامہ نگار)۔ گذشتہ ماہ میں پانچ اکتوبر کو اتفاق سے لاہور چلا گیا اور ۷ اکتوبر کو سیلاب آگیا۔ میں بھی کئی دنوں تک وہاں رُکا رہا حتٰی کہ تمام راستے ریل اور لاریوں کے بالکل بند ہو گئے۔ لاہور سے جو روزنامے اخبار نکلتے ہیں لاہور تک ہی محدود تھے اور سیلاب کی خبریں سرکاری یا کچھ سُنی سُنائی تھیں جو سخت خطرناک تھیں۔ ایک روزنامے کے دفتر میں یہ بھی دیکھا کرتا تھا کہ بعض جماعتوں کے پروپیگنڈا سیکرٹری یا بعض لوگ بذاتِ خود تشریف لائے کہ ہماری جماعت نے سیلاب زدگان لوگوں کے لئے یہ کیا وہ کیا۔ اپنے نام کا مراسلہ بنا کر دے جاتے۔ اگر اخبار میں دوسرے دن اِن کا مراسلہ نہ ہوتا تو وہ صُبح سویرے ہی لڑائی کرنے دفتر تشریف لاتے کہ میں کل فلاں خبر دے گیا تھا وہ نہیں چھپی۔ اور جماعتوں کی طرف سے ٹیلیفون آتے۔ ان باتوں سے صاف ظاہر ہوتا کہ یہ لوگ خدا سے کچھ خوف نہیں کر رہے بلکہ نام اور بعد میں انعام کے لئے سارا دھندا کر رہے ہیں۔

تقریباً پندرہ دن کے بعد کچھ راستہ بنا تحقیق سے پتہ چلا یہ راستہ بذریعہ لاری لاہور سے شیخوپورہ اور وہاں سے گوجرانوالہ ہے۔ وہاں سے پشاور کے لئے گاڑی ملے گی یا لاہور سے اسی راستہ پر سرگودہا اور وہاں سے چناب ایکسپریس رات کو ملے گی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ سرگودہا کے راستے ہی جاؤں گا۔ مبادا گوجرانوالہ سے پشاور کے لئے سیدھی گاڑی نہ ملے۔ چنانچہ میں سرگودہا کا ٹکٹ لے کر لاری پر کراؤن بس کے اڈے سے سوار ہو گیا۔ ۱۲ بجے شیخوپورہ پہنچا۔ وَن وے ٹریفک تھا۔ اور سڑک پر ہزاروں مخلوقِ خدا بے یار و مددگار پڑی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف پانی ہی پانی میلوں تک نظر آرہا تھا۔ نصف راستہ طے کر لیا تو سڑک کے کنارے ایک رضاکاروں کا کیمپ لگا تھا۔ رضاکار

---

[1] "نئی روشنی" کراچی ۳۱ اکتوبر ۱۹۵۵ء نیز "پاکستان سٹینڈرڈ" کراچی ۲۸ اکتوبر ۱۹۵۵ء۔

کیمپ سے نکل کر دیوانہ وار اس سمندر کو چیر کر چار چار پانچ پانچ فٹ پانی میں، سروں پر کھانے کا سامان، دوائیاں، کپڑے لے کر سیلاب سے تہ تیغ دیہاتیوں کی طرف بے خوف و خطر جا رہے تھے۔ کیمپ کا بورڈ میں نے غور سے پڑھا "رضا کاران انجمن احمدیہ ربوہ"۔ میرا دل غصّہ سے تلملا اُٹھا یہ کیا غضب ہے کیا اندھیر نگری ہے یہ لوگ ہماری نظر میں خارج از اسلام ہی سہی مگر اس وقت یہ میرے خیال میں سب سے زیادہ خدمت کر رہے ہیں۔ مگر پندرہ دن سے کسی اخبار نے یہ لکھنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی مجھے یہ خیال پیدا ہوا تو میں نے ایک فرشتہ صورت باریش سے پوچھا۔ صاحب یہ ربوہ کہاں ہے؟ انہوں نے فرمایا یہ کافروں کی بستی چنیوٹ کے دریا کے اس پار آئے گی مگر میرا ان لوگوں سے اختلاف ہے لیکن مجھے شوق پیدا ہوا یہ کافروں کی بستی ضرور دیکھوں گا۔ میں نے اس باریش کو کریدنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ وہ مولوی صاحب ہیں اور کٹّر احراری ہوا کرتے تھے میں نے سوال کیا اجی آجکل وہ جماعتِ احرار کہاں ہے انہوں نے فرمایا خدا کی مرضی وہ آجکل دُنیا میں نہیں اور اس کے لیڈر تحریکِ ختمِ نبوّت کے بعد جہاں سینگ سمائے موت کے دن پورے کر رہے ہیں۔ میں نے ایک سوال اور کیا اجی مولوی صاحب اگر ربوہ دیکھنا ہو تو۔ انہوں نے فرمایا بابا کیا دیکھوگے۔ ان کا خلیفۃ المسیح جب سے اس پر حملہ ہُوا ہے باہر نہیں نکلتا اور اگر وہاں کسی کو پتہ چل جائے کہ تم مسلمان ہو تو مشکل بن جائے گی۔ یہ پُر اسرار باتیں سُن سُن کر میرا ارادہ پکّا ہو گیا خواہ کچھ ہی ہو یہ کافروں کی بستی ضرور دیکھوں گا۔ چنیوٹ کے اڈے سے لاری آگے جو ہوئی دریائے چناب کا پل آگیا وہ راوی والی لہر بہر پانی کی نہ تھی۔ معمولی پانی تھا جیسے ایک ندی ہے دریا نہیں۔ میں نے عنوان اپنے مضمون کے لئے دل میں قائم کر لیا۔ (کافروں کی بستی ندی کنارے) پار کر کے تھوڑی دیر بعد ربوہ کی آبادی آنی شروع ہو گئی۔ میں نے کلینر کو عرض کیا مجھے ربوہ اُترنا ہے گو میرا ٹکٹ سرگودہا کا تھا میرے کہنے پر لاری سے سامان اتارا۔ اس لاری سے میں اکیلا ہی اُترا۔ وہاں دو۲ تین۳ آدمی معزز موجود تھے غالباً دُوسری طرف جانے کے لئے بس کے انتظار میں تھے انہوں نے مجھ

سے دریافت کیا مولوی صاحب کہاں جانا ہے؟ کیا آپ احمدی ہیں؟ مَیں نے برجستہ جواب دیا۔جانا تو بھائی پشاور ہے اور احمدی بھی نہیں یہاں صرف کافروں کی بستی دیکھنے اُتر کھڑا ہُوا ہوں کیا اس بستی میں کوئی دکان ہے جہاں رات بسر کرسکوں اور کیا یہاں سامان اُٹھانے کے لئے مزدور نہیں ہوتے وہ میرے سامان پر جھپٹ پڑے ہم آپ کے مزدور ہیں۔سامان اُٹھا لیا اور چل پڑے تھوڑی دُور جاکر ایک احاطہ کے اندر ایک کمرہ میں میرا سامان رکھ دیا۔ وہاں کے انچارج کو بُلا کر اطلاع دی۔ یہ مہمان ہیں۔ انہوں نے دو آدمی بلائے جنہوں نے ایک چارپائی پر میرا بستر کھول کر لگا دیا کرسیاں میز درُست کرکے منٹوں کے اندر پُر تکلف چائے لاکر پیش کردی۔بس سے سامان لانے والے معزز مزدور جا چکے تھے۔ یہ قیافہ درست نکلا انہوں نے دُوسری طرف سے آنے والی بس پر جانا تھا۔ پہلی بسم اللہ سے میرے دل پر جانے والوں کی اس حرکت کا گہرا اثر ہُوا چائے کے ساتھ مَیں نے منتظم صاحب کو اپنا کترم کترم شروع کردیا۔ جناب یہ تو فرمایئے سُنا ہے مدّت سے ہیڈ آف دی احمدیہ یعنی حضرت میرزا بشیرالدین صاحب محمود خلیفۃ المسیح الثانی کو کسی نے نہیں دیکھا انہوں نے جواب دیا غلط ہے آپ ابھی ایک منٹ کے اندر اُن کو مل سکتے ہیں۔ مَیں چائے آدھی نیتر آدھی بٹیر کرکے ان کے ساتھ ہولیا۔حضرت مسجد میں تشریف فرما تھے۔سینکڑوں آدمی ارد گرد بیٹھے تھے قابلِ عمل نصیحتیں کی جا رہی تھیں سب سے زیادہ مسئلہ سیلاب کے مصیبت زدوں کو ہر قسم کا آرام، کھانا، سردی سے بچانا، دوائیاں پہنچانا تھا، یہ گفتگو سُن کر مَیں بہت متأثر ہُوا۔ مَیں صرف علیک سلیک کرکے بیٹھ گیا تھا میرا خاص مقصد کوئی تھا ہی نہیں مَیں دُور تھا ایک غیر مُلکی آدمی غالباً کوئی جرمن تھا زیادہ توجہ اس طرف تھی حق بھی یہی تھا کیونکہ ہزاروں میل سفر کرکے آیا ہُوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد شام سے کچھ ہی پہلے وہ تشریف لے گئے اور مَیں اپنی قیام گاہ پر آگیا وہاں ہی نماز ادا کی اور ساتھ لائی ہوئی اخباروں کو پڑھتے پڑھتے نماز عشاء ادا کرکے سو گیا۔ صُبح سویرے اُٹھا خود بخود باہر نکل گیا۔ اندھیرا ہی تھا۔بستی سے پہاڑ کے دامن تک پہنچ گیا۔ دامن کے ساتھ چلتے چلتے

اسی ندی کے کنارے پہنچا۔ رفع حاجت کے بعد نماز ادا کی۔ اتنے میں آفتاب نے آنکھ دکھائی واپس آبادی کے بیچ و بیچ معلومات حاصل کرتا یہ مکان کیلئے زمین کون دیتا ہے کس نرخ پر ملتی ہے لب لباب میری تحقیقات کا یہ نکلا کہ ایک پورے نظام کے ماتحت یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ میں اپنی آرام گاہ پر پہنچا وہاں میری انتظار چائے کے لئے تھی۔ چائے سے فارغ ہؤا کپڑے بدلے اور منتظم کو عرض کیا کہ میں جماعت کے دفتروں کو دیکھ سکتا ہوں انہوں نے جواب دیا کیوں نہیں ان کے ساتھ ہو لیا دفتر کیا تھے ایک سیکرٹریٹ جیسے چند دن پہلے یہاں صوبہ سرحد کا سیکرٹریٹ تھا۔ میں ایک ایک دفتر میں گیا اور دیکھا بابو لوگ اپنے اپنے کام میں مشغول ہیں دریافت کرنے پر معلوم ہؤا کہ اس سارے سیکرٹریٹ کے انچارج مرزا عزیز احمد ہیں جو ڈپٹی کمشنر ریٹائرڈ ہیں۔ پھر پھرا کر مجھے امور عامہ کے دفتر لے جایا گیا۔ میں نے دروازہ پر بورڈ پڑھا۔ اندر جاتے پر مجھے کرسی پیش کر دی گئی۔ میں بیٹھ گیا پانچ منٹ کے بعد میرے لئے چائے آگئی۔ میں نے عرض کی چائے سے فارغ ہو کر آیا ہوں۔ دفتر میں بیٹھے ہوئے صاحب بڑی دھیمی آواز میں فرمانے لگے اجی آج کل چائے تو ایک فیشن ہے آجکل چائے تکلیف نہیں دیتی نوش فرمائیے ایک دو بزرگوں کو انہوں نے آواز دی کہ تشریف لا کر میرے ساتھ چائے میں شریک ہو جائیں۔ چائے کے ساتھ ساتھ میں نے دریافت کیا۔ کیا آپ اس دفتر کے انچارج ہیں انہوں نے جواب دیا اس دفتر کے انچارج مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم اے ہیں جو سیلاب زدہ لوگوں کی امداد کو بذاتِ خود دیکھنے گئے ہوئے ہیں میں اُن کا اسسٹنٹ ہوں میرا نام خادم حسین ہے اور میں صوبہ سرحد میں کافی عرصہ گذار کر اَب ملازمت سے فارغ ہو کر یہاں آیا ہوں۔

...... مجھے بعد میں معلوم ہؤا کہ یہاں رسال پور میں کسی اچھے عہدے پر تھے اور یہی وجہ ہے کہ دفتر کا انتظام خاطر خواہ ہے۔ یہ تجربہ کار لوگ ہیں۔ میں نے سیلاب کے لئے جو کچھ یہاں ہو رہا ہے پوچھا۔ انہوں نے مجھے سٹال دکھایا کپڑوں اور رضائیوں کے انبار لگے ہوئے تھے جو ہیڈ آف جماعت احمدیہ کی آواز پر ان کے معتقد خود بخود لا رہے

ہیں۔ مَیں اس کام کی رفتار دیکھ کر بہت خوش ہُوا انہوں نے مجھ سے یہاں آنے کی وجہ دریافت فرمائی یا کوئی اور خدمت ہو تو مَیں نے عرض کی کہ میرا کچھ مقصد نہیں صرف سیر اور یہاں کے حالات کا جائزہ لینے۔ مجھ سے بہتیرا دریافت کیا گیا مَیں کیا کام کرتا ہوں مَیں نے صرف اتنا جواب دیا مزدوری کرکے اپنا پیٹ پالتا ہوں۔ پشاور رہتا ہوں اور بس بھلا مَیں کب پکڑائی دینے والا تھا۔

یہاں ایک بات ضرور عرض کرنے کے قابل ہے سب لوگ کافر بڑے سے بڑا چھوٹے سے چھوٹا، امیر ہو یا غریب نماز پُوری پابندی سے ادا کرتے تھے۔ حُقّہ یا سگریٹ مجھے وہاں کوئی پیتا نظر نہیں آیا۔ دفتر میں آکر بڑی خندہ پیشانی سے مجھے خود آکر مرزا عزیز احمد صاحب بھی ملے۔ مَیں نے اجازت چاہی خادم حسین صاحب نے فرمایا کب تک ہمیں یہاں آپ کی خدمت کا وقت ملے گا مَیں نے جواب دیا بس صاحب ابھی چند منٹ کے بعد جانے والا ہوں مَیں واپس آرام گاہ پہنچا۔ سامان دُرست کیا اور آدمیوں نے میرا سامان اٹھایا اور مجھے سرگودہا جانے والی بس پر سوار کر دیا۔ مَیں خاموش بس کے اندر، اور رات گاڑی پر یہی سوچتا رہا یہ اچھے کافر ہیں نماز کے پابند اچھے اخلاق کے مالک اچھی طرح ایک نظام کے ماتحت خدمتِ خلق کا جذبہ موجود ہے[1]"

خلاصہ الغرض ۱۹۵۵ء میں برصغیر پاک و ہند کے احمدیوں نے اپنے اہلِ وطن کی ایسی مثالی رفاہی خدمات انجام دیں کہ مُلکی پریس نے بلا امتیاز مذہب و ملت وطن عزیز کی اس خادم جماعت کو زبردست خراج تحسین ادا کیا۔

---

[1] اخبار "قلندر" پشاور ۲۶ نومبر ۱۹۵۵ء بحوالہ الفضل جلسہ سالانہ ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۹ ز ۲۰۔

فصل پنجم

صنعت وحرفت کی ترویج کیلئے خصوصی تحریک

حضرت مصلح موعودؓ کا یہ عظیم الشان کارنامہ ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا کہ حضور مسلمانانِ ہند خصوصاً جماعت احمدیہ میں صنعت و حرفت کے فروغ اور ترقی کے لئے ہمیشہ جدوجہد فرماتے رہے۔ متحدہ ہندوستان کے دَور میں آپ نے قادیان میں تحریکِ جدید کے زیرِ انتظام لوہے، لکڑی اور چمڑے کے کارخانے جاری کرائے۔ اس کے علاوہ مختلف احمدی صنّاعوں کی کوشش سے شیشہ سازی اور دُوسری اشیاء کے متعدد کارخانے شروع ہوئے۔ مثلاً سٹار ہوزری جس کے ذریعہ ایک ہزار کے قریب افراد کو روزگار میسّر آیا اور متعدد گھروں میں مشینیں نصب ہوئیں۔ اس کارخانہ نے مکرم بابو اکبر علی صاحب جیسے لائق اور قابل انسان کے ہاتھ میں بہت ترقی کی۔ قادیان کا مشہور کارخانہ میک ورکس تھا جس کی وجہ سے قادیان کی صنعتی شہرت دُور دُور کے شہروں تک پھیل گئی تھی۔ اس کے علاوہ اکبر علی اینڈ سنز جنرل سروس احمد برادرز، پیر ورکس، مکینیکل انڈسٹریز، آئرن سٹیل میٹل وغیرہ کارخانے لوہے کا کام کرتے تھے۔ جگہ جگہ بھٹیاں جل رہی تھیں۔ لوہا پگھل رہا تھا اور مختلف اشیاء ڈھل رہی تھیں۔ کہیں آٹا پیسنے کی مشینیں نصب تھیں۔ کہیں روئی دُھننے کی کلیں اور کہیں لکڑی چیرنے کی مشینیں چل رہی تھیں۔ موسم گرما میں متعدد سوڈا واٹر فیکٹریاں کام کرتی تھیں۔ عطریات کے لئے پرفیومری کا کارخانہ تھا۔ ایک کارخانہ شیشے کا بھی تھا۔ غرض قادیان کی مقدس بستی رُوحانی اور تعلیمی اعتبار ہی سے نہیں صنعتی طور پر بھی مُلک کا ایک مشہور مرکز بن چکی تھی۔[1]

---

[1] مرکز احمدیت قادیان صفحہ ۱۴۷، ۱۴۸ از شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مرحوم۔

اور یہ صنعتی سرگرمیاں حضرت مُصلح موعودؓ کی خصوصی توجہ، شوق اور سرپرستی کی رہینِ منّت تھیں۔ اس سلسلہ میں حضور کے دِلی جذبات کیا تھے؟ اس کا کسی قدر اندازہ حضور کی مندرجہ ذیل تقریر سے بخُوبی عیاں ہے حضور نے مجلس مشاورت ۱۹۳۶ء کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

"مَیں نہیں جانتا کہ دُوسرے دوستوں کا کیا حال ہے۔ لیکن مَیں تو جب ریل گاڑی میں بیٹھتا ہوں۔ میرے دل میں حرکت ہوتی ہے کہ کاش یہ ریل گاڑی احمدیوں کی بنائی ہوئی ہو اور اس کی کمپنی کے وہ مالک ہوں۔ اور جب مَیں جہاز میں بیٹھتا ہوں تو کہتا ہوں کاش یہ جہاز احمدیوں کے بنائے ہوئے ہوں۔ اور وہ ان کمپنیوں کے مالک ہوں۔ مَیں پچھلے دنوں کراچی گیا۔ تو اپنے دوستوں سے کہا۔ کاش کوئی دوست جہاز نہیں تو کشتی بنا کر ہی سمندر میں چلانے لگے۔ اور میری یہ حسرت پُوری کر دے۔ اور مَیں اس میں بیٹھ کر کہہ سکوں کہ آزاد سمندر میں یہ احمدیوں کی کشتی پھر رہی ہے۔ دوستوں سے مَیں نے یہ بھی کہا۔ کاش کوئی دس گز کا ہی جزیرہ ہو جس میں احمدی ہی احمدی ہوں اور ہم کہہ سکیں کہ یہ احمدیوں کا مُلک ہے کہ بڑے کاموں کی ابتدا چھوٹی ہی چیزوں سے ہوتی ہے۔

یہ ہیں میرے ارادے۔ اور یہ ہیں میری تمنّائیں۔ ان کو پُورا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم کام شروع کریں۔ مگر یہ کام ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ ان جذبات کی لہریں ہر ایک احمدی کے دل میں پیدا نہ ہوں اور اس کے لئے جس قربانی کی ضرورت ہے وہ نہ کی جائے۔ دُنیا چونکہ صنعت و حرفت میں بہت ترقی کر چکی ہے اس لئے احمدی جو اشیاء اَب بنائیں گے وہ شروع میں مہنگی پڑیں گی۔ مگر باوجود اس کے جماعت کا فرض ہے کہ انہیں خریدے[1]"۔

۱۹۴۷ء میں مُلک کے بٹوارا کے بعد یہ کارخانے قادیان میں رہ گئے۔ لیکن اس کے

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت منعقدہ ۱۰، ۱۱، ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۲۹، ۱۳۰۔

باوجود قادیان اور مشرقی پنجاب کے احمدی صنّاعوں نے ہمّت نہیں ہاری اور بدلے ہوئے حالات میں پاکستان میں پہنچ کر ملک و قوم اور جماعت کی خدمت کے لئے پھر سے اپنی صنعتی سرگرمیاں شروع کردیں۔ جہاں تک جماعت کے نئے مرکز ربوہ کا تعلّق ہے اس نئی بستی میں بھی ایک محدود پیمانے پر صنعت و حرفت کے کاموں کی داغ بیل ڈالی گئی۔ مگر ان پر صدر انجمن احمدیہ پاکستان کا کنٹرول تھا۔ لیکن اس سال سیّدنا حضرت مصلح موعود نے سفر یورپ سے واپسی کے بعد مخلص احمدی صنّاعوں کو تحریک فرمائی کہ وہ یہاں اپنے کارخانے جاری کرنے کے لئے صدر انجمن احمدیہ سے رابطہ قائم کریں انہیں مناسب سہولتیں مہیّا کی جائیں گی۔ یہ تحریک حسب ذیل الفاظ میں تھی:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

ھُوَ النّاصِرُ

ربوہ میں صنعتوں وغیرہ کے متعلّق پہلے یہ طریق تھا کہ صدر انجمن احمدیہ کوشش کرتی تھی کہ ان کو اپنے ہاتھ میں رکھے۔ لیکن اب اگر مخلص احمدی صنّاع یہاں کوئی صنعت شروع کرنا چاہیں تو ان کو اس کی اجازت دی جائے گی بشرطیکہ وہ اپنی صنعت میں نیک آدمی بطور لیبر لگائیں جو فسادی اور شرارتی نہ ہوں۔

اس سلسلہ میں صدر انجمن احمدیہ مناسب سہولتیں بھی بہم پہنچائے گی۔ مثلاً کارخانہ کی عمارت وغیرہ کے لئے زمین ربوہ کی قیمتوں کے لحاظ سے نسبتاً سستے داموں دے گی۔ خواہش مند احباب جلد درخواستیں بھجوائیں بلکہ مخلص احباب کا فرض ہے کہ وہ اس طرف فوری توجہ کریں تاکہ ربوہ کی آبادی کی صورت پیدا ہو خصوصاً کپڑا بننے والے لوگ اور مستری جو لیتھوں (LATHE) وغیرہ کا کام کرتے ہیں جلد توجہ کریں یہ ثواب کا ثواب ہے اور فائدہ کا فائدہ۔ قادیان میں جن لوگوں نے کارخانے جاری کئے تھے خدا تعالیٰ کے فضل سے انہوں نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا تھا۔ مرزا محمود احمد

۱۹-۱۰-۱۹۵۵ء"[1]

---

[1] اصل تحریر "شعبہ تاریخ احمدیت" ربوہ میں محفوظ ہے۔

حضور کی یہ تحریک پہلی بار الفضل مورخہ ۲۱؍ اکتوبر ۱۹۵۵ء (۲۱؍ اخاء ۱۳۳۴ہش) صفحہ ۵ پر شائع ہوئی۔ الفاظ مبارک حضور پُر نُور ہی کے تھے مگر اعلان "قائم مقام ناظر امور عامہ" کی طرف سے تھا۔

نوجوانانِ احمدیت کو عبادت کی خصوصی تحریک

حضرت مصلح موعودؓ نے اوائل نومبر ۱۹۵۵ء میں نوجوانانِ احمدیت کو یہ تحریک فرمائی کہ:-

"وہ تقویٰ اور عبادت پر خاص زور دیں اور اتنی عبادت کریں کہ آسمان کے دروازے ان پر کھل جائیں اور ان پر الہام نازل ہونا شروع ہو جائے"[1]

حضور کی علالت کے باعث مخلصینِ جماعت کے قلوب میں ذکرِ الٰہی سے ایک خاص شغف پیدا ہو چکا تھا۔ دعاؤں کے اس ماحول میں اس تحریک نے نوجوانوں پر حیرت انگیز اثر ڈالا اور ان پر کشوف و الہام کے دروازے کھل گئے جس کا ذکر حضور نے یکم جون ۱۹۵۶ء کے خطبہ جمعہ میں بھی فرمایا۔ (اس خطبہ کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے۔)

صیغہ زود نویسی کو اپنی ذمہ داری پر خطباتِ امام شائع کرنے کی اجازت

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے مبارک خطبات ہمیشہ حضور کے ملاحظہ، نظرِ ثانی اور اجازت کے بعد سپردِ اشاعت کئے جاتے تھے۔ مگر اس سال کی آخری سہ ماہی میں حضور نے اپنی ناسازیٔ طبع کے باعث صیغہ زود نویسی کو اپنی ذمّہ داری پر اپنے خطبات و تقاریر کو شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس اجازت کے بعد صیغہ کی طرف سے پہلا خُطبہ جُمعہ الفضل ۱۶؍ اکتوبر ۱۹۵۵ء میں شائع ہُوا جو حضور نے ۱۶؍ ستمبر ۱۹۵۵ء کو احمدیہ ہال کراچی میں ارشاد فرمایا جو وقف زندگی کی عظیم الشّان تحریک سے متعلق اور نہایت درجہ اہمیّت کا حامل تھا۔ یہ خُطبہ

---

[1] الفضل ۱۷؍ نومبر ۱۹۵۵ء (۱۷؍ ماہ نبوت ۱۳۳۴ہش) صفحہ ۲۔ یہ تحریک حضور نے اپنے سفر لاہور (۵ تا ۱۰؍ نومبر ۱۹۵۵ء) کے دوران فرمائی تھی۔

مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر مولوی فاضل انچارج شعبہ زود نویسی نے اپنی گذشتہ روایات کے مطابق پوری احتیاط سے قلم بند کیا تھا۔

فصل ششم

امریکہ میں نظام "الوصیت" کے نفاذ کی پُرزور تحریک

حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۹۵۵ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے احمدیوں کے نام انگریزی میں ایک اہم پیغام ارسال فرمایا جس میں حضور نے نظامِ وصیت کے عظیم الشان مقصد پر روشنی ڈالی اور اسے امریکہ میں بھی جاری کرنے کی پُرزور تحریک فرمائی۔ اس پیغام کا متن معہ ترجمہ درج ذیل ہے:-

My dear brethern of America!

As you must all be aware the Promised Messiah (on whom be peace) published his testamentary directions in the document which is known as Al-Wasiyyat two years before his death. This is a document of great importance and must be carefully studied by every Ahmadi. I trust all of you have carefully read its English translation. If the English translation is not readily available to you I request Brother Khalil Ahmad Nasir to translate Al-Wasiyyat into English with such assistance from his colleagues as he may need and to distribute it to all of you as soon as may be. I hope that each of you on studying this document will be inspired with the eager desire to participate in the grand scheme set out therein which is so vital for the advancement of Islam and humanity.

When you study this document you will find that the scheme set out in it requires each member of the Movement who wishes to join it to bequeath in favour of the Central Ahmadiyya Association one tenth of his property or an amount in cash corresponding to one tenth of the value of his property or if he owns no substantial

property that he should contribute in his lifetime one tenth of his weekly or monthly income to the Central Ahmadiyya Association for the propagation of Islam and for the promotion of human welfare. It is necessary that the document bequeathing the property or setting out the promise in respect of these contributions should make it clear that the bequest or contributions as the case may be are free from all conditions and limitations and that the donor or his heirs or executors will in no circumstances question the disposal or disbursement of the property or the income by the Central Ahmadiyya Association or by any other authority which may be set up for carrying out the purposes and objectives of the scheme.

Once you have studied the whole document carefully you will fully grasp its grand purpose and objective but I also request Brother Khalil Ahmad Nasir that he should arrange that the purpose and objective of Al-Wasiyyat should, be explained to you by representatives of the Movement in detail at your respective centres. In compliance with the spirit of Al-Wasiyyat the Ahmadiyya Association of the United States of America will arrange for the purchase as early as may be of a suitable plot of land in some central locality which may be dedicated as a place of burial for those who make their wills in compliance with the conditions set out in Al-Wasiyyat and the rules promulgated from time to time by the Head of the Movement and the Central Ahmadiyya Association and Tahrik-i-Jadid. I am convinced that once this project is put into effect in the States, it will quickly gather force and thousands of your countrymen may even millions will in due course join this scheme and thus swell the numbers of those who shall continuously devote their efforts and substantial portions of their incomes and properties to the objects mentioned in Al-Wasiyyat.

As the number of such sincere and devoted Ahmadis increases it may become necessary to establish similar burial places in different parts of the country and this shall be done from time to time as necessity shall require.

The income derived from the property so bequeathed or from the sale thereof and from the contributions made in this behalf shall be disbursed as follows:-

(a) One half shall be remitted to the Central Ahmadiyya Association for the maintenance of Central institutions and for the propagation of Islam throughout the world including the United States of America where for a long time to come workers specially trained at the Centre will continue to be needed. The two central institutions responsible for carrying on the work of propagation of Islam are the Central Ahmadiyya Association and the Tahrik-i-Jadid.

The funds to be devoted out of the said income remitted to the Centre for the propagation of Islam in various parts of the world will be divided between these two institutions in accordance with such instructions as may from time to time be laid down by the Head of the Movement.

(b) Of the remaining one half, three quarters will be devoted to the propagation of Islam in the States and one quarter shall be devoted to the promotion of the welfare of the poorer and more backward of our brethren wherever they may be, preference being given to making provision for their Education and training.

As soon as I receive intimation through the representatives of the Movement among you that a substantial number of you are eager to join the scheme set out in Al-Wasiyyat I shall proceed to appoint a committee for the purpose of selecting a site for the first burial ground under the scheme and for carrying out of the preliminary work necessary for putting the scheme into effect in the United States, and for making, provision, for the scheme and its purposes being effectively carried out in perpetuity. Every person who makes a will or promises to make the minimum contribution under this scheme will, subject to the bequest being carried into effect or the contributions having been duly remitted, as the case may be, be entitled to be buried in one of the bruial places dedicated for this purpose in the States or, in case he dies in India in the burial place at Qadian, or, in case he dies in Pakistan, in the burial place at Rabwah, if his body is transported to the site of one of these burial places at the cost of his estate and there are no legal or other impediments in the way of the fulfilment of this purpose. It shall, however, be made clear in the will or in the document setting out the promise in respect of the said contributions, that failure to comply with this condition shall not operate to invalidate or otherwise affect the bequest or give rise to any claim in respect of the contributions made. Provision shall further be made that the Central Ahmadiyya Association shall take steps to have the names of all persons who have joined the scheme and on whose behalf its conditions have been fulfilled inscribed at suitable places in the burial places at Qadian or Rabwah and also that these names shall be inscribed as a record copies of which shall be made available in principal Ahmadiyya Centres so that future generations of Ahmadis may be prompted to pray for The souls of their departed brethren who had devoted themselves and their substance to the service of Islam and humanity.

It is essential and full care must be taken that the carrying into effect of the whole of this scheme shall be in accordance with the law of the United States of America so that no objection on that

score should at any time operate to defeat or discount the purposes of this scheme.

As stated in Al-Wasiyyat this system will multiply its beneficence and shall prove the means of the uplift of all the weaker sections of humanity and for the spread of general prosperity and the promotion of human welfare. Any system which is based on coercion or compulsion cannot achieve the same result. The scheme set out in Al-Wasiyyat being purely voluntary and a free gift for the service of Islam and humanity will carry with it moral and spiritual benefits which may be lacking in any other system.

In course of time country after country will proceed to adopt this scheme and through this process God's name will be glorified throughout the world more particularly on behalf of those who become the recipients of spiritual, moral and material benefits under its operation.

The scheme is already in operation in Pakistan and India. I hope and pray that the United States of America may prove to be th third country to adopt this scheme and thus lay the foundations for the promotion of the welfare of humanity on an ever expanding scale. Amen.

Brethren: We are weak but our God is strong and Almighty. We can do but little, but He can do everything. Be sure that His help is speeding towards you. Indeed, He Himself stands at your door waiting to enter. Spring up therefore and open wide your doors for Him to enter. When God enters your homes and fills your hearts, life will become radiant for you and you will be glorified on earth as He is glorified in the Heavens. May God be with you. Amen.[1]

(ترجمہ) ۔ میرے عزیز امریکن بھائیو!

جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہوگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اپنی وفات سے دو سال قبل وصیت کے طور پر ضروری ہدایات اس دستاویز کی شکل میں شائع فرمادی تھیں جو "الوصیت" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ دستاویز بہت اہم ہے ہر احمدی کو چاہیئے کہ وہ اس کا ضرور مطالعہ کرے میں سمجھتا ہوں کہ آپ سب نے اس کا انگریزی ترجمہ بغور مطالعہ کر لیا ہوگا۔ اگر اس کا انگریزی ترجمہ آپ لوگوں کو بآسانی دستیاب نہ ہوسکتا ہو تو میں

---

[1] رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۸ تا ۱۲

برادرم خلیل احمد صاحب ناصر کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ اپنے ساتھیوں کی مدد سے "الوصیت" کا جلد از جلد ترجمہ کر کے آپ سب میں اسے تقسیم کرا دیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس دستاویز کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ میں سے ہر ایک میں یہ شدید خواہش پیدا ہو گی کہ وہ بھی اس عظیم الشان تحریک میں جو اس میں بیان کی گئی ہے اور جو اسلام اور احمدیت کی ترقی کے لئے نہایت درجہ اہمیت کی حامل ہے شامل ہونے کی سعادت حاصل کرے۔

اس دستاویز کا مطالعہ کرنے پر آپ لوگوں کو معلوم ہو گا کہ اس میں جو سکیم بیان کی گئی ہے۔ اس کے مطابق جماعت کے ہر اس فرد سے جو اس میں حصہ لینا چاہتا ہے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی جائیداد کے دسویں حصہ یا جائیداد کی قیمت کے دسویں حصہ کے برابر نقد رقم بحق صدر انجمن احمدیہ وصیت کرے یا اگر اس کی کوئی قابلِ ذکر جائیداد نہ ہو تو وہ اپنی زندگی میں اپنی ہفتہ وار یا ماہوار آمد کا دسواں حصہ اشاعتِ اسلام اور انسانی فلاح و بہبود کی خاطر صدر انجمن احمدیہ کو ادا کرتا رہے یہ ضروری ہے کہ اس تحریر میں جو جائیداد کی وصیت کے طور پر لکھی جائے یا جس کے ذریعہ چندہ وصیت کی ادائیگی کا وعدہ کیا جائے۔ یہ امر بالصراحت مذکور ہو کہ جائیداد کی وصیت یا چندہ وصیت کی ادائیگی ان میں سے جو بھی صورت ہو ہر قسم کی شرائط اور پابندیوں سے آزاد ہو گی۔ اور موصی یا اس کے وارث یا اس کے مقرر کردہ منصرم وصیت کردہ جائیداد یا آمدنی کے مصرف یا خرچ پر کوئی اعتراض نہ کر سکیں گے۔ صدر انجمن احمدیہ یا کوئی اور با اختیار ادارہ جو اس سلسلہ میں قائم کیا جائے اس تحریک کے اغراض و مقاصد کے تحت جائیداد یا وصول شدہ چندہ جات کو خرچ کرنے کا پوری طرح مجاز ہو گا۔

بہ تمام و کمال اور بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس دستاویز کا عظیم الشان مقصد اور اس کی اغراض آپ لوگوں کو معلوم ہو جائیں گی تاہم میں برادرم خلیل احمد صاحب ناصر کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ اس بات کا انتظام کریں کہ آپ کے مختلف مراکز میں سلسلہ کے نمائندے "الوصیت" کا مقصد اور اس کی اغراض تفصیل کے ساتھ آپ لوگوں کو سمجھا دیں۔ "الوصیت" کے منشاء کے مطابق ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی جماعت احمدیہ

جتنی جلدی ممکن ہو سکا کسی مرکزی علاقے میں ایک موزوں قطعۂ زمین خریدنے کا انتظام کرے گی۔ یہ قطعۂ زمین قبرستان کے طور پر ان لوگوں کے لئے مخصوص ہو گا جو "الوصیت" میں بیان کردہ شرائط اور ان قواعد کے مطابق جو امام جماعت احمدیہ اور صدر انجمن اور تحریک جدید کی طرف سے نافذ ہوں۔ وصیت کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ریاست ہائے متحدہ میں ایک دفعہ جاری ہونے کے بعد یہ سکیم انشاء اللہ تقویت حاصل کرے گی۔ اور رفتہ رفتہ تمہارے ہزار نہیں بلکہ لاکھوں ہم وطن اس میں شامل ہو جائیں گے اور اس طرح ان لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا جو اپنی مساعی اور آمدنیوں اور جائیدادوں کا ایک معقول حصہ "الوصیت" کے اغراض و مقاصد کے لئے وقف کریں گے۔

جوں جوں ایسے مخلص اور فدائی احمدیوں کی تعداد بڑھے گی۔ اس امر کی ضرورت محسوس ہو گی کہ ملک کے مختلف حصوں میں ایسے ہی قبرستان قائم کئے جائیں۔ چنانچہ حسب ضرورت مختلف اوقات میں ایسے قبرستانوں کا قیام عمل میں آتا رہے گا۔

ایسی وصیت کردہ جائیداد سے اس کی فروخت یا چندہ جات سے جو آمدنی ہو اس کو حسب ذیل طریق پر خرچ کیا جائے۔

(الف)۔ اس آمدنی کا نصف حصہ مرکزی اداروں کو چلانے اور دنیا بھر میں اشاعتِ اسلام کا کام کرنے کے لئے صدر انجمن احمدیہ کو ارسال کیا جائے گا اس میں امریکہ بھی شامل ہو گا۔ کیونکہ امریکہ میں ابھی لمبے عرصے تک اسلام کے ایسے خادموں کی ضرورت محسوس ہوتی رہے گی جو خاص طور پر مرکز کے تربیت یافتہ ہوں وہ مرکزی ادارے جن کے ذمہ اشاعتِ اسلام کا کام ہے صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید ہیں۔ دنیا کے مختلف حصوں میں تبلیغِ اسلام کی غرض سے مذکورہ بالا آمدنی کا جو حصہ مرکز میں ارسال کیا جائے گا اسے امام جماعت احمدیہ کی ان ہدایات کے مطابق جو وقتاً فوقتاً جاری کریں گے ان دونوں اداروں میں تقسیم کیا جائے گا۔

(ب)۔ آمدنی کے باقی نصف حصے میں سے تین چوتھائی رقم ریاست ہائے متحدہ میں تبلیغ اسلام پر خرچ کی جائے گی باقی کی چوتھائی رقم ہمارے غریب اور پسماندہ بھائیوں

کی فلاح و بہبود کے لئے وقف ہو گی۔ جہاں کہیں بھی ایسے بھائی ہوں گے اُن پر یہ رقم خرچ کی جائے گی۔ اور اس ضمن میں ان کی تعلیم و تربیت کے انتظام کو مقدم رکھا جائے گا۔ جونہی جماعت کے نمائندوں کی طرف سے مجھے یہ اطلاع ملے گی کہ آپ لوگوں میں سے ایک خاص تعداد ایسے احباب کی ہے جو " الوصیت " کی بیان کردہ تحریک میں شامل ہونا چاہتے ہیں، مَیں ایک کمیٹی قائم کرنے کا انتظام کروں گا اس کے قیام کا مقصد یہ ہوگا کہ اس سکیم کے تحت اولین قبرستان کے لئے جگہ منتخب کی جائے اور اس سکیم پر عمل درآمد کے لئے ضروری اور ابتدائی انتظامات کئے جائیں اور اس اَمر کا اہتمام کیا جائے کہ اس سکیم اور اس کے مقاصد کو مؤثر طریق پر ہمیشہ کے لئے جاری رکھا جاسکے۔

ہر وہ شخص جو وصیت کرے گا یا اس سکیم کے قواعد کے بموجب کم سے کم شرح کے مطابق چندہ دینے کا وَعدہ کرے گا وہ اس شرط پر کہ اس کی وصیت پُوری ہو جائے یا حسبِ قواعد چندہ جات کی ادائیگی عمل میں آجائے۔ دونوں صورتوں میں اس بات کا حقدار ہو گا کہ ایسے قبرستانوں میں سے کسی ایک قبرستان میں دفن کیا جائے جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اس غرض کے لئے قائم ہو جائیں گے۔ اور اس صورت میں کہ اس کی موت ہندوستان میں واقع ہو تو وہ قادیان کے قبرستان میں یا اگر پاکستان میں ہو تو ربوہ کے قبرستان میں دفن ہو سکے گا۔ لیکن یہ ضروری ہوگا کہ اس کی نعش ان قبرستانوں میں سے کسی ایک قبرستان تک پہنچانے کے اخراجات اس کے اپنے ترکہ یا جائیداد سے پُورے کئے جائیں۔ اور اس کی راہ میں کوئی قانونی یا کوئی اور رکاوٹ حائل نہ ہو۔ وصیت یا چندہ جات کے وعدے کے ضمن میں جو تحریر لکھی جائے گی اس میں یہ صراحت کی جائے گی کہ اس شرط کے پُورا نہ ہو سکنے کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ وصیت کو ناجائز یا خلاف قاعدہ قرار دیا جا سکے گا یا اس کے جائز یا قانونی حیثیت پر کوئی حرف آسکے گا یا ادا کردہ چندوں کے بارے میں کسی مطالبہ یا دعویٰ کا جواز پیدا ہو سکے گا۔

صدر انجمن ایسے تمام اشخاص کے نام جنہوں نے اس سکیم میں شامل ہونے کے بعد اس کی تمام شرائط کو پورا کر دیا ہوگا۔ قادیان یا ربوہ کے قبرستانوں میں مناسب جگہ پر کندہ

کرانے کا انتظام کرے گی۔ نیز ان کے نام ایک ریکارڈ کی شکل میں بھی محفوظ رکھے جائیں گے جن کی نقول بڑے بڑے احمدیہ مراکز میں بھی رکھی جائیں گی۔ تاکہ احمدیوں کی آنے والی نسلوں کو اپنے اِن وفات یافتہ بھائیوں کی رُوحوں کے واسطے دُعا کی تحریک ہوتی رہے جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اموال کو اسلام اور انسانیت کی خدمت کے لئے وقف کیا۔ یہ امر بہت ضروری ہے کہ اس بارے میں پُوری احتیاط کی جائے کہ اس تمام سکیم پر عمل در آمد کے وقت ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے رائج الوقت قوانین کو پُوری طرح ملحوظ رکھا جائے۔ تا اس بناء پر کسی وقت بھی کوئی اعتراض پیدا ہو کر اس سکیم یا اس کے مقاصد کو ناکام نہ بنا سکے۔

جیسا کہ "الوصیت" میں بیان کیا گیا ہے وصیت کی اس سکیم کے فوائد اَور رنگ میں بھی ظاہر ہوں گے۔ اور بالآخر یہ انسانیت کے کمزور طبقوں کو اٹھانے اور انسانی فلاح و بہبود اور خوش حالی کو ترقی دینے کا ذریعہ ثابت ہوگی۔ کوئی نظام بھی جس کی بنیاد جبر و اکراہ پر ہو اس مقصد میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ الوصیت میں جو سکیم پیش کی گئی ہے خالصتہً طوعی اور رضا کارانہ ہے اور خدمتِ اسلام کے ایک اجر کا درجہ رکھتی ہے اس لحاظ سے جو اخلاقی اور رُوحانی فوائد اس تحریک کے ساتھ وابستہ ہوں گے۔ تمام دوسرے نظام اِن سے محروم ہیں۔

رفتہ رفتہ ایک ملک کے بعد دُوسرا مُلک اس تحریک کو اپنانے کے لئے آگے آتا رہے گا اور اس طرح ان لوگوں کی طرف سے جو اس سکیم کے ذریعہ روحانی، اخلاقی اور مادّی فوائد سے متمتع ہوں گے۔ دُنیا میں خدا کا نام بلند ہوتا رہے گا۔

اس تحریک پر پاکستان اور ہندوستان میں پہلے سے عمل ہو رہا ہے۔ میری خواہش ہے اور مَیں اس کے لئے دُعا بھی کرتا ہوں کہ تحریک کو اپنانے والے ممالک میں سے امریکہ تیسرا مُلک ثابت ہو۔ اور اس طرح وہ وسیع سے وسیع تر پیمانے پر انسانیت کی فلاح و بہبود اور اس کی ترقی کی بنیادیں استوار کرنے میں حصّہ لے۔ آمین۔

برادران! ہم کمزور اور ناتواں ہیں۔ لیکن ہمارا خدا طاقت ور اور ہمہ قوّت ہے۔

ہمارے بس میں کچھ نہیں لیکن وہ سب کچھ کر سکتا ہے یقین رکھو کہ اس کی مدد تمہاری طرف دوڑی آ رہی ہے۔ بلاشبہ وہ خود تمہارے دروازے پر کھڑا ہے اور اندر داخل ہونا چاہتا ہے۔ پس اُٹھو اور اپنے دروازے کھول دو تاکہ وہ اندر آجائے۔ جب وہ تمہارے گھروں میں داخل ہو جائے گا اور تمہارے دلوں میں سما جائے گا تو زندگی تمہارے لئے منوّر ہو جائے گی۔ اور دُنیا میں تم اسی طرح عزّت دیئے جاؤ گے جس طرح آسمانوں میں اس کو عزّت اور عظمت حاصل ہے۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔[1]

سیّدنا حضرت مُصلح موعودؓ نے یہ خصوصی پیغام چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر انچارج امریکہ مشن کو ارسال فرمایا اور اس مبارک تحریک کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بذریعہ مکتوب حسب ذیل ہدایات دیں :۔

RABWAH "
10 - 1 - 56

مکرمی خلیل احمد ناصر! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘

ایک مضمون ارسال ہے۔ اس کو فوراً شائع کروائیں۔ اور پھر اس کے مطابق جو جو لوگ وصیتیں کریں ان کے نام اور جائیداد کی تفصیل مرکز کو بھجوائیں۔ ایک مقبرہ کمیٹی قائم کریں جو زمین خریدے اور اس مقبرے کو بہت خوبصورت بنایا جائے۔ باغ وغیرہ لگایا جائے۔ میرے مضمون "نظامِ نَو" کا انگریزی ترجمہ بھی جلد شائع کیا جائے اس میں تمام تفصیلات اس مضمون کی مَیں نے بیان کی ہیں۔

وہاں کے لوگوں میں قادیان کی محبت اور قادیان کو واپس لینے کا جذبہ بھی پیدا کریں۔ جن لوگوں کو خدا توفیق دے وہ ایسا انتظام کریں کہ ان کی وفات کے بعد قادیان ان کی نعش لے جائی جا سکے تو اس کا بہت اچھا اثر ہوگا۔"[2]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۹ رفروری ۱۹۵۶ء صٓ۳ رمٓ۴ ۔

[2] حضور کا پیغام اور یہ مکتوب شُعبہ تاریخ احمدیت کے خصوصی ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ دونوں ہی حضرت سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔

حضرت مصلح موعودؓ نے امریکہ کے بعد اگلے سال انڈونیشیا کی احمدیہ جماعتوں کو بھی نظامِ وصیت کی ترویج کی طرف توجہ دلائی جس کے خوشکن اثرات رُونما ہونے شروع ہوگئے۔ جس پر حضور نے ۲۹ رجون ۱۹۵۶ء کے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا:۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وصیت کا نظام جاری فرمایا تو اللہ تعالےٰ نے اس میں ایسی برکت رکھ دی کہ باوجود اس کے کہ انجمن کے کام ایسے ہیں جو دلوں میں جوش پیدا کرنے والے نہیں۔ پھر بھی صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ تحریک جدید کے بجٹ سے ہمیشہ بڑھا رہتا ہے۔ کیونکہ وصیت ان کے پاس ہے اس سال کا بجٹ بھی تحریک جدید کے بجٹ سے دو تین لاکھ زیادہ ہے حالانکہ تحریک کے پاس اتنی بڑی جائیداد ہے کہ اگر وہ جرمنی میں ہوتی تو ڈیڑھ دو کروڑ روپیہ سالانہ اُن کی آمد ہوتی مگر اتنی بڑی جائیداد اور بیرونی ممالک میں تبلیغِ اسلام کرنے کی جوش دلانے والی صورت کے باوجود محض وصیت کے طفیل صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ تحریک جدید سے بڑھا رہتا ہے۔ اس لئے اَب وصیت کا نظام مَیں نے امریکہ اور انڈونیشیا میں بھی جاری کر دیا ہے اور وہاں سے اطلاعات آرہی ہیں کہ لوگ بڑے شوق سے اس میں حصّہ لے رہے ہیں۔۔ مَیں نے سمجھا کہ چونکہ یہ خدا تعالیٰ کا قائم کردہ ایک نظام ہے اگر اس نظام کو بیرونی ملکوں میں بھی جاری کر دیا جائے تو وہاں کے مبلغوں کے لئے اور مسجدوں کی تعمیر کے لئے بہت بڑی سہولت پیدا ہو جائے گی"[1]

جیسا کہ حضرت مصلح موعودؓ کے مندرجہ بالا پیغام سے عیاں ہے کہ آپ کی دلی تمنّا اور خواہش تھی کہ برّصغیر پاک و ہند کے بعد نہ صرف امریکہ اور انڈونیشیا بلکہ ساری دُنیا کے ممالک میں نظامِ وصیت کا قیام عمل میں آجائے سو الحمد للہ حضور نے ۱۹۵۵ء میں جو آواز بلند کی تھی اس کی گونج اَب آہستہ آہستہ ساری دنیا میں سنائی دینے لگی ہے چنانچہ وکالت مال ثانی تحریک جدید ربوہ کے ریکارڈ کے مطابق جنوری ۱۹۸۴ء تک برّصغیر پاک و ہند سے باہر موصیوں کی تعداد

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰ر جولائی ۱۹۵۶ء صہ ۴۔

۱۵۹۷ تک پہنچ چکی ہے جن میں سے ۲۶۰ موصی شمالی و جنوبی امریکہ میں ہیں بقیّہ ممالک کے موصیان کی تعداد حسب ذیل ہے :-

یورپ ۴۷۰ ۔ افریقہ ۱۰۴ ۔ ممالک بحر ہند و آسٹریلیا ۔ فجی ۔ جاپان ۶۳ انڈونیشیا ۲۲۴ ۔ ممالک شرقِ اوسط ۱۷۰

دُوسرا باب

حضرت مصلح موعودؓ کے افریقن احمدیوں کے نام پیغام سے لیکر لائبیریا مشن کے قیام تک

فصلِ اوّل

حضرت مُصلح موعودؓ کا پیغام افریقن احمدیوں کے نام

خدائے علیم وخبیر کی طرف سے قدرتِ ثانیہ کے مظہرِ ثانی حضرت مصلح موعودؓ کو اوائلِ خلافت میں ہی افریقن اقوام کے شاندار مستقبل کی نسبت یہ خبر دی گئی کہ :-

" خدا تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ افریقہ جو مسلمانوں سے عیسائیوں کے ذریعہ نکل چکا ہے، اب آپ کے ذریعہ مسلمانوں کو ولائے اور خدا تعالیٰ کی غیرت کا وقت آگیا ہے۔ اب سے پہلے خدا خاموش بیٹھا رہا جس طرح صیّاد جال کے نیچے دانہ ڈال کر بیٹھا رہتا ہے اور جانوروں کو وہ دانہ جس پر اُس کی قیمت لگی ہوتی ہے، چُننے دیتا ہے۔ مگر اب جب دُنیا نے اپنی غلطی سے سمجھ لیا ہے کہ اسلام مٹنے والا ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ اسے اکنافِ عالم

میں پھیلا دے"۔[1]

اس سلسلہ میں حضور نے قیامِ پاکستان کے بعد براہِ راست افریقن احمدیوں کے نام بھی ایک نہایت امید افزا پیغام دیا جو رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" کے ستمبر ۱۹۵۵ء کے ایشوع میں چھپا۔ یہ پیغام جناب حاجی جے۔ بی الحسن عطا صاحب پریذیڈنٹ جماعتِ احمدیہ اشانٹی ریجن (کماسی ۔ غانا) کے توسط سے ارضِ بلال تک پہنچا اور اُس نے افریقن احمدیوں میں زبردست بیداری پیدا کر دی۔ اس انقلاب آفرین پیغام کے الفاظ یہ تھے:۔

'I am reading the writing on the wall that there is a great future for your race.' God does not forsake a race for all the times to come. Sometime, He gives opportunity to one nation and one continent and then He offers the same opportunity to another nation and another continent. Now is your time. You have been oppressed and ruled by others for a very long time. Rest assured that your glorious time is fast approaching. People were made to think that yours is an inferior race. I can say about myself that in my young age, when I used to read books, in English I used to think about your race as inferior one. But when I grew up and read the traditions and the Holy Quran, I came to know that it was all wrong. God has not made an exception of your people. God mentions all races and nations as equals. When He sends any prophet in the world, He gives sufficient intelligence also to the men, who are addressed, to accept that prophet. If you have not sufficient intelligence, or in other words, are an inferior race, then God forbid, it is His fault Who sent a prophet to a people who have no intelligence to accept him. But this is not the case. Islam says that Europeans, Americans, Asiatics, Africans and people in far off islands are equal. All of them have the same power of understanding, learning, memorising and inventing. Americans consider themselves as supper men. They even hate Europeans.

---

[1] "تقدیرِ الٰہی" صفحہ ۲۹-۳۰ (تقریر ۲۶ر دسمبر ۱۹۱۹ء) مرتبہ منشی خواجہ غلام نبی صاحب بلانوی ایڈیٹر "الفضل" قادیان دارالامان ۔ ناشر صیغہ تالیف و اشاعت قادیان۔

The Europeans hate Asiatics. As far as Ahmadiyyat goes, I assure you that we, (and when I say we, I mean myself and all the Ahmadies who follow me), consider all the people on earth as equal. All of us are equal and have the same powers.

I assure you that during my life time I am not going to allow any Ahmadi to adopt the aforesaid mistaken ideas as prevalent in the world. Just as the Holy Prophet said that he would crush such ideas under his heels, so I assure you that I will also crush such ideas under my heels.

"So, go and prove yourselves true Ahmadies. Tell your brothers that you went to Pakistan and Rabwah and found that in Pakistan also there are brothers who feel for you and consider all Ahmadies as equal, and that you did not see Pakistanees rather Africans in different colours. They are looking towards their African brothers as their own kith and kin. I am expecting the same sacrifice from Africans and ask you to preach and convey the message of Islam to every corner of your country.

"Rabwah will always look forward to you to bring every body in the Gold Coast into the fold of Ahmadiyyat, or the True Islam, the religion of God."

یعنی مَیں یہ نوشتۂ دیوار پڑھ رہا ہوں کہ آپ کی (افریقن) نسل کے لئے ایک عظیم مستقبل مقدر ہے۔ اُس کا شاندار زمانہ قریب تر آرہا ہے۔ خدا نے ماضی میں بھی کسی قوم کو نہیں چھوڑا نہ آئندہ نظر انداز کریگا۔ وہ بعض اوقات کسی ایک قوم اور برّاعظم کو موقع دیتا ہے اور پھر ایک دُوسری قوم اور دوسرے برّاعظم کو منتخب فرماتا ہے۔ ایک لمبے عرصے تک آپ لوگوں پر ظُلم کیا گیا اور دُوسروں کے محکوم رہے۔ اَب آپ کا وقت ہے۔

لوگوں کو یہ سوچنے پر مجبور کیا گیا کہ افریقن ایک کمتر قوم ہیں خود مَیں اپنے متعلق بھی کہہ سکتا ہوں کہ اپنے اُس عہدِ شباب میں جبکہ مَیں انگریزی کتابیں پڑھا کرتا تھا تو میرا بھی یہ خیال تھا۔ لیکن بڑے ہوکر جب مَیں نے قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا تو مجھے معلوم ہُوا کہ یہ سب کچھ غلط تھا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی قوم سے کوئی امتیازی سلوک نہیں برتا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمام نسلیں اور قومیں برابر ہیں جب وہ کوئی اپنا فرستادہ دنیا میں بھیجتا ہے تو وہ کافی ذہانت اُن لوگوں کو بھی عطا فرماتا ہے جن کو مخاطب کیا جاتا ہے کہ وہ اس رسول کو قبول کریں۔ اگر آپ کے پاس یہ ذہانت نہیں یا دوسرے الفاظ میں آپ ایک کمتر نسل ہیں تو معاذ اللہ یہ خُدا کا نقص ہے کہ اُس نے ایک ایسی قوم کی طرف اپنا مامور بھیجا جو ذہانت سے خالی تھی کہ اُس کو قبول کر سکے۔ لیکن معاملہ یہ نہیں ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ یورپ، امریکہ، ایشیا، افریقہ اور دور دراز جزیروں کے سب باشندے برابر ہیں۔ تمام کو قوّتِ عقل اور قوّتِ علم و ایجاد عطا کی گئی ہے۔ گو امریکن اپنے تئیں ایک فوق البشر مخلوق سمجھتے ہیں اور یورپین سے بھی نفرت کرتے ہیں اور یورپ کے لوگ ایشیائیوں کو بنظرِ حقارت دیکھتے ہیں مگر جہاں تک تحریکِ احمدیت کا تعلق ہے مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ (اور جب مَیں یہ کہتا ہوں تو میری مراد اُن تمام احمدیوں سے ہے جو میرے متبع ہیں) ہم سمجھتے ہیں کہ زمین پر بسنے والے تمام لوگ برابر ہیں۔ ہم تمام برابر ہیں اور ایک جیسی صلاحیتیں رکھتے ہیں۔ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مَیں اپنی زندگی میں کبھی کسی احمدی کو یہ اجازت دینے کے لئے تیار نہیں ہوں گا کہ وہ مذکورہ بالا خیالات کو جو دُنیا میں رائج ہیں اختیار کرے۔ بالکل اسی طرح جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ وہ ایسے خیالات کو اپنی ایڑیوں کے نیچے کُچل دیں گے۔ پس مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مَیں بھی ایسے نظریات کو اپنے پاؤں تلے مسل دونگا۔ پس جائیں اور اپنے آپ کو سچا احمدی ثابت کریں۔ اور اپنے بھائیوں کو بتائیں کہ آپ پاکستان گئے

تھے اور ربوہ میں بھی آپ نے بچشمِ خود دیکھا کہ پاکستان میں بھی آپ کے بھائی ہیں جو آپ کے جذبات کا احساس کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ تمام احمدی برابر ہیں۔ اور یہ کہ آپ نے پاکستانیوں اور افریقنوں میں کوئی الگ رنگ نہیں دیکھا۔ پاکستانی اپنے افریقن بھائیوں کو اپنے عزیز و اقارب کی طرح دیکھتے ہیں۔ مَیں افریقنوں سے بھی اسی قربانی کی توقع کرتا ہوں اور آپ سے کہتا ہوں کہ آپ تبلیغ کریں اور پیغامِ اسلام افریقہ کے کونے کونے تک پہنچا دیں۔

ربوہ ہمیشہ آپ کا انتظار کرے گا کہ آپ گولڈ کوسٹ کے ہر فرد کو احمدیت کی آغوش میں لے آئیں جو حقیقی اسلام اور خدا کا دین ہے۔

خواتینِ مُبارکہ کے اعزاز میں عصرانہ

لجنہ اماء اللہ مرکزیہ اور لجنہ ربوہ نے ۶/ اکتوبر ۱۹۵۵ء / ۱۶/ اخاء ۱۳۳۴ھش کو دفتر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ میں خاندانِ حضرت مسیح موعودؑ کی اُن خواتینِ مبارکہ کے اعزاز میں ایک عصرانہ دیا جنہیں سفرِ یورپ میں حضور کی معیت کا شرف حاصل ہُوا۔ اس سفر میں حضور کے ہمراہ حضور کے چاروں حرم حضرت سیّدہ اُمِّ ناصر صاحبہ، حضرت سیّدہ اُمِّ وسیم صاحبہ، حضرت اُمِّ متین سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ اور حضرت سیّدہ مہر آپا صاحبہ نیز محترمہ بیگم صاحبہ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب اور صاحبزادی امۃ الباسط صاحبہ بھی تھیں بکرم سیّد داؤد احمد صاحب اور ان کی اہلیہ امۃ الباسط صاحبہ کا قیام قریباً ڈیڑھ سال تک لندن میں رہا۔

تقریبِ عصرانہ میں لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کی تمام ممبرات، حلقہ جات کی عہدیداران اور لجنہ کی پرانی کارکنات قریباً ایک سو کی تعداد میں شامل ہوئیں۔ اس تقریب کا انتظام صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ اور مکرمہ طیبہ صدیقہ صاحبہ بیگم نواب مسعود احمد خان صاحب کی نگرانی میں ہُوا۔ اس موقع پر محترمہ امۃ الرشید شوکت صاحبہ اہلیہ محترم ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ نے لجنہ اماء اللہ مرکزیہ اور لجنہ اماء اللہ ربوہ کی نمائندگی کرتے ہوئے جو ایڈریس پیش کیا اس میں بتایا کہ:۔

"حضور کے آرام و آسائش کا خیال رکھنا ہم سب کا مشترکہ فرض ہے لیکن دوسری تمام مشترکہ ذمہ داریوں کی طرح یہ ذمہ داری بھی نمائندگی کے ذریعہ پُوری کی جا سکتی ہے۔ اس لحاظ سے آپ گویا ہماری نمائندہ تھیں اور اس کامیاب نمائندگی پر ہم آپ کے تہ دل سے مشکور ہیں اور آج آپ کی خدمت میں دلی مبارکباد پیش کرنے کے لئے یہاں حاضر ہوئی ہیں۔ ہم دُعا کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو

خدمتِ اسلام کا زیادہ سے زیادہ موقع عطا فرمائے اور اس ذریعہ سے خدمتِ دین کی مختلف راہیں آپ کے لئے آسان کی جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل آپ کے ساتھ ہو اور اس کی رحمتیں آپ کا دامن تھامیں۔ ہم سب بھی ایسی ہی دُعا کے محتاج ہیں۔ اور آپ سے اس کے لئے درخواست کرتی ہیں۔"

اپنے ایڈریس کو ختم کرنے سے پہلے سیدہ اُمّ ناصر احمد صاحب صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ اور سیّدہ اُمّ امۃ المتین صاحبہ جنرل سیکرٹری لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتی ہیں کیونکہ آپ دونوں کی سرکردگی میں یہ انجمن ایک مضبوط تنظیم کے ساتھ ترقی کے راستے پر گامزن ہے اور اب یورپ کے ممالک میں آپ کی مساعی نے عورتوں کی اس انجمن کو اور زیادہ تقویت بہم پہنچائی ہے۔ فجزاکما اللہ احسن الجزاء۔ ایّدکما بنور من عندہٖ اللّٰھم اٰمین۔"[1]

اس ایڈریس کے بعد حضرت سیّدہ اُمّ متین صاحبہ نے حضرت سیّدہ اُمّ ناصر صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ اور دیگر شریکِ سفر خواتینِ مبارکہ کی طرف سے لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کا شکریہ ادا کیا، سفر یورپ کے مختصر حالات بتائے اور بیرونی ممالک کو جانے والی خواتین کو قیمتی نصائح فرمائیں۔[2]

بیرونی ممالک کے احمدیوں کے لئے دو اہم ہدایات

حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء کے خطبہ جمعہ میں بیرونی مشنوں سے متعلق دو نہایت اہم ہدایات جاری فرمائیں۔

۱۔ نومسلموں کو چندہ دینے کی عادت ڈالی جائے۔

۲۔ غیر ملکی نوجوانوں کو مرکز میں تعلیم کے لئے بھجوایا جائے۔

چنانچہ حضور نے فرمایا:-

"میں بیرونی ممالک میں کام کرنے والے مبلغین سے کہتا ہوں کہ وہ بھی چندہ بڑھانے کی کوشش کریں۔ غلام احمد بشیر (مبلغ ہالینڈ) کے متعلق چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے بتایا کہ وہ نومسلموں سے چندہ نہیں

---

[1] مصباح ربوہ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۵

[2] تاریخ لجنہ اماء اللہ جلد دوم صفحہ ۳۸۰ تا صفحہ ۳۹۱ مرتبہ امۃ اللطیف صاحبہ سیکرٹری شعبہ اشاعت لجنہ اماء اللہ مرکزیہ۔ ناشر دفتر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ جنوری ۱۹۷۲ء۔

لینا۔ چوہدری صاحب نے کہا کہ مَیں نے اس سے کہا ہے کہ مَیں تو ان نومسلموں کو اسی وقت احمدی سمجھوں گا جب وہ باقاعدہ چندہ دیں گے۔ لیکن وہ ہر دفعہ یہ عذر کر دیتا ہے کہ یہ لوگ مالی لحاظ سے کمزور ہیں اور چندہ دینے کے قابل نہیں۔ میرے نزدیک چوہدری صاحب کی بات بالکل دُرست ہے۔ ہمارے مبلغین کو نومسلموں سے چندہ لینے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ مَیں نے جرمنوں کو دیکھا ہے کہ وہ چندے دیتے ہیں ایک شخص میری آمد کے متعلق خبر پا کر دو سو میل سے چل کر مجھے ملنے آیا۔ چوہدری عبداللطیف صاحب مبلغ جرمنی نے مجھے بتایا کہ وہ جب سے احمدی ہُوا ہے اڑھائی پونڈ ماہوار باقاعدہ چندہ دیتا ہے۔ پس اگر ہمارے مبلغین نومسلموں کو چندہ دینے کی عادت ڈالیں گے تو انہیں عادت پڑ جائے گی چاہے ابتدا میں وہ ایک ایک آنہ ہی چندہ کیوں نہ دیں۔ اگر وہ ایک ایک آنہ بھی چندہ دینا شروع کر دیں گے تو آہستہ آہستہ انہیں اس کی عادت پڑ جائے گی اور پھر زیادہ مقدار میں چندہ دینا انہیں دُوبھر معلوم نہیں ہوگا۔ حضرت مسیح موعود کے اشتہارات اور کتابیں نکال کر دیکھ لو تمہیں ان میں یہ الفاظ دکھائی دیں گے کہ فلاں دوست بڑے مخلص ہیں انہوں نے ایک آنہ یا دو آنہ ماہوار چندہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن پھر وہی لوگ بڑی بڑی مقدار میں چندہ دینے لگ گئے تھے۔ ہمارے مبلغین کو بھی چاہیئے کہ وہ بھی نومسلموں سے چندہ لینے کی کوشش کریں۔ مشرقی افریقہ اور دمشق والے احمدیوں کی حالت نسبتاً اچھی ہے۔ دمشق کی جماعت بڑے اخلاص اور ہمّت سے کام کر رہی ہے۔ پھر جماعتوں کو چاہیئے کہ وہ نوجوانوں کو یہاں بھجوائیں جو یہاں رہ کر تعلیم حاصل کریں اور مرکزی اداروں میں کام کریں۔ دیکھ لو بیماری سے پہلے مجھ میں کس قدر ہمّت ہُوا کرتی تھی مَیں اکیلا دس آدمیوں سے بھی زیادہ کام کر سکتا تھا لیکن اَب ایک آدمی کے چوتھائی کام کے برابر بھی نہیں کر سکتا۔ اس طرح یہ ناظر بھی انسان ہی ہیں۔ اِن کو بھی بیماری لگ سکتی ہے اور کام کے ناقابل ہو سکتے ہیں۔ پس باہر سے نوجوانوں کو یہاں آنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ بلکہ بہتر ہوگا کہ مختلف ممالک کے لوگ یہاں آئیں اور انجمن کا کام سنبھالیں تاکہ ہماری مرکزی (انجمن) انٹرنیشنل انجمن بن جائے۔ صرف پاکستانی نہ رہے۔ دینی لحاظ سے بے شک پاکستان کے لوگ دوسروں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ لیکن اگر ان کے ساتھ ایک ایک ممبر نائیجیریا، گولڈ کوسٹ، امریکہ، مشرقی افریقہ ہالینڈ، جرمنی اور انگلینڈ وغیرہ ممالک کا بھی ہو تو کام زیادہ بہتر رنگ میں چل سکتا ہے۔ جب یہ لوگ یہاں آ کر کام کریں گے تو باہر کی جماعتوں کو اس طرف زیادہ توجہ ہوگی اور وہ سمجھیں گے کہ مرکز میں جو انجمن کام کر رہی ہے وہ صرف پاکستان کی جماعتوں کی انجمن نہیں بلکہ ہماری بھی انجمن ہے۔ پس چندوں کو زیادہ

کرو اور اِن طوفانوں سے مایوس نہ ہو بلکہ پہلوانوں کی طرح کام میں لگ جاؤ اور جہاں جہاں پانی خشک ہوتا ہے۔ وہاں فوراً کھیتوں میں ہل چلا دو تا تمہاری آئندہ آمدنیں پہلے سے بھی بڑھ جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ چندے بھی بڑھ جائیں۔ جب مرکز مضبوط ہوگا اور بیرونی مبلّغین کو بھی خدا تعالیٰ اس بات کی توفیق دے دیگا کہ وہ نومسلموں سے چندے لیں تو سلسلۂ تبلیغ وسیع ہو جائے گا جب بھی دُنیا میں کوئی مذہبی تحریک چلی ہے۔ اس کے ابتدائی مبلغ اسی مُلک کے ہوتے تھے جس میں وہ تحریک ابتداءً شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ اسلام کے پہلے مبلّغ عرب ہی تھے۔ لیکن اس کے بعد ایرانی اور عراقی آگئے اور انہوں نے اسلام کی اشاعت شروع کی۔ حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ۔ شہاب الدین صاحب سہروردیؒ، بہاؤ الدین صاحب نقشبندی سب دوسرے ممالک کے تھے جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں اسلام کی بڑی خدمت کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بعد بھی پچاس ساٹھ سال تک عیسائیت کو پھیلانے والے ان کے اپنے علاقے کے ہی مبلغ تھے۔ لیکن بعد میں اور علاقوں میں بھی مبلّغ پیدا ہو گئے اور آپ کے سو سال کے بعد تو سارے مبلّغ اٹلی کے ہی تھے۔ پھر جرمنی اور انگلینڈ سے بھی کئی مبلّغین اشاعتِ عیسائیت کے لئے آگے آگئے پس جب تک مبلّغین نومسلموں کو چندہ دینے کی عادت نہیں ڈالیں گے۔ یہ کام لمبے عرصہ تک نہیں چل سکتا۔" [1]

وقفِ زندگی کی پُرجوش تحریک

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کو اپنے دوسرے سفر یورپ کے دوران یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ مغربی دُنیا نہایت تیزی سے اسلام کی طرف مائل ہو رہی ہے اور آپ اس نتیجے پر پہنچے کہ وقت آگیا ہے کہ وقفِ زندگی کی تحریک کو پہلے سے زیادہ منظم، مؤثر اور دائمی شکل دی جائے کیونکہ جب تک جماعت احمدیہ میں دین کی خدمت کرنے والے مسلسل اور متواتر پیدا نہ ہوں غلبۂ اسلام کے اہم مقصد کی تکمیل ہرگز ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نے سفر یورپ سے واپسی کے بعد کراچی اور ربوہ میں جو ابتدائی خطبات ارشاد فرمائے۔ ان میں بار بار وقفِ زندگی کی پُرجوش تحریک فرمائی۔ چنانچہ ۱۶ ستمبر ۱۹۵۵ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

"جب تک جماعت میں وقف کی تحریک مضبوط نہ ہو اس وقت تک ساری دُنیا میں اسلام کو غالب کرنا ناممکن ہے۔ اس کے لئے اوّل تو جماعت کے ہر فرد کے دل میں یہ احساس پیدا ہونا چاہیئے کہ مَیں نے ایک سے دو بننا

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۵ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔

ہے۔ دو سے چار بننا ہے۔ چار سے آٹھ بننا ہے آٹھ سے سولہ بننا ہے سولہ سے بتیس بننا ہے بتیس سے چونسٹھ بننا ہے اور چونسٹھ سے ایک سو اٹھائیس بننا ہے۔ ہماری جماعت آخر لاکھوں کی جماعت ہے۔ اگر ہر دس سال کے اندر ایک ایک شخص کے ذریعہ دو چار احمدی بھی پیدا ہو جائیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اگلے دس سال میں پندرہ بیس لاکھ ہو جائیں گے اور اس سے اگلے دس سال میں اسی لاکھ ہو جائیں گے اور اس سے اگلے دس سال میں ڈیڑھ کروڑ تک ان کی تعداد پہنچ جائے گی۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہم امید کر سکتے ہیں کہ یہ ڈیڑھ کروڑ دو ارب تک اسلام کا پیغام پہنچا سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ نہ ہو اور ہر شخص سمجھ لے کہ میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میں نے چندہ دے دیا ہے تو یورپ اور امریکہ کو اسلام کون سمجھائے گا؟ اور اگر سمجھانے والا کوئی نہیں ہوگا تو مانے گا کون ...... یورپ کے لوگ اب اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں لیکن بڑی چیز جو ان کے رستہ میں حائل ہے وہ یہی ہے کہ یورپین لوگ ہر چیز کو سیاسی نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کے بڑے بڑے لوگ یہ خوب سمجھتے ہیں کہ اسلام اگر ہم تک پہنچا ہے تو احمدیوں کے ذریعہ سے لیکن مسلمان جن کی اکثریت ہے وہ احمدیوں کے ہی مخالف ہیں۔ ایسی صورت میں اقلیت کے ساتھ ملنا کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا ہاں اگر اکثریت کے ساتھ ملیں گے تو مفید کام کر سکیں گے اس قسم کے وساوس کا بھی تبھی ازالہ ہو سکتا ہے۔ جب ہمارے مبلغ اُن تک پہنچیں اور اُن کے شبہات کو دُور کریں یہ ظاہر ہے کہ ایک آدھ دفعہ ملنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے متواتر اور مسلسل جدّوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ آخر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا اور کون ہو سکتا ہے مگر آپ نے بھی سال ہا سال تبلیغ کی اور پھر آپ کے صحابہؓ نے تبلیغ کی۔ تب جا کر لاکھوں لوگ اسلام میں شامل ہوئے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد جب انہوں نے اسلام کی اشاعت کی طرف سے توجہ ہٹالی تو وہی لاکھوں خراب ہو گئے۔ اسی طرح اگر ہمارے نمائندے اور ہمارے قائم مقام ان ممالک میں موجود ہوں اور پھر یہ کام صرف انہی تک محدود نہ ہو بلکہ ان کی آئندہ نسل بھی اس کام میں مشغول رہے تو سینکڑوں سال تک دُنیا اسلام کے نُور سے مستفیض ہوتی رہے گی۔ پس وقف کی تحریک اسلام کی اشاعت کے لئے ایک عظیم الشان تحریک ہے۔ اگر وقف کی تحریک مضبوط ہو جائے اور نسلاً بعد نسلٍ ہماری جماعت کے نوجوان خدمتِ دین کے لئے آگے بڑھتے رہیں تو سینکڑوں نہیں ہزاروں سال تک تبلیغ اسلام کا سلسلہ قائم رہ سکتا ہے۔ اس غرض کے لئے میں نے متواتر جماعت پر وقف کی اہمیت کو ظاہر کیا مگر اب میرا ارادہ ہے کہ جماعت سے خاندانی طور پر وقفِ اولاد کا مطالبہ

کروں یعنی ہر خاندان کے افراد اپنی طرف سے ایک ایک نوجوان کو خدمت کے لئے پیش کرتے ہوئے عہد کریں کہ ہم ہمیشہ اپنے خاندان میں سے کوئی نہ کوئی فرد دین کی خدمت کے لئے وقف رکھیں گے اور اس میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔ جب خاندانی وقف کی تحریک مضبوط ہو جائے تو پھر اس کو وسیع کر کے ہم وقف کرنے والوں کو تحریک کر سکیں گے کہ وہ اپنے اپنے دوستوں اور ساتھیوں میں سے ایک ایک دو دو تین تین چار چار کو وقف کرنے کی کوشش کریں اس طرح یہ سلسلہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ممتد ہوتا چلا جائے گا اور قیامت تک جاری رہے گا جیسا کہ مَیں نے پچھلی دفعہ بھی کہا تھا اب فصل تیار ہے صرف اس کے کاٹنے والوں کی ضرورت ہے اور یہ مبالغہ نہیں واقعہ ہے کہ مغربی لوگوں میں اسلام کی طرف زبردست میلان پایا جاتا ہے مَیں تو بیمار تھا اور لمبی بات نہیں کر سکتا تھا مگر مَیں نے دیکھا ہے کہ جب بھی مَیں گفتگو کرتا یوروپین لوگ فوراً ہتھیار ڈال دیتے تھے اور وہ سمجھ جاتے تھے کہ حقیقت کیا ہے ....
بہر حال یہ تحریک ہے جو مَیں جماعت میں کرتا ہوں اور مَیں سمجھتا ہوں کہ اس کے بغیر ہم اسلام کی اشاعت میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ آخر اپنے دلوں میں سوچو اور غور کرو کہ اگر وقف کا سلسلہ جاری نہ رہے تو تمہارا یہ دعویٰ کہ اسلام دُنیا پر غالب آجائے گا کس طرح سچا سمجھا جا سکتا ہے یہ تو ہوگا نہیں کہ ایک دن صبح اُٹھ کر تم تسبیح پر تین دفعہ سبحان اللہ سبحان اللہ کہو گے اور امریکہ کا پریذیڈنٹ اور کونسل آف سٹیٹ کے سب ممبر مسلمان ہو جائیں گے اور وہ اعلان کر دیں گے کہ ہم عیسائیت کو ترک کرتے ہیں۔ اگر ہم نے واقعہ میں اسلام پھیلانا ہے تو بہر حال ہمیں جدّوجہد کرنی پڑے گی .... تو حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت کے لئے جب تک صحیح رنگ میں کوشش نہ ہو اس وقت تک کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا اگر ہم اسلام کو پھیلانا چاہتے ہیں تو ہم میں سے ہر احمدی کو یہ عہد کر لینا چاہیئے کہ مَیں اپنے کسی عزیز یا رشتہ دار یا ساتھی کو اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دوں گا پھر وہ آگے اپنے ساتھیوں کو اسلام کی خدمت کے لئے تیار کریں۔ اور یہ سلسلہ تواتر کے ساتھ جاری رہے۔ رفتہ رفتہ اتنے لوگ ہمارے پاس جمع ہو جائیں گے کہ ہم انہیں آسانی کے ساتھ مختلف ممالک میں پھیلا سکیں گے اور ان سے دین کی اشاعت کا کام لے سکیں گے۔ جب یہ لوگ اسلام کی اشاعت کے لئے ہر شخص تک پہنچیں گے تو چونکہ ان کے دل اسلام کی طرف پہلے ہی مائل ہیں اس لئے اسلام کی فتح کا دروازہ کُھل جائے گا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا دُنیا میں عزّت کے ساتھ قائم ہو جائے گا۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ابھی یہ مقام دُور نظر آتا ہے۔ لیکن جب

رَو پیدا ہوئی تو کامیابی اتنی سُرعت کے ساتھ ہوگی کہ ہمیں خود بھی اس پر حیرت ہوگی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو دیکھ لو تیرہ سال آپ مکّہ میں رہے اور تبلیغ کرتے رہے مگر اس تبلیغ کے نتیجہ میں صرف اسّی آدمی آپؐ پر ایمان لائے اس کے بعد آپ مدینہ تشریف لے گئے تو تھوڑے عرصہ کے بعد ہی ہزاروں لوگ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوگئے جس طرح بند ٹوٹنے کے بعد سیلاب کا پانی رُک نہیں سکتا اسی طرح جب لوگوں میں ایک رَو چل جائے تو پھر گروہ در گروہ لوگ سچائی کو قبول کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور کوئی مخالفت ان کو پیچھے نہیں ہٹا سکتی۔ آج ہمیں اسلام کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کرنے والوں کی ضرورت ہے۔ مگر پھر وہ وقت آئے گا کہ وقف کرنے والے اتنی کثرت سے آئیں گے کہ سوال پیدا ہوگا کہ اِن واقفین کو سنبھالے کون۔ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے لکھا ہے کہ مجھے یہ فکر نہیں کہ روپیہ کہاں سے آئے گا مجھے یہ فکر ہے کہ روپیہ کو سنبھالنے والے کہاں سے آئیں گے۔ اسی طرح مجھے بھی یہ فکر نہیں کہ اسلام کی تبلیغ کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنے والے کہاں سے آئیں گے مجھے یہ فکر ہے کہ وقف کرنے والے اس کثرت سے آئیں گے کہ اِن کو سنبھالے گا کون — دل خدا تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ جن دلوں کو وہ آپ صاف کر دے گا وہ دین کی خدمت کے لئے آگے آجائیں گے پھر اِن کو دیکھ کر سینکڑوں لوگ پیدا ہو جائیں گے جو اپنے آپ کو وقف کرنے کے لئے پیش کر دیں گے اور ان سینکڑوں سے ہزاروں اور ہزاروں سے لاکھوں پیدا ہو جائیں گے۔ ہم بچّے تھے تو ہم کتابوں میں ایک کہانی پڑھا کرتے تھے کہ جب بادل نظر آتا ہے تو قطرے آپس میں جھگڑتے ہیں ایک کہتا ہے کہ مَیں زمین پر گر کر کیوں جان دُوں۔ دُوسرا کہتا ہے مَیں کیوں جان دُوں آخر ایک قطرہ بڑھتا ہے اور زمین پر گرتا ہے۔ اس کے بعد دُوسرا قطرہ گرتا ہے۔ پھر تیسرا گرتا ہے پھر چوتھا گرتا ہے اور پھر موسلا دھار بارش شروع ہو جاتی ہے۔ یہی حال دین کی قربانی کا ہے پہلے قربانی کرنے والے جب قربانی کرتے ہیں تو اُن کو دیکھ کر دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ انہیں تو کچھ بھی نہیں ہوا ہم تو سمجھتے تھے کہ یہ تباہ ہو جائیں گے مگر ان کی تو ہم سے بھی زیادہ عزت ہوئی۔ اور ہم سے بھی زیادہ انہوں نے کامیابی حاصل کی۔ آؤ ہم بھی انہی کے پیچھے چلیں۔ چنانچہ وہ بھی اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کر دیتے ہیں اور پھر یہ سلسلہ بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ ہوتے ہوتے وہ زمانہ آجاتا ہے کہ انسان کہتا ہے مَیں کس کو رکھوں اور کس کو رَد کروں کس کو چُنوں اور کس کو نہ چُنوں؟ اس زمانے کے آنے سے پہلے پہلے جو لوگ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی دین کی خدمت کے لئے پیش کریں گے

وہ خدا تعالیٰ کے حضور مقبول ہوں گے اور اس کی برکتوں سے اتنا حصّہ پائیں گے کہ بعد میں آنے والے ان برکات کا عُشرِ عشیر بھی نہیں لے سکیں گے۔ کیونکہ اَلْفَضْلُ لِلْمُتَقَدِّم۔ فضیلت انہی کو ملتی ہے جو نیکی اور قربانی کی راہوں میں سبقت اختیار کرتے ہیں"۔ [۵]

اس خُطبہ کے بعد حضور کی خدمتِ اقدس میں ایک احمدی کا خط پہنچا کہ میرے دل میں وقف کی تحریک ہوئی ہے۔ سردست مَیں دُعائیں کر رہا ہوں اور دوستوں سے مشورہ لینے کا بھی ارادہ رکھتا ہوں کہ آیا میں ذاتی طور پر یہ عہد نبھا سکتا ہوں یا نہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اگلے خُطبہ جُمعہ (۲۳ ستمبر) میں اس خط کا خاص طور پر ذکر فرمایا اور پھر نہایت مؤثر رنگ میں فرمایا کہ یہ تو دُرست ہے کہ ہر اچھے سے اچھے کام کے لئے بھی دُعا اور مشورہ کی ضرورت ہوتی ہے مگر مشورہ صرف انہی سے لیا جا سکتا ہے جو اُس کے اہل ہوں اور وقفِ زندگی کے بارہ میں صحیح مشورہ صرف امامِ وقت کا ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

"وہ دوست جن کے دلوں میں میرے خُطبہ کی وجہ سے وقف کی تحریک ہوئی ہے ان سے مَیں کہتا ہوں کہ تم سوچو اور مشورہ لو مگر صرف انہی لوگوں سے مشورہ لو جو تمہیں مشورہ دینے کے اہل ہوں بلکہ اگر تم صحیح مشورہ لینا چاہتے ہو تو مجھ سے لو۔ دُوسروں کو کیا پتہ ہے کہ سلسلہ کو کس قسم کے واقفین کی ضرورت ہے، کس قسم کا علم رکھنے والوں کی ضرورت ہے، کس قسم کا تجربہ رکھنے والوں کی ضرورت ہے اور پھر ان کے کتنے وقت کی سلسلہ کو ضرورت ہے۔ مجھے پتہ ہے کہ سلسلہ کے لئے کس قسم کے کام کا تجربہ رکھنے والوں کی ضرورت ہے؟ کس قسم کے علم والوں کی ضرورت ہے؟ اور کتنا وقت دے کر وہ سلسلہ کی خدمت کر سکتے ہیں اس بارہ میں صحیح مشورہ انہیں مجھ سے ہی مل سکتا ہے اور مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر صحیح طریق پر کام کیا جائے تو ایک وکیل وکالت کرتے ہوئے بھی سلسلہ کی خدمت کر سکتا ہے۔ ایک زمیندار زمینداره کرتے ہوئے بھی سلسلہ کی خدمت کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ مشورہ صحیح آدمی سے لے۔ جب تک میرے دم میں دم ہے میں تمہیں صحیح مشورہ دینے کے لئے ہر دم تیار ہوں۔ پس مجھ سے مشورہ لو اور کوشش کرو کہ تم اپنے آپ کو ان لوگوں کی صف میں لے آؤ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ

---

[۵] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۶ ؍ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳ تا ۵۔

هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ[1] یعنی وہ لوگ ایمان تو بعد میں لائے اور انہوں نے ہجرت بھی بعد میں کی، اور جہاد بھی بعد میں کیا لیکن پھر بھی وہ صحابہؓ میں شامل ہوں گے۔"[2]

اس قیمتی نصیحت کے بعد حضور نے حضرت مسیح موعود کے الہام "حق اولاد در اولاد"[3] کی یہ لطیف تشریح فرمائی کہ :-

"زمینوں اور جائیدادوں وغیرہ میں حصّہ یہ کوئی زیادہ قیمتی چیز نہیں۔ زیادہ قیمتی یہ چیز ہے کہ مَیں نے تمہاری اولاد کے دماغوں میں وہ قابلیت رکھ دی ہے کہ جب بھی یہ اس قابلیت سے کام لیں گے دُنیا کے لیڈر ہی بنیں گے.... مَیں سمجھتا ہوں کہ ہمیں بعد میں جو کچھ بھی ملا "حق اولاد در اولاد" کی وجہ سے ہی ملا اور مَیں نے جتنے کام کئے اپنی دماغی اور ذہنی قابلیت کی وجہ سے ہی کئے ورنہ مجھ سے زیادہ کتابیں پڑھنے والے دُنیا میں موجود تھے۔ اگر ان کے دماغوں میں بھی وہی قابلیت ہوتی جو مجھ میں ہے تو دُنیا میں دس ہزار محمود اور بھی ہوتا لیکن اگر ساری دُنیا میں صرف ایک ہی محمود ہے تو اس کی وجہ وہی "حق اولاد در اولاد" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارا ورثہ ہمارے دماغوں کے اندر رکھ دیا ہے اور یہ وہ دولت ہے جسے کوئی شخص چُرا نہیں سکتا۔"

حضور نے اس پُرمعارف نکتہ کو بیان کرنے کے بعد اپنی زندگی کے بعض ایمان افروز واقعات بیان فرمائے اور پھر چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی دینی خدمت کو بطور مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا :-

"جس طرح وہ کر رہے ہیں اس طرح تم میں سے ہر شخص دین کی خدمت کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ تم کرنا چاہو اور اپنے اپنے کاموں کے ساتھ دین کی خدمت کے لئے بھی وقت نکالو پھر آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اس وقف کو مستقل کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسے ضرور ہونے چاہئیں جو اپنے تمام کاموں سے الگ ہو کر خالص دینی خدمت میں مشغول رہیں مگر ہر آدمی ایسا نہیں کر سکتا۔ اُن کے لئے یہی طریق ہو سکتا ہے کہ وہ دُنیا کا بھی کام کریں اور اُس کے ساتھ دین کو بھی نظرانداز نہ کریں۔ یاد رکھو جب تک جماعت میں نسلاً بعد نسلٍ ایسے لوگ پیدا نہ ہوتے رہیں گے جو دین کی اشاعت

---

[1] انفال : ۷۶۔ [2] روزنامہ الفضل ۲۲ راکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵

[3] روزنامہ الفضل ۲۶ نومبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۴۔

کے لئے سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو جائیں اور اسلام کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھانے کے لئے تیار ہوں اُس وقت تک اسلام کو غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا..... بھلا مبلغ سے بڑا اور کون سا مقام ہو سکتا ہے جو تم حاصل کرنا چاہتے ہو۔ جو شخص سچا اور حقیقی مبلغ ہوتا ہے وہ دُنیا میں خُدا تعالیٰ کا نمائندہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت کے وزراء ہزایکسیلینسی نہیں کہلا سکتے لیکن ایمبیسیڈر ہزایکسیلینسی کہلاتے ہیں۔ اسی سفر میں ایک دن چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کہنے لگے کہ مَیں جب تک وزارتِ خارجہ میں تھا ہزایکسیلینسی نہیں کہلا سکتا تھا۔ لیکن اب انٹرنیشنل کورٹ کا جج ہونے کی وجہ سے بائی رائٹ (BY RIGHT) اپنے آپ کو ہزایکسیلینسی لکھ سکتا ہوں۔"

حضرت مصلح موعودؓ نے خطبہ کے آخر میں فرمایا:۔

"خدا نے تمہارے لئے بڑی بڑی عزتیں رکھی ہیں۔ تم خدا پر توکل کرو اور اس کے دین کی اشاعت کے لئے اپنے آپ کو وقف کرو۔ وہ دینے پر آتا ہے تو وہ کچھ دے دیتا ہے کہ انسان اسے دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ ہم نے ساری عُمر میں دُنیوی قابلیتوں کے بغیر وہ کچھ علم حاصل کیا ہے جو بڑی بڑی ڈگریاں رکھنے والوں کو بھی نہیں ملا۔ اسی طرح مالی لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے ہماری ایسے ایسے راستوں سے مدد کی جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھے۔ پس خدا تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے تم اس کی طرف قدم اٹھاؤ اگر تم اس پر توکّل رکھتے ہوئے اس کی طرف اپنا قدم بڑھاؤ گے تو یقیناً تمہارا خدا تم کو ضائع نہیں کرے گا۔ وہ تمہارا ہاتھ پکڑے گا اور تم محسوس کرو گے کہ تمہارا خدا تمہارے سامنے کھڑا ہے میرے پاس اس سفر میں ایک نومُسلم انگریز آیا اور اس نے کہا کہ مَیں بڑی کوشش کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل کروں مگر مجھے پتہ نہیں لگتا کہ مَیں اس کے قریب ہو گیا ہوں یا نہیں۔ مَیں نے کہا کہ تمہاری اس خواہش کا انحصار تمہارے اس ایمان اور یقین پر ہے کہ خدا تعالیٰ کے قُرب کا دروازہ تمہارے لئے بند نہیں بلکہ تم بھی اس کے انعامات کو اسی طرح حاصل کر سکتے ہو جس طرح پہلے لوگوں نے حاصل کئے اگر تم سچے دل سے یہ یقین رکھو کہ خدا تعالیٰ کے انعامات کے دروازے تمہارے لئے کھلے ہیں اور ہر ترقی تمہارے لئے ممکن ہے تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ تمہارے قریب نہ آئے وہ یقیناً تمہارے لئے اپنے قرب کے دروازے کھول دے گا اور تم محسوس کرو گے کہ وہ تمہارے قریب آ گیا ہے جیسے تمہارے کمرے میں اگر آگ جل رہی ہو تو یہ ہو نہیں سکتا کہ تم اس آگ کے وجود سے انکار کر سکو۔ کیونکہ اس کی گرمی تمہیں محسوس ہونے لگتی ہے اس طرح اگر تم یقین رکھو کہ

تمہارے لئے لامتناہی ترقیات کے دروازے کھلے ہیں اور تمہارا خدا بخیل نہیں تو یقیناً اس کا قرب تمہیں محسوس ہی نہیں ہوگا بلکہ تم اپنی رُوحانی آنکھوں سے اس کو دیکھنا شروع کر دو گے میرے اس جواب کا اس پر ایسا اثر ہؤا کہ وہ نماز کے بعد کئی گھنٹے تک مسجد میں بیٹھا رہا اور اس نے کہا مجھے اپنی ساری زندگی میں آج پہلی دفعہ یہ محسوس ہؤا ہے کہ میرے لئے بھی ترقی کا راستہ کھلا ہے اور مجھے جو رُوحانی سرور اس سے حاصل ہؤا ہے وہ پہلے کبھی حاصل نہیں ہؤا۔

اسی طرح تم بھی خدا تعالیٰ پر سچا ایمان پیدا کرو اور اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کرو۔ یہ مت خیال کرو کہ اس کے تمام انعامات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئے ہیں یا مسیح موعودؑ پر ختم ہو گئے ہیں یا مجھ پر ختم ہو گئے ہیں۔ اس کے انعامات کے دروازے تم سب کے لئے کھلے ہیں۔ اگر تم ان دروازوں میں داخل ہو کر اس کے انعامات کو حاصل نہیں کرتے تو تم میں سے زیادہ بدقسمت اور کوئی نہیں لیکن اگر تم کوشش کرتے رہو اور اس کے انعامات پر یقین رکھو تو تم وہی کچھ حاصل کر سکتے ہو جو سیّد عبدالقادر صاحب جیلانیؒ اور شبلیؒ اور معین الدین صاحب چشتیؒ نے حاصل کیا۔ تمہارا خدا بخیل نہیں اور نہ اس کی جیب میں کمی ہے۔ اس کی جیب میں سارے روپے پڑے ہوئے ہیں اگر تم یقین اور ایمان کے ساتھ اس کی طرف بڑھو تو وہ معین الدین صاحب چشتیؒ والا انعام اپنی جیب سے نکالے گا اور تمہاری جیب میں ڈال دے گا وہ محی الدین صاحب ابنِ عربیؒ والا انعام اپنی جیب سے نکالے گا اور تمہاری جیب میں ڈال دے گا۔ وہ ولی اللہ شاہ صاحب دہلویؒ والا انعام نکالے گا اور تمہاری جیب میں ڈال دے گا۔"[1]

تحریک وقفِ زندگی کے سلسلہ میں حضور نے ۱۴؍اکتوبر ۱۹۵۵ء (۱۴؍اخاء ۱۳۳۴ہش) کو بھی ایک نہایت زوردار خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ مندرجہ ذیل الفاظ سے شروع ہؤا:۔

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کام ہمارے سپرد کیا ہے یا یوں کہو کہ جو کام خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ہمارے سپرد کیا ہے وہ اتنا بڑا ہے کہ اس کا تصوّر کر کے بھی دل کانپ جاتا ہے۔ دُنیا میں اس وقت دو ارب غیر مُسلم پائے جاتے ہیں۔ اور ہمارے سپرد یہ کام ہے کہ ان دو[2] ارب غیر مسلموں کو مسلمان بنا دیں۔ گذشتہ تیرہ سو سال میں صرف پچاس کروڑ مسلمان ہوئے

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۲؍اکتوبر ۱۹۵۵ء صٓ)

ہیں گویا اس وقت چار غیر مسلم ایک مسلمان کے مقابل پر موجود ہیں۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ جو کام تیرہ سو[۱۳۰۰] سال میں ہمارے آباؤ اجداد نے کیا ہے اس سے چار گنا کام کی ہم سے اُمید کی گئی ہے لیکن اس کیلئے وقت کا لحاظ رکھنا بھی ہمارے لئے ضروری ہے۔ ورنہ غیر معیّن عرصہ میں تو بڑے بڑے کٹھن کام بھی ہو جاتے ہیں مثلاً دریاؤں کا پانی ہی جب ایک لمبے عرصہ تک پہاڑوں پر گرتا رہتا ہے تو اس کی وجہ سے بڑی بڑی غاریں بن جاتی ہیں اور جیالوجی والے کہتے ہیں کہ چونکہ دس دس بیس بیس لاکھ سال بلکہ کروڑوں سال سے یہ پانی گرتا رہا ہے اس لئے اب پہاڑوں میں بڑی بڑی غاریں بن گئی ہیں مگر انسانی زندگی اور انسانی سکیمیں اتنی لمبی نہیں چلتیں۔ یا کم از کم تاریخ ہمیں کسی اتنی لمبی زندگی یا اتنے لمبے عرصہ تک چلنے والی سکیم کا پتہ نہیں دیتی۔ ۔ ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تین سو سال میں احمدیت ساری دُنیا میں پھیل جائے گی۔ اگر ایک نسل کے بیس سال بھی فرض کر لئے جائیں تو تم سمجھ سکتے ہو کہ تین سو[۳۰۰] سال میں پوری پندرہ نسلیں آجاتی ہیں گویا اگر ہماری پندرہ نسلیں یکے بعد دیگرے اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لئے وقف کرتی چلی جائیں تب وہ کام پورا ہو سکتا ہے جو خدا تعالیٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے۔ مگر کیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا یہ منشا تھا کہ اور لوگوں کی نسلیں تو اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لئے وقف کریں اور میری اپنی نسل وقف نہ کرے۔ آخر جو شخص دوسروں سے کوئی مطالبہ کرتا ہے اس کی نسل سب سے پہلے اس مطالبہ کی مخاطب ہوتی ہے لیکن اگر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی اپنی نسل بدعہدی کرے گی تو یقیناً خدا تعالیٰ دوسرے لوگوں میں سے اسلام کے بہادر اور جان نثار سپاہی کھڑے کر دے گا۔ چنانچہ دیکھ لو جب ایک طرف حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی اولاد میں سے ایسے مشرک پیدا ہوئے جنہوں نے کعبہ میں بھی سینکڑوں بُت رکھ دیئے۔ تو دوسری طرف عراق کے علاقہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ جیسے بزرگ پیدا ہوئے جنہوں نے دین کی بڑی خدمت کی اسی طرح ایک دوسرے مُلک سے حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ آگئے اور انہوں نے اسلام پھیلایا۔ پس جہاں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اولاد کو توجہ دلاتا ہوں وہاں میں جماعت سے بھی کہتا ہوں کہ تمہیں یکے بعد دیگرے کم از کم پندرہ نسلوں کو وقف کرنا ہوگا لیکن تم تو ابھی سے گھبرا گئے ہو اور ابھی سے تمہارا یہ حال ہے کہ جو شخص دین کی خدمت کے لئے آتا ہے اس کو یہ خیال آتا ہے کہ گذارہ کیسے ہوگا۔ سیدھی بات ہے کہ روپیہ ہوگا تو گذارہ ملے گا اور روپیہ اس وقت آئے گا جب نئے احمدی بنیں گے۔ تم پچاس لاکھ احمدی لے آؤ تو تمہارے گذارے خود بخود

بڑھ جائیں گے۔

بہرحال دنیا اِس وقت اسلام کی آواز سُننے کو منتظر ہے اور اس کے لئے ہمیں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو دین کی خدمت کے لئے آئیں اور اپنی زندگیاں اس کام کے لئے وقف کریں۔"[1]

حضور نے خُطبہ کے آخر میں خاندانی طور پر وقف کرنے کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

"خاندانی طور پر اپنی زندگیاں دین کی خدمت کے لئے وقف کرو۔ اور عہد کرو کہ تم اپنی اولاد در اولاد کو وقف کرتے چلے جاؤ گے۔ پہلے تم خود اپنے کسی بچّے کو وقف کرو۔ پھر اپنے سب بچّوں سے عہد لو کہ وہ اپنے بچّوں میں سے کسی نہ کسی کو خدمتِ دین کے لئے وقف کریں گے۔ اور پھر ان سے یہ عہد بھی لو کہ وہ اپنے بچّوں سے عہد لیں گے کہ وہ بھی اپنی آئندہ نسل سے یہی مطالبہ کریں گے۔ چونکہ اگلی نسل کا وقف تمہارے اختیار میں نہیں اس لئے صرف تحریک کرنا تمہارا کام ہوگا۔ اگر وہ نہیں مانیں گے تو یہ ان کا قصور ہوگا۔ تم اپنے فرض سے سبکدوش سمجھے جاؤ گے اگر تم یہ کام کرو گے اور یہ رُوح جماعت میں نسلاً بعد نسلٍ پیدا ہوتی چلی جائے گی اور ہر فرد یہ کوشش کرے گا کہ اس کے خاندان کا کوئی نہ کوئی فرد دین کی خاطر اپنی زندگی وقف کرے تو خدا تعالیٰ کے فضل سے لاکھوں واقف زندگی دین کی خدمت کے لئے مہیّا ہو جائیں گے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے وصیّت کی تحریک فرمائی ہے۔ تمہیں یہ بھی کوشش کرنی چاہیئے کہ تم میں سے ہر شخص وصیّت کرے اور پھر اپنی اولاد کے متعلق بھی کوشش کرے کہ وہ بھی وصیت کرے اور وہ اولاد اپنی اگلی نسل کو وصیت کی تحریک کرے۔ یہ بھی دین کی خدمت کا ایک بڑا بھاری ذریعہ ہے۔ اگر ہم ایسا کرلیں تو قیامت تک تبلیغ اور اشاعت کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے۔"[2]

اس تحریک کے نتیجہ میں ابتداء میں حضور کی خدمت میں تین درخواستیں موصول ہوئیں جن میں سرِفہرست صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب کی درخواست تھی۔ حضور انور نے اِن درخواستوں کا اپنے خُطبہ میں خاص طور پر تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مَیں نے جماعت میں جو وقف کی تحریک شروع کی ہے اس کے بعد میرے پاس تین درخواستیں آئی

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۵ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳،۲ ۔ [2] ایضاً صفحہ ۵ ۔

ہیں۔ ایک تو میرے پوتے مرزا انس احمد کی ہے جو عزیزم مرزا ناصر احمد کا لڑکا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نیت کو پُورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ انس احمد نے کہا ہے کہ میرا ارادہ تھا کہ مَیں قانون پڑھ کر اپنی زندگی وقف کروں لیکن اَب آپ جہاں چاہیں مجھے لگا دیں۔ مَیں ہر طرح تیار ہوں۔ ایک درخواست ماسٹر سعد اللہ صاحب کی آئی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ مَیں نے ایم اے کا امتحان دیا ہُوا ہے اس میں کامیاب ہونے کے بعد آپ جہاں چاہیں مجھے لگا دیں۔ تیسری درخواست باہر کے ایک لڑکے کی ہے جو ابھی چھوٹی جماعت کا طالب علم ہے۔ مَیں نے اسے کہا کہ وہ میٹرک پاس کر کے جامعہ میں داخلہ لے کیونکہ جب تک جامعہ میں زیادہ طالب علم نہیں آئیں گے اس وقت تک شاید بھی زیادہ تعداد میں نہیں نکل سکتے۔ ہمارے اسکول کے اساتذہ کو چاہیئے کہ وہ لڑکوں میں وقف کی تحریک کریں اور انہیں سمجھائیں کہ تمہارا اعلیٰ گذارہ تمہارے اپنے اختیار میں ہے۔ اگر تم باہر جاؤ گے اور تبلیغ کرو گے تو تمہاری تبلیغ کے نتیجے میں جماعت بڑھے گی اور جماعت کے بڑھنے سے چندے زیادہ ہوں گے۔ اور چندے زیادہ آئیں گے تو تمہارے گذارے بھی زیادہ اعلیٰ ہوں گے۔ اگر یورپ کا کوئی حصّہ ہی احمدی ہو جائے تو جماعت کے چندے کئی گُنا بڑھ سکتے ہیں۔ پس سکول کے اساتذہ اپنے سکول کے لڑکوں کو سمجھائیں اور پروفیسر کالج کے لڑکوں کو سمجھائیں اور باہر کے مبلغ اپنی اپنی جماعتوں میں چندہ دینے اور زندگی وقف کرنے کی تحریک کریں۔ اس طرح چند مہینوں میں ہی کام کی رفتار تیز ہو سکتی ہے اور یہ صدی ہر قسم کے شیطانی حملوں سے محفوظ ہو سکتی ہے۔ پھر جوں جوں جماعت بڑھے گی خدا تعالیٰ اپنے فضل سے آئندہ بھی اس میں جوش پیدا کرتا چلا جائے گا۔"[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۵ ؍ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵

فصل دوم

عقیدہ ختمِ نبوّت سے متعلّق ایک نہایت اہم خُطبہ جمعہ

حضرت مصلح موعود کو ہمیشہ یہ فکر دامنگیر رہتا تھا کہ سلسلہ احمدیہ کے افراد صحیح اسلامی عقائد سے باخبر رہیں تا غلط فہمیاں دُور ہوں اور اُمّتِ مُسلمہ ایک مضبوط قلعہ بن کر اپنی پُوری قوّت غیر مُسلم دُنیا کو مسلمان بنانے پر مرکوز کر دے۔ یہی وہ رُوح اور پاک جذبہ تھا جس کی بناء پر حضور نے ۴ر نومبر ۱۹۵۵ء کو مسئلہ ختمِ نبوّت پر ایک اچھوتے رنگ میں روشنی ڈالی اور بڑے واضح لفظوں میں یہ حقیقت پیش کی کہ قرآن کریم اور حضرت مسیح موعود و مہدی معہودؑ کے الہامات دونوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم النّبیین قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا کسی احمدی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے خاتم النّبیین ہونے کا انکار کر سکے۔ حضور کے اس پُر از علم و عرفان خُطبہ کے بعض حصّے درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

"قرآن کریم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے جہاں اور بہت سے نام آئے ہیں وہاں آپؐ کا ایک نام خاتم النبیین بھی آیا ہے۔ اور گو خاتَم النبیین کی مختلف تاویلیں کی جاتی ہیں لیکن لفظ خاتَم النبیین پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اور ہم بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو سچّے دل سے خاتَم النبیین تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ جو شخص ختم نبوّت کا مُنکر ہو اس کو مَیں "بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں"۔ (اشتہار ۲۳ر اکتوبر ۱۸۹۱ء) .....

..... ہم نے متواتر اس بات پر زور دیا کہ ہم قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں اور جب قرآن کریم میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کو خاتم النبیین قرار دیا گیا ہے تو ہم آپؐ کے خاتَم النبیین ہونے سے کیسے انکار کر سکتے ہیں؟ اگر یہ بات صرف حدیث میں آتی تو ہم حدیثوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں لیکن کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ چونکہ یہ بات قرآن کریم میں نہیں آئی اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے خاتَم النبیین ہونے پر تم یقین نہیں رکھتے لیکن یہ لفظ تو قرآن کریم میں آیا ہے پس جو شخص رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کو خاتَم النبیین

نہیں مانے گا وہ دوسرے الفاظ میں قرآنِ کریم کو بھی نہیں مانے گا۔ لیکن ہم تو قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم النبیین یقین نہ کریں۔ لفظ خاتم النبیین کی تشریح میں تو اختلاف ہوسکتا ہے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم النبیین یقین کرتے ہیں کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا۔ ہر شخص جو قرآن کریم کو مانتا ہے لازماً وہ آپؐ کو خاتم النبیین بھی مانے گا۔ جب ہماری جماعت کے افراد معترضین کو یہ جواب دیتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ تم قرآن کریم کو بھی نہیں مانتے تم تو مرزا صاحب (علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) کے الہامات کو قرآن کریم سے افضل سمجھتے ہو حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم آپؑ کے الہامات کو قرآنِ کریم کے تابع سمجھتے ہیں اور انہیں قرآن کریم کا خادم قرار دیتے ہیں۔ جیسے مرزا صاحب (علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے خادم ہیں۔ اسی طرح آپؑ کے الہامات قرآن کریم کے خادم ہیں۔ انہیں کوئی علیحدہ اور مستقل حیثیت حاصل نہیں چنانچہ آپؑ نے اپنی کتابوں میں صاف طور پر لکھا ہے کہ "اگر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت نہ ہوتا اور آپؐ کی پیروی نہ کرتا تو اگر دُنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے تو پھر بھی میں کبھی یہ شرف مکالمہ و مخاطبہ ہرگز نہ پاتا۔" (تجلیاتِ الٰہیہ صفحہ ۲۴، ۲۵)۔

پس جس طرح یہ بات بھی سچ ہے کہ اگر کوئی شخص حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے الہامات کو قرآن کریم کا مخالف یا اسے رَدّ کرنے والا سمجھتا ہے تو وہ احمدیت اور اسلام سے خارج ہے۔ بہرحال گو یہ بات انتہائی غیر معقول تھی لیکن کہا جاتا تھا کہ ہم حضرت مرزا صاحب کے الہامات کو نعوذ باللہ قرآن کریم پر مقدم خیال کرتے ہیں اور قرآن کریم کو محض دکھاوے کے طور پر مانتے ہیں حالانکہ اگر ان کا یہ اعتراض سچّا ہے تو پھر ہم بیرونی ممالک میں جاکر اسلام کی اشاعت کے لئے کیوں تکلیف اُٹھا رہے ہیں۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اور قرآن کریم پر ہم سچّے طور پر ایمان نہیں لاتے تو ہم اسلام کو پھیلانے کے لئے دوسرے ممالک میں کیوں جاتے ہیں؟۔ ہمارا بیرونی ممالک میں اسلام پھیلانا بتاتا ہے کہ ہم اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر سچّا ایمان رکھتے ہیں لیکن بہرحال جب دشمن عداوت میں بڑھ جاتا ہے تو وہ مخالفت میں معقولیّت کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ انہوں نے ہم پر یہ الزام لگایا کہ ہم قرآن کریم کو نہیں مانتے۔ اور مرزا صاحب کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے افضل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اس قسم کے عقیدہ کو کُفر کا موجب سمجھتے ہیں کہ کسی شخص کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے افضل سمجھا جائے یا اس کی وحی کو قرآن کریم سے برتر قرار دیا جائے۔ قرآن کریم تو مضامین کا ایک سمندر ہے۔ ہماری ساری تمدّنی ضرورتیں قرآن کریم سے پُوری ہوتی ہیں۔ ہماری

ساری معاشی ضرورتیں قرآن کریم سے پوری ہوتی ہیں۔ ہماری ساری عائلی ضرورتیں قرآن کریم سے پوری ہوتی ہیں۔ ہماری ساری عقلی ضرورتیں قرآن کریم سے پوری ہوتی ہیں۔ ہماری ساری سیاسی ضرورتیں قرآن کریم سے پوری ہوتی ہیں۔ ہماری ساری اخلاقی ضرورتیں قرآن کریم سے پوری ہوتی ہیں۔ ہماری ساری رُوحانی ضرورتیں قرآن کریم سے پوری ہوتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات قرآن کریم کے قائم مقام نہیں ہوسکتے۔ اگر کوئی شخص نعوذ باللہ من ذالک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات کو قرآن کریم سے افضل یا اس کو رَدّ کرنے والا مانے تو وہ قرآن کریم کی ان ساری تعلیموں کو آپؑ کے الہامات سے نہیں نکال سکتا۔ گویا اگر کسی شخص کا فی الواقعہ یہ عقیدہ ہو تو آپ کے الہامات نعوذ باللہ قرآن کریم کے قائم مقام ہیں۔ تو وہ ان ساری برکتوں سے محروم ہوجائے گا جو قرآن کریم سے حاصل ہوتی ہیں۔ آپ کے الہامات قرآن کریم کی تشریح تو ہیں۔ اور قرآن کریم کی بعض مغلق باتیں جو آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ آپ کے الہامات کی روشنی میں سمجھ آجاتی ہیں۔ لیکن اگر ہم یہ سمجھیں کہ قرآن کریم کے سارے مضامین ان الہامات سے نکل آئیں گے تو یہ بالکل احمقانہ بات ہوگی۔ قرآن کریم ایک جامع اور کامل اور تمام الہامی کُتب سے افضل کتاب ہے اور مرزا صاحب کے الہامات قرآن کریم کے خادم ہیں۔ اس لئے قرآن کریم میں تو سارے اخلاقی، رُوحانی، عقلی، سیاسی، معاشی، اقتصادی اور ایمانی مضامین آگئے ہیں۔ لیکن حضرت مرزا صاحب کے الہاموں میں یہ تمام مضامین بیان نہیں کئے گئے کیونکہ آپ کو الہام کرنے والا خدا جانتا تھا کہ تمام مضامین قرآن کریم میں آچکے ہیں۔ اس لئے اب انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کے الہامات میں بھی کئی اہم باتیں بیان کی گئی ہیں لیکن وہ قرآن کریم سے زائد نہیں بلکہ اس کی تشریح کے طور پر ہیں۔۔۔۔۔۔۔

ہم جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا خادم اور غلام سمجھتے ہیں اسی طرح ہم آپ کے الہامات کو بھی قرآن کریم کا خادم یقین کرتے ہیں جس طرح خادم اپنے آقا کی چیزوں کی صفائی کرتا ہے اور ان کی نگرانی کرتا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم پر مسلمانوں نے اپنی غلط تشریحات کی وجہ سے جو گرد و غبار ڈال دی تھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے الہامات اس گرد و غبار کو صاف کرتے ہیں۔ لیکن کیا کوئی غلام اپنے آقا کی چیزوں کو اپنی طرف منسوب کرسکتا ہے یا وہ اپنے آپ کو اس سے افضل قرار دے سکتا ہے؟ اس کا کام تو اپنے آقا کے کپڑوں کو صاف کرنا انہیں سنبھال کر رکھنا، جوتے پالش کرنا اور دوسری خدمات بجالانا ہوتا ہے اسی طرح حضرت مرزا صاحب کے الہاموں کا ایک خادم کی

حیثیت میں یہ کام ہے کہ وہ قرآن کریم کے معانی کو محفوظ رکھیں اور وہ گرد وغبار جو قرآن کریم پر پڑ گیا ہے اسے صاف کریں یہ گرد وغبار قرآن کریم کا حصہ نہیں بلکہ لوگوں نے اپنے غلط خیالات کی وجہ سے قرآن کریم کے معانی پر ڈال دیا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات قرآن کریم کے خادم ہیں اور ان کا کام اس سے گرد وغبار کو دُور کرنا ہے۔ ان کی حیثیت شروع ہی سے قرآن کریم کی خادم کی سی ہے اور آئندہ بھی ہمیشہ ان کی یہی حیثیت رہے گی۔ لیکن چونکہ مخالفین ہم پر یہ الزام لگاتے تھے کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات کو قرآن کریم پر ترجیح دیتے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم النبیین نہیں سمجھتے۔ اس لئے میری توجہ اس طرف پھری کہ میں اس بات کی تحقیق کروں کہ آیا آپ کے الہامات میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم النبیین قرار دیا گیا یا نہیں۔ چنانچہ میں نے تحقیقات کی تو معلوم ہُوا کہ "تذکرہ" میں تین دفعہ یہ الہام درج ہے کہ:۔

"صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ سَیِّدِ وُلْدِ اٰدَمَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ۔

(ص۴۰، ص۲۴۳، ص۲۷۵)

یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر درود بھیجو جو تمام بنی آدم کے سردار اور خاتم النبیین ہیں۔ اب اگر معترضین کا یہ اعتراض درست ہے کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وحی کو قرآن کریم پر ترجیح دیتے ہیں تو اگر ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم النبیین نہیں مانتے تو اپنے عمل سے ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھوٹا قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ ایک طرف تو ہم معترضین کے قول کے مطابق آپ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے بھی بڑا اور افضل قرار دیتے ہیں۔ اور دُوسری آپ کے الہام کو جھوٹا سمجھتے ہیں اور اگر ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وحی کو قرآن کریم سے افضل قرار نہیں دیتے بلکہ انہیں قرآن کریم کے خادم کے طور پر تسلیم کرتے ہیں تو پھر اس بات میں بھی کوئی شک نہیں رہتا کہ ہمارے اپنے عقیدے کے رُو سے بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم خاتم النبیین ہیں کیونکہ مرزا صاحب کے الہامات میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم النبیین قرار دیا گیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ پس یہ ثابت شُدہ حقیقت ہے کہ کوئی ایماندار احمدی یہ گمان تک نہیں کر سکتا کہ محمد رسول اللہ علیہ وآلہ وسلّم خاتم النبیین نہیں تھے۔ اگر ہم قرآن کریم کی طرف جاتے ہیں تو اس میں بھی آپ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے۔ اور اگر ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات کی طرف جاتے ہیں تو ان میں بھی آپ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے پھر اگر ہم آپ کی تحریروں کی طرف دیکھتے ہیں تو ان میں بھی

بار بار آپؐ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے۔ پھر کوئی سچا احمدی آپؐ کے خاتم النبیین ہونے میں کس طرح شبہ کر سکتا ہے جدھر بھی کوئی جائے اسے یہی آواز آئے گی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ قرآن کریم سے بھی یہی آواز آتی ہے کہ آپؐ خاتم النبیین ہیں اور حضرت مرزا صاحب کے الہامات اور تحریروں سے بھی یہی آواز آتی ہے کہ آپؐ خاتم النبیین ہیں۔ پس ایک احمدی کے لئے آپؐ کو خاتم النبیین ماننے کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ خود اپنی قبر کھود کر اپنی رُوحانی موت کا اعلان کر دے ورنہ اسے اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں آپؐ کو خاتم النبیین ماننا پڑے گا۔ کیونکہ قرآن کریم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے الہامات دونوں آپؐ کو خاتم النبیین قرار دیتے ہیں اور وہ قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہوئے بھی آپؐ کے خاتم النبیین ہونے سے انکار نہیں کر سکتا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے الہامات پر ایمان رکھتے ہوئے بھی آپؐ کے خاتم النبیین ہونے سے انکار نہیں کر سکتا۔[1]

دعاؤں کی خصوصی تحریک

حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۱ر نومبر ۱۹۵۵ء کو خطبہ جمعہ میں تحریک فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو قریب کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تمام احباب خصوصاً نوجوان دُعاؤں میں لگ جائیں۔ چنانچہ فرمایا :-

"ہماری جماعت بھی ایک نہایت قلیل جماعت ہے اور جو کام اس کے سامنے پڑے ہیں اُن کا ابتدائی مرکز ہندوستان میں ہے جہاں جماعت بہت تھوڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بڑے وعدے ہیں مگر اِن وعدوں کو قریب کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم دُعاؤں میں لگ جائیں۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو وہاں کے مسلمانوں کے دل بھی احمدیت کی طرف مائل کر سکتا ہے۔ اور وہاں کے سکھوں اور ہندوؤں کے دل بھی احمدیت کی طرف مائل کر سکتا ہے۔ پس جو کام ہم خود نہیں کر سکتے (ہمارے لئے تو وہاں جانا ہی مشکل ہے) وہ ہم دُعاؤں کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرنی چاہئیں کہ الٰہی تیرے وعدے تو سچے ہیں لیکن اگر تیرے وعدے اس وقت پُورے ہوئے جب ان مسکین لوگوں کے جو وہاں بیٹھے ہوئے ہیں دل ٹوٹ گئے تو اس کا کیا فائدہ ہوگا تو جلدی اپنے وعدے پُورے کر اور جلدی ان لوگوں کے دلوں کو مضبوط کرنے کی تجویز کر۔

مَیں نے پچھلے جمعہ میں کہا تھا کہ مجھے بھی رویاء میں یہی پتہ لگا ہے کہ میری مرض بھی دُعا کے ساتھ

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۸ر نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳ تا ۵

تعلق رکھتی ہے سو دوست دُعا کریں۔

اسی طرح دُنیا کے باقی ممالک میں ایک ایک دو دو کر کے مسلمان ہو رہے ہیں لیکن ایک ایک دو دو سے کیا بنتا ہے ضرورت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بند توڑ دے۔ اگر بند ٹوٹ جائیں اور ہزاروں لاکھوں آدمی احمدی ہونے لگیں تو ایک دو سال کے اندر ہر رنگ میں احمدیت اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ پھر قریب ترین زمانہ میں کوئی فکر کی صورت نہیں رہتی۔ جب زیادہ تعداد میں لوگ مختلف ممالک میں احمدی ہو جائیں گے۔ تو پھر کچھ عرصہ میں وہ اپنے آپ کو اور مضبوط کر لیں گے اور اس طرح بعید کا زمانہ بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے مضبوط ہوتا چلا جائے گا۔ تو دُعائیں کرو۔ مجھے افسوس ہے کہ نوجوانوں میں جب جلسے ہوتے ہیں تب تو وہ نعرے لگا دیتے ہیں لیکن تہجد پڑھنے اور دُعائیں کرنے کا رواج کم ہے حالانکہ تم سوچو تو سہی ہمارے مُلک کی مثل ہے کہ کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربہ جو کام تمہارے ذمّہ ہیں ان کو پُورا کرنے کے لئے تمہارے پاس طاقت ہی کہاں ہے اور دُعا کے سوا تم کر ہی کیا سکتے ہو۔ دُعا ہی ایک ایسی چیز ہے جو تمام ناممکن باتوں کو ممکن بنا دیتی ہے۔ پس نوجوانوں کو خصوصاً دُعاؤں کی عادت ڈالنی چاہیئے بڑوں کو بھی یہ عادت ڈالنی چاہیئے۔ مگر نوجوانوں کو خصوصاً یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربہ بلکہ تم تو پدّی سے بھی کم ہو تمہاری جان تو تبھی بچ سکتی ہے کہ خدا باز کے دل میں رحم ڈال دے۔ ایک پدّی اگر طاقت کے ساتھ باز سے لڑنا چاہے تو شائد سو میں سے نہیں ہزار میں سے ایک دفعہ ہی اس کا امکان ہے لیکن اگر وہ پدّی خدا کے آگے اپیل کرے تو سو میں سے ۷۰ فیصدی امکان ہو سکتا ہے کہ باز کے پَر ٹوٹ جائیں یا باز کی نیّت بدل جائے۔ یا باز کو کوئی اور زیادہ اچھا جانور نظر آ جائے اور وہ اس پدّی کو چھوڑ کر اُدھر بھاگ جائے تو یہ ساری چیزیں ہو سکتی ہیں۔ پس دُعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں تمہاری محبت اور رحم پیدا کرے تمہاری باتوں میں تاثیر دے اور تمہارے کاموں میں برکت دے اور سب سے زیادہ یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں اپنی محبت پیدا کرے کہ اس کے بعد وہ تمہاری باتوں کو ردّ نہ کر سکے بلکہ تمہاری دعائیں قبول کرنے لگ جائے یہی گُر ہے تمہاری کامیابی کا۔ اس کے سوا اور کوئی گُر نہیں۔"[1]

۱؎ روزنامہ الفضل ۲۷ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳، ۴۔

۱۹۵۵ء کو ربوہ میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں بیالیس مجالس کے آٹھ سو سات خدام نے شرکت کی۔ مندرجہ ذیل دس بیرونی ممالک کے نمائندوں کو اس میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی:۔

انڈونیشیا۔ برٹش شمالی لینڈ۔ چین۔ ٹرینیڈاڈ۔ شام۔ ڈچ گی آنا۔ عدن۔ مشرقی افریقہ۔ گولڈ کوسٹ (غانا)۔ قادیان۔

احمدی نوجوانوں نے تین روز تک اپنے خیموں میں مقیم رہ کر اجتماعی عبادات، ورزشی اور علمی مقابلوں تلقینِ عمل اور مجلسِ شوریٰ کے اجلاسوں میں حصّہ لینے کے علاوہ اپنے پیارے امام حضرت مصلح موعودؓ کے دو ولولہ انگیز خطابات سے مستفیض ہونے کا شرف حاصل کیا۔ افتتاحی خطاب میں حضور نے خدام اور انصار دونوں کو نہایت بیش قیمت ہدایات سے نوازتے ہوئے فرمایا:۔

"آج انصار اللہ کی پہلی میٹنگ ہے۔ انصار کس جذبہ اور قربانی سے کام کرتے ہیں۔ یہ تو آئندہ سال ہی بتائیں گے مگر اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ جماعت کی دماغی نمائندگی انصار کرتے ہیں اور اس کے دل اور ہاتھوں کی نمائندگی خدام الاحمدیہ کرتے ہیں۔ جب کسی قوم کے دماغ دل اور ہاتھ ٹھیک ہوں تو وہ قوم بھی ٹھیک ہو جاتی ہے۔ پس مَیں پہلے تو انصار اللہ کو توجہ دلاتا ہوں کہ ..... جماعت میں نمازوں، دعاؤں اور تعلق باللہ کو قائم رکھنا ان کا کام ہے۔ ان کو تہجد ذکرِ الٰہی اور مساجد کی آبادی میں اتنا حصّہ لینا چاہیئے کہ نوجوان ان کو دیکھ کر خود ہی اِن باتوں کی طرف مائل ہو جائیں۔ اصل میں نوجوانی کی عمر ہی وہ زمانہ ہے جس میں تہجد دُعا اور ذکرِ الٰہی کی طاقت بھی ہوتی ہے اور مزہ بھی ہوتا ہے لیکن عام طور پر جوانی کے زمانہ میں موت اور عاقبت کا خیال کم ہوتا ہے۔ اس وجہ سے نوجوان غافل ہو جاتے ہیں لیکن اگر نوجوانی میں کسی کو یہ توفیق مل جائے تو وہ بہت ہی مبارک وجود ہوتا ہے۔ پس ایک طرف تو مَیں انصار اللہ کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے نمونہ سے اپنے بچّوں، اپنے ہمسایہ کے بچّوں اور اپنے دوستوں کے بچّوں کو زندہ کریں اور دوسری طرف مَیں خدام الاحمدیہ کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اتنا اعلیٰ درجہ کا نمونہ قائم کریں کہ نسلاً بعد نسلٍ اسلام کی رُوح زندہ رہے۔ اسلام اپنی ذات میں تو کامل مذہب ہے لیکن اعلیٰ سے اعلیٰ شربت کے لئے بھی کسی گلاس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام کی رُوح کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے کسی گلاس کی ضرورت ہے اور ہمارے خدام الاحمدیہ وہ گلاس ہیں جن میں اسلام کی رُوح کو قائم رکھا جائے گا اور ان کے ذریعہ اسے دُوسروں تک پہنچایا جائے گا۔ دیکھو آخر ہم بھی انسان ہیں اور یہودی بھی انسان ہیں۔ ہمارا دین ان کے

دین سے بہتر ہے اور ہمارا رسول ان کے رسول سے افضل ہے۔ مگر یہودیوں کو فلسطین سے نکال دیا گیا تو وہ اسے دو ہزار سال تک نہیں بھولے بلکہ اتنے لمبے عرصے تک انہیں یہ یاد رہا کہ انہوں نے فلسطین میں دوبارہ یہودی اثر کو قائم کرنا ہے اور آخر وہ دن آگیا اَب وہ فلسطین پر قابض ہیں۔ ہمیں اس بات پر غصّہ تو آتا ہے۔ اور ہم حکومتوں کو اس طرف توجہ بھی دلاتے ہیں اور خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو انہیں توجہ دلاتے رہیں گے کہ اَب یہ اسلامی علاقہ ہے۔ یہودیوں کا نہیں۔ اس لئے یہ مسلمانوں کو ملنا چاہیئے مگر ہم اس بات کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہودیوں نے دو ہزار سال تک اس بات کو یاد رکھا جو دوسری قومیں بعض دفعہ بیس سال یا سو سال تک بھی یاد نہیں رکھ سکتیں۔ پس یاد رکھو کہ اشاعت دین کوئی معمولی چیز نہیں یہ بعض دفعہ جلدی بھی ہو جاتی ہے۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں ۲۳ سال میں ہو گئی اور پھر مزید اشاعت کوئی پچاس سال میں ہو گئی مگر کبھی کبھی یہ سینکڑوں سال بھی لے لیتی ہے جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اس نے ایک سو سال کا عرصہ لیا اور کبھی یہ ہزاروں سال کا عرصہ بھی لے لیتی ہے۔ چنانچہ دیکھ لو یہودیوں کا دنیوی نفوذ تو بہت کم عرصہ میں ہو گیا تھا لیکن دوسری قوموں کی ہمدردی انہیں دو ہزار سال بعد جا کر حاصل ہوئی۔ جب لوگوں کو یہ محسوس ہو جاتا ہے کہ کوئی قوم اپنے آثار اور اپنی تعلیمات کو قائم رکھنے کے لئے ہر وقت تیار ہے اور آئندہ بھی تیار رہے گی تو اس قوم کے دشمن بھی اس کے ہمدرد ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ لطیفہ نہیں کہ عیسائیوں نے ہی یہودیوں کو فلسطین سے باہر نکالا تھا اور اَب عیسائی ہی انہیں فلسطین میں واپس لائے ہیں۔ دیکھو یہ کیسی عجیب بات ہے کہ آج سب سے زیادہ یہودیوں کے خیر خواہ امریکہ اور انگلینڈ ہیں اور یہ دونوں ملک عیسائیوں کے گڑھ ہیں۔ فلسطین سے یہودیوں کو نکالا بھی عیسائیوں نے ہی تھا مگر وہی آج اِن کے زیادہ ہمدرد ہیں۔ گویا ایک لمبی قربانی کے بعد ان کے دل بھی پسیج گئے۔ پس ہمیشہ ہی اسلام کی رُوح کو قائم رکھو اس کی تعلیم کو قائم رکھو اور یاد رکھو کہ قومیں نوجوانوں کی دینی زندگی کے ساتھ ہی قائم رہتی ہیں۔ اگر آنے والے کمزور ہو جائیں تو وہ قوم گر جاتی ہے۔ مگر کوئی انسان یہ کام نہیں کر سکتا۔ صرف اللہ ہی یہ کام کر سکتا ہے انسان کی عمر تو زیادہ سے زیادہ ساٹھ۔ ستّر۔ اسّی سال تک چلی جائے گی مگر قوموں کی زندگی کا عرصہ تو سینکڑوں ہزاروں سال تک جاتا ہے۔ دیکھو مسیح علیہ السّلام کی قوم بھی دو ہزار سال سے زندہ ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی قوم تیرہ سو سال سے زندہ ہے اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ جب تک دُنیا قائم رہے گی یہ بڑھتی چلی جائے گی

تم بھی ایک عظیم الشان کام کے لئے کھڑے ہوئے ہو۔ پس اس رُوح کو قائم رکھنا۔ اسے زندہ رکھنا اور ایسے نوجوان جو پہلوں سے زیادہ جوشیلے ہوں پیدا کرنا تمہارا کام ہے۔ ایک بہت بڑا کام تمہارے سپرد ہے عیسائی دُنیا کو مسلمان بنانا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے جتنا عیسائی دنیا کو یہودیوں کا ہمدرد بنانا۔ کیونکہ عیسائی دنیا کو ہمدرد بنانے میں تو صرف دماغ کو فتح کیا جاتا ہے لیکن عیسائیوں کو مسلمان بنانے میں دل اور دماغ دونوں کو فتح کرنا پڑے گا۔ اور یہ کام بہت زیادہ مشکل ہے۔

پس دُعاؤں میں لگے رہو اور اپنے کام کو تا قیامت زندہ رکھو محاورہ کے مطابق میرے مُنہ سے "تا قیامت" کے الفاظ نکلتے ہیں لیکن مَیں کہتا ہوں "تا قیامت" بھی دُرست نہیں۔ قیامتیں کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ پس مَیں تو کہوں گا کہ تم اسے ابدی زمانہ تک قائم رکھو کیونکہ تم ازلی اور ابدی خدا کے بندے ہو اس لئے ابد تک اس نُور کو جو تمہارے سپرد کیا گیا ہے قائم رکھو اور محمدی نُور کو دُنیا میں پھیلاتے چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ ساری دُنیا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا کلمہ پڑھنے لگ جائے اور یہ دُنیا بدل جائے اور خدا تعالیٰ کی بادشاہت جو آسمان پر ہے زمین پر بھی آجائے۔

مَیں بیمار ہوں زیادہ لمبی تقریر نہیں کر سکتا۔ اس لئے مَیں مختصر سی دُعا کر کے رخصت ہو جاؤں گا۔ مَیں نے اپنی مختصر تقریر میں خدام کو بھی نصیحت کر دی ہے اور انصار اللہ کو بھی۔ مجھے امید ہے کہ دونوں میری ان مختصر باتوں کو یاد رکھیں گے۔ اپنے اپنے فرائض کو ادا کریں گے اور اپنے اپنے علاقوں میں ایسے اعلیٰ نمونے پیش کریں گے کہ لوگ اِن کے نمونے دیکھ کر ہی احمدیت میں داخل ہونے لگ جائیں ....

پس دُعائیں کرو اور خدا تعالیٰ کے حضور میں اتنا گڑگڑاؤ اور اتنی کوششیں کرو کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے آسمان سے تمہاری مدد کے لئے اُتر آئیں انسانی زندگیاں محدود ہیں مگر ہمارا خدا ازلی ابدی خدا ہے اس لئے اگر وہ یہ بوجھ جو ہم اُٹھا نہیں سکتے آپ اُٹھائے تو فکر کی کوئی بات نہیں جب تک ہم یہ کام انسان کے ذمہ سمجھتے ہیں تب تک فکر رہے گا کیونکہ انسان تو کچھ مدّت تک زندہ رہے گا پھر فوت ہو جائے گا۔ مگر خدا تعالیٰ خود اس بوجھ کو اُٹھائے تو فکر کی کوئی بات نہیں یہ اسی کا کام ہے اور اسی کو سجتا ہے اور جب خدا تعالیٰ خود اس بوجھ کو اٹھائے گا تو پھر اس کے لئے زمانہ کا کوئی سوال نہیں رہے گا کیونکہ خدا تعالیٰ کے ساتھ صدیاں تعلق نہیں رکھتیں ان کا تعلق تو ہمارے ساتھ ہے ورنہ خدا تعالیٰ تو ازلی ابدی خدا ہے۔ پس دعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ تم کو بھی اور مجھے بھی توفیق دے کہ ہم ثواب حاصل کریں۔

لیکن جو اصل چیز ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ یہ بوجھ خود اُٹھالے تاکہ آئندہ ہمارے لئے کوئی فکر کی بات نہ رہے۔[۱]"

حضرت مصلح موعودؓ اجتماع کے آخری روز بھی تشریف لائے۔ اس موقع پر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے نائب صدر صاحبزادہ مرزا منوّر احمد صاحب نے اُن خدام کو حضور کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا جنہوں نے مغربی پاکستان کے سیلاب زدہ علاقوں میں ریلیف کا کام نہایت محنت اور جانفشانی سے انجام دیا تھا۔ حضور نے سب نوجوانوں کو شرفِ مصافحہ سے نوازا، ہر مجلس کے خدام سے دریافت فرمایا کہ انہوں نے کس کس علاقہ میں ریلیف کا کام کیا۔ اور یہ کہ اُن کے امدادی کام کی نوعیت کیا تھی؟۔ جب آنبہ ضلع شیخوپورہ کے بعض زمیندار خدّام نے بتایا کہ وہاں خدام نے معماری کے کام سے ناواقف ہونے کے باوجود مصیبت زدہ لوگوں کے مکانات اپنے ہاتھوں سے تعمیر کئے ہیں تو حضور نے خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:۔

"خدمتِ خلق کی خاطر ہمارے دوستوں کو دلپسند مشغلے کے طور پر معمار کا کام سیکھنے کی طرف بھی توجہ دینی چاہیئے۔ یہ کام بہت تھوڑی سی کوشش کے بعد بآسانی سیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں وہ بارشوں اور سیلابوں وغیرہ کی ناگہانی مصیبتوں کے وقت وسیع پیمانے پر ایسی خدمت بجا لا سکتے ہیں کہ جس کی ایسے مواقع پر ہمیشہ ہی شدید ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔[۲]"

ان سب خدام کو شرفِ مصافحہ عطا فرمانے کے بعد حضور نائب صدر کی معیت میں اسٹیج پر رونق افروز ہوئے اور خدام کو ایک رُوح پرور خطاب سے نوازا جس میں انہیں دُعاؤں پر زور دینے، اللہ تعالیٰ پر توکّل کرنے اور خدمتِ خلق کا فریضہ اُس بلند معیار کے مطابق ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی جس کا مطالبہ اُن سے احمدیت کرتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

"خدمت کرو اور کرتے چلے جاؤ تمہارا نام خدام الاحمدیہ ہے۔ خدام احمدیہ کے یہ معنے نہیں کہ تم احمدیت کے خادم ہو۔ خدام احمدیہ کے معنے ہیں تم احمدی خادم ہو۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے اگر تم واقع میں سچے احمدی بنو گے اور سچّے خادم بھی بنوگے تو تھوڑے دِنوں میں ہی خدا تم کو سیّد بنا دے گا۔ ہر

۱؎ روزنامہ الفضل ۱۵ دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳، ۴۔ ۲؎ روزنامہ الفضل ۲۲ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔

شخص تمہارا ادب اور احترام کرے گا اور لوگ سمجھیں گے کہ ملک کی نجات اِن کے ساتھ وابستہ ہے دیکھو یہ کس طرح اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر مُلک کی خدمت کرتے ہیں۔ سو اپنے اس مقام کو ہمیشہ یاد رکھو اور ہمیشہ یہ کوشش کرتے رہو کہ تمہارے ذریعے سے دنیا کا ہر غریب اور امیر فائدہ اُٹھائے۔ نہ امیر سمجھے کہ تم اس کے دشمن ہو۔ نہ غریب سمجھے کہ تم اس کے دشمن ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے غریب بھی بندے ہیں اور امیر بھی بندے ہیں۔ ہزاروں باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اِن میں امیر بھی خدمت کے محتاج ہوتے ہیں اور ہزاروں مواقع ایسے آتے ہیں کہ غریب بھی خدمت کے محتاج ہوتے ہیں تم دونوں کی خدمت کرو۔ کیونکہ احمدیت غریب اور امیر میں کوئی فرق نہیں کرتی۔ بالشویک[1] غریبوں کی خدمت کرتے ہیں اور کیپٹیلسٹ[2] امیروں کی خدمت کرتے ہیں۔ تم خدّام احمدیہ ہو۔ تمہارا کام یہ ہے کہ امیر مصیبت میں ہو تو اس کی خدمت کرو یہاں تک کہ ہر فردِ بشر یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کی نجات کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر قسم کی قومی ترقیات تم حاصل کرو گے اور اللہ تعالیٰ کی برکتیں تم پر نازل ہوں گی اور یاد رکھو کہ جہاں جہاں جاؤ خدام کی تعداد بڑھانے کی کوشش کرو۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ تمام احمدیوں کا چالیس فی صدی خدام ہونے چاہئیں۔ سو اپنی جماعت کو جُمعہ کے دن اور عید کے دن دیکھو کہ کتنی تھی اور پھر دیکھو کہ کیا اس کا چالیس فیصدی خدام ہیں اگر نہیں ہیں تو ہر اک کے پاس جاؤ اور اس کو تحریک کرو کہ وہ بھی آئے اور خدام میں شامل ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ تم کو سچے طور پر خدام احمدیہ بننے کی توفیق دے کیونکہ مُلک کو خدام احمدیہ کی ضرورت ہے جیسے میں نے بتایا ہے خدام احمدیہ جب ہم نے نام رکھا تھا تو اس کے یہ معنے نہیں تھے کہ تم احمدیوں کے خادم ہو اگر تم یہ معنے کرو گے تو بڑی غلطی کرو گے اور ہم پر ظلم کرو گے۔ خدام احمدیہ سے مراد تھا احمدیوں میں سے خدمت کرنے والا گروہ۔ تم خادم تو دُنیا کے ہر انسان کے ہو لیکن ہو احمدیوں میں سے خادم اس لئے اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تم احمدیوں کی خدمت کرو بلکہ مطلب یہ تھا کہ احمدی سٹینڈرڈ[3] کے مطابق خدمت کرو۔ چنانچہ دیکھ لو لاہور میں طوفان آیا مکان گرے تو اس موقع پر جو احمدی معمار ہم نے بھیجے اُن کے متعلق پولیس نے اور محلے والوں نے اقرار کیا کہ یہ آدمی نہیں یہ تو جنّ ہیں۔ یہ تو منٹوں میں مکان تعمیر کر دیتے ہیں تو یہ احمدی سٹینڈرڈ تھا۔ سو اپنا احمدی سٹینڈرڈ

---

[1] BOLSHOVIK

[2] CAPITALIST

[3] AHMADI STANDARD (احمدی معیار)

قائم کرو۔ اور اسے بڑھاتے جاؤ۔ دیکھو آج تو تم خدمت کرتے ہو کل دوسروں کو بھی تحریک ہوگی لیکن اگر احمدی سٹینڈرڈ کے مطابق تم خدمت کرنے والے ہوگے تو دوسرے تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہ ہزار ہوں گے اور تم پچاس ان ہزار سے زیادہ کام کر جاؤ گے کیونکہ سٹینڈرڈ احمدی سٹینڈرڈ ہوگا۔ اور ان کا سٹینڈرڈ اول تو احمدی سٹینڈرڈ نہیں ہوگا۔ دوسرے وہ فرق کریں گے کہ یہ ہمارا دشمن ہے اور یہ ہمارا دوست ہے۔ تم نے کہنا ہے کہ ہم نے تو خدمت کرنی ہے۔ چاہے مخالف ہو یا دوست۔ اس طرح آپ ہی آپ تمہارا کام دوسروں سے بلند ہوتا چلا جائے گا۔ اور تم ملک کے لئے ایک ضروری وجود بن جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کے تم پر فضل نازل ہوں گے۔ جیسا کہ شروع ہی میں مَیں نے کہا ہے اللہ تعالیٰ پر توکّل کرو۔ دعاؤں پر خاص زور دو اور اپنی اصلاح کی فکر کرو۔ جوانی میں تہجد پڑھنے والے اور جوانی میں دُعائیں کرنے والے اور جوانی میں سچی خوابیں دیکھنے والے بڑے نادر وجود ہوتے ہیں۔ تم نے ابدال کا ذکر سُنا ہوگا۔ ابدال درحقیقت وہی ہوتے ہیں جو جوانی میں اپنے اندر تغیّر پیدا کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق پیدا کر لیتے ہیں کہ بڈھے بڈھے بھی آکر کہتے کہ حضور ہمارے لئے دُعا کیجئے تمہارے احمدیوں کے بڈھے تو اقطاب ہونے چاہئیں اور احمدیوں کے جوان ابدال ہونے چاہئیں وہ خوب دُعائیں مانگیں اور اللہ تعالیٰ سے ایسی محبت کریں کہ وہ اپنے فضل سے ان سے بولنے لگ جائے اور وہ جوانی میں ہی صاحب کشف و کرامات ہو جائیں اور محلہ کے لوگوں کو جب مصیبت پیش آئے وہ دوڑے دوڑے ایک خادم احمدیت کے پاس آئیں اور کہیں کہ دُعا کرو ہماری یہ مصیبت ٹل جائے۔ جب تم جذبۂ اخلاص سے اُن کے لئے دُعا کرو گے تو پھر خدا تمہاری دُعائیں بھی زیادہ قبول کرنے لگ جائے گا اور لوگوں کو ماننا پڑے گا کہ تمہاری دُعا ایک بڑی قیمتی چیز ہے۔ بہرحال ان نصیحتوں کے بعد مَیں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ مصافحہ تو مَیں کر چکا ہوں اب آپ لوگوں کے لئے دعا کر کے آپ کو رخصت کرتا ہوں۔ باقی کام آپ کے منتظمین سرانجام دیں گے مَیں آپ کو السلام علیکم کہہ کر آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو اور قیامت تک آپ لوگ اور آپ کی نسلیں دین کی خادم رہیں خدا کی محبّ رہیں۔ خدا تم سے محبت کرنے والا ہو کبھی تمہارا دشمن تم پر غالب نہ آئے۔ بلکہ تم خدا کی مدد اور اس کی نصرت سے نیکی اور تقویٰ کے ساتھ لوگوں پر غالب آؤ۔ شرارت اور فساد کے ساتھ نہیں بلکہ نیکی اور تقویٰ کے ساتھ تاکہ اسلام تمہاری ترقی سے فائدہ اٹھائے اور کسی کو تمہاری ترقی سے نقصان نہ پہنچے اَللّٰھُمَّ اٰمین۔

دیکھو مَیں نے کہا تھا کہ توکّل کرو۔ سو توکّل کے معنے ہیں احمدیت کا صحیح مقام اس لحاظ سے مَیں کہتا

ہوں کہ احمدیت زندہ باد (احمدیت زندہ باد کے نعرے) اور مَیں نے کہا تھا کہ خدمت احمدیت کے سٹینڈرڈ پر کرو۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ انسانیت کو زندہ رکھنے کی کوشش کرو۔ سو اس کے مطابق میں کہتا ہوں کہ تمہارا نعرہ یہ ہونا چاہیئے انسانیت زندہ باد۔"[1]

تلقینِ عمل کا پروگرام

اجتماع کے دوسرے روز سوا نو بجے سے سوا دس بجے شب تک تلقینِ عمل کا پروگرام مقرر تھا۔ اس پروگرام کی یہ خصوصیت تھی کہ اس میں ایک تو حضرت المصلح الموعود کی رُوح پرور افتتاحی تقریر کا ریکارڈ سُنایا گیا۔ دوسرے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔ اے (آکسن) نائب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ نے خدام سے ایک اثر انگیز خطاب فرمایا۔ آپ کی تقریر کا عنوان تھا۔" موجودہ حالات میں خدام الاحمدیہ کو کس طرح کام کرنا چاہیئے"۔ اس تقریر کا خلاصہ اخبار الفضل کے نامہ نگار کے قلم سے درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"مذہبی نقطۂ نگاہ سے دُنیا کے حالات وہی ہیں جو پہلے تھے۔ موجودہ حالات گذشتہ حالات سے چنداں مختلف نہیں۔ دُنیا میں نفس اور رُوح کی کشمکش بدستور جاری ہے۔ نفس آج بھی انسان کو بھٹکا کر اسے مادی زندگی اور اس کی دلفریبیوں میں الجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ان حالات میں خدام الاحمدیہ کا فرض یہی ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود کی تعلیم کے مطابق اپنے نفس کو مار کر صفائی قلب کی راہ پر گامزن ہوں تا خدائی انوار کو جذب کر کے دُنیا میں اسلام کے نور کو پھیلا سکیں۔

تقریر جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ آپ میں سے بعض کہہ سکتے ہیں کہ عمر کے لحاظ سے ابھی ہم میں اتنی پختہ کاری نہیں ہے کہ ہم نفس کو مارنے میں کامیاب ہو سکیں۔ لیکن یہ محض ایک واہمہ ہے۔ حضرت علیؓ آپ سے بھی چھوٹی عمر کے تھے جب انہوں نے نفس پر غلبہ حاصل کر کے اپنے دل کو انوارِ الٰہی کی تجلّی گاہ بنایا انہوں نے جب اسلام قبول کیا تو ان کی عمر ۱۲ سال تھی۔ سو نفس کو بارہ سال کی عمر میں بھی مارا جا سکتا ہے۔ آج خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرما کر نفس پر غلبہ پانے کی راہیں آپ کے لئے آسان کر دی ہیں۔ پہلے لوگ چالیس چالیس پچاس پچاس سال تک مجاہدہ کرتے تھے تو انہیں خدائی انوار کی کچھ جھلک نظر آتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں اپنے ایک مامور کو مبعوث کرنے کے بعد مجاہدات کے اس عرصہ کو کم کر دیا ہے اور وہ آپ کی تھوڑی سی کوشش کو بھی قبولیت کے شرف سے نوازنے کے لئے

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۴ر مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۵

تیار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسلام کو دوبارہ زندہ کرنا چاہتا ہے جب وہ آپ کی تھوڑی سی قربانی کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے تو سوال یہ ہے کہ آپ بھی وہ تھوڑی سی قربانی کرنے پر آمادہ ہیں یا نہیں اس کا سلوک آپ سب پر عیاں ہے۔ قدم قدم پر اس کی تائید و نصرت کے ایمان افروز نظارے آپ برابر دیکھتے چلے آرہے ہیں۔ پس خدا کا جلوہ دیکھنے کا دروازہ کھلا ہے یہ اب آپ کی ہمت اور ارادے پر منحصر ہے کہ آپ یہ جلوہ دیکھتے ہیں یا نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعے اس دروازے تک پہنچنا آپ کے لئے آسان کر دیا گیا ہے اور "خدام الاحمدیہ" کی غرض یہی ہے کہ نوجوانوں کو نفس کی قربانی کے لئے تیار کیا جائے۔ تا دنیا میں اسلام دوبارہ زندہ ہو۔ یہ مقصد اس پروگرام پر عمل کرنے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے جو آپ کے لئے پہلے ہی مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس بارے میں مشعل کا کام دینے والی وہ ہدایات ہیں جو آپ نے مختلف اوقات میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ سے حاصل کی ہیں۔ جو "مشعل راہ" کے نام سے ایک کتابچہ کی صورت میں پہلے سے طبع شدہ موجود ہیں۔ "مشعل راہ" کو بار بار پڑھیں اور اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔ اگر آپ ان میں سے ایک ہدایت کو بھی ترک کرتے ہیں تو آپ خدام الاحمدیہ کے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔"[1]

ہندوستان میں تبلیغی جدوجہد سے متعلق ایک اعلان

نظارت دعوت و تبلیغ قادیان کی طرف سے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں ہندوستانی کی احمدی جماعتوں اور اس کے مبلغین کی تبلیغی رپورٹیں باقاعدہ آیا کرتی تھیں مگر حضور کی بیماری کے باعث یہ سلسلہ بالکل بند کر دیا گیا اور جس پر حضور کو بہت فکر و تشویش پیدا ہوئی اور آپ نے ۱۷ نومبر ۱۹۵۵ء (۱۷ نبوت ۱۳۳۴ہش) کو اعلان فرمایا کہ :-

"ہر جماعت اپنی تبلیغی جدوجہد کے متعلق باقاعدہ رپورٹ بھجوایا کرے۔ اسی طرح ہر مبلغ بھی۔ تا کہ مجھے حالات سے بھی خبر رہے۔ دعا کی بھی تحریک ہو اور یہ بھی تسلی رہے کہ جماعت میں بیداری قائم ہے بلکہ بڑھ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو اور جماعت کو ہر لحظہ زیادہ کرتا جائے اور آپ کے اندر اخلاص بھی بڑھاتا چلا جائے اور قربانی کی روح بڑھاتا جائے۔ تا کہ ہندوستان میں احمدیت اپنے پاؤں پر کھڑی رہے۔"

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۴ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۰

اس اعلامیہ میں حضور نے ہندوستان میں احمدیت کی رفتارِ ترقی کو تیز تر کرنے کے لئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ :-

"کسی زمانہ میں ایک ایک احمدی کے ذریعہ سے ہزاروں احمدی ہوتے تھے یہ.... مبلّغ اگر اپنا فرض ادا کرتے تو آج تک ہندوستان میں جماعت دُگنی ہو چکی ہوتی" [1]

فصل سوم

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا پاکستان میں پہلا سالانہ اجتماع

مجلس انصار اللہ مرکزیہ تقسیمِ مُلک کے بعد انتہائی خطرناک حد تک جمود اور تعطّل کا شکار ہو گئی تھی۔ ۷ر نومبر ۱۹۵۴ء کو حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے حضرت مصلح موعود کے حکم پر اُس کی قیادت سنبھالی جس کے بعد چند ماہ کے اندر ہی اس میں زندگی کے نمایاں آثار پیدا ہو گئے اور اس سال کے آخر میں اپنے پہلے کامیاب سالانہ اجتماع کے نتیجہ میں ایک زندہ اور فعال مرکزی تنظیم شمار ہونے لگی۔

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا یہ پہلا سالانہ اجتماع (جو حضورؓ کی دعاؤں، خصوصی توجہ اور اپنے جواں ہمت نائب صدر کی شب و روز مساعی کا پہلا شیریں پھل تھا) ۱۸، ۱۹ر نومبر ۱۹۵۵ء کو تعلیم الاسلام کالج کے فضلِ عمر ہوسٹل میں منعقد ہوا۔ حضرت امام عالی مقام کی (انصار و خدام کے مشترکہ اجلاس میں) افتتاحی تقریر ہو چکی تو انصار اللہ مرکزیہ کے اس پہلے سالانہ اجتماع کی بقیہ کارروائی کا آغاز مولانا قمر الدین صاحب نائب قائد تعلیم و تربیت کی تلاوتِ قرآنِ مجید سے ہوا۔ جس کے بعد حضرت حافظ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔اے نائب صدر مجلس انصار اللہ نے تقریر فرمائی۔ آپ نے انصار سے اپیل کی کہ وہ جلد سے جلد اپنا دفتر قائم کریں تا

---

[1] بدر ۲۸ر نومبر ۱۹۵۵ء صہ ۲۔

اگلے سال اپنا سالانہ اجتماع اپنے دفتر کی عمارت میں کرنے کے قابل ہو سکیں. نیز فرمایا چالیس سال کی عمر ہی ایسی ہوتی ہے جبکہ انسان کے جسمانی، ذہنی اور رُوحانی قویٰ پایہ تکمیل تک پہنچتے ہیں۔ کوئی نبی ایسا مبعوث نہیں ہُوا جسے چالیس سال کی عمر سے پہلے نبوّت کے فرائض اللہ تعالیٰ نے تفویض کئے ہوں۔ پس انصار اللہ جوانوں کی جماعت ہے۔ انصار کو چاہیئے کہ وہ جوانوں کی طرح ہی کام کریں اور ایسا کام کریں کہ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ کے آسمانی حکم کے تحت نیک کاموں میں خدام الاحمدیہ سے بھی سبقت لے جائیں۔ دُنیا اس وقت جہاں مذہبی صداقت کی محتاج ہے وہاں دنیوی صداقت کی بھی متلاشی ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور اس کے غیر معمولی نشانوں کے نظارے دیکھے ہیں۔ اس لئے ہم پر یہ ذمّہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم دُنیا کو اسلام کی دعوت دیں۔ اور وہ اخلاق ہم دُنیا میں پھر پیدا کریں جو دُنیا سے ناپید ہو چکے ہیں۔ اس رُوح پرور خطاب کے بعد مندرجہ ذیل بزرگوں نے تقاریر فرمائیں:۔

۱۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم اے قائد عمومی ("انصار اللہ کا مطلب")۔
۲۔ مولانا ظہور حسین صاحب مبلّغ بخارا نائب قائد مال ("درسِ حدیث")
۳۔ حضرت ابو البرکات مولانا غلام رسول صاحب راجیکی ("محبتِ الٰہی")

ان تقاریر کے بعد یہ اجلاس نماز مغرب و عشاء اور کھانے کے لئے ملتوی ہو گیا اور پھر مجلس شوریٰ کا انعقاد ہُوا۔ جس کی بقیّہ کارروائی اگلے روز بھی ہوئی۔ یہ شوریٰ قریباً چار گھنٹے تک جاری رہی جس میں مجلس کے لائحہ عمل، اُس کی تنظیم اور پروگرام سے متعلق نہایت دُور رس اور اہم فیصلے کئے گئے۔ مثلاً مجلس انصار اللہ کا سالانہ اجتماع دس اکتوبر کے بعد کسی جمعہ اور ہفتہ کو منعقد کیا جائے اور یہ تاریخیں مجلس خدام الاحمدیہ کے اجتماع کے ایام میں نہ ہوں۔ انصار اللہ کا ضلعوار نظام قائم کیا جائے۔ انصار اللہ کے لئے بھی کتب حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ششماہی امتحان کا انتظام کیا جائے۔ دفتر انصار اللہ کی تعمیر کے لئے تین سال میں بیس ہزار روپیہ بطور چندہ اس طریق سے جمع کیا جائے کہ ہر رکن کم از کم ایک روپیہ سالانہ چندہ دے۔ ہر مجلس کے ذمّہ اُس کی تعداد کے لحاظ سے ایک رقم مقرر کر دی جائے جسے پُورا کرنے کی وہ ذمّہ دار ہو۔ شوریٰ میں مجلس کے قواعد و ضوابط اور لائحہ عمل پر نظر ثانی کرنے کے لئے ایک بورڈ بھی مقرر کیا گیا۔ اگلے دن ۱۹ر نومبر کو اجتماع کی کارروائی حسبِ معمول تلاوتِ قرآن مجید سے شروع ہوئی۔ جس کے بعد مندرجہ ذیل بزرگوں نے اجتماع سے خطاب فرمایا:۔

۱۔ مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل پرنسپل جامعۃ المبشرین ۔ (قائد تبلیغ)
۲۔ مکرم مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائل پوری پرنسپل جامعہ احمدیہ ۔
۳۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم ۔ اے (قائد عمومی)
۴۔ مکرم مولانا قمرالدین صاحب (نائب قائد تعلیم و تربیت)
۵۔ حضرت زین العابدین سید ولی اللہ شاہ صاحب (قائد مال)
۶۔ مکرم مولانا غلام احمد صاحب بدوملہی (زعیم مجلس لالیاں)
۷۔ حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال (رکن خصوصی مجلس انصاراللہ مرکزیہ)

سالانہ اجتماع کا آخری اجلاس ۲½ بجے بعد دوپہر حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ایم ۔ اے رُکن خصوصی انصاراللہ مرکزیہ و ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ کی زیرِ صدارت منعقد ہُوا ۔ جس میں تلاوت قرآن مجید کے بعد تقاریر کا انعامی مقابلہ ہُوا ۔ جس میں مکرم مولانا عبدالغفور صاحب مبلغ سلسلہ اوّل ۔ حاجی محمد فاضل صاحب ربوہ دوم اور قریشی محمد حنیف صاحب قمر سوم آئے ۔ ساڑھے تین بجے کے قریب سیدنا حضرت مصلح موعودؓ باوجود علالتِ طبع کے تشریف لائے ۔ حضور نے سٹیج پر تشریف رکھنے سے قبل مجلس مرکزیہ کے عہدیداروں[1] بیرونی اور مقامی نمائندگان اور آخر میں بیرونی اور مقامی زائرین کو مصافحہ کا شرف بخشا ۔ حضور کی طبیعت ناساز تھی ۔ اس لئے حضور شرفِ مصافحہ عطا کرنے کے بعد واپس تشریف لے گئے جس کے بعد حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے بعض علمی اور انتظامی سوالات کے جوابات دیئے اور پھر اختتامی تقریر میں فرمایا کہ اَب ہمارا یہ پہلا سالانہ اجتماع ختم ہو رہا ہے اس میں شامل ہونے والے دوستوں نے بہت سے سبق حاصل کئے ہوں گے ۔ سب سے پہلا اور نمایاں بنیادی سبق وہی ہے جس کی خاطر انبیاء علیہم السّلام مبعوث ہوتے رہے اور جس کے لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم جیسے کامل نبی کامل شریعت لے کر مبعوث ہوئے یعنی محبتِ الٰہی کا سبق ۔ درحقیقت باقی سب چیزیں محبتِ الٰہی کے اس بنیادی سبق کے گرد ہی گھومتی ہیں حضرت صاحبزادہ صاحب نے اس بنیادی سبق پر اثر انگیز پیرائے میں روشنی ڈالی ۔ اور بالآخر انصاراللہ کو تزکیۂ رُوح کی تحریک کرنے کے بعد اجتماعی دُعا کرائی ۔

---

[1] اس یادگار موقع کی ایک تصویر "تاریخ احمدیت" جلد ۹ صفحہ ۹۹ پر شائع شدہ ہے ۔

انصاراللہ کا یہ پہلا سالانہ اجتماع اس لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا تھا کہ انصاراللہ نے یہ ایام غیر معمولی طور پر دُعاؤں اور عبادت میں گذارے جن کی غیر معمولی قبولیت کا ذکر خود حضرت مصلح موعود نے ۲۰ ر نومبر کو خدام الاحمدیہ کے اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ اجتماع میں پہلے دن نماز مغرب و عشاء حضرت مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری نے پڑھائی اور دوسرے دن نمازِ ظہر و عصر میں امامت کے فرائض حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم اے نے ادا کئے۔ مختلف اجلاسوں میں تلاوتِ قرآن مجید کی سعادت مکرم مولوی تاج الدین صاحب، مولوی احمد خان صاحب نسیم (نائب قائد تبلیغ) اور مکرم مولوی قمر الدین صاحب (نائب قائد تعلیم و تربیت) کے حصّہ میں آئی۔ قرآن مجید، احادیثِ نبویہ اور درسِ کتبِ حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ قرآنی حقائق و معارف اسلام کی برتری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا عدیم المثال مقام نمایاں طور پر سامنے آجاتا اور رُوح پر سچ مچ وجد کی سی کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔ تقاریر کے موضوع بھی زیادہ تر ایسے مقرر کئے گئے تھے جن سے نفس کی اصلاح اور قلوب کا تزکیہ ہو۔ دورانِ اجتماع سیّدنا حضرت مسیح موعودؑ کا جب اردو اور فارسی منظوم کلام پڑھا جاتا تو قلوب و اذہان کے اندر ایک نئی روحانی تبدیلی پیدا ہو جاتی۔ اجتماع کے پہلے اجلاس میں حضرت مصلح موعودؓ کے ارشادِ مبارک کے تحت نمازِ تہجد پڑھنے اور کثرت سے دُعائیں اور استخارہ کرنے والے انصار کے اعداد و شمار جمع کئے گئے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے شاملِ اجتماع ہونے والے انصار کی نمایاں اکثریت ان امور کی پابند اور التزام کرنے والی پائی گئی۔

الغرض مجلس انصاراللہ مرکزیہ کے اس تاریخی پہلے سالانہ اجتماع کے پروگرام میں تزکیہ نفس اور تربیتِ نفس کے پہلوؤں کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا تھا اور انصار کی پُرسوز دُعاؤں اور عبادتوں نے ایک خاص رُوحانی ماحول اجتماع میں پیدا کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اجتماع میں اوّل سے آخر تک ایک پُرکیف رُوحانی فضا چھائی رہی اور انصار یہ عزم لے کر اُٹھے کہ وہ مجلس میں ایک نئی رُوح پیدا کرکے دم لیں گے۔ اور حضرت مصلح موعود جس بلند روحانی مقام پر انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ خدا کی دی ہوئی توفیق پر وہاں تک پہنچنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ [1] [2]

---

[1] یہ اجتماع سادگی اور حُسنِ انتظام کا بھی عمدہ نمونہ تھا۔ انصاراللہ مرکزیہ کے ریکارڈ کے مطابق اس کے کُل اخراجات پانچسو چھپن روپے دس آنے چھ پائی تھے۔ جن میں سے دوسو چھیالیس روپے چھ آنے چھ پائی کھانے اور بقیہ رقم سائبان وغیرہ پر خرچ ہوئی۔

[2] ملخص از الفضل ربوہ ۲۲، ۲۳، ۲۴ ر نبوت ۱۳۳۴ھش مطابق ۲۲، ۲۳، ۲۴ ر نومبر ۱۹۵۵ء۔

ایک الوداعی دعوت میں حضرت مصلح موعودؓ کا خطاب

حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب مبلغِ اسلام کی حیثیت سے دمشق روانہ ہو رہے تھے۔ آپ کے اعزاز میں جامعۃ المبشرین کے اساتذہ اور طلبہ کی طرف سے ۴؍دسمبر ۱۹۵۵ء کو ایک الوداعی تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں مولانا ابوالعطاء صاحب پرنسپل جامعۃ المبشرین نے تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ دمشق کو احمدیت کے ساتھ کتنا گہرا تعلق ہے۔ اس موقع پر حضرت زین العابدین سیّد ولی اللہ شاہ صاحب نے حضرت مصلح موعودؓ کے لُطف و احسان کے بہت سے ایمان افروز واقعات بیان کئے کہ حضورؓ نے ابتدا سے ہی کس قدر محنت اور دلچسپی کے ساتھ آپ کی زندگی میں دینی شغف کی رُوح پھونک دی۔ آخر میں سیّدنا حضرت مصلح موعود نے خطاب فرمایا جس میں اُن حالات پر اختصار سے روشنی ڈالی۔ جن کے تحت ابتدا میں محترم شاہ صاحب کو تبلیغ کی غرض سے بلادِ عربیہ بھیجا گیا تھا اور فرمایا کہ:-

"اس مرتبہ بھی جب مَیں دمشق گیا تو مَیں نے دیکھا کہ اَب بھی وہاں لوگوں کے دلوں میں شاہ صاحب کا بہت احترام ہے۔ اور وہ اُن کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ اگرچہ وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک مضبوط جماعت قائم ہے جو نہایت مخلص احباب پر مشتمل ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود کے اس الہام کے پیشِ نظر "یَدْعُوْنَ لَکَ اَبْدَالُ الشَّامِ وَعِبَادُ اللّٰہِ مِنَ الْعَرَبِ"[۱]۔ وہاں جماعت اور زیادہ ترقی کرے۔ اس لئے مَیں نے شاہ صاحب کو ایک مرتبہ پھر وہاں بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ گو اَب شاہ صاحب کی عمر بڑی ہے اور مَیں بھی بیمار ہوں۔ لیکن مَیں نے سوچا کہ انسانوں کا کام تو چلتا ہی رہتا ہے۔ خدا اور اس کے دین کا کام بہرحال مقدّم رہنا چاہیئے۔ چنانچہ میرے کہنے پر اس جذبہ کے ماتحت شاہ صاحب تیار ہو گئے۔ حضرت مسیح موعود کے اس الہام میں اہلِ شام کا ایک بہت بڑا مقصد بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی دعاؤں کے ساتھ احمدیّت کو ترقی دینی ہے۔ پس یہ ضروری ہے کہ دُعاؤں اور قربانیوں کا یہ سلسلہ اور بڑھے اور وسیع ہو تا اس کے بڑھنے کے ساتھ دُنیا میں احمدیت کی ترقی اور اسلام کے غلبہ کے سامان پیدا ہوں۔ اگر وہاں خاطر خواہ کامیابی نصیب ہو جائے تو اس کا نفسیاتی طور پر یہاں بھی خوشگوار

---

[۱] مکتوب ۷؍اپریل ۱۸۸۵ء مشمولہ مکتوباتِ احمدیہ جلد ۱ صفحہ ۸۶ ۔ مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب ایڈیٹر الحکم ۲۹؍دسمبر ۱۹۰۸ء)

اثر ظاہر ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ شاہ صاحب کے موجودہ سفر کو ان کے پہلے سفر سے بھی زیادہ کامیاب کرے اور وہ پہلے سے بھی کئی گُنا زیادہ جماعت وہاں چھوڑ کر کامیابی و کامرانی کے ساتھ واپس آئیں۔"

اس کے بعد حضور نے اجتماعی دعا کرائی۔ اور تشریف لے جانے سے قبل جامعۃ المبشرین کے طلبہ کو شرفِ مصافحہ عطا فرمایا۔ اور اس طرح یہ بابرکت تقریب اللہ تعالیٰ کے حضور دُنیا میں غلبۂ اسلام کی دُعاؤں کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی[1]

حضرت شاہ صاحب دمشق میں تین ماہ تک قیام فرما رہے اور جیسا کہ آپ نے اپنی خود نوشت سوانح عمری[2] میں لکھا ہے۔ دمشق میں ایک مضبوط جماعت دیکھ کر آپ پر رقّت طاری ہو گئی اور آپ کے آنسوؤں سے سجدہ گاہ تر ہو گئی۔ دورانِ قیام آپ نے نہ صرف یہ کہ جمعہ کے خطبات اور ہفتہ وار اجلاسوں میں ابدال الشام سے خطاب فرمایا بلکہ اسلامی اور اشتراکی اصولوں کے موازنہ پر ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی جو دمشق کے ایک مخلص احمدی سید ابو الفرج نے ٹائپ کی۔ اس طرح خدا کے فضل و کرم سے آپ کو اس سفر میں کئی اہم تربیتی و تبلیغی خدماتِ دینیہ بجا لانے کی توفیق ملی۔

صُوبہ مدراس اور جنوبی ہند کے احمدیوں کے نام محبّت بھرا پیغام

قریباً ۱۹۲۶ء[3] سے مدراس میں ایک اردو ہفت روزہ "آزاد نوجوان" کے نام سے جاری ہے۔ اس اخبار کے مدیر محمد کریم اللہ صاحب کی درخواست پر حضرت مصلح موعودؓ نے صوبہ مدراس اور جنوبی ہند کے احمدیوں کے لئے حسب ذیل پیغام عطا فرمایا جو دسمبر ۱۹۵۵ء کے آخر میں اس رسالہ کے پُراز معلومات "سلطان القلم نمبر" کی زینت بنا اور حضور کے ارشاد پر اخبار "بدر" (۲۸ نومبر ۱۹۵۵ء) میں بھی اشاعت پذیر ہوا۔

"اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیمؕ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریمؕ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ھو الناصر

برادران صوبہ مدراس و جنوبی ہند! اللہ تعالیٰ نے اسلام ایسے وقت میں بھیجا کہ جب کہ

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۷ دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۸۔ [2] (غیر مطبوعہ) اس کا مسوّدہ شعبہ تاریخ احمدیت ربوہ میں محفوظ ہے۔ [3] "بدر" قادیان ۱۴ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۱ (۱۴ صلح ۱۳۳۵ ہش)۔

اس سے پہلے مختلف مذاہب موجود تھے۔ گویا دُنیا کی مختلف کھیتیاں مختلف مالکوں میں تقسیم ہو چکی تھیں۔ اور سوائے عرب کے کوئی خالی زمین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے باقی نہیں تھی مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حکم دیا کہ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا۔ قرآن کریم کو ہاتھ میں لے کر قرآنی دلائل کے ساتھ اپنے مخاطبین سے جہاد کرو۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہؓ نے اس پر عمل کیا۔ کسی دشمن پر خود حملہ نہیں کیا۔ بلکہ اگر اُس نے حملہ کیا اور آپ اس کے دفاع کے لئے پہونچے تو بھی پَو پھٹنے سے پہلے کبھی اس پر حملہ نہیں کیا تاکہ وہ ہوشیار ہو جائے اور جنگ کے لئے تیار ہو جائے اور جب ایسی دفاعی جنگوں سے بھی آپ واپس آئے تو آپ نے فرمایا رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ۔ ہم چھوٹے جہاد سے واپس آئے ہیں اور اَب بڑے جہاد کے لئے فارغ ہوئے ہیں۔ یعنی تبلیغ کے لئے۔ پھر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ[1] یعنی تم کو جب خدا تعالیٰ غلبہ بھی دے تب بھی تبلیغ سے غافل نہ ہونا بلکہ اسلام کی تبلیغ لوگوں کے کانوں میں ڈالتے رہنا اور جہاں تم غالب اور زیادہ ہو وہاں ان لوگوں کے لئے امن پیدا کرنا تاکہ وہاں آکر اسلام کی تعلیم سُنیں اور سیکھ سکیں اور جب وہ واپس اپنے وطن جانا چاہیں تو آرام سے اُن کو وطن پہنچا دو۔ آپ لوگ اَب ایسے حالات میں سے گذر رہے ہیں کہ منکرینِ اسلام زیادہ ہیں اور آپ کم ہیں۔ پس آپ کا فرضِ تبلیغ تو اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ اگر آپ لوگ اچھا نمونہ دکھائیں اور اسلام کی تبلیغ کا جوش جنون کی حد تک بڑھا دیں تو اسلام کی اعلیٰ تعلیم آج بھی دلوں کو موہ لے گی اور آپ کے خیر خواہ اور آپ کے محبّ کثرت سے پیدا ہو جائیں گے مگر ضرورت یہ ہے کہ اسلام کو معقول صورت میں اُن کے سامنے پیش کیا جائے۔ ایسی تمام باتیں جو قرآن کے خلاف ہیں اور غیر مسلموں کو اسلام سے ناراض کرنے والی ہیں قرآن کی روشنی میں اُن کا ازالہ کیا جائے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے حُسنِ سلوک سے اس کا دفاع کیا جائے۔ پھر دیکھو کہ لوگ فوراً اسلام کی طرف مائل ہونا شروع ہو جائیں گے۔ اور آپ کا وطن حقیقی معنوں میں آپ کا

[1] توبہ ع۱

وطن ہو جائے گا۔ مگر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ۔ انسان اور اس کے دل کے درمیان خدا تعالیٰ حائل ہوتا ہے۔ دل تک وہی بات پہنچ سکتی ہے جو خدا پہنچائے۔ دوسرا کوئی نہیں پہونچا سکتا اس لئے پہلے تو اسی نسخہ پر عمل کریں کہ نمازوں اور دعاؤں پر زور دیں اور اپنے ملک کے لوگوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے خدا سے اپیل کریں۔ پھر جب لوگوں کے دل نرم ہو جائیں اور خدا کا فضل ان پر نازل ہونے لگ جائے تو عمدہ اور لطیف لٹریچر جو اسی زبان میں لکھا گیا ہو جس زبان کو آپ کے اہل ملک سمجھتے ہیں ان میں پھیلائیں۔

اس زمانہ میں اخبار بھی بڑا اہم کام کرتے ہیں۔ اگر آپ ایسے اخباروں کی اشاعت کریں جو اسلام کی روشنی پھیلانے کی خدمت کر رہے ہیں۔ تو یقیناً ایک پنتھ دو کاج ہو جائیں گے۔ اور آپ کے خیالات بھی لوگوں تک پہونچیں گے اور آپ کا ایک اپنا اخبار بھی لوگوں میں مقبول ہو جائے گا۔ اور آپ کی اندرونی اصلاح کا کام بھی ترقی کرے گا۔ اس کے علاوہ اگر چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ جو چار چار صفحے یا آٹھ آٹھ صفحے کے ہوں خصوصاً جو تامل اور کنری وغیرہ میں لکھے ہوئے ہوں اگر غیر مسلموں میں پھیلائے جائیں تو اِن کے قلوب میں اسلام کی طرف رغبت پیدا ہونی شروع ہو جائے گی۔ مگر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسلام کی سب سے بڑی نعمت دعا اور اس کی قبولیت کی اشاعت کریں۔ دعاؤں کی عادت ڈالیں اور غیر مسلموں سے کہیں کہ اپنی مشکلات میں ہم سے دعا کروایا کرو خدا تمہاری مشکلات دور کرے گا۔ میرا تجربہ ہے کہ جنوبی ہند کے ہندو بہت سمجھدار اور غیر متعصب ہیں۔ اگر محبت سے ان تک بات پہنچائی جائے گی تو یقیناً وہ اسے قبول کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔ جب خدا تعالیٰ چند آدمی اُن میں سے آپ کو دے تو آپ ان کو منظم کریں اور انہی کو ان کی قوم میں تبلیغ کے لئے بھجوائیں جو اسلام کے ابتدائی زمانہ کی طرح یا بدھ کے ابتدائی زمانہ کے بھکشوؤں کی طرح اپنی قوم میں تبلیغ کریں اور یاد رکھیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ[1] ہمیشہ اپنے بھائی کی مدد کرو۔ مگر نیکی اور تقویٰ کے متعلق۔ گناہ اور ظلم میں کبھی اس کی مدد نہ کرو۔ اپنی

[1] المائدہ : ۳۔

طبیعتوں میں سے درشتی نکال دو۔ نرمی اور دعا پر زور دو۔ پھر اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا۔ اور زیادہ سے زیادہ آپ کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈالے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کا مددگار ہو۔

مرزا محمود احمد
(خلیفۃ المسیح الثانی)[1]"

قادیان دارالامان کی طرف رجوع خلائق

قادیان، اس کے نواحی دیہات بلکہ پنجاب کے ہر علاقہ میں امن و امان کی صورت حال چونکہ نہایت تیزی سے خوشگوار ہو رہی تھی اس لئے قادیان کے درویشوں کیلئے مشرقی پنجاب میں کسی حد تک آمد و رفت کا دروازہ کھل گیا اور ملک کے ہر مذہب و ملت کے افراد قادیان کی طرف اس کثرت سے آنے لگے کہ باقاعدہ طور پر ایک دفتر زائرین کھولنا پڑا جس کا کام مقامات مقدسہ کی زیارت کرانا اور جماعت احمدیہ سے متعلق معلومات بہم پہنچانا تھا۔ مکرم سید محمد شریف صاحب دفتر زائرین کے انچارج مقرر ہوئے۔ اُن کے علاوہ چند اور درویش اس کام کی انجام دہی کے لئے متعین کئے گئے۔ دفتر کی دیواروں پر بعض موزوں تبلیغی قطعات آویزاں کئے گئے جن میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ مسیح موعودؑ کی صداقت میں مختلف مذاہب کی پیشگوئیاں درج تھیں۔ زائرین انہیں پڑھتے اور بعض اوقات نوٹ بھی کر لیتے۔ اور اُن کی روشنی میں تبادلۂ خیالات بھی کرتے۔ بعض زائرین دُعا کی درخواست کرتے ہوئے نذرانہ کے طور پر رقوم بھی پیش کرتے، بعض مساجد کی صندوقچیوں میں رقم ڈال دیتے۔ دفتر زائرین کی طرف سے زبانی معلومات بہم پہنچانے کے علاوہ ہندو، سکھ، عیسائی، مسلمان اور دیگر اقوام کے زائرین کو حسب موقع اردو، انگریزی، ہندی اور گورمکھی میں لٹریچر دینے کا بھی انتظام کیا گیا۔ ۱۹۵۵ء میں آٹھ ہزار دو سو انچاس زائرین قادیان آئے۔ جن میں سے تعلیم یافتہ طبقہ کو اٹھارہ سو پینتیس (۱۸۳۵) ٹریکٹ اور کتابیں تقسیم کی گئیں۔

رجوع خلائق کا یہ غیر معمولی سلسلہ خدا کی نصرت اور فرشتوں کی آسمانی تحریکات کے نتیجہ میں تھا۔ کیونکہ علاقہ میں امن و امان کی معتدل صورت حال کے باوجود درویشان قادیان کے لئے مشرقی پنجاب اور بعض دوسرے

---

[1] ہفت روزہ "بدر" قادیان ۲۸ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔

علاقوں میں کھُلے بندوں تبلیغ کے مواقع ابھی تک میسّر نہیں تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہر مذہب و ملّت کی سعید رُوحوں کو قادیان میں کھینچ کر لا رہا تھا تا وہ اسلام اور احمدیّت کی خوبیوں سے آگاہ ہوں اور اس مُلک میں حق و صداقت کی آواز پھر گونجنے لگے۔[۱]

فصل چہارم

قادیان اور ربوہ میں سالانہ جلسے

تحریکِ احمدیت میں جماعت احمدیہ کے مرکزی سالانہ جلسہ کو ہمیشہ ایک آسمانی نشان اور شعائر اللہ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے خدا سے علم پا کر ۷؍دسمبر ۱۸۹۲ء کو پیشگوئی فرمائی کہ:۔

"اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمہ اسلام پر بنیاد ہے۔ اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی۔ کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔"[۲]

خدائے قادر کی ان پاک بشارتوں اور وعدوں کے عین مطابق ۱۹۵۵ء کے سالانہ جلسے ہر اعتبار سے کامیاب رہے۔ چنانچہ قادیان کے مبارک اجتماع میں قریباً ایک ہزار نفوس نے شرکت کی سعادت حاصل کی جن میں سے دو سو بیس بیرونی ہندوستانی احمدی اور ایک سو بیس پاکستانی احمدی تھے۔ اور جلسہ ربوہ میں پاکستان کے طول و عرض سے شامل ہونے والے احمدیوں کی تعداد پچاس ہزار تھی۔ علاوہ ازیں چین، انڈونیشیا، عدن، شام، فلسطین، مشرقی افریقہ، مغربی افریقہ، ماریشس، امریکہ، ڈچ گیانا اور ٹرینیڈاڈ کے مخلص احمدی بھی تشریف لائے۔ اسی طرح عالمی عدالتِ انصاف کے جج چودھری محمد ظفر اللہ خانصاحب اور حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین کو بھی اس میں شرکت

---

[۱] اخبار "بدر" ۲۸؍دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۴۔

[۲] مجموعہ اشتہارات حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد اوّل صفحہ ۳۴۱۔

کا موقع نصیب ہوا۔ نیز اقوام متحدہ کے ادارہ خوراک وزراعت کے جرمن ماہر ڈاکٹر فرز کورسٹلر DR. FRITZ KORE STILLER بھی نجی طور پر جلسہ کے دوران ربوہ پہنچے اور گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ موصوف اُن دنوں حکومتِ پاکستان کو امدادِ باہمی سے متعلق مشورہ دینے کے لئے لاہور آئے ہوئے تھے۔[1]

یہ پہلا جلسہ تھا جو حضرت مصلح موعود کی سفر یورپ سے باصحت واپسی کے بعد منعقد ہوا جس میں اکناف عالم کے رُوحانی پرندے مقدس امام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے جمع ہوئے اور ربوہ کی مقدس بستی ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا کی عملی تفسیر کا رُوح پرور نظارہ پیش کر رہی تھی۔

قادیان اور ربوہ کے جلسوں کا یکجائی ذکر کرنے کے بعد ان کے ضروری کوائف کا الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے قبل قافلۂ پاکستان کے سفرِ قادیان کی تفصیلات بیان ہوں گی۔

قافلۂ پاکستان دیارِ حبیبؑ میں

اس سال جلسہ سالانہ قادیان میں شمولیت کے لئے جانے والا قافلۂ پاکستان اکتالیس احمدیوں پر مشتمل تھا جو ۲۵ر دسمبر ۱۹۵۵ء کو صبح سوا نو بجے جودھامل بلڈنگ سے روانہ ہوا۔ قافلہ کے لئے پنجاب بس ریزرو کرائی گئی تھی۔ تمام احباب بس میں بیٹھ گئے تو امیرِ قافلہ جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ نے فرمایا کہ اس سال سلسلہ کی کتنی مقتدر ہستیاں اپنے مولائے حقیقی کے پاس سدھاری ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی طرف کھینچنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا بنانا چاہتا ہے اور ہم ایک مقدس مقصد کی خاطر یہ سفر کر رہے ہیں۔ اس سفر میں ہمیں خصوصیت کے ساتھ اللہ کی طرف جھکنا چاہیئے۔ آؤ ہم اس سے استمداد کریں۔ چنانچہ دُعا کے بعد قافلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود اور تسبیحات پڑھتا ہُوا روانہ ہوا۔ پاکستان کی کسٹم پوسٹ اور پولیس پوسٹ کی چیکنگ سے فارغ ہو کر قافلہ ہندوستانی علاقہ میں داخل ہُوا۔ یہاں کسٹم کی پوسٹ پر قافلہ کا استقبال سردار بھگت سنگھ صاحب انسپکٹر پولیس نے کیا۔ سردار صاحب موصوف نہایت شریف اور ہمدرد افسر تھے جاتے اور آتے وقت وہ قافلہ کے ساتھ رہے اور قادیان میں بھی وقتاً فوقتاً زائرین سے رابطہ قائم رکھا اور اُن سے پُرسشِ احوال کرتے رہے۔ پولیس پوسٹ پر آکر سردار صاحب موصوف نے جلدی قافلہ کو فارغ

---

[1] روزنامہ الفضل ۳۱ر دسمبر ۱۹۵۵ء / ۳۱ر فتح ۱۳۳۴ہش صا

کرا دیا۔ اَب قافلہ پُوری رفتار سے روانہ ہُوا۔ پولیس کی موٹر کبھی قافلہ کی بس سے آگے ہوتی اور کبھی پیچھے۔ راستہ میں بارش کی تباہ کاریاں نمایاں تھیں۔ ابھی تک زمین کا اکثر حصّہ ناقابل کاشت معلوم ہوتا تھا۔ کوئی کھڑی فصل نظر نہ آتی تھی۔ زمین ابھی پُورے طور پر خشک نہ ہوئی تھی۔ امرتسر سے گذر کر تھانہ کتھوننگل کے پاس قافلہ رُکا۔ معلوم ہُوا بس کا ایک ٹائر پنکچر ہو چکا ہے۔ ڈرائیور اس کو درست کرنے لگا۔ امیر قافلہ نے فیصلہ کیا کہ ظہر و عصر کی نمازیں یہیں ادا کر لی جائیں۔ وہاں تھانہ کے اندر واٹر پمپ پر وضو سے فارغ ہونے کے بعد اذان دی گئی۔ غیر مُسلم اصحاب کو اچنبھا معلوم ہُوا ہو گا۔ لیکن اس وقت اہلِ قافلہ پر رقّت طاری تھی۔ ارد گرد سے غیر مُسلم بچّے اور نوجوان اذان کی آواز سُنکر جمع ہو گئے۔ احمدیوں کو امیرِ قافلہ نے نہایت رقّت سے نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد قافلہ پھر روانہ ہُوا۔ بٹالہ پہنچ کر موٹریں رُکیں۔ جہاں متعدد غیر مسلم احباب مسلمانوں کو دیکھنے کے لئے بس کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔

بٹالہ سے روانہ ہو کر جونہی قادیان کے قریب پہنچے اور منارۃ المسیح نظر آیا تو ارکانِ قافلہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے اور سب کے ہاتھ دُعا کے لئے آسمان کی طرف بلند ہو گئے۔ قافلہ کی وہی کیفیّت تھی جو جلسہ سالانہ ربوہ کے آخری روز دُعا کے وقت ہوتی ہے[1]۔

ڈلہ کے قریب آکر سڑک ابھی زیرِ تعمیر تھی۔ لہٰذا باوجود اس کے کہ سامنے قادیان نظر آ رہا تھا۔ لیکن سڑک کی خرابی کی وجہ سے موٹر موڑ کاٹ کر قادر آباد کے پاس سے دارالانوار کی سڑک پر سے ہوتی ہوئی حضرت مولوی عبد المغنی خانصاحب اور نیک محمد خانصاحب کے گھر کے درمیان سڑک کے ایک جانب رُکی جہاں صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب، حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب، جناب ملک صلاح الدین صاحب ناظر امور عامہ، جناب عبد الحمید عاجز صاحب ناظر بیت المال، چوہدری سعید احمد صاحب محاسب اور دیگر بزرگانِ سلسلہ اور درویش تشریف فرما تھے۔ ایک درویش نے بلند آواز سے تین دفعہ اَھْلًا وَّ سَھْلًا وَّ مَرْحَبًا کہا۔ سب سے پہلے مکرم شیخ بشیر احمد صاحب امیر قافلہ، اس کے بعد جناب سردار بشیر احمد صاحب نائب امیر اور پھر باری باری تمام افرادِ قافلہ موٹر سے اُترے۔ مدرسہ احمدیہ کے طالب علموں نے سامان اتارا اور مدرسہ احمدیہ میں پہنچا دیا۔ ساڑھے چھ بجے ہندوستانی ٹائم کے مطابق جو پاکستان سے نصف گھنٹہ آگے ہے،

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰ ر جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۴۔

مسجد مبارک میں مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر کے ادا کی گئیں۔ پھر بیت الدعا میں نوافل ادا کئے گئے۔ آٹھ بجے مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل کی مسجد مبارک میں تقریر تھی جس کا عنوان تھا "قبول احمدیت کے واقعات"۔ یہ تقریر مولوی بشیر احمد صاحب[1] مبلغ وامیر جماعت ہائے احمدیہ دہلی کی صدارت میں ہوئی۔

جلسہ کا افتتاح اور حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام

۲۶ دسمبر ۱۹۵۵ء کو صبح دس بجے سالانہ جلسہ گاہ میں جلسہ شروع ہوا۔ سٹیج کے دائیں جانب کرسیاں بچھائی گئی تھیں۔ بائیں طرف لوائے احمدیت لہرا رہا تھا۔ پہلا اجلاس امیر قافلہ محترم جناب شیخ بشیر احمد صاحب کی صدارت میں شروع ہوا۔ تلاوت ونظم کے بعد جلسہ کا افتتاح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے روح پرور پیغام سے ہوا جو صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر دعوت وتبلیغ و افسر جلسہ سالانہ نے پڑھ کر سنایا۔ حضور کے اس اثر انگیز پیغام کا متن یہ تھا:۔

" اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ـــــ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هُوَ النَّاصِرُ

برادرانِ جماعت احمدیہ ہندوستان!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

پارٹیشن کے بعد اکثر حصہ جماعت کا پاکستان آگیا اور ادھر جماعت بہت کم رہ گئی۔ مگر بڑا نقص یہ ہوا ہے کہ جماعت کے اکثر حصہ اور خود میرے ادھر آجانے کی وجہ سے وہ جوش اور اخلاص ہندوستانی جماعت میں نہیں رہا جو پہلے ہوتا تھا۔

اے عزیزو! مذہب کا تعلق کسی شخص یا چند افراد سے نہیں ہوتا بلکہ ہر شخص کا تعلق خدا تعالیٰ سے براہِ راست ہے۔ پس ہمت کرو اور دلوں کو مضبوط کرو اور تبلیغ کو وسیع کرو اور اپنے اردگرد کے ہر مذہب اور ملت کے آدمیوں تک پیغام حق پہنچاؤ۔

---

[1] حال ناظر دعوت وتبلیغ قادیان۔

خصوصاً قادیان کی جماعت کو چاہیئے کہ اپنے ارد گرد کے ہندؤوں اور سکھوں سے ایسے گھُل مل کر رہیں اور ایسے پریم و محبت سے رہیں کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ احمدی ان کی ترقی کے خواہاں ہیں۔ ان کے بدخواہ نہیں۔ حضرت باوا نانک کو دیکھو کہ کس طرح اکیلے اُٹھے اور خالص اسلامی علاقوں ملتان اور ہزارہ (میں) چلے گئے وہاں دعائیں کیں۔ اور چلّہ کشیاں کیں اور اپنے سے محبت پیدا کرنے والے لوگ پیدا کرلئے۔ تم بھی اگر خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرو گے اور تہجد اور ذکرِ الٰہی پر زور دو گے تو تمہارے ارد گرد کے رہنے والے لوگ تم سے دُعائیں کروائیں گے تم سے محبت کریں گے اور تمہاری بزرگی کا اثر ان کے دلوں پر ہوگا۔ اَب تم میں سے ہر شخص یہ بھُول جائے کہ وہ زید یا بکر ہے۔ بلکہ یہ یقین کرے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خلیفہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مُلک میں نمائندہ ہے۔ پس اپنے مقام کو سمجھو اور مجھے یہ خوش خبریاں بھجواؤ کہ خدا تعالیٰ نے تمہاری زبانوں میں اثر دیا ہے اور جوق در جوق لوگ احمدیت میں داخل ہو رہے ہیں اور تمہارے ایمانوں میں اتنی طاقت دی ہے کہ قادیان کی مالی حالت روز بروز درست ہوتی جا رہی ہے۔ اور تبلیغ کا سلسلہ وسیع ہو رہا ہے۔

والسّلام

مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی)[1]

حضور کا یہ پیغام بھارتی احمدیوں بالخصوص درویشانِ قادیان کے جوشِ عمل، تبلیغی ولولہ اور ذوقِ دُعا میں غیر معمُولی اضافہ کا موجب ہُوا۔ اور اس نے ان کے اندر ایک نئی رُوح پھونک دی۔ بھارت کے احمدی جو تقسیمِ مُلک سے قبل اپنے محبوب آقا کی زیارت اور زندگی بخش کلمات سُننے کے لئے دیوانہ وار آتے تھے۔ اَب اس بے تابی اور بیقراری کے ساتھ حضور کا یہ پیغام سُن رہے تھے۔ اور پھر اس کا حضور ہی کے لختِ جگر کے مُنہ سے سُننا قندِ مکرّر کا سا رنگ رکھتا تھا۔

اس پیغام کے بعد پروگرام کے مطابق پہلا مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے خادمِ خاص حضرت

---

[1] روزنامہ "بدر" قادیان ۷ جنوری ۱۹۵۶ء / ۷ صلح ۱۳۳۵ہش صفحہ ۱۔

بھائی عبدالرحمن صاحب قادیان کا "ذکرِ حبیب" کے موضوع پر تھا، جو صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ہی نے پڑھ کر سنایا۔ جو نہایت ایمان افروز چشم دید واقعات پر مشتمل تھا۔ آپ کے بعد حضرت حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری نے "زندہ خدا" کے عنوان پر تقریر فرمائی۔

نماز ظہر وعصر کی ادائیگی کے بعد دوسرا اجلاس صاحبزادہ میاں عبدالسلام صاحب عمر کی صدارت میں ہوا جس میں مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری نے "اسلام کا نظریہ حیات" کے عنوان پر اور مولانا محمد سلیم صاحب نے "اسلامی اصولوں کی برتری" کے موضوع پر تقریر کی۔ ان تقاریر کے درمیان مشہور احمدی شاعر جناب قیس مینائی صاحب نے اپنا کلام سنایا۔

جلسہ کا دوسرا دن

پروگرام کے مطابق جلسہ کی کارروائی سیٹھ معین الدین صاحب چنتہ کنٹہ حیدر آباد دکن کی صدارت میں ہوئی۔ پہلے اجلاس میں جن فاضل مقررین نے خطاب فرمایا اُن کے نام یہ ہیں۔ جناب مولوی بشیر احمد صاحب مبلغ کلکتہ۔ جناب مولوی شریف احمد صاحب امینی۔ حضرت حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری۔

دوسرے اجلاس میں جو حضرت حکیم صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ میاں عبدالسلام صاحب عمر اور مہاشہ محمد عمر صاحب مربی سلسلہ کی تقاریر ہوئیں۔

جلسہ کا تیسرا دن ۲۸ دسمبر

تیسرے دن کا پہلا اجلاس محترم جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کی صدارت میں ہوا جس میں مولوی غلام باری صاحب سیف پروفیسر جامعہ احمدیہ ربوہ۔ مولوی بشیر احمد صاحب مبلغ کلکتہ اور محمد کریم اللہ صاحب ایڈیٹر ہفت روزہ "آزاد نوجوان" نے تقاریر کیں۔ صدارتی تقریر میں محترم شیخ صاحب نے تعلق باللہ کی طرف توجہ دلائی جو مذہب کا اصل مقصد ہے۔ آخری اجلاس میں جو حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب فاضل جٹ کی زیرِ صدارت ہوا۔ بالترتیب مولوی بشیر احمد صاحب فاضل اور مولوی محمد سلیم صاحب نے سکھ مسلم ہندو اتحاد اور جماعت احمدیہ کے مستقبل پر تقاریر کیں۔ آخر میں صاحبِ صدر نے بھارت اور دیگر ممالک سے آمدہ تاریں سنائیں۔ نیز وزیرِ اعلیٰ پنجاب جناب بھیم سین سچر اور دیگر وزراء کے علاوہ سردار دیوان سنگھ صاحب مفتون ایڈیٹر

ا؎ یہ مضمون اخبار "بدر" ۱۴ تا ۲۸ مارچ ۱۹۵۶ء میں چھپ گیا۔

هفت روزہ "ریاست" دہلی کے خطوط بھی سُنائے اور انتظامات جلسہ کے لئے حکام کا شکریہ ادا کیا۔ اور پھر حاضرین سمیت ایک پُرسوز لمبی دُعا کرائی۔ [1]

جلسہ کے سامعین اس جلسہ میں پاکستانی قافلہ اکتالیس افراد پر مشتمل تھا جن کے علاوہ کم وبیش مزید اسّی پاکستانی احمدی شامل جلسہ ہوئے۔ بھارت سے جن دو سو بیس احباب نے شرکت کی اُن کا تعلق مندرجہ ذیل مقامات سے تھا:۔

(۱) کشمیر (آسنور۔ رشی نگر)۔ (۲) جموّں (جموں شہر۔ بھدرواہ)۔ (۳)۔ ریاست چنبہ۔ (۴)۔ یوپی (بریلی ولکھنو وغیرہ)۔ (۵) بمبئی (بمبئی شہر۔ ہبلی)۔ (۶) بہار و بھاگلپور وغیرہ۔ (۷)۔ اڑیسہ (سونگھڑہ۔ کیرنگ)۔ (۸) دکن (حیدر آباد۔ سکندر آباد۔ تیما پور چنتہ کنٹہ۔ یاد گیر)۔ (۹) بنگال (کلکتہ۔ بھرت پور)۔ (۱۰) جنوبی ہند (شموگہ وغیرہ)۔ [2]

جلسہ مستورات جلسہ مستورات حضرت مولوی عبد المغنی صاحب کے مکان سے ملحقہ چار دیواری کے اندر منعقد ہُوا۔ جہاں سات سو سے اوپر خواتین کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ ۲۶ر اور ۲۸ر دسمبر کا مردانہ پروگرام یہاں بذریعہ لاؤڈ سپیکر سنایا گیا اور ۲۷ر دسمبر کو احمدی مستورات کی تقاریر ہوئیں۔

قادیان کی رُوحانی فضا قادیان کی رُوحانی فضا ہمیشہ دُعاؤں سے معمور رہتی ہے۔ مگر جلسہ کے ان مبارک ایام کا رنگ ہی جدا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ زمانہ چودہ صدیاں پیچھے کی طرف ہٹ گیا ہے۔ ؎

وہی مے ان کو ساقی نے پلا دی ؛ فَسُبْحَانَ الَّذِی اَخْزَی الْاَعَادِی

مکرم سیّد عبد السلام صاحب سیالکوٹی کا معمول تھا کہ آپ ان دنوں تہجد کے لئے خاص التزام سے جگاتے اور اس غرض سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ اشعار نہایت بلند آواز سے پڑھتے تھے کہ :۔

کون روتا ہے کہ جس سے آسماں بھی رو پڑا ؛ مہر و مہ کی آنکھ غم سے ہوگئی تاریک و تار

مَیں وہ پانی ہوں جو آیا آسماں سے وقت پر ؛ مَیں وہ ہوں نُورِ خدا جس سے ہُوا دن آشکار

---

[1] "بدر" قادیان ۷ر جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۴۔ [2] ایضاً۔

سونے والو جلد جاگو یہ نہ وقتِ خواب ہے ٭ جو خبر دی وحیِ حق نے اس سے دل بیتاب ہے

کچھ احباب پہلے ہی جاگے ہوتے اور کچھ ان پُر درد اشعار کو سُن کر جاگ اُٹھتے۔ بہت سے نوجوان بیت الدعا کے باہر انتظار میں کھڑے نظر آتے۔ بعض اس مبارک کمرہ میں سربسجود دکھائی دیتے۔ نمازِ تہجد مولوی شریف احمد صاحب امینی پڑھاتے اور نماز فجر حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب امیر جماعت کی اقتدا میں ادا کی جاتی۔ بعد ازاں درس ہوتا اور پھر بہشتی مقبرہ کی سڑک پر احمدیّت کے پروانوں کا تانتا بندھ جاتا[1] اور حضرت مسیح موعود و مہدیٔ مسعود علیہ السلام کا مزارِ مبارک حضور کا شہ نشین اور مقامِ بیعتِ خلافت اُولیٰ اُن کی دُعاؤں کے خصوصی مراکز بن جاتے تھے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے عظیم فرزندِ جلیل کی اس پیشگوئی کا حیرت انگیز ظہور تھا کہ ؎

اِنِّیْ اَمُوْتُ وَلَا یَمُوْتُ مُحَبَّتِیْ ٭ یُدْرٰی بِذِکْرِکَ فِی التُّرَابِ نِدَائِیْ[2]

مَیں تو مَر جاؤں گا۔ مگر میری محبت نہ مرے گی۔ بلکہ قبر میں سے بھی تیری یاد کی ندا پائی جائے گی۔

قافلہ کی واپسی

۳۰ دسمبر کو قافلہ کی واپسی کا دن تھا۔ جلسہ گاہ کے دروازہ کے سامنے بس پر سامان لادا گیا۔ زائرین نے درویشوں کے ساتھ مل کر دُعا کی جس کے بعد قافلہ پولیس کی معیت میں نعرہ ہائے تکبیر اور اسلام زندہ باد کے درمیان واپس روانہ ہوا۔ اور اُسی دن بخیریت پاکستان پہنچ گیا[3]

ربوہ کا سالانہ جلسہ اور حضرت مصلح موعودؓ کی ایمان افروز تقریریں

جلسہ سالانہ قادیان کے کوائف کے بعد اب جلسہ سالانہ ربوہ کی تفصیلات دی جاتی ہیں۔

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے علالتِ طبع کے باوجود حسبِ معمول سالانہ جلسہ کے اس مبارک اجتماع سے بھی تین بار خطاب فرمایا۔

۱۔ افتتاحی تقریر (۲۶ دسمبر ۱۹۵۵ء) میں حضور نے سب سے پہلے اپنی بیماری کا بالتفصیل ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ :-

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۱ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۵۔ (مضمون مولوی غلام باری صاحب سیف بعنوان "کوائف قادیان"۔

[2] "منن الرحمٰن" صفحہ ۱۲۲ تالیف ۱۸۹۵ء۔ [3] روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۵۔

"کتنا عظیم الشان فرق بارہ مہینے میں پڑا ہے۔ بارہ مہینے پہلے مَیں بالکل تندرست تھا مگر اس کے بعد مَیں ایک سخت بیماری میں مبتلا ہُوا جس کے اثرات اَب تک باقی ہیں اس بیماری کا جو ظاہری جسمانی حصّہ پر اثر تھا۔ اس میں تو کمی ہے۔ ہاتھ پیر ہلاتا ہوں، چل لیتا ہوں۔ لیکن ابھی کئی قسم کے اثرات باقی ہیں مثلاً نظر بہت کم کام کرتی ہے۔ گو ڈاکٹر کہتے ہیں موتیا بند نہیں ہے لیکن کوئی اعصابی مرض ہے تھوڑا سا بھی پڑھوں تو سر چکرا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے سارا دن گھبراہٹ میں گذرتا ہے۔ جب تک میری بیوی مجھے ڈاک وغیرہ سُناتی رہے یا قرآن شریف کے نوٹ لکھتی رہے طبیعت ٹھیک رہتی ہے۔ بہرحال یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ کئی ڈاکٹروں نے حتّٰی کہ یوروپین ڈاکٹروں نے بھی جو دین کے اتنے قائل نہیں کہا کہ آپ کی صحت معجزانہ ہے۔ حالانکہ وہ دین کے قائل نہیں ہیں مگر اُن کے مُنہ سے بھی ایسا فقرہ نکل گیا۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ جرمنی میں ایک ڈاکٹر مجھے دیکھ کر کہنے لگا کہ

YOUR CURE WAS MIRACULOUS

اسی طرح یہاں کے بھی کئی ڈاکٹروں نے کہا کہ یہ ایک معجزانہ بات تھی۔ اَب اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اس معجزہ کو کامل کر دے اور وہ جو اب تک میرے دماغ پر بوجھ ہے اس کو دُور کر دے.....
میری بیماری زیادہ تر اعصابی رہ گئی ہے جہاں تک اصل بیماری کا سوال تھا۔ ڈاکٹروں کا یہی خیال ہے کہ وہ جا چکی ہے۔ صرف اعصابی تکلیف باقی ہے چنانچہ سوئٹزرلینڈ کا ایک مشہور ڈاکٹر جسے بوسٹن میڈیکل کالج امریکہ والے بھی (جو وہاں کا بڑا بھاری کالج ہے) تقریر کے لئے بلایا کرتے ہیں۔ اور جس کے متعلق ہمارے دوستوں نے بھی وہاں سے مشورہ کر کے تار کے ذریعہ ہمیں لکھا تھا کہ اسے ضرور دکھاؤ اس کا فقرہ یہ تھا کہ اَب یہ بیماری آپ کے اختیار میں ہے آپ زور لگائیں اور بھول جائیں۔ مَیں نے کہا کہ مَیں بھولوں کس طرح اس کا بھی علاج بتاؤ کہنے لگا اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ کی صحت بیماری کے حملہ سے پہلے بہت اچھی تھی اَب یک دم اس چیز میں جو کمی آئی ہے وہ آپ کو بہت محسوس ہوتی ہے اور آپ اس کو بھلا نہیں سکتے پھر جب مَیں اُٹھا تو یوروپین لوگوں کے طرز کے مطابق میرے سینے کی طرف اپنا ہاتھ کر کے اور اُنگلی ہلا کر کہنے لگا کہ میری نصیحت آپ کو یہ ہے کہ

BE OPTIMISTIC —— BE OPTIMISTIC

اپنی امید مضبوط کرو۔ پھر یہ بیماری جاتی رہے گی۔ وہ کہنے لگا جہاں تک طبّی سوال ہے میرے نزدیک

بیماری چلی گئی ہے۔ لیکن آپ اپنے نفس پر قابو کر کے اسے بھلا دیں۔ گو آپ کے لئے یہ مشکل ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی صحت پہلے بہت اچھی تھی یک دم جو آپ آکے ناکارہ ہوگئے تو جو صدمہ آپ کے دماغ کو پہنچا ہے اس کی وجہ سے آپ بیماری کو بھلا نہیں سکتے مگر کوشش کریں کیونکہ علاج یہی ہے جس دن آپ اپنی طبیعت پر غالب آجائیں گے۔ جہاں تک جسمانی مرض کا سوال ہے وہ ختم ہو جائیگی۔ یہ بہت بڑا فرق ہے جو میری صحت میں واقعہ ہوا۔ کجا بارہ مہینے پہلے کی حالت اور کجا آج کی حالت۔ سوائے اس کے کہ جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے بعض دفعہ ایسا وقت بھی آتا ہے کہ مَیں اپنے آپ کو بالکل تندرست محسوس کرتا ہوں۔ پچھلے مہینے میں نومبر کے آخر میں یا دسمبر کے شروع میں پندرہ دن ایسے رہے کہ مَیں کمرہ میں ٹہلتا تھا آخر ٹہلنا پڑتا ہے کیونکہ گھبراہٹ ہوتی ہے اور یہ بھی غالباً اس بیماری کے نتیجہ میں ہے کہ چونکہ پہلے چلنا پھرنا بند ہو گیا تھا۔ طبیعت اندرونی طور پر محسوس کرتی ہے کہ مَیں چل کے دیکھوں کہ چل سکتا ہوں یا نہیں تو ٹہلتا ہوں اور ٹہلتا چلا جاتا ہوں یہاں تک کہ پیر تھک جاتے ہیں غرض پندرہ دن ایسے رہے کہ میرا دماغ بالکل یوں محسوس کرتا تھا کہ اس پر کوئی بوجھ نہیں اور نماز میں مجھے بھولنا بھی بند ہو گیا تھا۔ شروع شروع میں جب مَیں کراچی گیا ہوں تب تو یہ حال تھا کہ پاس آدمی بیٹھتے تھے جو بتاتے جاتے تھے کہ اَب سجدہ کریں اَب سجدہ سے اُٹھیں۔ یہاں بھی آکر کچھ بُھولا مگر پھر ٹھیک ہو گیا مگر اس کے بعد پھر یہی کیفیت ہو گئی جس پر مَیں نے اپنے ساتھ ایک آدمی کھڑا رکھنا شروع کیا کہ تم کھڑے ہو جاؤ گے تو مجھے پتہ لگ جائے گا کہ کھڑا ہونا ہے بیٹھ جاؤ گے تو مجھے پتہ لگ جائے گا کہ مجھے بیٹھنا ہے۔ مگر آہستہ آہستہ خدا تعالیٰ نے طبیعت پر ایسا قابو دے دیا کہ بغیر اس کے بیٹھنے یا قطع نظر اس کے کھڑا ہونے کے مَیں آپ ہی آپ کھڑا ہو جاتا تھا اور رکوع کرتا تھا اور تشہّد پڑھتا تھا اسی طرح گھر میں نماز پڑھتا ہوں تو بیوی کو بٹھا لیتا ہوں کہ دیکھتے جانا میں غلطی تو نہیں کرتا۔ مگر کئی دفعہ ایسے وقت بھی آتے ہیں کہ نماز بالکل ٹھیک پڑھتا ہوں اور کوئی بات نہیں بھولتی۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ محض دُعاؤں کا نتیجہ ہے اور دُعاؤں کے ساتھ ہی اس کا تعلق ہے۔ مجھے خدا تعالیٰ نے خواب میں بھی یہی بتایا ہے[۱]"

---

[۱] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳، ۴ ۔

اسی تسلسل میں حضور نے اگلے روز مزید بتایا کہ :۔

" بڑی مشکل یہ ہے کہ سب سے زیادہ اثر اس بیماری کا میری آنکھوں پر پڑا ہے۔ شروع میں تو اس کا پتہ بھی نہیں لگا لیکن آہستہ آہستہ پتہ لگا۔ اب میں پڑھ نہیں سکتا۔ یہ مطلب نہیں کہ حرف نظر نہیں آتے۔ حرف تو نظر آتے ہیں بلکہ اب بھی اگر پڑھنے والی عینک لگاؤں تو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ بغیر عینک کے مجھے زیادہ آرام رہتا ہے لیکن طبیعت میں پریشانی شروع ہو جاتی ہے۔ لائل پور میں ایک بڑے لائق ڈاکٹر ہیں۔ میں نے ان کو یہاں بلوایا اور میں نے کہا کہ دیکھئے میں نے قرآن شریف کا ایک سیپارہ ہی پڑھا تھا کہ میری طبیعت گھبرا گئی۔ اس بے چارے کو تو قرآن شریف پڑھنے کی عادت نہیں تھی کہنے لگا ایک سیپارہ یہ تو بڑی چیز ہے۔ میں نے کہا آپ میرا حال تو نہیں جانتے میں نے تو تندرستی میں بعض دفعہ رمضان شریف میں پندرہ پندرہ سولہ سولہ سیپارے ایک سانس میں پڑھے ہیں۔ پس میری تو ایک سیپارہ پر گھبراہٹ سے جان نکلتی ہے کہ مجھے ہو کیا گیا ہے کہ یا تو پندرہ سولہ سیپارہ پڑھنے اور ساتھ ہی زبان سے بھی پڑھتے جانا اور آنکھوں سے بھی دیکھتے جانا اور کجا یہ کہ ایک سیپارے کے ساتھ ہی گھبراہٹ شروع ہو جاتی ہے۔ وہ بے چارہ اس پر کہنے لگا کہ یہ تو بہت بڑا کام ہے۔" [۱]

اس تفصیل کے بعد حضور نے نہایت زور دار اور پُر شوکت الفاظ میں وقفِ زندگی کی تحریک کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ فرمایا :۔

" حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ مجھ سے خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تین سو سال تک تمہاری جماعت بڑی طاقتور اور مضبوط ہو جائے گی۔ تین سو سال کا عرصہ بڑا لمبا عرصہ ہے یوں تو مومن کو قیامت تک کے لئے عزم کرنا چاہیئے لیکن کم سے کم تین سو سال تک تو ہماری آئندہ نسلوں کو یہ عزم کرنا چاہیئے کہ یکے بعد دیگرے ہم سلسلہ کا بوجھ اٹھانے چلے جائیں گے اور اسلام کی اشاعت میں کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔

اس وقت میں دیکھتا ہوں کہ نئے خاندانوں میں سے تو لوگ وقف کی طرف آرہے ہیں مگر پرانے

۱؎ روزنامہ الفضل ربوہ ۱۴ر فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳-۴)

خاندانوں میں سے کم آ رہے ہیں۔ پس سلسلہ کے لئے بھی دُعا کرو اور ان لوگوں کے لئے بھی دُعا کرو جن کو خدا تعالیٰ نے پہلے احمدیت کی خدمت کی توفیق دی تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کے خاندانوں کو بھی اس کی توفیق دیتا رہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعد میں آنے والے مومن ہمیشہ دُعا کرتے رہتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں بھی بخش اور ان کو بھی بخش جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں تو ان لوگوں کا بھی حق ہے کیونکہ ان کے ذریعہ سے ہی ایمان آپ تک پہونچا ہے اس طرح آپ لوگ کوشش کریں کہ خدا تعالیٰ آپ میں ایمان قائم رکھے اور ایسا ایمان قائم رکھے کہ وقف کے ذریعہ سے جماعت کی ترقی کے لئے آپ لوگ ہمیشہ کوشاں رہیں۔ بے شک خدمات کے کئی ذرائع ہیں۔ قومی طور پر تو یہی ذریعہ ہے کہ اپنے ایمانوں کو مضبوط رکھا جائے۔ جیسے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سارے لوگ وقف نہیں کر سکتے کچھ لوگ کر سکتے ہیں۔ سارے لوگوں کا وقف یہی ہے کہ تمام لوگ ایمانوں کو پختہ رکھیں اور اپنی قربانی کو بڑھاتے چلے جائیں۔ اگر سارے لوگ اپنے ایمانوں کو پختہ نہ رکھیں اور قربانی نہ بڑھاتے چلے جائیں تو وقف کرنے والے کھائیں گے کہاں سے اُن کے کھانے پینے کا تبھی سامان ہو سکتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ جماعت کو توفیق دیتا چلا جائے اور اس کے چندے بڑھتے چلے جائیں آخر یہ سلسلہ بڑھے تو ہمیں دس پندرہ ہزار واقفین چاہئیں۔ مُلک کا معیارِ زندگی اتنا بڑھتا چلا جاتا ہے کہ جو اچھی دینی یا دنیوی تعلیم والے ہوں گے ان کو اپنے ہمسایوں کے حالات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے کم سے کم چار پانچ سو روپیہ ماہوار کی ضرورت ہوگی اس کے معنی یہ بنتے ہیں کہ اگر دس ہزار واقفین ہوں تو چالیس پچاس لاکھ روپیہ ماہوار کی آمدن ہونی چاہیئے۔ یعنی چھ کروڑ روپیہ سالانہ۔ تب جا کے اتنے واقفین مل سکتے ہیں جو سلسلہ کی ساری ضرورتوں کو پورا کر سکیں۔ اگر آپ لوگ اپنی نسلوں میں یہ احساس پیدا کریں کہ تم میں سے جو وقف کرے دوسرے لوگ اس کی خدمت کیا کریں تو یہ کام بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے اس کے علاوہ اپنے چندے بڑھاؤ اپنے دوستوں کے بھی بڑھواؤ اور جو غیر احمدی دوست ہیں ان سے بھی چندے لو ان میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جن کے اندر دین کا درد ہے مجھے یاد ہے میر محمد اسحٰق صاحب مرحوم جب بچے تھے حضرت خلیفہ اوّلؓ نے میر ناصر نواب صاحب مرحوم کو جو ہمارے نانا تھے فرمایا کہ اسحٰق کو میرے پاس بھیجا کریں۔ میں اس کو قرآن حدیث پڑھاؤں گا۔ وہ تھے تو اہلِ حدیث مگر طبیعت بڑی جوشیلی تھی کہنے

لگے اسماعیل ڈاکٹری میں پڑھتا ہے۔ اسحٰق اگر آپ کے پاس قرآن حدیث پڑھے گا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہمیشہ میرا ایک بیٹا میرے دوسرے بیٹے کے آگے ہاتھ پھیلائے گا کہ میرے لئے کچھ کھانے کا سامان کرو۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ فرمانے لگے کہ میر صاحب آپ یہ کیوں کہتے ہیں کہ میرا ایک بیٹا دوسرے بیٹے کے آگے ہاتھ پھیلائے گا۔ آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ میرے اس بیٹے کے طفیل خدا دوسرے بیٹے کو رزق دے گا۔ تو اپنی اولاد کو آپ لوگ یہ احساس پیدا کرائیں کہ جو تم میں سے واقف زندگی ہو تمہارا فرض ہے کہ اپنی آمدنوں میں سے ایک معقول حصّہ اس کی خدمت کے لئے دیا کرو تاکہ اس کی فکرِ معیشت دُور ہو جائے۔ سو ایک طرف جو دنیوی تعلیم حاصل کرنے والے لڑکے ہیں ان کو یہ تعلیم دیں اور جو دوسرے ہیں اُن کو دینی تعلیم دلائیں اور اصل چیز تو یہ ہے کہ قرآن شریف اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی کتابیں پڑھ پڑھ کے آپ لوگ خود اپنی تعلیم اتنی مکمل کریں کہ اپنے گھروں میں ہی ہر شخص واقف ہو جائے۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے جو صحابہؓ تھے وہ کون سے شاہد پاس تھے؟ بس اک آگ ان کے دلوں میں لگی ہوئی تھی۔ وہ آگ لگ جائے تو سب کام آپ ہی آپ ہو جاتے ہیں۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ جو لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی کتابوں کو غور سے پڑھتے ہیں سلسلہ کا لٹریچر غور سے پڑھتے ہیں قرآن شریف و حدیث غور سے پڑھتے ہیں بغیر اس کے کہ اُن کو کوئی بڑا علم آتا ہو وہ دُنیا کے بڑے سے بڑے عالم پر غالب آجاتے ہیں اور کوئی شخص ان کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکتا۔ مجھے یاد ہے لنڈن میں ہمارے مبلغ ہوتے تھے چودھری ظہور احمد باجوہ وہ آجکل ناظر رشد و اصلاح[1] ہیں اُن کے ساتھ بعض دفعہ لوگوں کی گفتگو ہوتی تھی بعض دفعہ انگریزوں کی اور بعض دفعہ جو بڑے بڑے ہوشیار اور جہاندیدہ پیغامی مبلّغ وہاں ہیں اُن کی جب وہ سوال و جواب آتا تو ہمیشہ اُن کا خط پڑھ کر میرا دل کانپتا تھا کہ یہ کوئی غلطی نہ کر بیٹھیں مگر ہمیشہ ہی مَیں نے دیکھا کہ جب مَیں ان کا جواب پڑھتا تھا تو دل خوش ہو جاتا تھا وہ ایسا مکمّل اور اعلیٰ جواب ہوتا تھا کہ میرا دل مانتا تھا کہ اس شخص کی اللہ تعالیٰ نے مدد کی ہے۔"[2]

---

[1] بعد ازاں ناظر امور عامہ بنے اب ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد (تعلیم القرآن) ہیں۔

[2] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰ ؍فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۴-۵۔

اس سلسلہ میں حضور نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت علیؓ کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:۔

"ابراہیمؑ کی نسل میں بھی ان کے ایک بیٹے سے بارہ امام بنے تھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ سے بھی بارہ امام پیدا ہوئے۔ مگر کتنا افسوس ہے کہ بعض مخلص لوگ فوت ہوتے ہیں تو ان کے بیٹے ہی خراب ہوجاتے ہیں اور بعض کا پوتا خراب ہوجاتا ہے۔ مگر علیؓ کے اندر کیسا ابراہیمی ایمان تھا اور ابراہیمؑ کے اندر کیسا ایمان تھا کہ بارہ نسلوں تک برابر اُن میں یہ ذمہ داری کا احساس چلتا چلا گیا کہ ہم نے دین کی خدمت کرنی ہے۔ اگر تمہارے بچے بھی یہ ارادہ کرلیں تو پھر کوئی فکر نہیں بڈھوں نے تو آخر مرنا ہے۔ خدا تعالیٰ نے آدمؑ کے زمانہ سے لیکر آج تک ہر ایک کے لئے موت مقرر کی ہوئی ہے مگر جب یہی بچے بڈھے بن جائیں گے تو پھر کوئی فکر نہیں ہوگی کہ دین کا کیا بنے گا۔ یہی نو دس سال کے بچے ایسے طاقت ور پہاڑ بنیں گے کہ اگر دُنیا ان سے ٹکرائے گی تو دُنیا کا سر پاش پاش ہوجائے گا مگر یہ اپنے مقام سے نہیں ہٹیں گے۔ اور احمدیّت کو دُنیا کے کناروں تک پہنچا کے رہیں گے۔ لیکن یہ سارے کام دعاؤں سے ہوسکتے ہیں ہمارے اختیار میں تو خود اپنا دل بھی نہیں ہوتا لیکن خدا کے اختیار میں ہمارا بھی دل ہے اور ہماری اولادوں کا بھی دل ہے اور اولادوں کی اولادوں کا بھی دل ہے۔ ہمیں تو دس بارہ نسلیں کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کیوں کہ نظر تو یہ آتا ہے کہ بارہ تک پہنچنا بھی ہمارے اختیار میں نہیں۔ اگر یہ دریا کی لہر ہمارے دہانے میں سے گذرے تو خبر نہیں بارہ نسلوں تک پہنچے گی بھی یا نہیں مگر خدا کی یہ طاقت ہے کہ وہ بارہ ہزار نسلوں تک پہنچا دے اس لئے آؤ ہم خدا سے دُعا کریں کہ وہ اس جلسہ کو بابرکت کرے اور اللہ تعالیٰ ہماری اولادوں کو ہزاروں پشتوں تک دین کا بوجھ اٹھانے کی توفیق دے اور ہمیشہ ان میں ایسے کامل انسان پیدا ہوں جو اللہ تعالیٰ سے براہ راست تعلق رکھنے والے ہوں اور اس کے دین کی اشاعت کرنے والے ہوں تاکہ احمدیت اور اسلام کا پیغام دُنیا میں پھیل جائے اور ہم خدا تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہوجائیں۔ اپنی طاقت سے نہیں، اپنی قوّت سے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے۔ کیونکہ یہ طاقت خدا میں ہے ہم میں نہیں"[1]

حضورؓ نے خطاب کے آخر میں خاص طور پر دو امور کا ذکر فرمایا۔ ایک تو یہ کہ دوست دُعا

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰ر فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۵۔

کریں کہ اللہ تعالیٰ ہندوستان اور پاکستان کے رہنے والوں کو اسلام میں بھی متحد کر دے اور سارے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہو جائیں۔ دُوسرا امر یہ تھا کہ حضورؓ سے ملاقاتوں کے اوقات طبّی مشورہ کے مطابق کم کر دیئے گئے ہیں احباب کو اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ دونوں امور ذیل میں حضورؓ ہی کے مبارک الفاظ میں درج کئے جاتے ہیں:۔

"ہندوستان میں چالیس کروڑ کی آبادی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ فضل کرے اور ہمیں ایک کروڑ بھی ان میں سے مل جائے تو قادیان کی آبادی کے لئے یہ بڑا کافی ہو جاتا ہے مگر ہم تو اپنی کمزوری کی وجہ سے ایک کروڑ کہتے ہیں۔ ورنہ چالیس میں سے اکتالیس ملنے چاہئیں۔ چالیس تو وہ جواب ہے اور ایک وہ جو اس وقت تک پیدا ہو جائے گا۔ سو اللہ تعالیٰ فضل کرے کہ اگر اب احمدیت اور اسلام کو اس مُلک میں پھیلا دے تو یہ جو سیاسی روکیں ہیں یہ آپ ہی آپ دُور ہو جاتی ہیں۔ اگر سارے دل اکٹھے ہو جائیں، سارا ہندوستان مسلمان ہو جائے تو پاکستان اور ہندوستان کا دل ایک ہو جائے گا۔ آج تو لوگ کہتے ہیں ہندوستان میں یہ تفرقہ پاکستان کے خلاف ہوئی اور ہندوستان والے کہتے ہیں پاکستان میں یہ تفرقہ ہندوستان کے خلاف ہوئی۔ لیکن اگر دونوں کے دلوں میں ایمان پیدا ہو جائے اور وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں تو ایک دوسرے کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ پس دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس طرح دلوں کو آپس میں صاف کر دے کہ ایک دوسرے کے حق بھی مل جائیں اور پھر ایمان میں بھی متحد ہو جائیں اور سارے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہو جائیں اور سب ہی ہم کو پیارے ہو جائیں کیونکہ اصل حکومت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت ہندوستان میں قائم ہو جائے تو پاکستان اور ہندوستان کے اختلافات آپ ہی ختم ہو جاتے ہیں کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت میں کوئی بارڈر نہیں وہ ساری ایک ہے ہم تو کسی زمانہ میں ایک وطنی تھے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ میرے مذہب میں کالے گورے کی کوئی تمیز نہیں۔ ایرانی اور رومی اور عرب میں کوئی تمیز نہیں۔ پس اگر خدا تعالیٰ ان سب کو مسلمان بنا دے اور خدا تعالیٰ سے یہ کوئی بعید بات نہیں تو سارے جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں اور ہمارے دونوں مُلک اتحاد اور اتفاق کے ساتھ بہت سی ترقیات حاصل کر سکتے ہیں جو اس اختلاف کے ساتھ نہیں حاصل کر سکتے"[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۹ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۶۔

پھر فرمایا :-

" ملاقاتیں مختصر کی گئی ہیں ۔ اُمید ہے کہ دوست اس کی پرواہ نہیں کریں گے ۔ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں تو ملاقاتیں ہُوا ہی نہیں کرتی تھیں ۔ آپ سیر کو جاتے تھے تو دوست دیکھ لیتے تھے اور اگر بعض کو موقع ملتا تو مصافحہ بھی کر لیتے تھے ۔ تقریریں بھی مختصر ہوتی تھیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حضرت مسیح موعودؑ کی آخری جلسہ کی تقریر مجھے یاد ہے پچاس یا پچپن منٹ کی ہوئی تھی ۔ اور ہم بڑی باتیں کرتے تھے کہ آج بڑی لمبی تقریر ہوئی ہے ۔ اور جماعت میں بڑا شور پڑا کہ آج حضور نے بڑی تقریر کی ہے ۔ آپ لوگوں کو چھ چھ گھنٹے سُننے کی عادت پڑی ہوئی ہے ۔ اب بیس پچیس یا تیس منٹ کی تقریر ہو تو بڑے مایوس ہو جاتے ہیں کہ بہت چھوٹی تقریر ہوئی ہے لیکن اصل تقریر تو وہی ہے جس کو آپ اپنے دل میں رکھ لیں ۔ جو میرے مُنہ سے نکل کر ہَوا میں اُڑ جائے وہ کوئی تقریر نہیں چاہے ، وہ آٹھ گھنٹے کی ہو یا بیس گھنٹے کی ہو اور جو آپ اپنے دل میں رکھ لیں وہ پانچ منٹ کی بھی بڑی ہے[1] "

پریس نوٹ

لاہور کے روزنامہ " نوائے وقت " نے اس تقریر کا خلاصہ درج ذیل الفاظ میں شائع کیا :-

" مرزا البشیر الدین محمود کی تقریر "

لاہور ۔ ۲۷ دسمبر ۔ فرقہ احمدیہ کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے آج بین الاقوامی احمدی کانگرس کے نویں سالانہ اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے نوجوانوں کو تلقین کی کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیروی کو اپنا شعار بنائیں[2] "

۲۷ دسمبر کی ایمان افروز تقریر

دوسرے دن کی ایمان افروز تقریر میں حضور نے جماعت کو ہدایت فرمائی کہ خدمتِ خلق کے کام کو پُوری توجہ سے جاری رکھیں ۔ رسالہ " ریویو آف ریلیجنز " کی اشاعت دس ہزار تک پہنچانے کی کوشش کریں ۔ سکنڈے نیویا میں مشن کھولا جا رہا ہے اس کے لئے مالی قربانیاں پیش کریں ۔ زمیندار محنت سے کام کرنے کی عادت ڈالیں اور فصل کے لئے ہمیشہ اچھا بیج اور عمدہ کھاد استعمال کریں ۔

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۶ ۔ [2] روزنامہ " نوائے وقت " ۲۹ دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶ ۔

تمام احمدی ملازم، تاجر، صنّاع اور طالب علم اپنے فرائض پُوری تندہی کے ساتھ ادا کریں۔ وقفِ زندگی کی تحریک ہمیشہ قائم رہے۔ اشاعتِ اسلام کے لئے غیر احمدی معززین سے بھی چندہ حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اپنی ذمّہ داری کا احساس کرتے ہوئے صدر انجمن اور تحریکِ جدید کا بجٹ پچیس پچیس لاکھ تک پہنچا دیں۔ بیرونی ممالک میں بھی نظامِ الوصیت جاری کیا جائے اور مختلف ممالک میں مقبرۂ بہشتی کی نیابت کے طور پر بہشتی مقبرے تیار کئے جائیں۔ تقریر کے آخر میں حضور نے بیرونی ممالک میں خدا کے گھروں کی تعمیر، ربوہ میں انڈسٹریاں قائم کر کے جلد جلد آباد کرنے اور قرآن کے روسی ترجمہ کی جلد اشاعت کی طرف خصوصی توجہ دلائی۔ اس پُر معارف تقریر کے چند اقتباسات بطور نمونہ ذیل میں سپردِ قلم کئے جاتے ہیں:۔

(۱) "خدمتِ خلق مومن کا ایک خاصہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرمایا کرتے تھے کہ اسلام کا خلاصہ ہے تعلق باللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ یعنی انسان خدا سے محبت کرے اور اس کے بندوں کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرے۔ پچھلے سیلابوں کے وقت میں پاکستان کے خدام نے نہایت اعلیٰ درجہ کا نمونہ دکھایا ہے۔ اس طرح قادیان کے خدام نے بھی اچھا نمونہ دکھایا ہے اور اس کا لوگوں کی طبیعتوں پر بڑا اثر ہوا ہے یاد رکھو کہ اس وقت تک یورپ کے لوگ مسلمانوں کو یہی طعنہ دیتے چلے آئے ہیں کہ یہ مُنہ سے تو بڑی اچھی تعلیمیں بیان کرتے ہیں۔ لیکن عملاً ان لوگوں کا یہ حال ہے یہ کبھی بھی بنی نوع انسان کے لئے کوئی قربانی نہیں کر سکتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعلیم محض زبانی ہے عملی نہیں وہ تو حکومت کے متعلق کہتے ہیں کہ کہنے کو تو حکومت کے متعلق بہت اچھے قانون ہیں مگر کون سی اسلامی حکومت ہے جس نے اسلام پر عمل کیا ہے۔ مگر وہ تو ہمارے بس کی بات نہیں۔ نہ ہمارے پاس حکومت ہے نہ ہم وہ نمونہ دکھا سکتے ہیں۔ اگر کسی مُلک میں اللہ تعالیٰ نے حکومت دی اور وہاں کے احمدیوں کے اندر اخلاص قائم رہا اور انہوں نے نمونہ دکھایا تو پھر اُن کا مُنہ بند ہو گا۔ مگر کم سے کم جو ہمارے اندر خدمتِ خلق کی طاقت ہے اس کا تو ہم نمونہ دکھائیں۔ پس ہمیں ہر موقع پر خدمتِ خلق کو پیشِ نظر کرنا چاہیئے۔ مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ انتظار کرنا کہ کوئی طوفان آئے تو پھر خدمتِ خلق کریں۔ یہ بُری بات ہے۔ یہ دُعا کرنی چاہیئے کہ خدا طوفان نہ لائے۔ خدمت کے ہر وقت مواقع ہوتے ہیں۔ مثلاً بیوائیں دُنیا میں ہوتی رہتی ہیں یتامیٰ ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ان کے لئے بیماریوں میں نسخے لا دینا۔ دوائیاں لا دینی۔ گھر کا سامان خرید کے لا دینا۔ یہ چیز ہر وقت ہو سکتی ہے۔ پس خدام الاحمدیّہ کو طوفانوں کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ دوسرے

دونوں کے لئے بھی کام نکالنے چاہئیں جن میں خدمتِ خلق ہو سکے اور لوگوں کی تکلیفوں کو وہ دُور کر سکیں۔ پس اس کو ہمیشہ یاد رکھو جیسا کہ میں نے بتایا ہے آج تک یورپ اور امریکہ اس خدمتِ خلق کی رُوح کو اسلام کے خلاف اپنی عظمت میں پیش کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ عیسائی بڑی خدمت کرتے ہیں مسلمان نہیں کرتے اور شرم کی بات ہے کہ ہم ان کا جواب نہیں دے سکتے۔ اگر ہماری جماعت کے خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ خدمتِ خلق کا اعلیٰ درجہ کا نمونہ پیش کریں تو ہم یورپ اور امریکہ کے مُنہ بند کر سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ جو تم خدمت کرتے ہو اس سے بڑھ کر خدمت کرنے والے ہم ہیں۔ یہ مت خیال کرو کہ لوگ قدر نہیں کرتے۔ قدر کرنے والے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں مثلاً ڈاکٹر خانصاحب جو ہمارے وزیرِ اعلیٰ ہیں وہ سیالکوٹ گئے تو خدام نے ان کی طرف لکھا کہ ہم اس طرح کام کر رہے ہیں انہوں نے جیسا کہ افسروں کا قاعدہ ہوتا ہے وہ رُقعہ ڈپٹی کمشنر کو دے دیا۔ ڈپٹی کمشنر نے کہا ہاں واقعہ میں یہ بہت خدمت کر رہے ہیں۔ اس پر ڈاکٹر خان صاحب نے کہا افسوس ہے یہ لوگ خدمتِ خلق کرتے ہیں لیکن لوگ ان کو آگے نہیں آنے دیتے۔ تو دیکھو وزیرِ اعلیٰ کو تسلیم کرنا پڑا کہ تم خدمتِ خلق کر رہے ہو۔"[1]

(ب) "قادیان میں ہمارے کُل تین سو آدمی ہیں۔ یہاں ایک ضلع میں ہمارا آٹھ آٹھ سو آدمی گیا ہے۔ مگر وہاں ہے ہی ساری آبادی تین سو۔ تین سو میں سے پچاس ساٹھ آدمی طوفان کے موقع پر باہر گئے تھے لیکن دو وزراء نے تحریرًا شکریہ کے خطوط بھجوائے کہ آپ لوگوں نے بڑی خدمت کی ہے۔ اس طرح انسپکٹر جنرل پولیس نے شکریہ ادا کیا اور بعض اخبارات نے اس پر نوٹ لکھے۔ اخبارات نے تو یہاں بھی شرافت سے کام لیا اور وہ جماعت کی خدمت کو پیش کرتے رہے گو ڈرتے بھی رہے۔ وہ ساتھ ساتھ دُوسری جماعتوں کا نام بھی لکھ دیتے تھے جن کے بعض دفعہ کچھ بھی آدمی نہیں ہوتے تھے۔ پس خدمت کی اس رُوح کو قیامت تک جاری رکھو۔ یاد رکھو زندگی کا مقصد بھی یہی ہے کہ اللہ سے محبت کی جائے اور بنی نوع انسان کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔ اگر اس رُوح کو قائم رکھوگے تو تمہاری کامیابی اور تمہاری ترقی میں کوئی شُبہ نہیں۔"[2]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۴ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۴۔ [2] ایضاً۔

(ج) "مَیں نے دیکھا ہے کہ طبیعت پر ذرا بھی اثر ہو تو لوگ دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں کراچی میں میرا ریسپشن (RECEPTION) ہُوا تو اس کے بعد ایک ڈیپارٹمنٹ کے انڈر سیکرٹری نے اپنے ایک احمدی کلرک کو بُلایا اور اس کو پچاس روپے دیئے کہ یہ اپنے حضرت صاحب کو بھجوا دو کہ میری طرف سے کہیں دے دیں۔ مَیں نے کہا غیر احمدی کا چندہ ہے کہیں دینے کا کیا مطلب ہے اشاعتِ اسلام میں ہی جانا چاہیئے اور یہی اس کا حق ہے چنانچہ مَیں نے وہ روپیہ اشاعتِ اسلام کے لئے تحریک جدید میں بھجوا دیا اسے بھی اطلاع دی گئی وہ بڑا خوش ہُوا اور کہنے لگا کہ بڑی اچھی جگہ چندہ بھجوایا ہے۔ اس طرح مَیں نے سکنڈے نیوین مشن کی تحریک کی اور اس کے بعد مَیں لاہور گیا تو چودھری اسد اللہ خان صاحب نے اڑھائی ہزار یا نہ معلوم کتنی رقم میرے ہاتھ میں دی اور کہنے لگے کہ اس میں سے ساڑھے پانچ سو روپیہ چندہ ایک غیر احمدی کا ہے وہ کہنے لگے کہ جب اس کو پتہ لگا کہ یہ تحریک اشاعتِ اسلام کے لئے ہے۔ تو اس نے خود آ کر چندہ دیا اور کہا کہ یہ میری طرف سے بھی دے دیں۔ تو اگر ان لوگوں کو تحریک کی جائے تو وہ تو کروڑوں کروڑ ہیں۔ ان کروڑوں کروڑ میں سے اگر صرف ایک کروڑ میں سے تمہیں پچاس پچاس بھی ملیں تو پچاس کروڑ تو تمہارا مانگا ہُوا چندہ ہو سکتا ہے۔ خواجہ کمال الدین صاحب کو مَیں نے دیکھا وہ غیر احمدیوں سے چندہ لیتے تھے اور دو دو لاکھ روپیہ سال کا چندہ ہو جاتا تھا۔ ان کے ساتھی تو بہت کم تھے۔ ہمارے ساتھی تو خدا تعالیٰ کے فضل سے سارے پاکستان اور ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں اگر ہر احمدی یہ عادت ڈال لے کہ اپنے دوست کو کہے کہ یہ اشاعتِ اسلام کا کام ہے۔ اگر اسلام تمہارا بھی ہے اور تم کو اس سے محبت ہے تو تمہیں کون روکتا ہے۔ تم بھی یہ عزت حاصل کرو اور اس ثواب میں شامل ہو جاؤ تو مَیں سمجھتا ہوں کہ تھوڑی سی تحریک سے بھی چندہ آ سکتا ہے اور پھر جو ایک دفعہ دے گا اس کو چاٹ پڑ جائے گی اور پھر وہ ہر سال دے گا۔ پہلی دفعہ تو آپ کو پندرہ منٹ اس سے بحث کرنی پڑے گی کہ دیکھو یہ خدا اور رسول کا کام ہے۔ دین کی اشاعت کا کام ہے اس میں حصّہ لو۔ لیکن اگلے سال وہ خود تمہاری تلاش کرے گا اور تمہیں آ کے ڈھونڈے گا اور کہے گا کہ میرا چندہ لو"[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۵ر فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۵،۴ .

(د) "میرا خیال ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ "الوصیت" کا وہ حکم بھی پورا کیا جائے کہ بیرونی ملکوں میں لوگ وصیتیں کریں تو اس مقبرہ بہشتی کے قائم مقام وہاں بھی مقبرے بنائے جائیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو امریکہ میں لوگ اس کے خواہش مند ہیں بلکہ مجھے وہاں سے اس کے متعلق درخواست بھی آچکی ہے۔ افریقہ کے لوگ بھی اس معاملہ میں بڑے جوشیلے ہوتے ہیں۔ میرے نزدیک وہاں لوگ بڑی بڑی جائدادیں وقف کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے اور اس طرح سلسلہ کے فنڈز بہت مضبوط ہو جائیں گے۔ پس مختلف ملکوں میں جہاں جماعتوں کی تعداد کافی ہو جائے مقبرہ بہشتی کی نیابت میں اور اس کے قائم مقام مقبرۂ بہشتی قائم کرنے چاہئیں اور وہاں کے لوگوں کی وصیت میں یہ رکھا جائے کہ وہ اس جگہ دفن کئے جایا کریں اور یہ بھی رکھا جائے کہ جو اس جگہ وصیت کرے گا اس کا حق ہو گا کہ جب کبھی اس کے ورثاء مالدار ہوں (ابھی تو ہمارے آدمی غریب ہیں لیکن کروڑ پتیوں کا زمانہ بھی تو آنے والا ہے) تو وہاں سے اس کی لاش لاکر ہمارے یہاں مقبرہ میں دفن کی جائے۔ اس طرح اُن میں اور بھی جوش پیدا ہو جائے گا۔ اس طرح وہ قادیان میں بھی دفن ہو سکیں گے۔ اس طرح ممکن ہے امریکہ سے لوگ اپنی لاشوں کو لے کر قادیان میں کثرت سے جانے لگ جائیں اور اس طرح قادیان والوں کی مضبوطی کا بھی سامان ہو جائے اور ربوہ کی مضبوطی کا بھی سامان ہو جائے۔"[1]

(ر)۔" ایک اہم کام یہ ہے کہ روسی ترجمۂ قرآن جلد شائع کیا جائے۔ روس میں آٹھ کروڑ مسلمان ہیں مگر وہ لوگ اسلام سے دُور جا چکے ہیں۔ ہمارے ایک دوست تھے جو امریکہ کی طرف سے کسی عہدہ پر مقرر تھے انہیں ایک روسی کرنیل ملا انہوں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے نام سے تو پتہ لگتا ہے کہ تم مسلمان ہو کیا تم قرآن پڑھا کرتے ہو کہنے لگا میری دادی تو پڑھا کرتی تھی لیکن مجھے کچھ نہیں پتہ۔ کیونکہ ہمیں اب یہ زبان نہیں آتی۔ اس لئے اب ہم قرآن نہیں پڑھتے ابھی کچھ لوگ امریکہ اور مصر سے وہاں گئے تھے۔ انہوں نے بھی بتایا کہ وہاں نوجوانوں کو قرآن کا بالکل پتہ ہی نہیں۔ صرف بڈھے پڑھتے ہیں۔ اور مسجدوں میں نمازوں کے لئے آتے ہیں۔ اب وہاں عربی کا رواج نہیں رہا۔ اب اگر قرآن کا روسی ترجمہ وہاں چلا جائے تو یہ آٹھ کروڑ مسلمان بچ سکتا ہے۔ پس آٹھ کروڑ مسلمانوں کے بچانے کے لئے روسی ترجمہ قرآن

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۲ر فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳۔

بڑی جلدی شائع ہو جانا چاہیئے۔ مَیں نے اس کے لئے ہدایتیں دیدی ہیں اور چودھری صاحب کو بھی کہا ہے کہ وہ امریکہ جاتے رہتے ہیں وہ کوشش کریں کہ کوئی اچھا لائق آدمی روسی زبان کا ماہر مل جائے مبلغوں کو بھی مَیں نے لکھوایا ہے یہ خرچ بہت بڑا ہے۔ میرا خیال ہے شاید آٹھ دس لاکھ روپیہ میں یہ ترجمہ چھپے گا۔ مگر بہرحال اپنی اپنی جگہ پر اس کے متعلق تحریک کرو۔ اگر ترجمہ قرآن کرنے والے احتیاط سے ترجمہ کریں اور خواہ مخواہ رستہ چھوڑ کر روسی نظام پر حملہ نہ کریں۔ صرف اس اخلاقی اور رُوحانی تعلیم پر زور دیں جو قرآن کریم میں ہے تو اس اخلاقی اور رُوحانی تعلیم میں وہ لوگ خود بخود سموئے جائیں گے اور دُنیا کو فائدہ پہنچ جائے گا۔ خواہ مخواہ اٹیک ATTACK سے ایک قسم کا بغض پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر اس طرح کام کیا جائے تو میرے نزدیک بہت مفید ہو سکتا ہے اور بلا واسطہ اس سے یورپین لوگ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کی دشمنی روسیوں سے کم ہو جائے گی اور روس بھی فائدہ اُٹھا سکتا ہے کیونکہ اس سے دوسرے ملکوں میں محبت پیدا ہو جائے گی۔ پس روسی ترجمۂ قرآن کی طرف بہت جلد توجہ چاہیئے۔"[1]

۲۸ر دسمبر کا ایمان افروز خطاب

۲۸ر دسمبر کے خطاب کے دو حصّے تھے۔ پہلے حصّہ میں[2] حضورؓ نے عورتوں کے جلسہ گاہ اور احمدی بچّوں اور نوجوانوں کی تعلیم پر خاص زور دینے کے علاوہ زمینداروں کی اصلاح اور ترقی و بہبود کے لئے صدر انجمن احمدیہ میں ایک نئی نظارتِ زراعت کے قیام کا اعلان فرمایا۔ اس سلسلے میں حضورؓ نے صدر انجمن احمدیہ کو نہایت قیمتی ہدایات دیں چنانچہ فرمایا:۔

"میرے خیال میں صدر انجمن احمدیہ جس کی زیادہ تر ذمّہ داری ہے۔ اس کو چاہیئے کہ اپنی ایک نظارت زراعت بنائے اور وہ زراعت کے ماہرین کا دَورہ مقرر کرے۔ پہلے جماعتوں میں سکرٹری زراعت مقرر کرائے اور وہ تمام احمدیوں سے اقرار لیں کہ ہم کو جو ہدایات دی جائیں گی ہم اس کے مطابق فصلیں پیدا کریں گے پھر یہ نظارت زراعت کا کوئی ماہر مقرر کرے جو دَورہ کرے اور جا کر دیکھے کہ

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۲ر فروری ۱۹۵۶ء صـ۴ ۔

[2] اس حصّے کا مکمّل متن اخبار "الفضل" ۸ر اپریل تا ۱۷ر اپریل ۱۹۵۶ء میں شائع ہُوا۔

کس کس علاقہ میں کون کون سی فصل ہو سکتی ہے اور اس فصل کے بڑھانے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ پھر اس کے اُوپر ایک افسر ہو جو اس کی نگرانی کرے اور دیکھے کہ اس پر عمل ہو رہا ہے یا نہیں۔ گویا جیسے کوآپریٹو سوسائٹیاں ہوتی ہیں۔ اسی طرح ایگریکلچرل سوسائٹیاں بنائی جائیں اور سارے احمدی ممبر وعدہ کریں کہ ہمیں جو ہدایتیں دی جائیں گی ہم اُن کی تعمیل کریں گے۔ انہیں بتایا جائے کہ اتنے ہل دینے ضروری ہیں۔ فلاں فلاں موقع پر اتنے ہل دینے ہیں۔ فلاں موقع پر پانی دینا ہے۔ اتنے پانی دینے ہیں۔ فلاں بیج بونا ہے۔ اور فلاں فلاں فصل بونی ہے پھر جس طرح چندے کی وصولی ہوتی ہے۔ اسی طرح باقاعدگی سے یہ کام کروائیں۔ ہمارے سب سے زیادہ احمدی سیالکوٹ میں ہیں اور اس وقت تو جو وکیل الزراعت ہیں وہ بھی سیالکوٹ کے ہی رہنے والے ہیں۔ یعنی چودھری مشتاق احمد صاحب باجوہ اور اسی طرح سیّد عبدالرزاق شاہ صاحب جو نائب وکیل ہیں نہایت ذہین اور ہوشیار نوجوان ہیں وہ سیالکوٹ کے باشندے تو نہیں لیکن اُن کے والد[1] ساری عُمر سیالکوٹ میں نوکر رہے ہیں۔ وہ بدوملہی کے پاس رعیہ میں ہوتے تھے۔ وہیں یہ پیدا ہوئے تھے۔ اگر سیّد عبدالرزاق شاہ صاحب اور چودھری مشتاق احمد صاحب باجوہ کے ہوتے ہوئے سیالکوٹ کے زمینداروں کی طرف توجہ نہ کی جائے تو کتنی افسوس کی بات ہے لیکن اس کے بعد پھر لائل پور اور سرگودھا وغیرہ میں کوشش کی جائے...

....غرض زمینداروں کی حالت کو سُدھارنا انجمن کا کام ہے۔ اُن کا فرض ہے کہ وہ فوراً ایک نظارت زراعت بنائیں اور تحریک والے بھی انجمن کے ساتھ ہی جائیں[2] بے شک وہ وکیل الزراعت ہیں۔ لیکن اگر بعض صیغوں کو ملا دیا جائے تو اس سے فائدہ ہو سکتا ہے اور وہ بڑا اچھا کام کرنا جانتے ہیں خود اچھے بڑے زمیندار ہیں نواب محمد دین صاحب کے بھتیجے ہیں اب ان کے لائل پور میں مربعے ہیں اور ولایت میں بھی رہے ہیں۔ میرے نزدیک وہ ان باتوں کو سمجھتے ہیں۔ اور سیّد عبدالرزاق شاہ صاحب کو بھی مَیں نے دیکھا ہے ان معاملات میں بہت ہی سمجھدار ہیں ان کو مَیں نے سندھ میں زراعت پر لگایا ہُوا تھا۔ وہ اِن باتوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ پھر وکالت کے پاس زراعت کا ایک گریجویٹ بھی ہے۔ اس نے لائل پور کالج میں زراعت کی تعلیم حاصل کی ہے۔ اس نے زندگی وقف کی ہوئی ہے۔ بے شک

---

[1] حضرت سیّد عبدالستار شاہ صاحب۔ [2] نقل مطابق اصل۔

ابھی وہ ناتجربہ کار ہے بچہ ہے لیکن شروع میں بچے ایسے کام کر لیتے ہیں آہستہ آہستہ تجربہ کار ہو جاتے ہیں تو سکیم بنائی جائے کہ کس کس علاقہ میں کیا کیا فصل ہو سکتی ہے اور اس فصل کے اعلیٰ پھل پیدا کرنے کا کیا طریقہ ہے پھر اس زمین والوں کو کہہ دیا جائے کہ تم نے یہی فصل بونی ہے جو اچھی ہو سکتی ہے۔ دیکھو روس نے اس طریق سے اپنے ملک میں سو گنے زیادہ پیداوار کر لی ہے وہ ڈنڈے کے زور سے کرتے ہیں تم ایمان کے زور سے کرو گے"۔[1]

تقریر کا دوسرا حصّہ "سیرِ رُوحانی" کے اہم علمی موضوع پر تھا۔ جس میں حضور نے عالمِ رُوحانی کی نہروں کا نقشہ ایسے رُوح پرور انداز میں کھینچا کہ سامعین پر وجد کی سی کیفیت طاری ہوگئی حضرت مصلح موعود نے ۱۹۳۸ء کے تاریخی سفرِ حیدرآباد اور دہلی میں جو سولہ [۱۶] چیزیں دیکھی تھیں۔ اُن میں نہریں بھی تھیں۔ حضور نے اپنی اس تقریر میں نہایت تفصیل سے بتایا کہ قرآن مجید کے ذریعے کس طرح علمِ کائنات، علمِ جغرافیہ، علمِ طبّ، علمِ ہندسہ، علمِ ادب، علمِ معانی، علمِ نفس، علمِ کیمیا، علمِ منطق، علمِ موازنۂ مذاہب، علمِ توافق بین المخلوقات، علمِ حیوانات، علمِ معیشت و اقتصاد، علمِ شہریت، علمِ تاریخ، علمِ بدءِ عالم، علمِ موسمیات اور بے شمار علومِ دینیہ کی ہزارہا علمی نہریں جاری ہوئیں۔ پرانے زمانہ کے بادشاہوں نے جتنی نہریں بنائی تھیں وہ سب کی سب ختم ہو گئیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جو عالمِ رُوحانی کے سب سے بڑے سمندر تھے۔ آپ نے شریعت، تصوّف، سیاست، اخلاقِ فاضلہ کی جو رُوحانی نہریں جاری کی تھیں وہ برابر چلتی چلی جا رہی ہیں۔ تقریر کے آخر میں نہایت پُر قوّت و شوکت الفاظ میں پیشگوئی فرمائی کہ اگرچہ اسلام اور کُفر کی نہریں متوازی چلتی چلی جا رہی ہیں۔ مگر کُفر اور ایمان کی آخری ٹکر میں آخر اسلام ہی دُنیا پر غالب آئے گا اور آخری فتح اسلام کی ہی ہو گی۔ اسلام کی نہر غالب آجائے گی اور کُفر کی نہر اُس میں مدغم ہو کر اپنا نام کھو بیٹھے گی۔ اور یہ نتیجہ نکلے گا کہ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ اے کالی اور گوری نسلوں کے لوگو! تم خدا کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔ فسبحان اللّٰہِ وَبحمدہٖ وسبحان اللّٰہِ العظیم۔[2]

ایک غیر از جماعت مسلمان کے تاثرات

لاہور کے ایک غیر از جماعت مسلمان اقبال شاہ صاحب نے اس عظیم الشان جلسہ سے متعلق درج ذیل تاثرات

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۷ اپریل ۱۹۵۶ء صفحہ ۳، ۴۔ [2] "سیرِ رُوحانی" جلد سوم صفحہ ۵۴ تا صفحہ ۸۲ ناشر الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ

قلمبند کر کے اخبار "الفضل" ربوہ کو بھجوائے :-

"ایک عرصہ سے میری یہ دلی تمنّا اور خواہش تھی کہ مَیں ربوہ جا کر خود اپنی آنکھوں سے ان چیزوں کا بغور مشاہدہ کروں جن کی بابت ہر طبقہ میں طرح طرح کی روایتیں مشہور ہیں۔ مثلاً یہ کہ احمدیوں نے قادیان اور ربوہ میں جنّت اور دوزخ بنائی ہوئی ہیں۔ اور وہاں پریاں اور حوریں رہتی ہیں۔ احمدی مرزا صاحب کے نہ ماننے والوں کو کافر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں۔ اور اُن کا خدا ربوہ میں رہتا ہے وغیرہ وغیرہ اس قسم کی اور بہت سی روایتیں مشہور ہیں اور مَیں نے خود بہت سے غیر احمدی حضرات سے اس قسم کی بے بنیاد باتیں سُنی ہیں جن کو کہ عقل تسلیم نہیں کرتی جب مَیں ان باتوں کو سُنتا تو میرا اشتیاق اور بڑھتا تھا چنانچہ مَیں نے مصمّم ارادہ کر لیا کہ جب کبھی موقع ملا مَیں ان کی اصلیت معلوم کروں گا۔

ہر سال دسمبر کے آخری ہفتے میں ربوہ میں جلسہ سالانہ ہوتا ہے جس میں ہزاروں کی تعداد میں احمدی اور غیر احمدی شرکت کرتے ہیں۔

اس دفعہ مجھے بھی اس جلسے میں شرکت کا موقع ملا۔ مَیں اپنے ایک احمدی دوست کے ہمراہ ربوہ گیا تھا۔ مَیں ایک غیر جانب دار مسلمان کی حیثیت سے اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ مَیں نے جو کچھ بھی وہاں دیکھا خدا کو حاضر و ناظر جان کر اس کو صحیح صحیح عوام کے سامنے رکھوں تاکہ وہ غلط فہمیاں دُور ہو سکیں جو ان میں اس جماعت کے متعلق پیدا ہو چکی ہیں۔

ہمارا مذہب اسلام ہمیں اجازت دیتا ہے کہ ہم ہر مذہب اور طبقہ کا صحیح طور سے مطالعہ کریں۔ اور پھر اپنی عقل اور دماغ سے اس کے اچھا اور بُرا ہونے کا فیصلہ کریں نہ کہ تعصّب سے یونہی بُرا بھلا کہیں۔ اَب مَیں اپنے مشاہدات کا ذکر کرتا ہوں۔

جلسہ کے ایّام میں ربوہ میں اہالیانِ ربوہ کی طرف سے ہر خاص و عام کے لئے (خواہ وہ احمدی ہوں یا غیر احمدی) قیام اور طعام کا مفت انتظام ہوتا ہے اور اس مقصد کے لئے ربوہ کے اکثر مکانات کالج سکول اور دفاتر کی عمارات خالی کروا دی جاتی ہیں۔ ربوہ میں آنے والے کا استقبال کرنے کے لئے جماعت کی طرف سے اسٹیشن اور بس کے اڈہ پر مجلسِ استقبال کے کارکن موجود ہوتے ہیں۔ جو اُن کو مہمانخانوں میں یا جہاں انہوں نے جانا ہوتا ہے پہنچاتے ہیں۔

مَیں چونکہ اپنے دوست کے ہمراہ گیا تھا اس لئے انہیں کے ساتھ اُن کے ایک مقامی عزیز کے ہاں

ٹھہرا۔ گو مکان مختصر تھا اور مہمان زیادہ لیکن اس کے باوجود بھی ان لوگوں نے میری رہائش کا نہایت معقول انتظام کیا اور اس بات کا ثبوت دیا کہ "مسلمان کے دل میں جگہ ہوتی ہے۔" جس کے لئے میں ان کا نہایت ممنون ہوں۔

۲۶ دسمبر ۱۹۵۵ء کو جلسہ کا پہلا دن تھا اور لوگ صبح سے ہی جلسہ گاہ میں جمع ہو رہے تھے جلسہ تقریباً سوا نو بجے تلاوت قرآن پاک سے شروع ہوا۔ افتتاحی تقریر حضرت مرزا بشیرالدین محمود صاحب کی تھی۔ آپ کی تقریر کے بعد دیگر حضرات نے تقاریر کیں اور اس طرح یہ جلسہ تقریباً پونے ایک بجے تک ہوتا رہا۔ یہ پہلی نشست تھی ظہر کی نماز کے بعد دوسری نشست ہوئی جو تقریباً چار بجے تک رہی خود خلیفہ صاحب اور دیگر حضرات کی تقریریں نہایت شائستہ اور قرآن و سنّت کے دائرہ میں تھیں۔ اسی طرح مختلف عنوانات پر یہ سلسلہ ہائے تقاریر ۲۸ دسمبر تک رہا۔

تقاریر کے دوران بھی ان لوگوں نے نہایت ادب خلوص اور محبت کا ثبوت دیا۔ کسی تقریر یا برتاؤ سے یہ ظاہر نہیں ہوا کہ احمدی غیر احمدیوں کو کافر کہتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے بارہا اور صاف الفاظ میں یہ ظاہر کیا کہ خدا رسول اور قرآن کو ماننے والے سب بھائی ہیں۔ غیر احمدی مسلمان بھی تمہارے بھائی ہیں فرق تھوڑا سا عقائد میں ہے بنیادی عقائد اور اصول ایک ہی ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں نیز انہوں نے مرزا غلام احمد صاحب کی کتب سے حوالہ جات دیتے ہوئے ثبوت دیا کہ مرزا صاحب نے خود بھی کبھی کسی غیر احمدی کو کافر کے نام سے نہیں پکارا انہوں نے بتایا کہ ہم پر الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو کافر کہتے ہیں یہ محض بہتان ہے۔

شروع سے آخر تک ان سب حضرات کی تقریروں کا لب لباب حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعریف، فوقیت اور بڑائی رہا۔ ان حضرات نے خود اپنی تقاریر میں اس بات کا اعتراف کیا کہ مرزا غلام احمد صاحب حضور رسول مقبولؐ کی شریعت کے تابع اور آپ کے غلام تھے۔

گویا ان لوگوں کے قول و فعل، کسی سے بھی یہ پتہ نہیں چلا۔ جس سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان مبارک میں کوئی گستاخی واقع ہوتی ہو یا یہ کہ مرزا غلام احمد صاحب کوئی نیا دین یا اصول پیش کرتے ہوں۔ ہم اگر تعصّب کے جامہ کو اتار کر بغور مشاہدہ و مطالعہ کریں تو ہم کو کہنا پڑے گا کہ صحیح اسلام کی جھلک ربوہ میں ملتی ہے مثلاً ربوہ میں نماز کی سختی سے پابندی کی جاتی ہے۔ آج کل کے مسکرات و سینما وغیرہ

نہایت سختی سے منع کئے گئے ہیں حتیٰ کہ سگریٹ نوشی کو بھی بُری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اکثر لوگ کھانا مہمان خانوں کی بجائے ہوٹلوں میں کھاتے تھے۔ مَیں نے ایک چیز کا بغور مشاہدہ کیا کہ ہوٹل والے گاہکوں کے پیسوں کا حساب نہیں رکھتے تھے اُن کا کہنا تھا کہ یہاں کوئی بے ایمانی نہیں کر سکتا۔ جس قدر کھاؤ خود اپنا حساب کر دو۔ چنانچہ مَیں نے دیکھا کہ کوئی گاہک بھی ایک پیسہ کی بے ایمانی نہیں کرتا تھا اور سب اپنی اپنی جگہ مطمئن تھے۔

اس موقع پر ہزاروں کی تعداد میں مستورات بھی شرکت کرتی ہیں پردہ میں رہتے ہوئے آزادی کے ساتھ اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہتی ہیں۔ اور مَردوں کے دوش بدوش چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ مستورات کا احترام کیا جاتا ہے مستورات کے جلسہ کا الگ انتظام اور پروگرام ہوتا ہے۔

موجودہ خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نہایت ہی نیک کردار کے مالک ہیں۔ جماعت کے ہر کام میں آپ کو دخل ہے۔ اور آپ کی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اُٹھایا جاتا اور یہ نہایت اچھی بات ہے کہ کسی ایک کو اپنا امیر اور سرپرست مان کر اس کی قیادت میں ہر کام کیا جائے۔

جماعت کے افراد میں سے اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو خلیفہ کی طرف سے اسے باقاعدہ سزا ملتی ہے جو کہ اصلاحی سزا ہوتی ہے۔ چھوٹی موٹی غلطی پر مقاطعہ کی سزا دی جاتی ہے۔ ہاں مجھے یاد آیا میرے عزیز دوست نے مجھے بتایا کہ ان کے عزیز (جن کے ہاں مَیں قیام پذیر تھا) جو کہ نظارت میں کام کرتے ہیں ان کو ایک دفعہ سات دن کے مقاطعہ کی سزا ملی تھی۔ چنانچہ ایک ہفتہ تک ان سے کسی نے بھی بات تک نہ کی۔ دوست احباب تو الگ اِن کے بیوی بچّوں نے بھی اِن سے گفتگو نہ کی۔ میرے خیال میں یہ اصلاح کا ایک اچھا طریقہ ہے کیونکہ انسان اس طرح اپنی خطا پر جو کہ اس سے سرزد ہوتی ہے پشیمان ہوتا ہے اور آئندہ کے لئے محتاط ہو جاتا ہے۔

جہاں تک جنّت و دوزخ کا سوال ہے تو اس میں ذرّہ بھر بھی حقیقت نہیں محض لوگوں کو دھوکہ دینے اور بدظن کرنے کے لئے ایسی بات مشہور کی گئی ہے۔ مَیں نے اس کے متعلق اپنے دوست سے کہا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ جنّت و دوزخ تو کوئی نہیں۔ البتہ ایک قبرستان ہے (قادیان میں) جس کا نام بہشتی مقبرہ ہے یہ قبرستان ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے۔ جو "وصیت" کرتے ہیں۔ وصیت کی بڑی سخت شرائط ہیں جو ان شرائط کو پُورا کرے۔ صرف وہی اس میں دفن کیا جاتا ہے۔ اہم شرائط یہ ہیں کہ

وہ نماز روزہ کا پابند ہو۔ جماعت کے لئے ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہو۔ جماعتی احکام کی پابندی کرتا ہو۔ وصیت کرنے والا اپنی آمد اور جائیداد کا کچھ حصّہ جماعت کے لئے وقف کر دیتا ہے۔ آمد کا جو حصّہ وقف کیا ہو اسے باقاعدگی سے ادا کرتا رہا ہو تب جا کر وہ اس بات کا حقدار ٹھہرتا ہے کہ وہ اس میں دفنایا جائے۔ مندرجہ بالا شرائط کو پورا نہ کرنے والے کی وصیت منسوخ کر دی جاتی ہے یعنی وصیت کرنے والا اسلام کے اصولوں کا ایک چلتا پھرتا نمونہ ہونا چاہیئے۔ یہ ہے وہ جنت جس کے متعلق طرح طرح کی روایات مشہور ہیں۔

اعمال و اخلاق، قول و فعل کے اعتبار سے مَیں نے ربوہ میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو اسلامی اصولوں اور احکامات کے خلاف ہو۔ بغرض تمام غلط اور بے بنیاد روایات مشہور ہیں جن کا مقصد صرف اور صرف ان کے جذبات کو ٹھیس لگانا ہے اور کچھ نہیں۔"[1]

جماعتِ احمدیہ کی شاندار تعلیمی جدوجہد پر ایک نظر

جماعتِ احمدیہ کے قیام پر قریباً چھیاسٹھ[۶۶] سال ہو رہے تھے اس عرصہ میں خدا کی اس کمزور اور ضعیف جماعت نے جو ابتداء میں صرف چالیس نفوس پر مشتمل تھی اور جو جنوری ۱۸۹۸ء تک بمشکل ایک پرائمری مدرسہ کھول سکی تھی۔ اب کس طرح ایک بین الاقوامی سطح پر اشاعتِ علوم کا فریضہ بجا لا رہی تھی، اس کی ایمان افروز تفصیل حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم اے (آکسن) کے الفاظ میں سپردِ قلم کی جاتی ہے۔ آپ نے جلسہ سالانہ ۱۹۵۵ء کے موقع پر تحریکِ احمدیت کے تعلیمی پس منظر اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی علمی یونیورسٹی اور دنیائے احمدیت کے تعلیمی اداروں کی علمی خدمات پر نہایت پُرتاثیر انداز میں روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:۔

"جماعت احمدیہ کے زیرِ انتظام اور زیرِ نگرانی اس وقت تک اتنے تعلیمی ادارے قائم ہو چکے ہیں۔ کہ اس مضمون کے لئے نوٹ لیتے ہوئے مجھے بھی حیرت ہوئی کہ باوجود غربت اور مفلوک الحالی کے ہماری جماعت کس جوان ہمتی سے ان اداروں کو کامیابی کے ساتھ چلا رہی ہے۔ اگر ان اداروں کے اخراجات کو الگ الگ کر کے دیکھا جائے تو طبائع پر ان کا زیادہ اثر نہیں ہوتا لیکن ان سب کے مجموعی اخراجات کو دیکھا جائے

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۷ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۵

تو یقیناً سنجیدگی سے دیکھنے والوں کی نگاہوں میں یہ جماعت کا ایک عظیم الشان اور حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

جماعت کے تعلیمی اداروں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) دینی ادارے (۲) دنیوی ادارے۔ پہلی قسم کے اداروں میں سے مدرسہ احمدیہ، جامعہ احمدیہ اور جامعۃ المبشرین کے ادارے ہیں۔ یہ ادارے خالص مذہبی اور دینی نقطۂ نگاہ سے جاری کئے گئے ہیں۔ جامعۃ المبشرین میں پاکستان اور دوسرے ممالک کے لئے مبلغین تیار کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح بیرونی ممالک سے آنے والے طلباء کی تعلیم و تربیت کا کام بھی اسی ادارہ کے سپرد ہے۔ مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ کے سپرد جامعۃ المبشرین میں داخلہ کے لئے طلباء کو تیار کرنا ہے۔

ان کے مقابل پر دنیوی تعلیم کے ادارے ہیں۔ پاکستان میں جماعت کے ان اداروں کو چھوڑ کر جو احباب جماعت یا انجمنیں چلا رہی ہیں۔ جماعت کی براہ راست نگرانی اور انتظام میں چلنے والی دنیوی تعلیم کے ادارے یہ ہیں:۔

۱۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ۔ ۲۔ تعلیم الاسلام کالج ربوہ

۳۔ نصرت گرلز ہائی سکول ربوہ ۴۔ جامعہ نصرت ربوہ

۵۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ۔ ۶۔ نصرت گرلز ہائی سکول سیالکوٹ شہر

پاکستان کے علاوہ دوسرے سات ممالک میں بھی بعض تعلیمی ادارے جاری کئے گئے ہیں۔ جو نہایت کامیابی سے چل رہے ہیں۔ اس وقت تک اُن کی تعداد تیس ۳۰ تک پہنچ چکی ہے ان کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ گولڈ کوسٹ مغربی افریقہ:۔	انٹرمیڈیٹ کالج	۱	اسکول	۱۱
۲۔ نائیجیریا			اسکول	۱۰
۳۔ سیرالیون			″	۴
۴۔ مشرقی افریقہ			″	۱
۵۔ سنگاپور ملایا			″	۱
۶۔ فلسطین			″	۱
۷۔ انڈونیشیا			″	۱

ان تمام اداروں کے اخراجات کا ایک عام خاکہ پیش کرنے کے لئے گذشتہ سات سال کی ایک

یونٹ مقرر کرتا ہوں کیونکہ پارٹیشن کے بعد ۱۹۴۸ء تو قریباً انتقال مکانی میں ہی گذرا۔ باقی سات سال کے عرصہ میں جماعت احمدیہ نے جامعۃ المبشرین کے علاوہ پاکستان کے تعلیمی اداروں پر سولہ لاکھ پچاس ہزار دوسو بیالیس روپے ایک آنہ خرچ کیا ہے۔ جامعۃ المبشرین کے صحیح اعداد و شمار مجھے نہیں مل سکے۔ (یہ ادارہ تحریک جدید کے ماتحت ہے۔) لیکن ایک عام اندازہ کے مطابق اس پر دو لاکھ اسی ہزار روپیہ خرچ کیا جا چکا ہے۔ گویا مجموعی طور پر پاکستان میں قائم شدہ جماعت کے تعلیمی اداروں پر گذشتہ سات سال کے قلیل عرصہ میں انیس ۱۹ لاکھ روپیہ سے زائد رقم خرچ کی جا چکی ہے۔

بیرونی ممالک میں قائم شدہ تعلیمی اداروں پر جماعت سات لاکھ روپیہ سالانہ سے زیادہ خرچ کر رہی ہے۔ اِن سب اخراجات کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ان کی میزان ۷۰ (ستر) لاکھ روپیہ سے زیادہ بن جاتی ہے۔ اور یہ کوئی معمولی رقم نہیں خصوصاً اس جماعت کے لئے جس کو ۱۹۴۷ء میں اپنا مرکز چھوڑنا پڑا۔ دُنیا داروں کی نگاہ میں اس کا سارا نظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ اور مرکزی چندوں کی آمد لاکھوں روپے سالانہ سے گر کر چند سو روپے سالانہ پر آرہی تھی۔ مقامی لوگ جنہیں ہجرت کی تکالیف برداشت نہیں کرنی پڑیں۔ انہیں ان مصائب اور تکالیف کا اندازہ نہیں ہو سکتا جو اس جماعت کو پیش آئیں۔ ہاں وہ لاکھوں لوگ جنہیں مشرقی پنجاب چھوڑ کر پاکستان آنا پڑا، خُوب جانتے ہیں کہ یہ سات سال کا عرصہ مہاجروں نے کس طرح گذارا ہے لیکن کہاں وہ دُنیا داروں کی نظر میں پٹی ہوئی اور تباہ شدہ جماعت اور کہاں خدا تعالیٰ کا یہ فضل کہ اس جماعت نے خدا تعالیٰ کی ہی دی ہوئی توفیق سے صرف تعلیمی اداروں پر ۷۰ (ستر) لاکھ روپیہ کے قریب رقم صرف گذشتہ سات سال کے عرصہ میں خرچ کی۔

تعمیر کا خرچ اُوپر دیئے ہوئے اندازہ کے علاوہ ہے۔ صرف تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی عمارت پر اس وقت تک پانچ لاکھ روپیہ کے قریب رقم خرچ کی جا چکی ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں عمارت تیار کی گئی ہے۔ سرکاری عمارات سے ان کا مقابلہ کیا جائے تو وہ گورنمنٹ کے شیڈول کے مطابق چودہ پندرہ لاکھ روپے سے کم مالیت کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جماعت کے روپیہ میں اس قدر برکت دی ہے کہ گورنمنٹ جس عمارت پر چودہ پندرہ لاکھ روپے خرچ کرتی ہے۔ اسی قسم کی عمارت ہم چار پانچ لاکھ روپیہ کی لاگت میں تیار کر لیتے ہیں۔

قادیان سے پاکستان میں ہجرت کر کے آنے کے بعد ہمارا کالج عارضی طور پر ڈی۔ اے۔ وی۔ کالج لاہور کی عمارت میں کھُلا۔ وہاں ایک دفعہ یہ شور اُٹھا کہ ہمیں یہ عمارت چھوڑ دینی چاہیئے۔ مَیں ان دنوں

وزیر تعلیم مغربی پنجاب کے پاس گیا اور اُن سے کہا کہ گورنمنٹ نے سرگودھا اور منٹگمری میں دو کالج بنائے ہیں اور اُن پر ۳۵ لاکھ روپیہ کے قریب رقم خرچ کی ہے آپ ہمیں اس رقم کا ۲۵ فیصدی دیدیں تو نہ صرف ہمارا کالج بن جائے گا بلکہ گورنمنٹ کو پتہ لگ جائے گا کہ اس کا روپیہ کہاں جاتا ہے تو وہ کہنے لگے آپ کو کالج بنانے کے لئے روپیہ نہیں دیا جا سکتا۔ پس ہر دیکھنے والے کے لئے یہ یقیناً معجزہ سے کم نہیں کہ گذشتہ سات سال کے عرصہ میں جماعت احمدیہ نے نہ صرف تعلیمی اداروں کو جاری رکھنے پر ۷۰ لاکھ روپیہ سے زائد رقم خرچ کی بلکہ ان اداروں کی تعمیر پر جو اخراجات آئے وہ بھی برداشت کئے اور خدا تعالیٰ کا جو فضل اس جماعت کے شاملِ حال رہا وہ بھی کسی معجزے سے کم نہیں کہ اس نے کم سے کم لاگت میں بڑی لاگت کی عمارات تیار کر لیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

اب مَیں اس سوال کو لیتا ہوں کہ ایک غریب جماعت اس قدر توجہ اور اس قدر روپیہ ان تعلیمی اداروں پر کیوں خرچ کر رہی ہے۔ اس "کیوں" کا جواب ہر احمدی کو ملنا چاہیئے۔ اس کا ایک جواب حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی کتاب "فتح اسلام" کے مندرجہ ذیل اقتباس میں دیا گیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"اے حق کے طالبو! اور اسلام کے سچے محبّو! آپ لوگوں پر واضح ہے کہ یہ زمانہ جس میں ہم لوگ زندگی بسر کر رہے ہیں یہ ایک ایسا تاریک زمانہ ہے کہ کیا ایمانی اور کیا عملی جس قدر امور ہیں سب میں سخت فساد واقع ہو گیا ہے۔ اور ایک تیز آندھی ضلالت اور گمراہی کی ہر طرف سے چل رہی ہے وہ چیز جس کو ایمان کہتے ہیں اس کی جگہ چند لفظوں نے لے لی ہے جس کا محض زبان سے اقرار کیا جاتا ہے اور وہ امور جن کا نام اعمالِ صالحہ ہے اُن کا مصداق چند رسوم یا اسراف اور ریاکاری کے کام سمجھے گئے ہیں اور جو حقیقی نیکی ہے اس سے بکلّی بے خبری ہے۔ اس زمانہ کا فلسفہ اور طبیعی بھی رُوحانی صلاحیت کا سخت مخالف پڑا ہے۔ اس کے جذبات اس کے جاننے والوں پر نہایت بد اثر کرنے والے اور ظُلمت کی طرف کھینچنے والے ثابت ہوتے ہیں وہ زہریلے مواد کو حرکت دیتے اور سوئے ہوئے شیطان کو جگا دیتے ہیں۔ ان علوم میں دخل رکھنے والے دینی امور میں اکثر ایسی بدعقیدگی پیدا کر لیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ اُصولوں اور صوم وصلوٰۃ وغیرہ عبادت کے طریقوں کو تحقیر اور

استہزاء کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔ اُن کے دلوں میں خدا تعالیٰ کے وُجود کی بھی کچھ وقعت اور عظمت نہیں۔ بلکہ اکثر اُن میں سے الحاد کے رنگ سے رنگین اور دہریّت کے رگ و ریشہ سے پُر اور مسلمانوں کی اولاد کہلا کر پھر دشمن دین ہیں۔ جو لوگ کالجوں میں پڑھتے ہیں۔ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ ہنوز وہ اپنے علومِ ضروریہ کی تحصیل سے فارغ نہیں ہوتے کہ دین اور دین کی ہمدردی سے پہلے ہی فارغ اور مستعفی ہو چکتے ہیں۔ یہ مَیں نے صرف ایک شاخ کا ذکر کیا ہے جو حال کے زمانہ میں ضلالت کے پھلوں سے لدی ہوئی ہے۔ مگر اس کے سوا صدہا اور شاخیں بھی ہیں جو اس سے کم نہیں...... یہ کہ مسیحی قوموں اور تثلیث کے حامیوں کی جانب سے وہ ساحرانہ کارروائیاں ہیں کہ جب تک اِن کے اس سحر کے مقابل پر خدا تعالیٰ وہ پُرزور ہاتھ نہ دکھاوے۔ جو معجزہ کی قدرت اپنے اندر رکھتا ہو اور اس معجزہ سے اس سحر کو پاش پاش نہ کرے۔ تب تک اس جادوئے فرنگ سے سادہ لوح دلوں کو مخلصی حاصل ہونا بالکل قیاس اور گمان سے باہر ہے۔ سو خدا تعالیٰ نے اس جادو کے باطل کرنے کے لئے اس زمانہ کے سچے مسلمانوں کو یہ معجزہ دیا کہ اپنے اس بندہ کو اپنے الہام اور کلام اور اپنی برکاتِ خاصہ سے مشرّف کر کے اور اپنی راہ کے باریک علوم سے بہرۂ کامل بخش کر مخالفین کے مقابل پر بھیجا اور بہت سے آسمانی تحائف اور علوی عجائبات اور رُوحانی معارف و دقائق ساتھ دئے تا اس آسمانی پتھّر کے ذریعہ سے وہ موم کا بُت توڑ دیا جائے جو سحرِ فرنگ نے تیار کیا ہے۔

سو اَے مسلمانو! اس عاجز کا ظہور ساحرانہ تاریکیوں کے اٹھانے کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک معجزہ ہے۔ کیا ضرور نہیں تھا کہ سحر کے مقابل پر معجزہ بھی دُنیا میں آتا۔ کیا تمہاری نظروں میں یہ بات عجیب اور انہونی ہے کہ خُدا تعالےٰ نہایت درجہ کے مکروں کے مقابلہ پر جو سحر کی حقیقت تک پہنچ گئے ہیں ایک ایسی حقانی چمکار دکھاوے جو معجزہ کا اثر رکھتی ہو۔

اَے دانشمندو! تم اس سے تعجب مت کرو کہ خدا تعالےٰ نے اس ضرورت کے وقت میں اور اس گہری تاریکی کے دنوں میں ایک آسمانی روشنی نازل کی اور ایک بندہ کو مصلحتِ عام

کے لئے خاص کر کے بغرض اعلاء کلمۂ اسلام واشاعتِ نورِ حضرت خیر الانام اور تائید مسلمانوں کے لئے اور نیز اُن کی اندرونی حالت کے صاف کرنے کے ارادہ سے دُنیا میں بھیجا۔"[1]

اس کے علاوہ تذکرہ (یعنی حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات کے مجموعہ) پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کے اداروں کو بعض اصولوں پر قائم کیا ہے۔ مثلاً آپ کا ایک الہام ہے :-

"اَنْتَ مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ طَیِّبٌ مَقْبُوْلُ الرَّحْمٰنِ"[2]

یعنی تو علم کا شہر ہے پاک اور خدا تعالیٰ کا مقبول ہے۔

قرآنی محاورہ کے مطابق اس الہام کی متعدد تشریحات ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ کلامِ الٰہی میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ وہ ہر موقع کے مطابق ایک نیا مفہوم پیدا کرتا ہے۔ مثلاً قرآنی محاورہ کے مطابق اس کے ایک معنی یہ ہو سکتے ہیں۔ کہ اَنْتَ صَاحِبُ مَدِیْنَةِ الْعِلْمِ کہ آپ علوم کے دارالخلافہ کے شہنشاہ اور ان علوم کے منبع اور مبداء ہیں جنہیں جماعت احمدیہ جاری کرنا چاہتی ہے۔ ان علوم میں (جو حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ قائم کی گئی یونیورسٹی اور دارالعلوم میں سکھائے جائیں گے)۔ یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ شعرا اس کے پاس بھی نہیں پھٹکتے۔ جیسے آپ کا الہام ہے کہ "درکلامِ تو چیزے است کہ شعرا را دراں دخلے نیست"۔ اسی طرح آپ کا ایک الہام ہے رَبِّ عَلِّمْنِیْ مَاھُوَ خَیْرٌ عِنْدَكَ کہ اے اللہ تو مجھے وہ کچھ سکھا جو تیرے نزدیک میرے لئے بہتر ہے۔

دنیا میں بعض علوم ایسے بھی ہیں جو انسان کے لئے بابرکت نہیں ہوتے یا اُسے اُن کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثلاً بعض علوم محض فلسفیانہ مباحث ہیں یا ایسے نظریات ہیں جو ہر وقت بدلتے رہتے ہیں۔ اگر کسی علم کے چند ماہرین پائے جاتے ہیں تو اُن میں سے نہ صرف ہر ایک کے نظریات مختلف ہوں گے بلکہ وہ ہر وقت بدلتے رہیں گے۔ آج بھی مختلف سائنسدانوں نے مختلف نظریات دُنیا کے سامنے پیش کئے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اگر آج ایک سائنسدان نے ایک نظریہ پیش کیا ہے تو دس بیس سال کے بعد دوسرا سائنسدان

---

[1] فتح اسلام صد ۔ [2] : تذکرہ صد ۳۶۵۔

اس سے مختلف بلکہ بعض اوقات اس کے بالکل متضاد نظریہ پیش کر دے گا۔ یہ سب چیزیں شاعرانہ نظریات ہیں، حقائق پر مشتمل نہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی قائم کردہ یونیورسٹی میں جو علوم پڑھائے جائیں گے اُن میں شعراء کو کوئی دخل نہ ہوگا۔ بلکہ یہ علوم حقائق الاشیاء پر مشتمل ہوں گے جیسا کہ آپ کے ایک الہام " رَبِّ اَرِنِیْ حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ " میں بتایا گیا ہے۔ یعنی اے اللہ تو مجھے ہر چیز کی کنہ اور حقیقت دکھا دے۔

میں یہاں پر ایک لطیف نکتہ بیان کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو الہام فرمایا کہ رَبِّ اَرِنِیْ حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کسی یونیورسٹی کے فارغ التحصیل نہیں تھے۔ نہ آپ کوئی عظیم فلاسفر تھے۔ آپ ایک معمولی سے گاؤں کے رہنے والے تھے جو ریل اور پختہ سڑک سے بہت دور واقع تھا اور ذاتی طور پر آپ کو اپنے محدود حلقہ کے سوا کوئی نہ جانتا تھا۔ پھر بھی آپ نے اپنی کتابوں میں بعض ایسے نکات بیان کئے ہیں کہ آج سالہا سال کی تحقیقات کے بعد بڑے بڑے سکالر ان کے خلاف کوئی اور نظریہ قائم نہیں کر سکتے۔ مثلاً ۱۸۹۶ء میں آپ ضمنی طور پر ایک تقریر میں فرماتے ہیں:۔

" غرض جسمانی صدمات بھی عجیب نظارہ دکھاتے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رُوح اور جسم کا ایک ایسا تعلق ہے کہ اس راز کو کھولنا انسان کا کام نہیں۔[1] "

دوسری بات آپ نے یہ بیان فرمائی کہ:۔

" اس سے زیادہ اس تعلق کے ثبوت پر دلیل ہے کہ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ رُوح کی ماں جسم ہی ہے۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ میں رُوح کبھی اوپر سے نہیں گرتی بلکہ وہ ایک نُور ہے جو نطفہ میں ہی پوشیدہ طور پر مخفی ہوتا ہے اور جسم کے نشوونما کے ساتھ چمکتا جاتا ہے۔[2] "

۱۹۵۵ء میں آکر امریکہ کے ایک عظیم بیالوجسٹ EDMOND W. SINNOT DEAN OF YALE'S GRADUATE SCHOOL نے رُوح اور مادّہ کے تعلق کے بارے میں ریسرچ کی اور اس کے بعد کتاب " دی بیالوجی آف دی سپرٹ " تحریر کی۔ اس کتاب کا خلاصہ " ویکلی ٹائم آف امریکہ " مجریہ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۵۵ء میں چھپا ہے۔ اس خلاصہ کے دو اقتباسات قریباً ان دو اقتباسات کا ترجمہ ہیں۔ مثلاً

---

[1]، [2] رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب صفحہ ۸۵۔

وہاں لکھا ہے۔

"اس وقت سائنس اس کی وضاحت نہیں کر سکی۔" یعنی یہ ایسا راز ہے جس کے متعلق بیالوجسٹ مذکور نے تسلیم کیا ہے کہ اب تک سائنسدان اسے پا نہیں سکے۔ یاد رہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا ہے کہ انسان اسے قیامت تک بھی نہیں پا سکے گا۔ لیکن بہرحال سائنسدانوں نے اس حد تک تسلیم کر لیا ہے کہ سائنس اب تک اس راز کو نہیں پا سکی۔ آگے جا کر خلاصہ لکھنے والا بیان کرتا ہے کہ:۔

"تنظیم کا یہ اصول نہ صرف انسان کا ارتفاع کرتا ہے بلکہ اس کے مذاہب کے لئے تین بنیادی چیزیں مہیا کرتا ہے۔ یعنی بے ترتیب ہیولیٰ میں ترتیب پیدا ہو جاتی ہے۔ مادہ میں رُوح پیدا ہو جاتی ہے اور بے اثر اور غیر جانبدار عناصر میں شخصیت اُبھر آتی ہے۔ تنظیم کا یہ اصل جس کو کسی طور پر بھی الفاظ میں بعینہٖ نہیں ڈھالا جا سکتا۔ مَیں بِلا خوفِ تردید اسے خدا تعالیٰ کی ایک صفت سمجھتا ہوں۔"

گویا مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ قائم کئے گئے دارالعلوم کے بیت الفکر کی ایک مثال دی ہے کہ آپ نے ۱۸۹۶ء میں یہ بتایا کہ رُوح جسم سے نکلتی ہے اس کے قریباً ساٹھ سال بعد سائنسدانوں نے جو معرکہ مارا اس کا نتیجہ وہی تھا جو آپ نے ۱۸۹۶ء میں بیان فرما دیا تھا۔

پھر دنیوی اداروں میں یہ ہوتا ہے کہ کوئی علم طالبِ علم کے دماغ کے مطابق ہوتا ہے اور کوئی نہیں ہوتا۔ اس لئے بعض اوقات طالب علم اس سے وہ فائدہ نہیں اُٹھا سکتا جو اسے اُٹھانا چاہیئے۔ مثلاً ایک لڑکے کا رجحان ڈاکٹری کی طرف ہے۔ لیکن باپ اسے انجنیئرنگ کی تعلیم دلانا چاہتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ باوجود اپنی پُوری محنت کے اس علم کو پوری طرح حاصل نہیں کر سکتا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ قائم کی ہوئی یونیورسٹی کے علوم میں یہ نقص نہیں ہوگا۔ یہاں یہ صورت نہیں ہوگی کہ آپ کا رجحان تو ڈاکٹری کی طرف ہو لیکن رستہ آپ کو فلسفہ کا دکھایا جائے۔ بلکہ ان علوم میں طالب علم کے لئے بھلائی ہی بھلائی ہوگی۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام "رَبِّ عَلِّمْنِیْ مَاھُوَ خَیْرٌ عِنْدَکَ" یعنی اے اللہ! مجھے وہی کچھ دکھا جو تیرے نزدیک بہتر ہے، میں بتایا گیا ہے، خدا تعالیٰ ہر ایک شخص کی علمی استعداد اور اس کے دماغی رجحان کو جانتا ہے۔ اس لئے یہاں ایسے علم کی تعلیم دی جائے گی جو طالب علم کے ذہن کے عین مطابق ہو اور اس میں اس کے لئے بھلائی ہی بھلائی ہوگی۔ اس تعلیم میں یہ نقصان نہیں پایا جائے گا کہ وہ دماغ کے غیر مناسب ہونے کی

وجہ سے کسی پر بُرا اثر ڈالتی ہو۔

پھر تذکرہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مدینۃ العلم کے دو علاقے یا دو محلّے ہیں۔ ایک علاقہ یا محلہ کا نام بیت الفکر ہے اور دوسرے کا نام بیت الذکر ہے۔ ان دونوں کا لطیف امتزاج اس شہر کی آبادی کا موجب ہے۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ایک الہام میں بتایا گیا ہے :۔

" ذُوْ عَقْلٍ مَّتِيْنٍ ....بَيْتُ الْفِكْرِ وَ بَيْتُ الذِّكْرِ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۔"

تُو آج ہمارے نزدیک ۔۔۔ قوی العقل ہے.... تجھ کو بیت الفکر اور بیت الذکر عطا کیا اور جو شخص بیت الذکر میں باخلاص و قصد تعبد و صحت نیت وحُسنِ ایمان داخل ہوگا وہ سوئے خاتمہ سے امن میں آجائے گا"۔[1]

گویا یہ یونیورسٹی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ذریعہ سے اس زمانہ میں قائم کی گئی ہے۔ اس کے دو حِصّے ہیں۔ ایک بیت الفکر کہلاتا ہے۔ یعنی یہ حِصّہ ان علوم پر مشتمل ہے۔ جو کوئی اپنی عقل وتدبّر، غور و فکر، اور دنیوی جدوجہد سے نکالتا ہے اور اس کے ذریعہ حقائق الاشیاء معلوم کرتا ہے۔ دوسرا حِصّہ بیت الذکر کہلاتا ہے، اور یہ حِصّہ ان علوم پر مشتمل ہے جو ذاتی کاوش اور جدوجہد کے نتیجہ میں حاصل نہیں ہوتے بلکہ دُعا، انابت الی اللہ اور خشیت اللہ کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں۔

غرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے الہامات کی روشنی میں اس مدینۃ العلم میں تعلیم حاصل کرنے والوں کو ان خرابیوں اور نقائص کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا جو دنیوی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے والوں کو پیش آتے ہیں بلکہ جو طالب علم اس یونیورسٹی میں داخل ہوگا وہ بدامنی، فساد، ظلم اور ہلاکت سے محفوظ رکھا جائے گا۔ دنیوی سائنسدانوں نے ایٹم بم ایجاد کیا اور وہ اس کامیاب ایجاد پر نازاں تھے۔ لیکن اَب وہ خود اس ایجاد پر پشیمانی کا اظہار کر رہے ہیں لیکن اس قسم کا خطرہ اس مدینۃ العلم میں نہیں کیونکہ عقل تو خود اندھی ہے جب تک اسے دین کی روشنی نہ دی جائے۔ یہ انسان کو ہلاکت کے

---

[1] براہین احمدیہ حِصّہ چہارم ص۵۵۹ حاشیہ در حاشیہ ۴

گڑھے میں گرا دیتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس مدینۃ العلم میں بیت الفکر کے محلے کے ساتھ ساتھ بیت الذکر کا محلہ بھی آباد کر دیا تاکہ محض عقل کے استعمال کے نتیجہ میں جو خطرات انسان کو پیش آسکتے تھے وہ بیت الذکر یعنی دینی حصّہ کے ساتھ دُور ہو جائیں۔

پھر جس طرح دنیوی یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل طلباء کو جبّۂ فضیلت پہنایا جاتا ہے اسی طرح اس مدینۃ العلم کے رہنے والوں کا بھی ایک جُبّۂ فضیلت ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :۔

"رؤیا دیکھا کہ مَیں ایک فراخ اور خوبصورت اور چمکدار جُبّہ پہنے ہوئے چند آدمیوں کے ساتھ ایک طرف جا رہا ہوں اور وہ چوغہ میرے پاؤں تک لٹک رہا ہے اور چمک کی شعاعیں اس میں سے نکل رہی ہیں[۱]"

گویا دنیوی تعلیمی اداروں نے جو اپنا جُبّۂ فضیلت تیار کیا ہے وہ تو کالے رنگ کا ہے لیکن اس مدینۃ العلم کے رہنے والوں کو جو جُبّۂ فضیلت دیا جائے گا وہ نہایت خوبصورت اور چمک دار ہوگا اس سے نورانی شعاعیں نکلیں گی وہ نہ صرف پہننے والے کی شان کو ظاہر کرے گا بلکہ اپنی چمک اور نُور سے دوسروں کی ہدایت کا بھی موجب ہوگا[۲]

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی طرف سے دینی اور دنیوی وقف کی تحریک کی۔

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ نے اپنے اس معلومات افروز لیکچر کے آخر میں احبابِ جماعت کو بہ پُر زور تحریک بھی فرمائی کہ وہ دینی اور دُنیوی دونوں اعتبار سے اپنی زندگی وقف کریں اور سلسلہ احمدیہ کی خدمت میں سرگرم عمل ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا :۔

"یاد رکھنا چاہیئے کہ وقف محض دینی ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ دینی بھی اور دنیوی بھی۔ آپ کسی ترقی یافتہ قوم یا ملک کو دیکھ لیں۔ اس میں آپ کو کثرت سے واقفِ زندگی ملیں گے۔ چند ماہ ہوئے مشہور انگریزی رسالہ "ریڈرز ڈائجسٹ" میں ایک کتاب کا خلاصہ چھپا ہے۔ اس میں ایک عورت کا ذکر کیا گیا ہے جو ۱۹۱۶ء میں بیمار ہوئی۔ ڈاکٹروں نے اسے مشورہ دیا کہ اس کا شہری فضا میں

---

[۱] تذکرہ طبع اوّل ص۶۱۷ ۔ [۲] رسالہ الفرقان ربوہ تعلیمی نمبر جنوری ۱۹۵۶ء ص۱۱۱تا۱۱۴۔

رہنا اس کی صحت کے لئے مضر ہے۔ اسے اپنی صحت کو بحال کرنے کے لئے ایسے علاقہ میں چلا جانا چاہیئے جو میدانی بھی نہ ہو اور پہاڑی بھی نہ ہو بلکہ درمیانی قسم کا علاقہ ہو۔ پھر وہ شہر سے دُور ہو۔ یہی ایک صورت ہے جس کی وجہ سے اس کی زندگی محفوظ رہ سکتی ہے اور اس کی صحت بحال ہو سکتی ہے چنانچہ اس نے ڈاکٹروں کی اس نصیحت پر عمل کرنے کے لئے اپنے خاوند کو بھی چھوڑا، اپنے دوسرے عزیزوں اور وطن کو خیرباد کہا اور قریب کے علاقہ میں جس میں ڈاکٹروں کی بتائی ہوئی خوبیاں پائی جاتی تھیں چلی گئی یہ علاقہ تعلیمی لحاظ سے بہت پیچھے تھا۔ ۱۹۱۶ء میں اس علاقہ کے ارد گرد پچاس میل میں صرف ایک شخص تھا جو دستخط کرنا جانتا تھا۔ باقی لوگ دستخط بھی نہیں کر سکتے تھے اور وحشت کا یہ حال تھا کہ روزانہ سینکڑوں لوگ قتل ہوتے تھے وہ عورت بے کار بھی نہیں رہ سکتی تھی۔ اس لئے اپنا وقت گذارنے کے لئے اس نے وہاں ایک اسکول جاری کیا۔ اس نے دوسرے علاقوں کے بعض لوگوں کو خطوط لکھ کر عطایا اکٹھے کئے اور اس اسکول کے اخراجات چلانے کا انتظام کیا۔ اَب تو وہاں اور اسکول بھی جاری کئے گئے ہیں۔ لیکن ۱۹۱۶ء میں پہلا اسکول یہی تھا جو وہاں جاری کیا گیا۔

اس عورت کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ہر بچے سے جس کو وہ پڑھاتی تھی۔ زبانی طور پر یہ وعدہ لیتی تھی کہ اگر اس کے ادارے قوم یا علاقہ کو اس کی ضرورت پڑے تو وہ وہیں آئے گا۔ کسی اور جگہ نہیں جائے گا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ایک طالب علم طبّ میں نہایت ذہین اور ہوشیار تھا اسے طبّ میں اتنا ملکہ حاصل تھا کہ جب اس عورت نے وظیفہ دے کر اس کی اعلیٰ پڑھائی کا انتظام کیا اور اس نے طبّ کی اعلیٰ ڈگری حاصل کر لی تو بعض فرموں نے اسے اغلباً دس لاکھ ڈالر سالانہ تنخواہ کی پیشکش کی۔ جو ہمارے مُلک کے لحاظ سے پینتالیس[۴۵] لاکھ روپیہ سالانہ بنتا ہے۔ مگر اس عورت نے اسے لکھا کہ تم اپنے علاقے میں آجاؤ کیونکہ یہاں اور ڈاکٹر موجود نہیں چنانچہ وہ اس پیشکش کو ٹھکرا کر وہاں آگیا۔ پھر وہ کوئی بھاری فیس بھی نہیں لیتا تھا وہ چھکڑوں پر رات کے بارہ بجے برف سے ڈھکے ہوئے رستوں پر سفر کر کے مریض کو دیکھنے جاتا اور اس کا علاج کرتا۔ جب واپس آتا تو وہ لوگ پانچ سیر گندم یا مکّی اس کے چھکڑے میں رکھ دیتے۔ یہ وہ فیس تھی جو وہ اپنے علاقہ کے مریضوں سے لیتا اور جس کے مقابلہ پر اُس نے لاکھوں روپیہ سالانہ کی تنخواہ کی پیشکش ٹھکرا دی۔ یہ وانفِ زندگی نہیں تھا تو اور کیا تھا اس طرح کی اور مثالیں بھی مل سکتی ہیں۔

پس وقف محض مذہبی ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ مذہبی اور دنیوی دونوں قسم کا ہوتا ہے اور واقفین ہر قوم، ہر ملک اور ہر زمانہ میں پائے جاتے ہیں۔ اصل میں وقفِ زندگی اور حیات کے کامل مظاہرہ کا نام ہے۔ جب کسی کی دینی رُوح عروج اور کمال کو پہنچ جاتی ہے تو وہ دین کا واقف زندگی بن جاتا ہے اور جب اس کی دنیوی رُوح عروج اور کمال کو پہنچ جاتی ہے تو وہ دُنیا کا واقف زندگی بن جاتا ہے۔ جب ایک شخص کی قوتوں اور اس کے روپیہ کی اس کی قوم اور ملک کو ضرورت ہو اور وہ اس کی خاطر اپنا ذاتی مفاد ترک کر دے اور اس کی خدمت میں لگ جائے تو یہ اس کی دنیوی رُوح کے کمال اور عروج کا مظاہرہ ہوتا ہے اور وہ واقف زندگی کہلاتا ہے اور جب اس میں دین کی رُوح اپنے کمال اور عروج کو پہنچ جاتی ہے اور وہ دین کی خاطر اپنا ذاتی مفاد ترک کر دیتا ہے تو وہ رُوحانی واقفِ زندگی بن جاتا ہے۔

وقف کی رُوح اور زندگی کو جماعت میں قائم رکھنے کے لئے جماعت کے افراد کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لئے پیش کرنا چاہیئے۔ چاہے وہ مرکزی ہدایات کے ماتحت کام کرنے کے اہل نہ بھی ہوں اور وہ یہاں رہ کر کام بھی نہ کر سکیں لیکن جماعت میں اس قسم کا ذہنی رجحان پایا جانا چاہیئے۔ اور اس کے نوجوانوں کی ایسے رنگ میں تربیت ہونی چاہیئے کہ جب بھی قوم انہیں بلائے وہ اپنا سب مفاد ترک کر کے آ جائیں۔"[1]

---

[1] رسالہ "الفرقان" ربوہ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۴، ۱۵۔

فصل پنجم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جلیل القدر اصحاب کا انتقال

اس سال حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ السّلام کے متعدد جلیل القدر اصحاب رحلت فرما گئے جن کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

۱۔ حضرت چوہدری محمد عبد اللہ صاحب نمبردار بہلولپوری ؓ

(ولادت[1] اندازاً ۱۸۷۰ء۔ بیعت ۱۹۰۲ء[2]۔ زیارت ۱۹۰۳ء۔ وفات ۱۰ جنوری ۱۹۵۹ء)

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۴ پر آپ کا نام ۳۱ مارچ ۱۹۰۷ء کے دو آتشی گولے کے نشانِ آسمانی کے عینی شاہدوں میں درج فرمایا ہے۔

آپ کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی خدمت میں درج ذیل الفاظ میں تار پہنچا:۔

" YOUR PROPHECY 17TH MARCH FIVE FLAMES SEEN EVERY WHERE FALLING FROM SKY 5 P.M. 31ST MARCH.

ABDULLAH"

چوہدری صاحب نے ۳۱ مارچ کو تار دینے کے بعد یکم اور دو اپریل کو دو کارڈ[3] بھی حضرت مسیح موعود ؑ کی خدمت میں لکھے جن کا متن درج ذیل ہے:۔

---

[1] ریکارڈ دفتر بہشتی مقبرہ ربوہ۔

[2] رجسٹر روایات غیر مطبوعہ جلد ۱۳ صفحہ ۹۵۔

[3] تار اور کارڈ دونوں "شعبہ تاریخ احمدیت" کے خاص ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔

(پہلا کارڈ)

"بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ'

کل ۳۱ ؍ مارچ ۱۹۰۷ء کو ۴ بجے شام کے قریب آسمان سے آگ کے شعلہ عجیب طور پر گرتے جا بجا دیکھے گئے۔ چالیس چالیس کوس تک سے خبریں آئی ہیں۔ گویا آپ کا الہام پچیسؔ ۲۵ دن تک والا عجیب وغریب طور پر عین ۲۵ دن کے گذرنے کے سَر پر بطریقہ ماحرہ ظہور میں آیا۔ مَیں نے اِس وقت ایک تار بھی حضور کے نام اس نشان کے پُورا ہونے پر آپ کو دی ہے۔ اور مدرکہ عریضہ بھی اطلاعًا اور مبارکًا ارسال خدمت ہے۔

والسلام بکم اپریل ۱۹۰۷ء

نیاز مند۔ عبداللہ خان احمدی نمبردار بہلول پور ۱۲۷ رکھ برانچ۔ ضلع لائل پور از سالار والا۔"

(دُوسرا کارڈ)

" میرے آقا و مولا ہادی ومھدی مجدد ومسیح! تجھے مبارک ہو کہ تیری پیشگوئی مؤرخہ ۷ ؍ مارچ ۱۹۰۷ء پچیس دن (پچیس دن تک) والی اس علاقہ میں بڑے زور وشور سے اس طرح پُوری ہوئی کہ ۳۱ ؍ مارچ ۱۹۰۷ء کو بوقت ۴ بجے کے آسمان سے آگ کے شعلہ جا بجا گرتے ہوئے دکھائی دیئے ... میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ خدا کی درگاہ میں سجدات شکر بجالاتا ہُوا اسٹیشن کو دوڑا جو یہاں سے دو میل ہے۔ وہاں اس علاقہ کے تین چار معزز زمیندار اور سٹیشن ماسٹر وغیرہ موجود تھے۔ ان کو رسالہ ریویو دکھایا گیا جس میں یہ پیشگوئی درج تھی۔ سٹیشن ماسٹر اور دوسروں نے بھی کہا کہ ہم نے بھی بچشم خود ایسا دیکھا ہے۔ اسی وقت حضور کی خدمت میں تار اور ایک کارڈ عرض کیا گیا۔ چونکہ وہ مختصر تھی اَب مفصّل عرض ہے۔ اخبار بدر اور الحکم اور ریویو کے ذریعہ مَیں نے اس پیشگوئی کو مشہور کیا ہُوا تھا۔ اَب اس واقعہ پر پھر اخبارات لوگوں کو سُنائی گئی ہیں۔ لوگ خود بخود اقرار کرتے ہیں کہ یہ پیشگوئی پُوری ہو چکی ہے۔ بہت سعید فائدہ اٹھائیں گے اور شقی کہتے ہیں کہ مرزا صاحب

نجومی ہیں اور ان کے پاس کوئی دلیل اس کو جھوٹا کہنے کی نہیں رہی۔

عبداللہ خان احمدی نمبردار بہلولپور ۱۲۷ رکھ برانچ ضلع لائل پور

سالار والا اسٹیشن ـــــــ ۲راپریل ۱۹۰۷ء"

چوہدری صاحب صاحبِ الہام بزرگ تھے۔ انہوں نے قرآن کریم کا ترجمہ حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری سے پڑھا تھا۔ چنانچہ آپ کا بیان ہے کہ :۔

"۱۹۰۶ء میں ایک بار قادیان گیا تو چوہدری عبداللہ خانصاحب بہلولپوری بھی اس وقت وہاں موجود تھے۔ انہیں الہام ہوُا۔ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ اِس وقت ان کی عربی تعلیم اس قدر کم تھی کہ انہوں نے اس فقرے کے معنے مجھ سے دریافت کئے۔ مَیں نے اس الہام میں جو بشارت تھی اُسے بیان کیا۔ اور اس وقت اُن کے ساتھ یہ بھی طے پایا کہ مَیں اُن کے گاؤں میں اُن کے ساتھ چلوں اور وہاں رہ کر اُن کو قرآنِ کریم کا ترجمہ پڑھاؤں۔ مَیں نے اُن کو چھ ماہ تک قرآن کریم پڑھایا اور ساتھ ہی تبلیغِ اسلام کی خدمت بھی سرانجام دیتا رہا۔ اس عرصہ میں انہوں نے قرآن کریم ترجمہ کے ساتھ ختم کر لیا۔ اور اتنی لیاقت پیدا کر لی کہ وہ دوسروں کو بھی ترجمہ پڑھا سکتے تھے"[1]

حضرت چوہدری صاحب ۱۹۲۲ء کی پہلی مجلس مشاورت میں بہلولپور کے نمائندہ کی حیثیت سے شامل ہوئے۔ آپ کا نام ۱۹۲۲ء کی رپورٹ میں فہرست نمائندگانِ بیرونی میں نمبر ۱۳ پر درج ہے۔

چوہدری ناصرالدین صاحب واقفِ زندگی بی۔ اے مرحوم (سابق آڈیٹر تحریک جدید صدر انجمن احمدیہ) نے آپ کی وفات پر ایک مضمون شائع کیا جس میں لکھا کہ :۔

"قبولِ احمدیت کے ساتھ ہی آپ کی زندگی میں زبردست رُوحانی انقلاب آگیا۔ اور آپ کی ساری توجہ اصلاحِ نفس اور تبلیغِ اسلام کی طرف پھر گئی۔ آپ کو کثرت سے قادیان جانے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب مَیں دین کی طرف راغب ہو کر حضرت اقدس کے دیدار سے مشرف ہوُا تو حضرت کے چہرہ مبارک کو دیکھتے ہی یہ بات میرے دل میں میخ کی طرح گڑ گئی کہ یہ پاک نوُر کسی کاذب کے چہرہ پر ہرگز جلوہ گر نہیں ہو سکتا ....

---

[1] "حیاتِ بقاپوری" حِصّہ اوّل صفحہ ۱۶-۱۸ (طبع سوم)

حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی پاک باتوں کا ذکر اکثر آپ کی مجلس میں رہتا اور سلسلہ تبلیغ و تربیت ہمیشہ جاری رہا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کا مطالعہ اس کثرت سے آپ نے کیا ہوا تھا کہ خاص خاص مسائل کے بارہ میں حضورؑ کی تحریرات اور حوالے زبانی یاد تھے ــــ آپ الہامات اور رویائے صادقہ کی نعمت سے بھی مشرف تھے .... دُعا پر آپ کو بہت یقین تھا۔ کثرت سے لمبی لمبی دُعائیں کیا کرتے تھے۔ تہجد التزام کے ساتھ آخیر وقت تک ادا کرتے رہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ میری تمام ضرورتیں پُوری کرتا ہے۔ اور نہایت تنگی اور عُسرت کے وقت بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل اُس نے مجھے سہارا دیا ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ میرا بال بال مقروض تھا۔ اور اس سے نجات حاصل کرنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا۔ حضرت مصلح موعودؓ سیالکوٹ تشریف لے گئے تو نارووال کے اسٹیشن پر (جہاں اس وقت چوہدری صاحب سب رجسٹرار تھے) حضورؓ سے دُعا کی درخواست کی۔ حضورؓ نے فرمایا کہ اپنے گناہوں کو خدا کے حضور پیش کر کے استغفار کریں۔ چنانچہ اس نسخہ پر عمل کرنے سے خدا نے تمام قرضہ سے باعزّت نجات دی۔ اور فراخی کی راہیں کھول دیں۔ آپ اپنے گاؤں اور علاقہ میں عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ گاؤں میں برادریوں کے جھگڑوں میں بھی آپ کی کوشش یہی ہوتی کہ گاؤں کا امن برباد نہ ہو اور لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل جُل کر رہیں۔ آپ ذہانت اور تدبّر سے معاملات کو سوچنے اور حل کرنے کی کوشش کرتے۔ سوشل اور تمدنی زندگی کو بہتر بنانے اور گاؤں میں تعلیم کی اشاعت میں خاص دلچسپی لیا کرتے تھے۔ گاؤں میں طلباء اور طالبات کے علیحدہ علیحدہ مڈل سکول بنوانے میں بھی آپ کی مساعی اور ترغیب کا کافی دخل تھا۔ سکول کے اساتذہ سے ملنے اور تعلیمی کارروائیوں سے باخبر رہنے کا شوق تھا۔ حالاتِ حاضرہ سے باخبر رہنے کا شوق تھا۔ حالاتِ حاضرہ سے باخبر رہنے کے لئے باقاعدہ اخبار بینی اور مُلک کے سیاسی تغیرات پر بحث و تمحیص کرنے کے علاوہ قرآن کریم اور تفسیر پڑھنا اور سُننا آپ کے محبوب مشاغل تھے۔[1]

اولاد

۱۔ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب تحصیلدار
۲۔ مولوی عصمت اللہ خانصاحب[2]

---

[1] الفضل ۲۵؍جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۳

[2] والد ماجد چوہدری صلاح الدین صاحب واقف زندگی سابق مشیر قانونی صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ

۳۔ چوہدری بشیر احمد صاحب انسپکٹر پولیس ریٹائرڈ۔
۴۔ چوہدری عبدالرحمٰن صاحب سابق انسپکٹر پولیس۔

۲۔ حضرت چوہدری باغ دین صاحبؓ (بیعت ۱۸۹۵ء[1]۔ وفات ۱۰ جنوری ۱۹۵۵ء)

آپ کا آبائی وطن کنتھو والی ضلع سیالکوٹ تھا۔ گاؤں میں ہندو اور سکھ آبادی تھی جو کئی قسم کی رسومات میں مبتلا تھی جن میں مسلمان بھی ان میں شریک ہو جاتے تھے۔ لیکن آپ اپنی نیک فطرت کی وجہ سے بچپن سے ہی اِن رسوم کے خلاف تھے۔ اور ان کے انسداد اور تدارک کی کوشش کیا کرتے تھے۔ خلیفہ سراج الدین صاحب آف کلاسیوالہ ضلع سیالکوٹ آپ کے حالات زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "ہم چند دوست جن میں مرحوم بھی شامل تھے مولوی ابو محمد عبداللہ صاحب آف کھیوہ کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے اور اُن سے کچھ پڑھتے بھی تھے۔ مولوی صاحب کی مجلس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کا ذکر اکثر ہوتا تھا۔ آپ کے دلائل کو پرکھا جاتا اور پیشگوئیوں پر بحث ہوتی۔ ان دنوں پنڈت لیکھرام والی پیشگوئی کا عام چرچا تھا اور مولوی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر مرزا صاحب کی یہ پیشگوئی پُوری ہوگئی تو مَیں ایمان لے آؤں گا۔ خلیفہ سراج الدین صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۸۹۵ء میں مجھے کسی ذاتی کام کے سلسلہ میں امرتسر جانا پڑا۔ کام کے بعد مجھے خیال آیا چلو قادیان بھی دیکھ چلیں۔ چنانچہ میں قادیان گیا اور دل کی تسلی ہونے پر مَیں نے حضورؑ کی بیعت کر لی اور کھیوہ واپس آکر مولوی صاحب کی مجلس میں اپنی بیعت سے متعلق تمام باتیں سُنائیں۔ چند دن خُوب بحث ہوئی اور اس کے بعد محترم مولوی صاحب اور دیگر تمام احباب بیعت کے لئے رضامند ہوگئے اور حضورؑ کو خط لکھ دیا۔ اس طرح محترم چوہدری صاحب مرحوم نے ۱۸۹۵ء میں خط کے ذریعے بیعت کر لی۔ بعد ازاں ۱۸۹۶ء میں قادیان تشریف لے گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک پر عہدِ اطاعت باندھا۔ آپ نے اپنے خاندان اور رشتہ داروں میں تبلیغ شروع کی اور بہت کوشش اور محنت سے اس کام کو سرانجام دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی کوششوں کو شرفِ باریابی بخشا اور رشتہ داروں کی کثیر تعداد احمدیت میں داخل ہوگئی۔ آپ اپنے

---

[1] الفضل ۳۰ جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔

گاؤں میں نمبردار تھے اور اپنے فرائض کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا کرتے تھے۔ اسی طرح خدمتِ سلسلہ کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ سلسلہ کے مبلغ اور کارکن جب مرکز سے تشریف لاتے اُن کے ساتھ نہایت محبت اور اُلفت سے پیش آتے اور ہر ممکن خدمت کرتے۔ اپنی جماعت کے پریذیڈنٹ تھے۔ اس سے قبل عرصہ تک سیکرٹری مال بھی رہے۔

ایک دوست کا بیان ہے کہ ہماری جماعت کے ذمّہ خاصہ بقایا ہو گیا تھا تو مرحوم کو سیکرٹری مال بنا دیا گیا۔ آپ نے اس خوش اسلوبی اور محنت سے کام کیا کہ جماعت میں ایک شخص بھی بقایا دار نہ رہا۔ پُرجوش داعی الی اللہ تھے۔ کسی مجلس میں بھی تبلیغ کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان سے آپ کو بہت اُلفت تھی۔ قدرتِ ثانیہ کے مظاہر کی قبولیتِ دعا کے کئی واقعات بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپ دفترِ اوّل تحریک جدید کے مجاہدوں میں شامل تھے[1]

شیخ نور احمد صاحب ایڈووکیٹ (مزنگ روڈ لاہور) کا بیان ہے کہ "حضرت چوہدری صاحب موصوف کو مَیں نے بچپن سے دیکھا اور مطالعہ کیا۔ یہ امر واقعی حیرت انگیز ہے کہ آپ کو قدرتِ ایزدی نے غیر معمولی استعدادوں سے اور خاص صلاحیتوں سے حصّہ وافر عطا یا تھا۔ وہ اپنے اندر ایسی قابلیتیں اور خصائل رکھتے تھے کہ ان کو بلا مبالغہ ایک مثالی انسان کہا جا سکتا ہے۔ حیرت آتی ہے کہ ایک گاؤں میں پیدا ہونے والا اور صرف پرائمری تک تعلیم رکھنے والا زمیندار کس قدر معاملہ فہم، مدبّر اور متانت کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ آپ کی طبیعت میں انتہائی انکسار اور عجز تھا۔ نہایت رقیق القلب تھے اور امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے عظیم الشان رُوحانی فیض سے صحیح معنوں میں تربیت یافتہ ہونے کا زندگی بھر عملی نمونہ پیش کرنے والے افراد میں شمار کئے جانے کے قابل تھے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس پر کامل یقین کا بہترین نمونہ آپ نے پیش کیا۔ بعض دفعہ انتہائی پریشانیوں سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ لیکن خداداد وقار اور وجاہت کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ دشمنوں سے بھی باوقار اور مدبّرانہ برتاؤ رکھتے تھے۔ اور غریبوں کی دستگیری محض رضائے الٰہی کے لئے اپنی قلبی کیفیت کے ماتحت کرتے تھے..... بعض

---

[1] الفضل ۴ر مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۵

"چوہدریوں" کی طرح جاہ طلبی تکبّر اور نخوت آپ کی طبیعت میں بالکل نہیں تھا۔ اور چودھراہٹ کا خمار کبھی اس نیک فطرت اور باکمال انسان پر اثر انداز نہ ہُوا۔ آپ نے انسانی مساوات کا عملی سبق زندگی بھر پیش کیا۔ اور تبلیغ احمدیّت کا والہانہ جوش ہمیشہ ان کے دل میں موجزن تھا۔ الفضل اور کتب سلسلہ پڑھنے کا عشق اپنے اندر رکھتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ آپ ادبی اعتبار سے بہت اچھی اُردو لکھ سکتے تھے۔ اور خوش نویس تھے۔ غرض ہر بات ہر کردار اور ہر شعبہ زندگی میں صفائی نظافت اور نجیبانہ کمال حاصل تھا..... محترم چوہدری صاحب کو حضرت مولوی عبد اللہ صاحب مرحوم و مغفور آف کھیوہ باجوہ ضلع سیالکوٹ کی پاکیزہ صحبت کا کافی شرف حاصل تھا۔ جو تبحّرِ علمی کے لحاظ سے عظیم الشان فاضل تھے۔ کچھ اس کا نتیجہ تھا اور کچھ ذاتی استعداد کے باعث محترم چوہدری صاحب جدید علوم اور فلسفیانہ نظریات کو بخُوبی سمجھتے اور سمجھا سکتے تھے۔ آپ نے احمدیّت کو علیٰ وجہ البصیرت سمجھا اور قبول کیا تھا۔ آپ کو حضرت مصلح موعودؓ سے بے مثال اور قابلِ رشک محبت بلکہ عشق تھا۔[1]"

۳۔ حضرت ڈاکٹر فیض علی صاحبؓ صابر پنشنر اسسٹنٹ سرجن بہاول پور

(ولادت ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۶ء بیعت مارچ ۱۹۰۰ء[2]۔ وفات ۱۱ر جنوری ۱۹۵۵ء)۔

حضرت ڈاکٹر فیض علی صاحبؓ صابر کے والد مولوی عبد الغنی صاحب کا اصل وطن حجرہ شاہ مقیم تحصیل قصور تھا۔ مولوی صاحب موصوف بچپن میں یتیم اور تنہا رہ گئے اور امرتسر میں اپنے رشتہ کے ایک چچا کے ہاں (جو ایک متمول سکھ سردار تھے) پرورش پائی۔ آپ کا پہلا نام سردار رُوپ سنگھ تھا۔ آپ نے دس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ آپ مشہور اہلِ حدیث عالم مولوی غلام علی صاحب قصوری کے ممتاز شاگرد اور جیّد عالم تھے۔ انبالہ میں عربی اور فارسی کے معلّم رہے۔ اور پچاسی سال سے کچھ اُوپر عمر پائی۔ اہلیہ کا نام محصنہ جان بی بی تھا۔[3]

مولوی عبد الغنی صاحب کی اولاد چھ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ جو سب اُن کی وفات کے بعد۔ نہایت

---

[1] الفضل ۴ر مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔ [2] الحکم ۳۱ر مارچ ۱۹۰۰ء صفحہ ۷

[3]۔ بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔

اخلاص کے ساتھ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئی۔ انہوں نے اپنے تمام بچوں کے نام تاریخی رکھے جو یہ ہیں:۔

۱۔ (ڈاکٹر) علی اظفر صاحب (وفات ۱۲۹۱ھ) آپ کا نام منارۃ المسیح پر کندہ ہے مشرقی افریقہ میں ملازم تھے اور وہیں وفات پائی۔

۲۔ (ڈاکٹر) فیض علی صاحب صابر (ولادت ۱۲۹۳ھ)

۳۔ (بابو) منظہر علی طالب صاحب (ولادت ۱۲۹۷ھ) مشرقی افریقہ میں پوسٹ ماسٹر تھے اور وہیں دفن کئے گئے۔

۴۔ (مستری) منظر علی صاحب (ولادت ۱۳۰۰ھ پہلی جنگِ عظیم کے دوران ایران کی طرف فوت ہوئے۔

۵۔ حضرت مراد خاتون صاحبہ (ولادت ۱۳۰۲ھ) اہلیہ حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب (خسر حضرت سیّدنا مصلح موعودؓ)

۶۔ (ڈاکٹر) اقبال علی غنی صاحب (ولادت ۱۳۰۴ھ) اسسٹنٹ سرجن انچارج کیمپ گورنر یو پی۔ آپ حکیم مفتی فضل الرحمٰن صاحبؓ بھیروی (داماد حضرت مولانا نور الدین صاحبؓ خلیفۃ المسیح الاوّل) کے داماد تھے۔

۷۔ (شیخ) منظور علی شاکر صاحب (ولادت ۱۳۰۶ھ) سابق کوتوال میرٹھ شہر۔

ڈاکٹر علی اظفر صاحب اور ڈاکٹر فیض علی صابر صاحب کی جائے ولادت امرتسر ہے۔ باقی سب انبالہ چھاؤنی میں پیدا ہوئے[۱]

اپنے والد صاحب کی وفات کے بعد ڈاکٹر علی اظفر صاحب اور ڈاکٹر فیض علی صاحب صابر کم عمری میں ہی بغرض ملازمت مشرقی افریقہ تشریف لے گئے۔ جہاں حضرت ڈاکٹر رحمت علی صاحب (جو حضرت علامہ حافظ روشن علی صاحب کے سگے بھائی اور حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیرآبادی کے بہنوئی تھے) پہلے سے ملازم تھے[۲]۔ آپ کو بہت عزت و احترام کی نگہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اور پبلک میں نیک اور پاک اور عابد یقین کئے جاتے تھے۔ ڈاکٹر علی اظفر صاحب چند یوم میں ہی اُن سے ایسے مانوس اور متاثر

---

[۱] الحکم ۲۸ر اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۷۔ [۲] آپ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۴ء کو لڑائی کے دوران ایک زخمی کی مرہم پٹی کر رہے تھے کہ بھالے سے شہید کر دیئے گئے (الحکم ۱۰ر فروری ۱۹۰۴ء صفحہ ۶)

ہوئے کہ احمدیت کی صداقت پر یقین ہو گیا۔ مکرم ڈاکٹر فیض علی صاحب بتایا کرتے تھے کہ "ہم دونوں بھائی ایک دُوسرے سے کچھ فاصلہ پر کام کرتے تھے۔ مَیں اِن دنوں خُوب فیشن ایبل تھا اور دین کی طرف کم ہی دھیان تھا۔ رخصت لے کر بڑے بھائی صاحب کو ملنے آیا۔ تو انہیں دیکھ کر مَیں حیران رہ گیا۔ ان کے اندر نمایاں تبدیلی پیدا ہو چکی تھی۔ خوبصورت چہرہ پر ایک چھوٹی سی ڈاڑھی عجیب بہار دکھا رہی تھی اور نماز و عبادت سے شغف بڑھ گیا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ آپ مکرم ڈاکٹر رحمت علی صاحب کی تبلیغ سے احمدی ہو چکے ہیں۔ مَیں چونکہ اپنے بھائی کا بہت احترام کرتا تھا اس لئے ان میں یہ تغیّر دیکھ کر مَیں نے بھی بیعت کا خط لکھ دیا۔ پھر قادیان آکر دستی بیعت بھی کی"۔[1]

الحکم ۳۱ مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۷ پر دونوں بھائیوں کا نام فہرست نومبائعین میں درج ہے۔ بیعت کے بعد سرکاری محکمہ کی طرف سے حضرت ڈاکٹر رحمت علی صاحب اور آپ کو ایک ڈیوٹی پر بمبئی بھیجا گیا۔ بمبئی سے یہ دونوں بزرگ تیسرے روز جمعہ سے کچھ پہلے قادیان پہنچے۔ نماز میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام بھی تشریف لائے۔ مگر خطبہ جمعہ حضرت مولانا نورالدین صاحب بھیروی نے دیا جس میں سورۃ قلم کی نہایت پُر معارف اور رُوح پرور تفسیر بیان فرمائی۔ قادیان میں مختصر قیام کے دوران آپ نے حضور کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ "جب مَیں نے بیعت کی تو عجیب خوف آمیز سنسناہٹ کی لہریں میرے تمام رگ و ریشہ میں پیدا ہوئیں اور تمام جسم گویا ڈھل کر نئے سانچے میں ڈھل گیا تھا۔ افسوس مَیں اس رُوحانی لذّت کی کیفیّت کو بیان نہیں کر سکتا"۔[2] یہ اپریل ۱۹۰۱ء کا واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ اوائل ۱۹۰۲ء میں آپ ہجرت کر کے قادیان تشریف لے آئے۔ ستمبر ۱۹۰۲ء میں آپ نے حضرت بابو محمد افضل صاحب کی رفاقت میں سلسلہ احمدیّہ کا دُوسرا مرکزی اخبار "البدر" جاری کیا۔ جو سلسلہ کے اس ابتدائی دَور کی تاریخ کا ایک اہم ماخذ ہے۔ اور جس کی خدمات کبھی فراموش نہیں کی جا سکتیں۔ آپ "البدر" کے مہتمم تھے اور حضرت بابو صاحب اس کے ایڈیٹر۔ شروع شروع میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی ڈائریاں آپ خود لکھتے تھے۔ بعد میں آپ نے اُنہیں بھی اِس خدمت میں شامل کر لیا۔[3]

۱؎ "لاہور تاریخ احمدیت" صفحہ ۲۸۰ تا ۲۸۱ مصنفہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحب مرحوم (سابق سوداگرمل)۔ ۲؎ الحکم ۲۸ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۸۔

۳؎ گو "بدر" خلافتِ اولیٰ میں بھی جاری رہا مگر حضرت ڈاکٹر صاحب کا اس زمانہ میں اخبار سے کوئی تعلق نہ رہا۔ آپ قادیان سے باہر ملازم رہے۔

حضرت اقدسؑ نے اس اخبار کی منظوری دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

"ہماری طرف سے اجازت ہے خواہ آپ ایک سو پرچہ جاری کریں۔ شاید اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے دیوے۔"

کچھ عرصہ تک لنگر خانہ کا انتظام بھی آپ کے سپرد رہا۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی مرض الموت میں آپ ہی صدقہ کے دو بکرے خرید کر لائے۔ اور آپ ہی نے ان کو ذبح کیا۔ واپسی پر جو خوش نصیب بزرگ حضور کا جسدِ اطہر لاہور سے قادیان لائے ان میں آپ بھی شامل تھے۔

۱۹۰۹ء سے ۱۹۲۴ء تک آپ بہاولپور کے فوجی ہسپتال میں اور بعد ازاں کئی اور سول ہسپتالوں میں طبّی خدمات بجا لاتے رہے۔ بہاولپور میں کئی سالوں تک جماعت کے سیکرٹری رہے۔ جمعہ اکثر آپ ہی کے مکان پر پڑھا جاتا تھا۔ امامت بھی آپ خود کراتے رہے۔ آپ کی شہرت ایک دیانتدار اور پارسا شخص کی حیثیت سے ایسی نمایاں تھی کہ آپ ہز ہائی نس نواب بہادر نواب صادق محمد خان خامس عباسی والئی ریاست بہاولپور کے محل کے میڈیکل آفیسر مقرر کر دیئے گئے۔ مگر احمدیت کی وجہ سے آپ کی سخت مخالفت ہوئی اور آپ کو اس عہدہ سے برخاست کر دیا گیا۔ آپ پیغامِ احمدیت پہنچاتے رہے۔ اور سچّی بات کہنے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ آپ حد درجہ مہمان نواز تھے۔ ایک احمدی ڈاکٹر کی حیثیت سے آپ میں یہ وصف بھی بہت نمایاں تھا کہ نہ صرف مریضوں کا ہمدردی سے علاج کرتے بلکہ نقدی، کپڑوں اور غذا سے بھی مدد فرماتے۔ بڑے متوکل انسان تھے۔ "اللہ مالک ہے" تکیہ کلام تھا۔ قرآن مجید کا ایک خاصا حصّہ حفظ تھا۔ درثمین اردو و فارسی کے بہت سے اشعار یاد تھے۔ اور اس کا ذوق اپنے بچّوں میں پیدا کرنے کے لئے اکثر بیت بازی کراتے اور ان کی ذہانت پر خوش ہو کر انعام بھی دیتے تھے۔ شعر و سخن کا پاکیزہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی بعض نظمیں الفضل اور مصباح میں شائع شدہ ہیں۔

۱۹۳۶ء میں آپ پنشن لے کر مستقل طور پر قادیان آ گئے اور پھر تقسیمِ ملک کے بعد ماڈل ٹاؤن لاہور میں قیام پذیر ہو گئے۔ ۱۴ر جنوری ۱۹۵۵ء کو انتقال کیا۔ اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن کئے گئے۔

اولاد ڈاکٹر احسان علی صاحب۔ سردار رحمت اللہ صاحب۔ سردار عبدالرحمٰن صاحب۔ حمیدہ صابرہ بیگم صاحبہ۔ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ۔ سردار عبدالمنان صاحب۔ سردار عبدالسلام صاحب۔ سردار عبدالحمید صاحب۔ سردار عبدالرشید صاحب[۱]۔

---

[۱] "تاریخ احمدیت لاہور" صفحہ ۲۸۲۔ (مؤلفہ مولانا عبدالقادر صاحب۔ نومسلم)

۴۔ حضرت حکیم شیخ فضل حق صاحب[۱] بٹالوی

(ولادت[۱] ۱۸ جون ۱۸۸۱ء تقریباً۔ بیعت اندازاً ۱۸۹۲ء۔ وفات[۲] ۴ جولائی ۱۹۵۵ء)۔

آپ کے والد شیخ نور احمد خانصاحب ذکار رئیس بٹالہ "براہینِ احمدیہ" کی تصنیف و اشاعت کے دوران حضرت مسیح موعود و مہدی مسعودؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور شروع سے ہی حضور کے عقیدت مند تھے۔ اگرچہ شیخ نور احمد صاحب نے بیعت نہیں کی۔ مگر مخالفت بھی کبھی نہیں کی۔ اور مردم شماری میں اپنا نام احمدی ہی لکھوایا۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۲۷ دسمبر ۱۸۹۲ء کے جلسہ سالانہ میں شریک ہونے والے اصحاب کی فہرست میں ان کا نام ۱۴۶ نمبر پر اور اُن کے بیٹے حضرت حکیم شیخ فضل حق صاحب کا نام ۱۴۷ نمبر پر درج فرمایا[۳]۔ شیخ نور احمد صاحب ۲۲ ستمبر ۱۹۱۷ء کو فوت ہوئے۔ اور اپنے بھائی مکرم ظفر الحق خانصاحب اور بہنوں کی پرورش اور تعلیم نیز سارے خاندان کی ذمہ داریاں حضرت شیخ فضل حق صاحب پر آگئیں[۴]۔ آپ کی ایک بہن کی نسبت بٹالہ کے ایک معزز غیر احمدی خاندان میں ہو چکی تھی۔ والد ماجد کی وفات کے بعد حضرت حکیم صاحب نے ان لوگوں سے کہہ دیا کہ اب میں اپنی بہن کا ولی ہوں۔ میں اس کا رشتہ احمدیوں میں ہی کروں گا۔ چنانچہ آپ کی یہ بہن حضرت ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے کے ساتھ بیاہی گئیں۔ اسی طرح آپ کی بڑی بیٹی کے رشتہ کے لئے اُس کے غیر احمدی نانا نے ایک بڑے معزز خاندان میں سلسلہ جنبانی شروع کر رکھی تھی۔ حضرت حکیم شیخ فضل حق صاحب نے اس کا رشتہ بھی حضرت مصلح موعودؓ کے ایماء سے حکیم فضل الرحمٰن صاحب (مبلغ افریقہ) کے ساتھ کر دیا اور اس طرح دین کا ایک معیاری نمونہ پیش کیا۔

مکرم عبد الجلیل خانصاحب عشرت بی اے آنرز نے حضرت شیخ فضل حق صاحب بٹالوی کے حالاتِ زندگی پر الفضل ۱۹ مئی ۱۹۵۶ء کے صفحہ ۴ پر ایک معلوماتی مضمون لکھا۔ جس میں خاص طور پر ان کے دین کو دُنیا پر مقدم کرنے کے اس مثالی نمونہ کا تذکرہ کیا۔ نیز لکھا کہ "مرحوم کی جوانی کے ایام

۱؎ روزنامہ الفضل ربوہ ۲۸ جولائی ۱۹۵۵ء صہ۔ ۲؎ روزنامہ الفضل ربوہ ۱۹ مئی ۱۹۵۵ء صہ۴۔

۳؎ "آئینہ کمالاتِ اسلام" ضمیمہ ۴؎ روزنامہ الفضل ربوہ ۸ جولائی ۱۹۵۵ء صہ۵۔

میں ممبرانِ ینگ مین کلکے زئی ایسوسی ایشن بٹالہ نے متفقہ رائے سے اِن کو اپنی ایسوسی ایشن کا صدر منتخب کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ککے زئی برادری نے محض احمدیّت کی وجہ سے انہیں صدارت سے الگ کر دیا۔ حکیم صاحب نے اطلاع بھجوائی کہ مَیں پریذیڈنسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ بلکہ ممبری بھی چھوڑتا ہوں۔ حکیم صاحب کی طبیعت میں اپنے عقائد میں از حد پختگی تھی۔ وہ بلا خوف لومۃ لائم اپنے اصول کے مطابق عمل کرتے تھے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ یہ بڑا مشکل کام ہے۔ بٹالہ میں حکیم صاحب مرحوم کی ذات مرجعِ خواص وعام تھی۔ خاندانی عزّت کے علاوہ ذاتی وجاہت، حسنِ اخلاق، مہمان نوازی اور پھر ان کی حذاقتِ طبّ کی وجہ سے لوگ کھنچے چلے آتے تھے۔ بٹالہ میں ان کے مکان پر اکابرِ سلسلہ اکثر آتے جاتے رہتے تھے۔ . . . حکیم صاحب متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ تہجد کی نماز وفات تک باقاعدہ ادا کرتے رہے۔ دعاؤں پر مداومت کرتے تھے . . . . . ہمیشہ خطوں میں لکھتے رہتے کہ میرے لئے دُعا کرو کہ خدا میرا انجام بخیر کرے۔ اور سچ یہ ہے کہ یہ سب سے جامع دُعا ہے خود بڑے مستجاب الدعوات تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ایسا کبھی نہیں ہُوا کہ خدا نے میری دُعا قبول نہ کی ہو . . . . . طبیعت میں انکساری اور عاجزی بے حد تھی۔ رقیق القلب تھے۔ لیکن صابر و شاکر بھی انتہا درجے کے تھے۔ حکیم فضل الرحمٰن صاحب مرحوم مجاہد افریقہ کوئی ۱۶ سال مسلسل بحیثیت مبلغ افریقہ باہر رہے۔ ان کی عدم موجودگی میں حکیم فضل الحق صاحب کی بیٹی (زوجہ حکیم فضل الرحمٰن صاحب مرحوم) اپنے والد کے پاس رہیں۔ خاوند سے علیحدگی جہاں بیوی بچّوں کے لئے ایک مسلسل امتحان تھا۔ وہاں لڑکی کی حالت بوڑھے باپ کے لئے بھی بہت تکلیف کا موجب تھی۔ لیکن مرحوم صبر سے برداشت کرتے رہے۔ اور دُعاؤں پر ہی تکیہ کیا۔ پھر تقسیم ملک پر اپنی لاکھوں روپے کی جائیداد چھوڑ کر جب پاکستان آئے تو کوئی مکان یا دکان الاٹ نہ ہوئی اور نہ وظیفہ مِلا۔ ایک رشتہ دار نے از خود کچھ زمین الاٹ کرا دی۔ لیکن مرحوم کے استغناء کا یہ عالم تھا کہ کبھی جاکر اتنا بھی پتہ نہ کیا کہ زمین کہاں ہے؟ اور اس کی کیا آمدنی ہے؟

مرحوم نے فنِ طبّ محض ایک شغل کے طور پر سیکھا، خود ہی مطالعہ سے طبّ میں اتنی دستگاہ حاصل کر لی کہ دُور دُور سے مریض آتے تھے۔ ہاتھ میں شفا تھی۔ علاج کے ساتھ دُعا بھی کرتے تھے۔ طبّ کی کُتب کا مطالعہ اِس دقّتِ نظر سے کیا کہ کتابوں پر ان کے ہاتھ سے لکھے ہوئے بے شمار نوٹ موجود ہیں۔ ہر کتاب کے ہر صفحہ میں خالی کاغذ لگوائے ہوئے تھے جن پر اپنے تجربہ اور مطالعہ کے نتائج نوٹ کی صورت میں

محفوظ کر لئے تھے۔...[1]"

حضرت حکیم صاحب بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن کئے گئے۔ آپ کی وفات پر بعض معزز ہندو صاحبان کی طرف سے بھی تعزیت کے خطوط موصول ہوئے۔ آپ نے اپنے پسماندگان میں اپنی بیوی کے علاوہ ایک بیٹا (افتخار الحق صاحب بیرسٹر) اور چار بیٹیاں بطور یادگار چھوڑی ہیں[2]۔

۵۔ حضرت سیّد نذیر حسین شاہ صاحبؓ پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ

(ولادت قریباً ۱۸۸۴ء۔ بیعت ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۴ء بمقام سیالکوٹ۔ وفات ۲۸ جولائی ۱۹۵۵ء)

حضرت سیّد نذیر حسین شاہ صاحب بہت نیک، متقی، سلسلہ عالیہ احمدیہ کے جاں نثار، آنریری مبلغ اور مناظر تھے۔ آپ کی وجہ سے گھٹیالیاں اور اس کے ماحول میں احمدیت کا نور پھیلا[3]۔

آپ کو کس طرح امام الزمان کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی؟ اس کی تفصیل حضرت شاہ صاحب کے قلم سے درج ذیل کی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

میرے والد صاحب[4] خود بیعت لیا کرتے تھے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے اِن کو اس قدر محبت تھی کہ اپنے مریدوں اور شاگردوں کو کہا کرتے تھے کہ جاؤ اور مرزا صاحب کی بیعت کرو۔ ہم مسجد میں تھے کہ ایک شخص سیّد شبیر شاہ نام چند اشتہار لایا اور میرے والد صاحب کو دیئے۔ ان اشتہارات میں مباحثہ امرتسر کا ذکر تھا۔ اور وہ شخص امرتسر سے ہی آرہا تھا۔ مَیں نے وہ پڑھے اور ان کا مجھ پر گہرا اثر ہوا۔ پھر جب سورج اور چاند کو گرہن[5] لگا۔ تو اس وقت مَیں اپنے گھر ہی تھا۔ میرے والد صاحب یہ کہہ رہے تھے کہ یہ حضرت مرزا صاحب کی صداقت کا نشان ہے۔ اس بات کا بھی مجھ پر اثر ہوا۔ پھر مولوی قطب الدین صاحب ایک موقع پر یہاں تشریف لائے۔ اور کوٹلی لوہاراں کا ایک مولوی عبد الصمد اِن کے ساتھ بحث کے لئے آیا۔ پہلے بحث نکے پنڈ مسجد میں شروع ہوئی۔ مولوی عبد الصمد حُبّ للّٰہ۔ بغض للّٰہ بار بار کہتا

---

[1] الفضل ۱۹ رمئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۴۔ [2] ایضاً۔

[3] الفضل ۴ راگست ۱۹۵۵ء و ۱۰ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔ "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۹۲۷ء صفحہ ۲۰۲۔

[4] نام سیّد نیاز علی شاہ صاحب۔ [5] مارچ۔ اپریل ۱۸۹۴ء کا واقعہ ہے۔

تھا۔ مولوی قطب الدین صاحب معاویہؓ اور علیؓ کی باتیں کر رہے تھے۔ کہ والد صاحب نے دونوں کو روک دیا۔ اور فرمایا کہ آج جمعہ ہے۔ تمام لوگوں کے سامنے باتیں کرو۔ چنانچہ جمعہ کے لئے لوگ جمع ہوئے۔ اور مولوی عبدالصمد صاحب نے خطبہ جمعہ شروع کیا۔ اس خُطبہ میں بھی وہ حُبّ للّٰہ اور بغض للّٰہ کے الفاظ بار بار کہتا تھا۔ اور حضرت صاحب کے خلاف بھی کچھ اُس نے کہا . . . . . مولوی قطب الدین صاحب میرے والد صاحب کے پاس آئے اور کچھ کان میں کہہ کر پھر واپس اپنی جگہ چلے گئے۔ جب وہ نماز کے لئے آگے مصلی پر کھڑا ہونے لگے تو مولوی صاحب نے کہا کہ ان مولوی صاحب کے پیچھے میری نماز نہیں ہو سکتی۔ اس پر میرے والد صاحب نے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد مُتَوَفِّيْكَ پر بحث ہوئی۔ مولوی عبدالصمد صاحب نے دورانِ بحث پانی مانگا اور بدحواس سے ہوگئے۔ اِس پر گاؤں والوں کو محسوس ہؤا کہ وہ جھوٹے ہیں۔ اور احمدیّت کی طرف اِن کا رجوع ہؤا۔ اس وقت تک گاؤں میں کوئی احمدی نہیں تھا۔ اس گفتگو کا بھی مجھ پر خاص اثر ہؤا۔ میرے والد صاحب کی وفات ۱۹۰۳ء میں ہوئی۔ ان کی وفات کے معًا بعد حضرت اقدس کی طرف سے ان کے نام رسالہ دافع البلاء آیا جو مَیں نے وصول کیا۔ مرض الموت میں والد صاحب نے مجھے وصیت کی تھی کہ مخالفت نہ کرنا اور مان لینا اس وقت تک ہمارے گاؤں میں کوئی احمدی نہ تھا۔ جب حضرت اقدسؑ سیالکوٹ[1] تشریف لے گئے۔ تو گھٹیالیاں میں چونکہ احمدیّت کے متعلق ایک رَو پیدا ہو چکی تھی۔ اس لئے یہاں سے سترہ اٹھارہ آدمی گئے تھے۔ اور قریبًا سب نے بیعت کر لی تھی۔ بیعت کا واقعہ یوں ہے کہ جس روز حضرت اقدسؑ نے سیالکوٹ جانا تھا۔ اس سے ایک روز پہلے ہم گئے تھے۔ . . . حضرت صاحب کی آمد آمد تھی۔ اس لئے عصر کے وقت ہی تمام شہر کے معزّزین اور مضافات کے لوگ جوق در جوق سٹیشن پر جانے لگے۔ ہم بھی پہنچ گئے۔ حضورؑ کی گاڑی شام کے وقت اسٹیشن پر پہنچی اور جس ڈبہ میں حضورؑ تھے۔ اسے کاٹ کر راجہ کی سرائے کے پاس لے جایا گیا۔ حضورؑ ایک فٹن پر سوار ہوئے۔ دو رویہ قطاروں میں لوگ کھڑے تھے اور پولیس گشت کر رہی تھی۔ حضرت صاحبؑ کے پاس ایک شخص لیمپ لے کر کھڑا تھا اور کہتا تھا کہ یہ مرزا صاحب ہیں۔ بعد میں وہ شخص مجھے ملا اور احمدی ہونے کی وجہ سے اُس سے واقفیت ہوگئی۔ وہ حکیم عطا محمد صاحب گودھ پور والے تھے۔

---

[1] یہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۴ء کا واقعہ ہے۔

وہاں مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے جمعہ[1] کی نماز پڑھائی میں بالکل حضرت صاحبؑ کے پاس کھڑا تھا اور حضورؑ ہی کی طرف میری توجہ تھی۔ جمعہ کے بعد حضور کے لئے ایک کرسی بچھائی گئی۔ حضورؑ تشریف فرما ہوئے اور سورۃ فاتحہ کی تفسیر کی۔ جس وقت حضورؑ سورۃ فاتحہ پڑھ رہے تھے۔ مَیں نے دل میں خیال کیا کہ یہ بالکل بھولی بھالی شکل کا انسان ہے جو تقریریں ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں وہ اِن کی ہرگز نہیں ہو سکتیں۔ مگر حضورؑ نے تقریر فرمائی تو میرا سارا شک رفع ہوگیا۔ اس تقریر میں حضورؑ نے فرمایا کہ لوگ خدا تعالیٰ سے دُعائیں کرتے ہیں کہ وہ ربّ العالمین ہے۔ مالکِ یوم الدین ہے اور چاہتے ہیں کہ گمراہی کے ازالہ کا اللہ کوئی علاج کرے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے علاج کا سامان کیا ہے تو لوگ منکر ہو رہے ہیں۔ کیا خدا تعالیٰ ظالم ہے کہ ایک تو اُمت گمراہ ہو رہی ہے اور دوسرے ان میں ایک دجّال کو بھیج کر انہیں اور گمراہ کرے۔ یہ سوچتے نہیں۔[2] اس تقریر کا لوگوں پر اس قدر اثر ہُوا کہ بے شمار مخلوق نے بعیت کی۔ مجھے چوہدری اللہ دتّا صاحب (خاناں والی میانوالی والے) نے کہا کہ بعیت کرو۔ کیا دیکھتے ہو؟ ان کی تحریک سے مَیں نے دستی بعیت کرلی۔ اس سے پہلے میں حضرت اقدسؑ کی ہر مجمع میں تائید کیا کرتا تھا۔ مگر ابھی تک بعیت نہیں کی تھی۔ ہاں ایک بات یاد آئی جب حضرت صاحب فٹن پر سوار ہوئے تو ایک شخص جو میرے پاس کھڑا تھا اُس نے کہا کہ "یہ مُنہ جھوٹے کا نہیں"[3]

آپ کی تعلیم صرف پرائمری تک محدود تھی۔ مگر بچپن سے ہی تعلیم حاصل کرنے کا شوق تھا۔ چودہ پندرہ برس کی عمر میں جہاں بھی کسی علم دوست کا پتہ چلتا وہاں پیدل چل کر اس سے استفادہ کرتے۔ حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ السلام کی کُتب پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اور اہلِ قلم[4] تھے۔ قرآن مجید پڑھنے اور اس پر غور کرنے کا خاص شوق تھا۔ علمِ طبّ میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ اور دَوا کی نسبت دُعاؤں کے زیادہ قائل تھے۔ مریضوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بڑی گریہ وزاری سے دُعا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں شفا رکھی تھی۔ آپ ہمیشہ مرض کی تشخیص کے بعد معمولی سی قیمت کی دوا تجویز کرتے۔ اپنے علاقے میں ہر دل عزیز اور مقبول تھے۔ صبح سے لے کر شام تک آپ کا ہر کام گھڑی کی سوئی کی طرح اپنے

---

[1] ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۴ء۔ [2] الحکم ۱۰-۱۷ نومبر ۱۹۰۴ء میں یہ تقریر چھپ چکی ہے۔
[3] روایات غیر مطبوعہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۳۷ تا صفحہ ۲۴۱۔ [4] اخبار بدر ۲۷ جون ۱۹۰۷ء۔

وقت پر ہوتا۔ طبیعت کی شگفتگی اور لطیفہ گوئی سے سب کو محظوظ فرماتے۔ کفایت شعاری آپ کی عادت تھی۔ ہمیشہ سادہ کھانا کھایا اور سادہ لباس پہنا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہایت سعید فطرت عطا کی تھی اور ہمیشہ یہی کوشش کرتے تھے کہ ہر ایک سے بھلائی ہو۔ اور دُوسروں کو بھی یہی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی کوشش سے لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے دو پرائمری سکول جاری ہوئے[1]۔

۱۹۲۷ء سے لیکر جب کہ آپ پہلی بار مجلس شوریٰ کے ممبر منتخب ہوئے۔ سالہا سال تک آپ کو اپنے حلقہ کی نمائندگی کرنے کا موقع ملا۔ صدر انجمن احمدیہ قادیان کی رپورٹ سالانہ ۳۵-۱۹۳۴ء سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ ضلع سیالکوٹ کے حلقہ خاناں والی میانوالی اور چندر کے منگولے میں انسپکٹر بیت المال کے اعزازی فرائض بھی بجا لاتے رہے۔ آپ تحریکِ جدید کے پانچہزاری مجاہدین میں سے تھے۔ اور موصی تھے۔ مگر اپنے گاؤں میں ہی امانتاً سپردِ خاک کئے گئے[2]۔

۶۔ حضرت ماسٹر محمد حسن صاحبؓ آسان دہلوی

(ولادت جنوری ۱۸۸۹ء بمقام پٹیالہ[3]۔ بیعت اپریل ۱۹۰۰ء[4]۔ وفات ۲۵ اگست ۱۹۵۵ء[5])

خاندانی حالات سلسلہ چشتیہ کے مشہور مشائخ اور گدی نشینوں میں حضرت شاہ فخر الدین دہلوی (ولادت ۱۱۲۶ھ / ۱۷۱۷ء وفات ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۵ء) کے ممتاز مرید، خلیفہ مجاز اور سجّادہ نشین حضرت خواجہ حافظ وزیر محمد خاں شاہ محبّ اللہ صاحبؒ بہت مشہور بزرگ گزرے ہیں جناب خواجہ حسن نظامی دہلوی نے اپنی کتاب "نظامی بنسری" میں اور محمد عمر خانصاحب ساکن بستی عمر خاں ضلع ہوشیارپور نے اپنی کتاب "یادِ پیر[6]" کے صفحہ ۹۴، ۹۵ پر اور جناب پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی ایم اے استاد شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے "تاریخ مشائخ چشت[7]" کے صفحہ ۵۲۹ پر ان کا

---

[1] الفضل ۱۰ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵ (مضمون محمد احمد یحییٰ صاحب)۔ [2] الفضل ۱۰ ستمبر ۱۹۵۵ء ص۵۔
[3] الفضل ۲۸ اگست ۱۹۵۵ء ص۲۔ [4] الحکم ۱۷ اپریل ۱۹۰۰ء ص۱۱۔ [5] الفضل ۲۷ اگست ۱۹۵۵ء ص۲
[6] طبع اوّل ۱۹۳۱ء ناشر رسالہ "ارمغانِ دہلی" دِلّی پرنٹنگ ورکس دہلی۔
[7] ناشر ندوۃ المصنفین اردو بازار دہلی طبع اوّل مئی ۱۹۵۳ء مطبوعہ اشوکہ پریس دہلی۔

خصوصی تذکرہ کیا ہے۔ کراچی سے شائع شدہ "شجرہ شریف پیران نظام خاندانِ عالیہ چشتیہ نظامیہ فخریہ" کے مطابق حضرت شاہ محب اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ ارجمند حضرت مولوی محمود الحسن خان صاحبؓ کو اوائل میں ہی مہدیٔ دوراں و مسیح الزمان کے دامن سے وابستگی کا شرف نصیب ہوا۔ چنانچہ قدیم رجسٹر بیعت میں آپ کی بیعت کا نمبر ۲۲۴ اور تاریخ بیعت ۶ مئی ۱۸۹۱ء درج ہے۔ اور آپ کا پتہ ان الفاظ میں دیا گیا۔ "مولوی محمود حسن خان صاحب ولد وزیر محمد خان ساکن کھدیالی علاقہ دہلی حال مدرّس موضع جھنانوالی علاقہ پٹیالہ۔"

واقعہ بیعت حضرت مولوی محمود الحسن خان صاحبؓ

حضرت ماسٹر محمد حسن صاحب آسان دہلوی (خلف الصدق حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؓ) آپ کے واقعہ بیعت کی تفصیل پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"والد صاحب فرماتے تھے کہ اگرچہ مجھ کو ایامِ جوانی میں صوفیاء کے گروہ سے کوئی خاص عقیدت حاصل نہ تھی لیکن اُن کے والد صاحب کو اس قدر عشقِ الٰہی تھا کہ ہر وقت و ہر لحظہ روتے رہتے تھے۔ یہ اسی عشقِ الٰہی کی برکت ہے کہ مجھ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خدام میں شامل ہونے کا شرف نصیب ہوا۔ ورنہ جوانی میں نیچریانہ خیال رکھتا تھا۔ نماز روزے کی طرف کوئی رغبت نہ تھی۔ ایسی حالت میں بغیر ذاتی نیک اعمال کے کسی مخفی تصرّف الٰہی کے ذریعہ صحابہ کی جماعت میں شامل ہونا خدائے ذوالجلال

ل آپ مشہور عالم دین مولوی محمد جعفر تھانیسری کے سمدھی تھے۔ آپ کی ایک بیٹی ہاجرہ خانم مولوی تھانیسری صاحب کے چھوٹے بیٹے مولوی محمد عثمان سے بیاہی ہوئی تھیں۔ اسی طرح مشہور مصنف اور نعت نویس مولوی سید احمد صاحب دہلوی (مؤلف فرہنگ آصفیہ) سے بھی آپ کی عزیزداری تھی۔ آپ کے ایک بھتیجے ان کے نہایت قریبی عزیزوں میں بیاہے ہوئے تھے۔

ک مولوی سیّد اقبال علی صاحب قائم مقام سب جج اودھ اپنی کتاب "سیّد احمد خان کا سفرنامہ پنجاب" کے صفحہ ۲۷۰ پر لکھتے ہیں۔ "حضرت مولوی محمود حسن خانصاحب ایک بہت بڑے عالم اور فاضل بزرگ پٹیالہ کے ایک مدرسہ میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ باوجود مولوی ہونے کے نہایت روشن خیال شخص تھے۔ اُس وقت جبکہ سرسید پر ہر طرف سے کُفر کے فتوؤں کی بھرمار ہو رہی تھی وہ سرسید کی تعلیمی تحریک کے نہایت مؤید اور حامی تھے۔ الخ" (مطبوعہ ۱۸۸۴ء علی گڑھ انسٹیٹیوٹ پریس)۔

کا خاص فضل و اکرام اور اس موہبت الٰہی کے نزول کی وجہ صرف والد صاحب کا وہ عشقِ الٰہی ہی معلوم ہوتا ہے۔

ایک دفعہ والد صاحب اپنی سسرال میں والدہ صاحبہ کو پہنچانے پٹیالہ آئے۔ نانا شیخ فخر الدین صاحب اس وقت مجسٹریٹ تھے۔ نانا صاحب نے براہینِ احمدیہ کا ایک نسخہ یہ کہہ کر دیا کہ مولوی صاحب! پنجاب میں ایک بزرگ دہریوں اور بالخصوص سرسید صاحب جیسوں کے سر کچلنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ والد صاحب نے بہت بے رغبتی سے کتاب لے لی لیکن جب جلی قلم میں اشتہار دیکھا اور پڑھا۔ والد صاحب فرماتے تھے کہ میرا سانس سینہ میں اچھلنے لگا۔ بے ساختہ زبان سے نکل گیا کہ واقعی یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور معلوم ہوتا ہے۔ والد صاحب کتاب کو ساتھ لے گئے۔ اور کئی دفعہ کتاب کو مطالعہ کیا۔ کچھ عرصہ بعد پھر پٹیالہ آئے اور نانا صاحب کو کتاب واپس کرنی چاہی لیکن نانا صاحب نے کہا کہ (نعوذ باللہ) یہ شخص بے دین ہو گیا ہے کیونکہ نبوّت کا مدعی ہے۔ اب اس کتاب کو آپ ہی رکھیں۔ اس وقت والد صاحب کے دل میں حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہونے کا بیحد اشتیاق ہوا۔ خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ اگر تیرے مقدرات میں قریب ہی میری موت مقدر ہے تو اپنے فضل سے اُس وقت تک زندہ رکھ کہ اس مہینہ کی تنخواہ مل جائے۔ اور میں اس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ تنخواہ ملنے پر آپ لدھیانہ روانہ ہو گئے اور خدمتِ اقدس میں باریابی حاصل کی۔ اس وقت دو چار احباب حاضر خدمت تھے جن میں ایک بزرگ حضرت پیر سراج الحق صاحب بھی تھے.....وہاں آپ نے جری اللہ فی حلل الانبیاء سیدنا حضرت بروزِ اتم محمدؐ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔[1]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۲۶ مارچ ۱۸۹۱ء کو ایک ضروری اشتہار[2] مطبع دیدبہ اقبال ربّی لدھیانہ سے شائع فرمایا جس میں علمائے وقت کو اپنے عقائد کی حقانیت پر تحریری مباحثہ کی دعوت دی تھی۔ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی جمالی ہانسوی سرساوی کا بیان ہے کہ جب حضرت

۱؎ "الحکم" قادیان ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ (مضمون حضرت ماسٹر محمد حسنؓ آسان)

۲؎ مجموعہ اشتہارات حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد اوّل صفحہ ۲۰۲ تا صفحہ ۲۰۴

اقدس نے قیامِ لدھیانہ کے دوران یہ اشتہار دیا تو "مَیں سب کام چھوڑ کر لودھیانہ حاضر ہوا تو مخالفت کا بہت زور تھا۔ مولوی محمود الحسن خانصاحب احمدی بھی جو دہلی کے قرب و جوار کے رہنے والے اور پٹیالہ میں مدرس بن آئے ہوئے تھے عرض کیا کہ حضور اب ہم ہر جگہ اعلان کریں کہ جو عیسیٰ علیہ السّلام آنے والے تھے آ گئے اور علیہ السّلام بھی ساتھ میں لکھیں۔ حضور نے فرمایا کہ بے شک یہی کہو اور علیہ السّلام بلکہ صلوٰۃ بھی کہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نام کے ساتھ صلوٰۃ کا لفظ فرمایا ہے[۱]"

حضرت مولوی محمود الحسن خانصاحب کا نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے مخلصین میں نہ صرف اپنی مشہور کتاب ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ ۸۲۲ پر بلکہ ضمیمہ انجام آتھم ۳۱۳ اصحابِ خاص کی فہرست میں ۳۰۱ نمبر پر درج فرمایا۔

اخلاص و فدائیت

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خانصاحب نے آپ کے اخلاص اور دینی اور تبلیغی جوش کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"آپ سادہ مزاج مگر باوقار احمدی تھے باوجودیکہ قلیل آمدنی رکھتے تھے مگر چندہ کی ادائیگی باقاعدہ کیا کرتے تھے۔ جب ۱۹۰۶ء میں مَیں سیکرٹری مال جماعت پٹیالہ بنا اور چندہ وغیرہ کی وصولی کا کام میرے سپرد ہوا۔ تو مَیں نے آپ کا یہ نیک کردار دیکھا کہ جس روز آپ کو تنخواہ ملتی تو گھر جانے سے پہلے اکثر چندہ ادا کرتے تھے۔ اس ڈر سے کہ گھر جانے پر رقم خرچ نہ ہو جائے۔ اگرچہ ہماری جماعت پٹیالہ کے پریذیڈنٹ حضرت مولوی عبداللہ صاحب عربی پروفیسر تھے اور وہی نمازِ جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔ لیکن میری دلی خواہش یہ ہوتی تھی کہ حضرت مولوی محمود الحسن صاحب پڑھائیں کیونکہ آپ کے خطبہ میں اخلاص اور جوش پایا جاتا تھا۔ چنانچہ متعدد بار آپ کے پیچھے نمازِ جمعہ پڑھنے کا موقع ملا۔ آپ کا پُر جوش خطبہ صرف اور صرف اس مضمون پر مشتمل ہوتا تھا کہ نوجوانوں کو یورپ میں جاکر تبلیغِ اسلام کی تحریک کی جائے۔ المختصر سلسلہ کے حد درجہ فدائی اور جوشیلے بزرگ تھے۔ چونسٹھ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ سنّور اور پٹیالہ کی جماعت تجہیز و تکفین میں شریک تھی۔ اسٹیشن پٹیالہ کے قریب قبرستان میں دفن ہوئے[۲]"

---

[۱] تذکرۃ المہدی حصہ اوّل مؤلفہ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی مطبوعہ جون ۱۹۱۵ء۔

[۲] غیر مطبوعہ تحریر ۱۳ دسمبر ۱۹۱۰ء۔ حضرت محمد حسن آسان کا بیان ہے: "مرتے وقت وصیت کی کہ حضرت بایزید بسطامی روزمرّہ کے کپڑوں میں دفن ہوئے تھے مجھے بھی ایک جوڑا جو پہلے سے دُھلا ہوا موجود تھا، پہنا کر ایک چادر میں لپیٹ دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (الحکم ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۵)

حضرت ماسٹر محمد حسن صاحب آسان کا تبلیغی جوش اور ایثار و خلوص

حضرت ماسٹر محمد حسن صاحب آسان دہلوی کو تبلیغی جوش اور ایثار و خلوص اپنے والد ماجد سے ورثہ میں ملا تھا۔ چنانچہ آپ کے فرزند جناب مسعود احمد خان صاحب دہلوی ایڈیٹر روزنامہ الفضل تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"یہی جوش اور خدمت اپنی دُعاؤں نمونہ اور محنت کے ساتھ اپنی پوری اولاد میں منتقل کیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

آپ کو بچپن میں ہی حضور علیہ السّلام کی مجلس میں شریک ہونے اور حضور کے رُوح پرور ارشادات سُننے اور انہیں ذہن نشین کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ بچپن کے زمانہ میں میسّر آنے والے فیضِ صحبت کا ہی اثر تھا کہ آپ میں دین کے لئے غیر معمولی جوش اور غیرت کا مادّہ بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔ نہایت خوش گو اور قادر الکلام واقع ہوئے تھے۔ تبلیغ کا کوئی موقع آپ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ نہ صرف نمازیں نہایت التزام سے ادا کرتے بلکہ تہجد بھی باقاعدگی سے پڑھتے تھے۔ ان اوصاف کے علاوہ آپ کی جس نمایاں خصوصیت کا ذکر کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں ہمیشہ دین کو دُنیا پر مقدّم رکھنے کی کوشش کی۔ اور جب بھی آپ کی زندگی میں ایسے مواقع پیدا ہوئے کہ جن میں دین اور دُنیا ایک دُوسرے کے مقابل ہو کر باقاعدہ ایک معیّن مسئلے کی صورت میں سامنے آئے آپ نے ہمیشہ دین کو ترجیح دی اور دُنیاوی فائدے، شہرت یا ناموری کو اس طرح ٹھکرا دیا کہ گویا دین کے مقابلے میں ان کی پرِ کاہ کے برابر بھی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں ہے۔ حضرت ماسٹر صاحب رضی اللہ عنہ ایک خوش بیان مقرر و مناظر ہی نہیں تھے بلکہ ایک جادُو بیان داستان گو اور پایہ کے ادیب بھی تھے۔ جب کوئی دردناک قِصّہ بیان کرتے تو پتھر سے پتھر دل بھی موم ہو کر پگھل جاتے اور دردناک واقعات پر آنسو بہائے بغیر نہ رہتے۔ اُس پر حاضر دماغی اور بذلہ سنجی کا یہ عالم تھا کہ آپ کی لطیفہ گوئی پر محفل کشتِ زعفران بن جاتی۔ سامعین کو رُلانا اور ہنسانا آپ کے لئے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ جہاں تک تحریر کا تعلق ہے قلعہ مُعلّٰی کی زبان لکھنے میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ اوّل تو لکھتے ہی بہت کم تھے۔ اگر کبھی قلم اُٹھاتے تو باغ و بہار کھلا دیتے۔ الفاظ موتیوں کی طرح جڑے ہوئے دلّی کی ٹکسالی زبان میں چھوٹے چھوٹے سادہ جملے اور اُس پر بات بات میں موقع اور محل کے مطابق محاوروں کا استعمال عبارت میں ایک عجیب رنگینی

اور لطافت پیدا کر دیتا۔ ایک صاحبِ کمال ادیب اور نامور داستان گو ہونے کے باوجود آپ نے اپنی ان ادبی صلاحیتوں کو کبھی اس قدر اُجاگر ہونے نہیں دیا کہ وہ آپ کے دینی مشاغل اور بالخصوص تربیت و تبلیغ کے فریضے میں حائل ہو سکیں۔ آپ کو یہ اَمر بھی گوارا نہ تھا کہ آپ اپنے حلقہ احباب میں ادیب کی حیثیت سے مشہور ہوں۔ آپ نے اپنی ادبی شہرت کو ایک مبلغ اور خادمِ دین کی حیثیت پر قربان کئے رکھا اور یہی کوشش کی کہ دُنیا مجھے احمدیّت کے ایک خادم اور مبلغ کی حیثیت سے جانے۔ نہ کہ ایک ادیب یا قصّہ گو کی حیثیت سے۔ آپ نے ادبی صلاحیتوں کو اس طور پر استعمال کیا کہ وہ تبلیغ کے کام میں ممد ثابت ہو سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ از خود ادبی مجلسوں میں کبھی شریک نہیں ہوتے تھے۔ اگر کوئی قدردان ادیب مجبور کرکے لے بھی جاتا تو محض ایک آدھ دفعہ جاکر پھر اُس مجلس کا رُخ نہ کرتے۔ برخلاف اس کے اگر آپ یہ دیکھتے کہ ادیبوں کی کسی محفل میں جانے سے تبلیغ کا راستہ کُھلتا ہے۔ تو پھر آپ ایسی محفل میں ضرور جاتے اور ادب میں اپنا سکّہ منواتے اور وہاں اپنی اُستادانہ حیثیت تسلیم کرانے کے بعد رفتہ رفتہ پیغامِ حق پہنچانے کا راستہ اس درجہ ہموار کر دیتے کہ بالآخر ادبی محفل مجلسِ مذاکرہ علمیہ میں تبدیل ہو جاتی اور بڑے بڑے نامور ادیب گھنٹوں آپ کی تبلیغی گفتگو کو اس محویت کے ساتھ سُنتے چلے جاتے کہ گویا اس میں انہیں ایک سُرور حاصل ہو رہا ہے۔ دہلی میں جامع مسجد کے قریب مٹیا محل کے علاقہ میں ایک مشہور رئیس نواب خواجہ عبدالمجید صاحب رہتے تھے۔ اُن کے صاحبزادے خواجہ محمد شفیع دہلوی پایۂ کے ادیب تھے۔ انہوں نے اردو مجلس کے نام سے ایک ادبی محفل قائم کی۔ اس کے اجلاس اُن کے مکان پر ہر ہفتہ منعقد ہوتے تھے۔ دہلی کے شعراء اور ادیب حضرات اُس میں بکثرت شریک ہوتے۔ حتّٰی کہ خواجہ حسن[1] نظامی صاحب مرحوم بھی اُس میں گاہے گاہے تشریف لاکر اس کی سرپرستی فرماتے۔ تھوڑے عرصہ میں ہی یہ مجلس اس قدر مشہور ہو گئی کہ بچے بچے کی زبان پر اس کا تذکرہ سُننے میں

---

[1] خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی نے اپنے اخبار "منادی" کے روزنامچوں میں بھی حضرت ماسٹر محمد حسن صاحب آسان اور آپ کے بیٹوں کا نہایت محبت بھرے الفاظ میں ذکر فرمایا (روزنامچہ مورخہ ۱، ۸، ۱۳، ۱۴ اگست و یکم اکتوبر ۱۹۴۱ء) اخبار "منادی" کے وہ فائل جن میں روزنامچے شائع ہوئے۔ پاکستان نیشنل سنٹر راولپنڈی فیروز سنز بلڈنگ کی لائبریری کے ریفرنس سیکشن میں موجود ہیں۔

آنے لگا۔ اور عرفِ عام میں یہ خواجہ شفیع کی مجلس کہلانے لگی۔ عرصہ سے یہ مجلس منعقد ہو رہی تھی مگر محترم ماسٹر صاحب نے اس کی طرف کبھی توجہ نہ دی۔ اگر کسی واقف کار ادیب نے اصرار بھی کیا تو بھی شرکت سے محترز رہے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ۱۹۴۱ء میں "یوم التبلیغ" کے موقع پر جماعت کا جو وفد جامع مسجد اور مٹیا محل کے علاقے میں بھیجا گیا۔ حضرت ماسٹر آسان صاحب کو اس کا امیر مقرر کیا گیا تھا۔ اس سے قبل کسی تبلیغی وفد کے ہمراہ آپ اس علاقہ میں نہ گئے تھے۔ بلکہ سالہا سال سے فیض بازار اور دریا گنج کا علاقہ آپ کے لئے مقرر کیا جاتا تھا۔ آپ وفد لے کر گئے اور علاقے کے شرفاء سے مل کر ان تک پیغامِ حق پہنچایا۔ اتفاق سے مَیں بھی اس وفد میں شامل تھا۔ جب نواب خواجہ عبد المجید صاحب کے مکان کے آگے سے گذرے تو مَیں نے بتایا کہ یہاں خواجہ شفیع صاحب کی اُردو مجلس منعقد ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ چلو اُن کے والد خواجہ عبد المجید صاحب سے بھی ملاقات کرتے جائیں۔ دروازے پر نوکر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس سے کہا۔ نواب صاحب سے کہو چند لوگ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ نوکر واپس آیا اور کہا "نواب صاحب نے آپ کو اُوپر دیوان خانے میں طلب کیا ہے۔ ہم سب اُوپر پہنچے۔ نواب صاحب دیوان خانے میں بیٹھے اپنے کسی دوست سے باتیں کر رہے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور بڑے تپاک سے ملے اور ہمیں صوفوں پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ اس کے بعد ہم لوگوں سے مخاطب ہوئے اور کہا کہئے آپ لوگ کس لئے تشریف لائے ہیں؟۔ محترم ماسٹر صاحب نے فرمایا۔" ہم جماعت احمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آج ہمارا یوم التبلیغ ہے۔" محترم ماسٹر صاحب نے اتنا ہی کہا تھا کہ نواب صاحب کے ماتھے پر بل پڑ گئے اور انہوں نے نہایت دُرشت لہجے میں کہا۔" مَیں آپ لوگوں کی کوئی بات سُننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں۔" ماسٹر صاحب نے نہایت نرمی اور لطافت سے انہیں پھر مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔" آپ ذرا توقف فرمائیں۔ صرف دو منٹ مجھے بولنے دیں اگر پھر بھی آپ سمجھیں کہ میرا بولنا آپ کے ذوق سماعت پر بار ہے۔ تو ہم لوگ فوراً یہاں سے چلے جائیں گے۔" محترم ماسٹر صاحب کو یہ خیال تھا۔ کہ دو منٹ میں مَیں انہیں رام کر لوں گا۔ اور یہ مزید بات سُننے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ مگر یہ سُنتے ہی نواب صاحب کھڑے ہو گئے اور پان چباتے ہوئے نہایت غضبناک لہجے میں دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے۔ "آپ فوراً میرا دیوان خانہ خالی کر دیں۔ اور میرا وقت ضائع نہ کریں۔ اُن کے کھڑے ہونے پر ہم لوگوں کو بھی کھڑا ہونا پڑا۔ اور ہم نواب صاحب کے مزید تحکم پر دیوان خانہ سے چُپ چاپ باہر آ گئے۔ نواب صاحب کے لہجے کی دُرشتی

بڑھتی جا رہی تھی۔ محترم ماسٹر صاحب نے دیوان خانہ سے نکلتے ہوئے نہایت پُرشوکت آواز میں فارسی کا ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ "دولت کے گھمنڈ میں حق سے مُنہ موڑنا فرزانگی کے خلاف ہے۔ اصل مالدار وہ ہے جو حق وصداقت کی دولت سے مالا مال ہے۔" اس شعر کو سُنتے ہی نواب صاحب کا غصّہ دھیما ہو گیا۔ اور اُنہوں نے مزید کوئی فقرہ اپنی زبان سے نہ نکالا۔ اور ہم لوگ وہاں سے چلے آئے۔

اس واقعہ کے بعد میں نے دیکھا کہ محترم ماسٹر صاحب نے اس بات کی شدید خواہش ظاہر کی۔ کہ وہ بھی اُردو مجلس میں شریک ہوں۔ ماسٹر صاحب کے ادیب دوست تو پہلے ہی وہاں جانے پر اصرار کر رہے تھے۔ اَب کے جو ایک دوست نے اصرار کیا۔ تو آپ فوراً چلنے پر آمادہ ہو گئے۔ لباس انتہا سے زیادہ سادہ ہوتا تھا۔ اس لئے اکثر لوگ تا وقتیکہ آپ گویا نہ ہوں۔ خاطر ہی نہیں لاتے تھے۔ چنانچہ خواجہ شفیع صاحب نے بھی اوّلاً کوئی توجہ نہ دی۔ لیکن جب والد صاحب نے قلعہ معلّٰی کی زبان میں ایک کہانی پڑھ کر سنائی۔ تو ٹکسالی زبان اور اندازِ بیان پر ساری محفل پھڑک اُٹھی۔ اس قدر داد ملی جس کا شمار نہیں۔ تعریف کرتے خواجہ شفیع صاحب کی زبان خشک ہو گئی۔ محفل کے اختتام پر خواجہ صاحب نے بڑے اصرار سے درخواست کی۔ کہ اگلے ہفتہ بھی ضرور تشریف لادیں۔ چنانچہ مجلس میں جانا شروع کر دیا۔ جب بھی جاتے خود خواجہ شفیع اور تمام دوسرے ادیب سر آنکھوں پر بٹھاتے۔ اور بہت احترام کے ساتھ پیش آتے۔ رفتہ رفتہ لطیفہ گوئی کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ ایک مجلس میں اتفاق سے خواجہ حسن نظامی بھی تشریف لے آئے۔ ماسٹر صاحب نے لطیفہ بیان کیا۔ خواجہ صاحب لوٹ پوٹ ہو گئے۔ بہت داد ملی۔ اگلی مجلس میں پھر وہی لطیفہ بیان کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ ماسٹر صاحب نے پھر لطیفہ بیان کیا۔ لیکن اور ہی انداز سے۔ خواجہ صاحب نے کہا اَب کے اور زیادہ لُطف آیا۔ خواجہ صاحب ہر مجلس میں وہی لطیفہ بیان کرنے کی فرمائش کرتے۔ حتّٰی کہ چھ سات دفعہ سُنا۔ اور کہا کہ اتنی دفعہ سُن چکا ہوں لیکن طبیعت سیر نہیں ہوئی۔ جی یہی چاہتا ہے کہ پھر سنوں۔ ان مجلسوں میں خواجہ حسن نظامی صاحب کی بعض تحریر کردہ کہانیاں ہی سُنیں ..... ایک موقع پر خواجہ صاحب نے فرمایا میں ان کو بیس بائیس سال سے جانتا ہوں۔ لیکن قادیانی جماعت کے ایک مبلغ کی حیثیت سے بار بار یہ میرے پاس آتے ہیں۔ اور ہمیشہ تبلیغ کرتے ہوئے ہی آئے ہیں انہوں نے یہ کبھی ظاہر ہونے نہیں دیا۔ کہ یہ پایہ کے ادیب بھی ہیں۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ شخص گدڑی میں لعل ہے۔ اس کے بعد انہیں "بلبل ہزار داستان" کا لقب دیا۔ اور بعد میں جب بھی یاد کرتے۔ اسی لقب سے یاد کرتے۔ اور اسی طرح رفتہ رفتہ

خواجہ شفیع صاحب کو معلوم ہو گیا کہ ماسٹر آسان صاحب تو احمدی ہیں۔ لیکن جادُو چل چکا تھا۔ اعزاز و اکرام میں فرق نہ آیا۔ ایک دن ماسٹر صاحب مجلس سے کچھ وقت قبل خواجہ شفیع صاحب کے پاس چلے گئے۔ وہاں باتوں ہی باتوں میں والد صاحب سے احمدیت کے بارے میں ذکر آ گیا۔ کہ آپ احمدی کیسے ہو گئے۔ بس پھر کیا تھا۔ تبلیغی گفتگو چل نکلی۔ خواجہ صاحب غور سے سُنتے رہے۔ اور بالآخر کہا کہ اتوار کے روز صبح تشریف لائیے۔ ہم بھی اپنے مولوی صاحب کو بلوا لیں گے پھر دو تین گھنٹے کُھل کر گفتگو ہو گی۔ اَب تک تو ہم سُنی سنائی باتوں پر ہی تکیہ کئے بیٹھے ہیں۔ محترم ماسٹر صاحب تو تھے ہی اس موقع کی تاک میں۔ چنانچہ اتوار کو جا پہنچے اور دس بجے صبح سے لیکر ایک بجے بعد دوپہر تک اُسی دیوان خانے میں کہ جہاں سے خواجہ شفیع صاحب کے والد نے انہیں نکالا تھا۔ خوب تبلیغ کی۔ اور مناظرہ کی طرح ہی نہ پڑی۔ اور ساری مجلس جس میں خواجہ شفیع صاحب نے چیدہ چیدہ حضرات کو بُلایا ہُوا تھا، محوِ حیرت محترم ماسٹر صاحب کی باتوں کو سُنتی رہی۔ بعض حضرات سوالات بھی کرتے رہے۔ جس سے سلسلۂ کلام طول پکڑتا گیا۔ محترم خواجہ عبدالمجید صاحب بھی اس وقت برابر والے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس طرح آپ کو کُھل کر تبلیغ کرنے کا موقع مل گیا۔ اُس روز جب آپ گھر واپس آئے تو بہت خوش تھے۔ اور کہتے تھے کہ آج اُس ذلّت کی تلافی ہوئی ہے کہ جب نواب خواجہ عبدالمجید صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے بعض غلاموں کو اپنے دیوان خانے سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ آج خدا نے اُسی دیوان خانہ میں تین گھنٹے تک تبلیغ کرنے کا موقع عطا فرمایا ہے۔ یہ خدا ہی کا فضل ہے کہ اُس نے مجھ جیسے حقیر آدمی کے لئے یہ کچھ کر دکھایا۔ کہاں نواب صاحب احمدیت کے بارے میں ایک لفظ سُننے کے لئے تیار نہ تھے۔ اَور کہاں آج اُسی دیوان خانہ کے در و دیوار تین گھنٹے تک احمدیت اور سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے اذکارِ مقدس سے گونجتے رہے ہیں۔ اس کے بعد مجلس میں جانا ترک کر دیا۔ اگر کسی نے اصرار بھی کیا۔ تو اُسے کہہ دیا کہ اَب ہمیں وہاں جانے کی ضرورت نہیں۔ نہ ہمیں پہلے وہاں جانے کی فرصت تھی۔ ہم اگر گئے تھے تو ایک مقصد کے تحت گئے تھے وہ مقصد بفضلہٖ پُورا ہو گیا ہے۔ اَب ہمارے واسطے اُردو مجلس کی وساطت کے بغیر ہی نواب صاحب کا دیوان خانہ تبلیغ احمدیت کے لئے کُھلا ہے۔ ہم جب چاہیں وہاں جا کر تبلیغ کر سکتے ہیں۔ جب وہاں جانا ترک کر دیا تو خواجہ حسن نظامی صاحب اور خواجہ شفیع صاحب ایک مرتبہ بارہ دری خواجہ میر دَرد میں جہاں محترم ماسٹر صاحب رہتے تھے۔ فوراً اُن کے مکان پر آئے اور مجلس میں باقاعدگی سے آنے کی خواہش

ظاہر کی۔ اُن کے کہنے سے کبھی کبھار چلے جاتے تھے۔ لیکن دلی ذوق کے ساتھ نہیں بعد میں وہاں جانا عملاً متروک ہو گیا۔ لیکن خواجہ شفیع صاحب نے بعد میں بھی احترام میں کمی نہیں کی۔ اور اکثر گھر پر آکر ملتے رہے۔ حتیٰ کہ پاکستان بننے کے بعد بھی ۱۹۵۲ء میں محترم ماسٹر صاحب کی علالت کی خبر سُنکر لاہور میں گھر پر ملنے آئے اور بڑی دیر باتیں کرتے رہے۔

اسی طرح آپ نے ہندو کائستھوں کے "سُنتنتر کلب" اور دہلی کے مشہور ادارے "ندوۃ المصنفین" کے ساتھ جو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی اور مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی وغیرہم جیسے نامور علماء دیوبند پر مشتمل تھا۔ ایک ادیب کی حیثیت سے راہ و رسم پیدا کی۔ اور بعد میں وہاں تبلیغ کی ایسی طرح ڈالی کہ گھنٹوں بحث و مباحثہ کا سلسلہ جاری رہتا۔ اور آپ خود انہی کی لائبریریوں میں سے اُن کے مسلّمہ قائدین کی کُتب نکلوا کر انہی کے حوالوں سے انہیں جواب دیتے۔ یہ چند ایک واقعات مثال کے طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ ورنہ آپ کی زندگی اس قسم کے بے شمار واقعات سے بھری پڑی ہے۔ جو اس بات پر گواہ ہیں کہ آپ نے ایک بلند پایہ ادیب ہونے کے باوجود ادبی شہرت کو ہرگز مطمح نظر نہ بنایا۔ اور اس میدان میں بھی دین کو دُنیا پر مقدّم رکھا۔ آپ زندگی بھر میں اپنی ادبی صلاحیتوں کو صرف اس حد تک ہی بروئے کار لائے۔ کہ جس حد تک پیغامِ حق پہنچانے میں اُن سے مدد ملتی ورنہ آپ محض قصّہ گوئی یا افسانہ نویسی سے کوئی علاقہ رکھنے کے لئے تیار نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کوئی مخرّب اخلاق قصّہ آپ کی قلم سے نہ نکلا۔ جو تھوڑا بہت لکھا بھی۔ لازمی طور پر اصلاحی اور سبق آموز رنگ میں ہی لکھا۔ آپ نے اپنے عمل سے احمدی ادیبوں کے لئے ایک مثال قائم کر دکھائی کہ وہ اِن صلاحیتوں کو کس طور پر صحیح رنگ میں استعمال کر کے اس میدان میں بھی دین کو دُنیا پر مقدّم کر سکتے ہیں۔ فی زمانہ احمدی ادیبوں کے لئے اس میں ایک بہت بڑا سبق مضمر ہے۔ کیونکہ ماضی میں جن احمدی نوجوانوں نے ادب میں ضرورت سے زیادہ شغف اختیار کیا۔ اُن کی ادبیت احمدیت پر غالب آگئی۔ اور شہرت کی خواہش نے اُن کو راہِ اعتدال پر قائم نہ رہنے دیا بلکہ اُن میں سے بعض تو ہمیں اب مخالفین کی صف میں نظر آتے ہیں۔

آپ کی یہ ایک بہت بڑی خوبی تھی کہ آپ صرف اور صرف احمدیت کو ہی اپنے لئے وجہِ شہرت بنانا چاہتے تھے۔ اور کسی دنیوی امتیاز کو خواہ وہ دوسروں کی نگاہ میں کتنا ہی وقیع کیوں نہ ہو۔ کوئی اہمیت دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ خادم احمدیت ہونا آپ کے نزدیک دُنیا میں سب سے بڑا اعزاز تھا۔ باقی ہر اعزاز

اس قابل تھا کہ اُسے اس "عظیم شرف" پر بلا توقف قربان کر دیا جائے۔ آپ کا ایک شعر جو اکثر و بیشتر آپ کی تربیتی تقریروں کا نقطۂ مرکزی ہوتا تھا۔ وہ شعر یہ ہے اور اسی پر میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

"کیا کم شرف ہے احمدِ مرسل کا ہوں غلام ؛ آسان دنیا لاکھ کہے تم غریب ہو"

جناب پروفیسر مسعود احمد خان صاحب دہلوی نے آپ کی تبلیغی و ادبی خدمات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"بچوں کے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لئے دفتر کی تنخواہ کافی نہ تھی۔ اس لئے کئی کئی ٹیوشنیں روزانہ پڑھاتے۔ چنانچہ اس سبب سے ماسٹر مشہور ہو گئے۔ اُن کی اس محنت نے اُن کو بوڑھا کر دیا۔ اور جب اس محنت کے دنیوی پھل کھانے کا وقت آیا تو بچوں کو وقف کر دیا۔ اور ہم کو یہی تلقین کی ......

اُن کی خود اپنی زندگی احمدیت کی فدائیت میں گذری۔ اتوار چھٹی کا دن ہوتا ہے۔ اس کی صبح تبلیغ میں گذارتے۔ اور پھر تین بجے کام پر چلے جاتے۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی کُتب کا مطالعہ اس انہماک سے کیا تھا۔ کہ عیسائیوں، آریوں اور دہریوں کے عمیق مسائل پر نہایت دلیری سے مباحثہ کیا کرتے۔ لیکن کج بحث نہ تھے۔ کبھی مناظرہ کا چیلنج نہ کیا۔ اور ضرورت پر ہمیشہ کوشش کی کہ مرکز سے کوئی بزرگ عالم تشریف لائیں۔ اور کسی بزرگ کے نہ آنے پر کہا کرتے اچھا جہاں اور "روپ نہ سہی ارنڈ روپ سہی" یعنی جیسے صحرا میں کسی کو اَور درخت نہ ملے اور پپینہ کے درخت کے چار پانچ پتوں کا ہی سایہ میسر آجائے تو غنیمت ہے۔ اسی طرح اگر کوئی عالم نہ سہی۔ تو پھر خود مناظرہ کیا کرتے۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے نہایت کامیاب مناظرے کئے۔ اور کبھی کوئی مناظرہ فساد یا لڑائی پر ختم نہ ہُوا۔ دُوسرے مذاہب کے زبردست مناظرین بھی والد صاحب کی قوّتِ استدلال کے قائل تھے۔ اور آپ کی عزّت کیا کرتے تھے۔ عیسائیوں میں پادری جوالا سنگھ، پادری سلطان پال۔ پادری عبد الحق۔ پادری احمد مسیح اور آریوں میں مہاشہ دھرم بھکشو مہاشہ رام چندر اور دلّی کے غیر احمدی علماء سے معرکۃ الآرا اور کامیاب مناظرے ہوئے۔

مجھے یاد ہے مَیں تعلیمی زمانہ میں ایک دفعہ مفتی کفایت اللہ صاحب کے پاس گیا۔ اور ختمِ نبوّت پر اُن سے استفسار کئے۔ وہ جواب دیتے رہے۔ مَیں نے مزید سوال کئے۔ آخر وہ کچھ سمجھ گئے۔ قطع کلام کرکے کہا۔ کہ تم کون ہو کس کے بیٹے ہو۔ مَیں نے کہا آسان صاحب کا۔ کہنے لگے مَیں تم سے بات نہیں کرتا۔ وہ بڑے زبردست مناظر ہیں.... پھر انہوں نے میرے والد صاحب کا عزت سے ذکر کیا۔

دہلی کے ستنتز کلب میں جس کے تمام ممبر اعلیٰ تعلیم یافتہ اور نئی روشنی کے دلدادہ تھے۔ اور دہریت کے زیر اثر تھے۔ مہینوں ہر اتوار خدا کی ہستی پر تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ کلب کے تمام ممبر ایک طرف اور والد صاحب دوسری طرف اکیلے تھے۔ آخر اُن کا سالانہ جلسہ آیا۔ سیکرٹری نے رپورٹ میں صاف اقرار کیا کہ "خدا کی ہستی کے انکار پر اب اُن کے پاس کوئی دلیل باقی نہ رہی تھی ...." ہر موضوع پر فی البدیہہ تقریر کر لیا کرتے تھے ...... سکولوں اور کالجوں کے لئے ہم بھائی کسی ڈی بیٹ کے لئے مواد مانگتے تو موافق اور مخالف دلائل اس طرح بتاتے کہ حیرت ہوتی۔ اور ہمارے سکول اور کالج کے اساتذہ جو ایم اے سابق ہُوا کرتے۔ حیران رہ جاتے کہ یہ بھائی کس طرح اپنی تقاریر دُوسرے لڑکوں سے پہلے تیار کر لیتے ہیں۔ . . . مجھے یاد ہے کہ جب برادرم مکرم جناب مولود احمد خانصاحب بی اے امام مسجد لنڈن اور یہ عاجز پانی پت سے معیّنہ اور فی البدیہہ مقابلوں میں انعامات جیت کر اور ریکارڈ توڑ کر آئے۔ تو سکول کے سیکنڈ ماسٹر استاذی المکرم جناب محمد ہاشم خان صاحب ایم اے بی ٹی نے جو کہ غیر احمدی ہیں۔ تمام اسکول کے سامنے اظہار خوشنودی کرتے ہوئے کہا۔" یہ دونوں بھائی اُس باپ کے بیٹے ہیں۔ جو نہایت قادر الکلام مقرر ہے۔ اور اُن کے باپ کے اس فن کو جماعت احمدیہ نے چار چاند لگا دیئے ہیں"۔

جس طرح وہ بولنے پر قادر تھے۔ اسی طرح وہ تحریر کے بھی دھنی تھے۔ خاص دلّی کی ٹکسالی زبان میں لکھا کرتے تھے۔ اُن کے افسانے اور کہانیاں اور ڈرامے آل انڈیا ریڈیو پر نشر ہوئے۔ افسانے اور کہانیاں انہوں نے خود بھی ریڈیو پر براڈ کاسٹ کیں۔ لیکن اُن کی ہر تحریر میں احمدیّت کا رنگ جھلکتا تھا۔ افسانوں میں بھی پاکیزہ خیالات کا اظہار کرتے تھے اور مضامین میں تو بعض اوقات خالص تبلیغی ہو جاتے .....

خواجہ محمد شفیع دہلوی کی مجلس میں ایک دفعہ بہائی مقررہ مسز فوجدار نے بہائی تحریک کی تاریخ پر تقریر کی۔ خواجہ حسن نظامی اور سر رضا علی بھی شامل تھے۔ مسز فوجدار نے دوران تقریر کہا کہ قرآن کا اثر زائل ہو گیا۔ اس لئے نئی شریعت کی ضرورت ہے۔ تقریر کے بعد دُوسرے حاضرین بہائیت سے متعلق احکام پوچھتے رہے کہ نمازیں کتنی ہیں۔ روزے کتنے وغیرہ وغیرہ۔ والد صاحب کو غصّہ آیا کہ ہمارے اسلام پر اعتراض ہُوا ہے اور کوئی نہیں جو اُس کا جواب دے۔ لایعنی باتیں پوچھ رہے ہیں۔ آخر والد صاحب نے وقت مانگا۔ اور اس اعتراض کا جواب دیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام لے کر بتایا کہ کس طرح قرآن کا اثر آج تک قائم ہے۔ اور خدائی نشان آج بھی اسلام کے ذریعہ ظاہر ہوتے ہیں۔ تمہید میں والد صاحب نے بتایا کہ یہ اثر ہر زمانہ

میں کام کرتا رہا۔ اور کوئی زمانہ خالی نہیں رہا۔ جبکہ اس کے دعوے دار نہ ہوں۔ مثال کے طور پر ائمہ سلف اور صوفیاء کبار کے حوالے پیش کئے۔ جیسے حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔

دمبدم رُوح القدس اندر معینے مے دمد ؛؛ من نمے گویم مگر عیسیٰ ثانی شدُنم

اس پر خواجہ حسن نظامی صاحب مرحُوم بھی داد دینے لگے۔ چونکہ اُن کے پیر و مرشد کا بھی ذکر ہو گیا تھا۔ والد صاحب کی تقریر کے بعد انہوں نے کہا کہ بہائیوں کو اس کا جواب دینا چاہیئے۔ اگر اُن کے پاس صداقت ہے۔ ورنہ قرآن اور اسلام کا اثر زائل نہیں ہُوا۔ تعلق باللہ کا دعویٰ کرنے والے اسلام میں موجود ہیں۔ مسز فوجدار بڑی سراسیمہ ہوئیں۔ اور کہنے لگیں۔ مَیں مناظر نہیں۔ البتہ ہمارے عالم محفوظ الحق صاحب علمی اس پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ والد صاحب نے اُسی وقت للکارا۔ یہی میدان، وہی چوگان وہی گوئے محفوظ الحق صاحب علمی بولے کہ ہم تو تحریک بہائیت کی تاریخ بیان کرنے آئے تھے۔ مناظرے کے لئے نہیں۔ والد صاحب نے کہا۔ تو پھر اسلام اور قرآن پر کیوں حملہ کیا تھا۔ تاریخ بہائیت تک ہی تقریر کو محدود رکھا جاتا۔ اسلام پر حملہ کرو گے تو جواب بھی سُننا پڑے گا.....''

اپنی نظموں میں احمدی عقائد نہایت سادگی کے ساتھ بیان کر جاتے تھے۔ مثلاً :-

مکان فلک کو ہیں سمجھے مکین عیسےٰ کو ؛؛ مکین کا رہنا کجا۔ وہ مکان مکاں ہی نہیں

ہے آج کون تم میں جو جراُت سے یہ کہے ؛؛ اسلام زندہ ہوتا ہے عیسیٰ کی موت سے

تغزل کے انداز میں کہا :-

جس پہ ہم شیدا ہوئے ہیں وہ تو دلبر اَور ہے ؛؛ جس کے ہم مارے ہوئے ہیں۔ وہ ستمگر اَور ہے

تیغ اَب بے کار تیری ہوگئی اے مولوی ؛؛ جس سے کٹتا کفر ہے اَب وہ تو خنجر اَور ہے

ایک غیر احمدی شاعر نے دلّی میں احمدیّت کے خلاف ایک نظم شائع کی۔ اُس کا جواب طویل مسدّس میں دیا۔ اُس کے کل ۸۴ بند تھے۔ اور ٹیپ کا بند تھا :-

اَے مسیح قادیاں جان و دلم بَر تُو فدا ؛؛ تُو نے پھر اسلام کو دُنیا میں زندہ کر دیا

تمام نظم میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی اور آپ کے نشانات کو بڑے زور کے ساتھ پیش کیا۔ اور مخالفین کی ہر رنگ میں ہزیمت کی مثالیں نظم کیں۔ اَور پھر اُس کو اپنے خرچ پر کتابی صورت میں شائع کیا۔ اُن کو اپنے اشعار، افسانے اور مضامین جمع کرنے کا شوق نہ تھا۔ بڑی مشکل سے برادرم معظم جناب

مسعود احمد صاحب بی اے واقف زندگی نے کچھ کلام اور مضامین جمع کئے لیکن وہ ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ کی نذر ہوئے۔ جو بچا وہ اس وقت ہزاروں میل دور میرے پاس نہیں۔ ورنہ بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ساتھ آپ کا عشق مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہوتا ہے:۔

شرف ہے سر کو میرے بھی مسیح کی چوکھٹ کا ؛ اکیلا ایک تو اے سنگِ آستاں ہی نہیں
ہیں آستانِ مبارک کے اَن گنت خادم ؛ اکیلا دلّی کا آساںؔ خستہ جاں ہی نہیں
کیا کم شرف ہے احمد مرسل کا ہوں غلام ؛ آساںؔ لاکھ دُنیا کہے "تم غریب ہو"

حضرت ماسٹر محمد حسن صاحب آساںؔ نہ صرف نظام الوصیت سے وابستگی کا شرف رکھتے تھے۔ بلکہ انہیں ۱۹۲۳ء[1] سے بحیثیت نمائندہ دہلی مجلس مشاورت میں سال ہا سال تک شمولیت کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ حضرت مصلح موعودؓ یکم مارچ ۱۹۳۲ء کو دہلی تشریف لے گئے۔ ۶ مارچ ۱۹۳۲ء کو رتال کٹورہ پارک میں جماعتِ دہلی و شملہ کی ایک مشترکہ تقریب میں حضور نے تقریر بھی فرمائی اور حضور کی بابرکت معیت میں دہلی اور شملہ کے مخلص احمدیوں کا فوٹو بھی لیا گیا۔ جس میں آپ بھی شامل تھے۔ یہ تاریخی فوٹو تاریخ احمدیت جلد ہفتم صفحہ ۲۵ پر شائع شدہ ہے۔

حضرت آساںؔ دہلوی صاحب ۱۹۴۷ء میں دہلی سے ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے تھے اور لاہور میں مقیم تھے مگر اپنی وفات سے پانچ ماہ قبل اپنے بڑے بیٹے میاں محمود احمد خانصاحب نائب امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی کے پاس آئے ہوئے تھے اور یہیں آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

۲۶ راگست ۱۹۵۵ء کو مولانا جلال الدین صاحب شمس نے نمازِ جمعہ کے بعد آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپ موصیوں کے قبرستان میں صحابہؓ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے قطعہ میں سپردِ خاک کئے گئے اور دیگر بزرگانِ سلسلہ و احباب کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب امیر مقامی اور مولانا جلال الدین صاحب شمس نے جنازے کو کندھا دیا اور قبر تیار ہونے پر اجتماعی دُعا میں شریک ہوئے۔ دُعا حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے کرائی۔ آپ کے وصال پر جماعت کے مختلف حلقوں میں گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۳ء صٓ۳

حضرت مصلح موعودؓ کے خطبہ جمعہ میں ذکر

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ اُن دنوں یورپ میں تشریف فرما تھے۔ یورپ سے واپسی پر حضور نے ۲۳ ستمبر ۱۹۵۵ء کو کراچی میں خطبۂ جمعہ کے دوران آپ کا ذکر نہایت شاندار الفاظ میں کیا۔ اور آپ کے اِس جذبہ کو کہ آپ نے اپنے بیٹوں کو خدمتِ دین کے لئے وقف کیا، بہت سراہا اور اس پر اظہارِ خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا :۔

" مَیں نے جب وقف کی تحریک کی تو گو سینکڑوں مالدار ہماری جماعت میں موجود تھے۔ مگر ان کو یہ توفیق نہ ملی کہ وہ اپنی اولاد کو خدمتِ دین کے لئے وقف کریں لیکن ماسٹر محمد حسن صاحب آسان نے اپنے چار لڑکے اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دیئے جن میں دو بیٹے ان کی وفات کے وقت پاکستان سے باہر تھے۔ ان میں سے ایک ویسٹ افریقہ میں وائس پرنسپل ہے اور ایک لندن مشن کا انچارج اور انگلستان میں ہمارا مبلّغ ہے۔ ان کے سات بچّے تھے۔ اور وہ غریب آدمی تھے۔ انہوں نے اپنے خرچ پر انہیں گریجوایٹ کرایا اور پھر سات میں سے چار کو وقف کر دیا۔ ان میں سے ایک الفضل کا ایڈیٹر ہے۔ ایک لنڈن مشن کا انچارج ہے۔ ایک ویسٹ افریقہ میں وائس پرنسپل ہے۔ اور ایک کراچی میں تحریک جدید کی تجارت کا انچارج ہے۔ ان سارے لڑکوں کو انہوں نے بی۔ اے یا ایم اے اپنے خرچ پر کرایا۔ سلسلہ سے انہوں نے کوئی رقم نہیں لی۔ انہیں یہ کبھی خیال نہ آیا کہ مَیں ایک غریب آدمی ہوں۔ اگر میرے بیٹے پڑھ کر اعلیٰ ملازمتیں حاصل کرلیں تو ہمارے خاندان کا نام روشن ہو جائے گا۔ انہوں نے روشنی صرف اسلام میں دیکھی اور اپنے لڑکوں کو دین کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ غرض ہماری جماعت میں ایسی مثالیں تو موجود ہیں جو جماعت کی عزّت کو قائم رکھنے والی ہیں۔ لیکن اَب یہ حالت ہے کہ سوائے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کے اور یا پھر میری اولاد کے اور کسی جگہ سے ہمیں واقف زندگی نہیں مل رہے۔ کبھی کبھی تو جب مَیں اس حالت کو دیکھتا ہوں اور مجھے ڈر آتا ہے۔ کہ کہیں میری اولاد بھی کسی وقت دوسروں کو دیکھ کر دین کی خدمت سے مُنہ نہ پھیرلے۔ تو میرے دل میں جوش آتا ہے کہ مَیں اللہ تعالیٰ سے دُعا کروں کہ الٰہی مجھے صرف ایسی اولاد کی ضرورت ہے جو تیرے دین کی خدمت گذار ہو۔ تو مجھے ایسا دن نہ دکھائیو کہ تیرے دین کو قربانی کی ضرورت ہو اور میرے بیٹے اس کے لئے تیار نہ ہوں۔ اور اگر کوئی ایسا دن آنے والا ہو تو تُو بڑی خوشی سے

مجھے بے اولاد کر دے۔ کیونکہ میرا نام تُو نے روشن کرنا ہے۔ میری اولاد نے نہیں۔ مَیں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ میری ساری اولاد دین کی خدمت کرنے والی ہو۔ دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ مگر کیا دُنیا میں کوئی شخص ہے جو آپ کا نام عزّت سے نہیں لیتا۔ آپؐ کا خدا سے تعلق ہو گیا اور خدا نے آپؐ کے نام کو ابدی طور پر زندہ کر دیا۔ پس جس کا خدا سے تعلق ہو جائے اُسے ڈر ہی کس بات کا ہو سکتا ہے۔ حضرت مسیح ناصریؑ کو دیکھ لو۔ آپ کی کوئی جسمانی اولاد نہ تھی جو آپ کے نام کو زندہ رکھتی۔ مگر آج ساری دُنیا کے عیسائی گو اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے انہیں خدائی کا رُتبہ دیتے ہیں۔ مگر وہ آپ پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ وہ کام خود اچھا کرتے ہیں مگر ہر اچھا کام کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ کرسچن سویلزیشن ہے۔ چونکہ ان کی قوم میں رحم کا جذبہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس لئے اگر وہ کسی موقع پر رحم سے کام لیتے ہیں تو ساتھ ہی کہہ دیتے ہیں کہ یہ کرسچن سویلزیشن ہے۔ یہ مسیح کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ اگر مسیحؑ کے اپنے بیٹے ہوتے تو کیا بن جاتا۔ اور ان کا نام کتنے عرصہ تک باقی رہتا۔ لیکن چونکہ انہوں نے اپنی زندگی خدا تعالےٰ کے لئے وقف کر دی۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے ان کو وہ عظمت دی کہ آج سارا یورپ اور امریکہ ان کی عزّت کر رہا ہے۔ بلکہ یورپ کے ایک چھوٹے سے چھوٹے ملک کے عیسائی جس طرح حضرت مسیحؑ کو یاد رکھتے ہیں۔ اگر اُن کے اپنے بیٹے بھی موجود ہوتے تو اس طرح اُن کو یاد نہیں رکھ سکتے تھے۔ اسی طرح مَیں سمجھتا ہوں ماسٹر محمد حسن صاحب آسان نے بھی ایسا نمونہ دکھایا ہے جو قابلِ تعریف ہے۔ وہ ایک معمُولی مدّرس تھے۔ اور غریب آدمی تھے۔ انہوں نے فاقے کر کر کے اپنی اولاد کو پڑھایا اور اسے گریجوایٹ کرایا۔ اور پھر سات لڑکوں میں سے چار کو سلسلہ کے سپُرد کر دیا۔ اَب وہ چاروں خدمتِ دین کر رہے ہیں اور قریبًا سارے ہی ایسے اخلاص سے خدمت کر رہے ہیں جو وقف کا حق ہوتا ہے۔ اگر یہ بچّے وقف نہ ہوتے تو ساتوں مل کر شاید دس بیس سال تک اپنے باپ کا نام روشن رکھتے اور کہتے کہ ہمارے ابّا جان بڑے اچھے آدمی تھے۔ مگر جب میرا یہ خطبہ چھپے گا تو لاکھوں احمدی محمد حسن صاحب آسان کا نام لے کر ان کی تعریف کریں گے اور کہیں گے کہ دیکھو یہ کیسا باہمت احمدی تھا کہ اُس نے غریب ہوتے ہوئے اپنے سات بچّوں کو اعلیٰ تعلیم دلائی۔ اور پھر ان میں سے چار کو سلسلہ کے سپُرد کر دیا۔ اور پھر وہ بچّے بھی ایسے نیک ثابت ہوئے کہ انہوں نے خوشی سے اپنے باپ کی قربانی کو قبول کیا اور اپنی طرف سے بھی ان کے

فیصلہ پر صاد کر دیا۔"[1]

دوسرے بزرگان اور مخلصین سلسلہ کے تاثرات

(۱)۔ قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے آپ کی وفات پر حسب ذیل مختصر نوٹ سپرد قلم فرمایا:۔

"آسان صاحب مرحوم کو میں ایک عرصہ سے جانتا تھا۔ نہایت مخلص اور زندہ دل بزرگ تھے۔ اور مجلس میں گفتگو کا خاص دلکش انداز رکھتے تھے جس کی وجہ سے ان کی حاضر جوابی کے سامنے اکثر ذو علم اصحاب کو بھی لاجواب ہونا پڑتا تھا۔ شگفتہ مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت نیک اور سلسلہ احمدیہ کے لئے خاص اخلاص اور قربانی کا جذبہ رکھتے تھے۔ ان کے بہت سے بچے اسلام اور احمدیت کی خدمت کے لئے وقف ہیں جو انشاء اللہ ان کے لئے قیامت کے دن ایک تاج بن کر زینت کا موجب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل اور رحمت کے سایہ میں جگہ دے اور ان کی اولاد کا دین و دنیا میں حافظ و ناصر ہو۔ آمین۔ آسان صاحب مرحوم ہمارے خاندان کے بھی بہت سے بچوں کے استاد تھے۔ جن میں میری چھوٹی لڑکی امۃ اللطیف سلمہا بھی شامل تھی۔"[2]

(۲)۔ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے آپ کی وفات کی خبر پر کلب روڈ ۸ کوہاٹ سے ۱۵ ستمبر ۱۹۵۵ء کو حسب ذیل تعزیتی خط تحریر فرمایا[3]:۔

"جناب ماسٹر صاحب مرحوم کی وفات کی خبر سے دل کو قلق ہوا ...... میری لڑکی آصفہ (بیگم مرزا مبشر احمد) کو جس ہمدردی اور محبت و پیار سے انہوں نے پڑھایا ان کا وہ سلوک میرے پیش نظر اور دل پر نقش ہے۔ آصفہ کو ان کی وفات کا بہت صدمہ ہوا ہے۔ بہت نیک نیت اور نیک طبع ہستی تھی۔ خدا تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کی نسلوں کو ان کے لئے ذکر خیر اور زیادہ سے زیادہ بلندئ درجات کا موجب بناتا رہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر بڑھتی ہوئی رحمت کا سایہ رکھے اور ان کے پسماندگان کا خدا حافظ و ناصر ہو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (مبارکہ) ۱۵ ستمبر ۱۹۵۵ء"[4]

---

[1] الفضل ۲۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴۔ [2] الفضل ۳ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۔

[3] یہ مکتوب آپ نے مکرم مسعود احمد صاحب دہلوی کے نام رقم فرمایا تھا۔ [4] الفضل ۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴

(۳)۔ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا:۔

"ماسٹر آسان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میرے بھی تعلقات تھے۔ وہ مجھ سے محبت رکھتے اور ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملا کرتے۔ ان کے کلام میں شگفتگی اور عجیب ملاحت تھی۔ جب مجھے مرکز سے عزیز مکرم مولوی محمد نذیر صاحب قریشی ملتانی کی معیت میں ایک وفد کی صورت میں تبلیغی خدمات کے لئے دہلی بھیجا گیا اور میں نے ایک عربی رسالہ مع دو عربی نظموں کے لکھ کر شائع کیا تو جناب ماسٹر آسان صاحب ان تبلیغی مہمات میں اور رسائل و اشتہارات کی اشاعت کے کام میں بہت ہی ممد و معاون ثابت ہوئے اور انہیں ویسے بھی تبلیغ کا بے حد شغف تھا۔ غالباً ان کا اکثر وقت انہی مشاغل میں گذرتا کہ کہیں احمدیت کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ اور کہیں مخالفین اور معترضین کے اعتراضات کے جواب دینے میں مصروف ہیں۔ اللّٰھمّ اغفرلہ وارحمہ۔ رفعه اللّٰه فی الجنّات العلیة الرفیعة وحفظ اولادہ و بارك فیھم وعلیھم ببرکاته البدیعة۔ اٰمین۔

خاکسار غلام رسول راجیکی ربوہ[1]"

(۴)۔ حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکملؔ نے اپنے مکتوب میں لکھا:۔

"موصوف مجھ سے جب میں قادیان میں تھا بہت محبت رکھتے۔ جلسہ سالانہ پر نہایت پرسوز لہجے میں جذبات انگیز نظم پڑھتے تو سامعین پر ایک کیف طاری ہو جاتا۔ ایک دفعہ تو ہجوم جذبۂ شوق سے خود غش کھا کر گر پڑے۔ مسجد اقصیٰ سے آتے ہوئے راستہ میں ملے تو ۔۔۔ میں نے سر پر پگڑی دیکھکر ان کی نزاکت طبع کا ایک قصّہ یاد دلاتے ہوئے پوچھا یہ کیا؟ کہنے لگے بھئی ہر مُلکے و رسمے۔ اب تو ہم پنجابی، ہمارے مُرشد و آقا بھی پنجابی ــــ ماقبلہ راست کردیم آنسوئے کجکلاہے۔

قادیان میں اپنے بیٹوں کو ساتھ لے کر میرے مکان پر آئے اور ایک ایک کا تعارف کراتے ہوئے ان سب کے لئے حسنات دین و دُنیا کی دُعا کرنے کے لئے التجا کی[2]"

(۵)۔ محترم پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب ۔ ۔ رشعبہ سائیکالوجی کراچی یونیورسٹی نے اپنے مکتوب میں تحریر کیا:۔

---

[1] الفضل ۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء صہ ۔ [2] الفضل ۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء صہ ۵۔

"مَیں مرحوم ماسٹر صاحب کو قادیان کی مجلس مشاورت میں دُور سے دیکھا کرتا تھا۔ آپ کی میٹھی زبان اور نکتہ رس تقریریں سُنکر دل میں خواہش پیدا ہُوا کرتی کہ ان کو قریب سے دیکھوں اور ان کی باتیں سنوں۔ اس کے بعد مجھے علی گڑھ اور دہلی جانے کا اتفاق ہونے لگا۔ ایک دفعہ ماسٹر صاحب نے خود ہی مجھے دعوت دے کر اپنے پاس بلوایا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا۔ شائد ہی مجھے دہلی جانے کا اتفاق ہُوا ہو اور انہیں اس کا علم ہوگیا ہو اور پھر انہوں نے مجھے اپنے ہاں دعوت نہ دی ہو۔ میرے لئے یہ مجالس ازیادِ علم اور ازیادِ ایمان کا باعث ہونے کے علاوہ نہایت درجہ دلچسپ اور لذیذ ہوتیں۔

آپ کی عام گفتگو میں ایسی بے ساختہ ادبی خوبیاں ہوتیں کہ جی چاہتا کہ اسے لکھ لیا جائے۔ مَیں نے ان کے کئی مختصر افسانے ان کی اپنی زبان سے سُنے۔ مَیں نے علی گڑھ کے زمانے میں دہلی کے مشہور داستان گو سے (جن کا نام اَب مجھے یاد نہیں) داستانیں سُنی ہیں۔ یہ لوگ ایک شاندار ماضی کی یادگار تھے۔ ماسٹر صاحب مرحوم میرے علم میں اس ادبی دَور کی آخری شمع تھے۔ مَیں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ مَیں ماسٹر صاحب مرحوم کی مجلس میں شامل ہوکر ان کے علم و فن سے محظوظ ہوتا رہا ہوں۔

آپ کی ملاقات کا حلقہ وسیع تھا۔ تقسیمِ ملک کے بعد بھی آپ نے اپنے دوستانہ تعلقات قائم رکھے اور اپنی خاص مجالس کا سلسلہ جاری رکھا۔ سلسلہ احمدیہ اور سلسلہ کی شخصیتوں سے جو محبت اور عقیدت تھی۔ اس میں ایک کمال درجے کی سادگی تھی۔ اس کے اظہار کے لئے کسی تحریک کے منتظر نہ رہتے۔ بلکہ جب بھی سلسلہ کلام شروع ہوتا تو یہ محبت آپ ہی اُبل پڑتی۔"[1]

(۶) مکرم نسیم سیفی صاحب رئیس التبلیغ لیگوس[2] (نائیجیریا) نے اپنے مکتوب میں لکھا:-

"مجھے حضرت ماسٹر صاحب کو کسی قدر قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ جماعت میں بھی اور جماعت کے علاوہ بعض دیگر تقاریب میں بھی۔ مجھے ان کے قریب بیٹھ کر ان کی مخصوص انداز میں گفتگو سُننے کا بھی موقع ملا۔ اور ان کے دلچسپ مناظرے سُننے کا بھی۔ مَیں نے ان کو جماعتی کاموں میں منہمک بھی دیکھا اور انفرادی طور پر لوگوں کی مدد کرتے ہوئے بھی دیکھا۔ مَیں نے ان کے مذہبی مضامین بھی پڑھے اور ان کی زبان سے خواجہ محمد شفیع صاحب دہلوی کی مجالس میں ان کے ادبی مقالے بھی سُنے۔ اس قُرب اور عقیدت

---

[1] الفضل ۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء صہ۴۔ [2] حال وکیل التصنیف تحریک جدید ربوہ۔

نے میرے غم کو زیادہ گہرا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ مرحوم کو اپنی رحمت کی چادر میں لپیٹ لے اور ہم سب کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین[1]"

(۷)۔ پاکستان ریڈ کراس کے سیکرٹری جنرل محترم صفدر علی خانصاحب نے اپنے مکتوب میں لکھا :۔

"مرحوم کا وہ پُرجوش زمانہ جو دہلی میں ہم نے دیکھا تھا۔ آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ وہ نمازوں کا باجماعت اہتمام، پھر فجر کی نماز کے بعد درس قرآن مجید جو مرحوم اپنے گھر میں ہی ہم لوگوں کو دیا کرتے تھے۔ ہر اتوار کو بلاناغہ سائیکلوں پر صبح سے شام تک دہلی کے ملحقہ دیہات میں تبلیغ، خدام الاحمدیہ کے اجلاسوں میں ان کی یادگار تقریریں۔ یہ سب اور اسی قسم کے دیگر بے شمار دینی مشاغل جن میں مرحوم مستغرق رہا کرتے تھے۔ ایک ایک کر کے آنکھوں کے سامنے پھر رہے ہیں۔ مجھ سے مرحوم خاص شفقت سے ملا کرتے تھے۔ جب خاکسار جاپان میں تھا تو ایک فوجی افسر جو میرے دوست تھے رخصت پر ہندوستان جانے لگے۔ مجھ سے گھر والوں کے لئے کوئی پیغام وغیرہ پوچھا۔ میں نے جواب دیا۔ گھر میں تو سب خیریت ہے۔ البتہ اگر دہلی جاؤ تو میرے ایک محترم بزرگ وہاں رہتے ہیں، ماسٹر محمد حسن صاحب آسانؔ ان کا نام ہے۔ ان کو میرا سلام پہنچا دینا چنانچہ وہ دہلی گئے میرا سلام ماسٹر صاحب مرحوم کو پہنچایا۔ جب واپس جاپان آئے تو کہنے لگے کہ اپنی مخصوص صفات اور مذہبی جذبہ کے لحاظ سے ماسٹر صاحب منفرد انسان ہیں۔ غرضیکہ مرحوم جس سے بھی ایک دفعہ ملتے اپنے مخصوص انداز میں اس پر بہت گہرا اثر ڈالتے۔ مجھے ان کی وفات پر بے حد صدمہ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے[2]"

اَولاد : حضرت آسانؔ دہلوی رضی اللہ عنہ کی اولاد کی تفصیل یہ ہے :۔

(اولاد پہلی اہلیہ امۃ المغنی شمیم صاحبہ)۔

۱۔ سائرہ خاتون ۲۔ مریم خاتون

۳۔ محمود احمد خانصاحب مرحوم سابق نائب امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی و زعیم اعلیٰ مجلس انصار اللہ

---

[1] الفضل ۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔ [2] ایضاً۔

راولپنڈی و امیر جماعت احمدیہ پشاور۔

۴۔ مسعود احمد خانصاحب دہلوی ربوہ حال ایڈیٹر "الفضل" سابق مدیر رسالہ "انصار اللہ"

۵۔ مقصود احمد خانصاحب مرحوم امیر جماعت احمدیہ کُنری ضلع تھرپارکر۔

۶۔ مولود احمد خانصاحب سابق مبلغ انگلستان و امام مسجد احمدیہ لنڈن۔

۷۔ سعود احمد خانصاحب ایم۔اے سابق ٹیچر احمدیہ سیکنڈری سکول کماسی غانا مغربی افریقہ۔ حال پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ۔

۸۔ صالحہ خاتون صاحبہ اہلیہ مکرم مختار احمد صاحب ابن بابو نذیر احمد صاحب مرحوم سابق امیر جماعت احمدیہ دہلی۔

۹۔ مرغوب احمد خانصاحب حال لنڈن۔

۱۰۔ محبوب احمد خانصاحب اسسٹنٹ انجنیئر پی۔ ڈبلیو۔ ڈی سینٹر۔

۱۱۔ ناصرہ خاتون صاحبہ۔ ۱۲۔ صادقہ خاتون صاحبہ۔

(اولاد دوسری اہلیہ حمیدہ بیگم صاحبہ)۔

۱۳۔ مشہود احمد خانصاحب راولپنڈی۔ ۱۴۔ داؤد احمد خانصاحب واہ کینٹ۔

۱۵۔ حفصہ خاتون صاحبہ ۱۶۔ مودود احمد خانصاحب جرمنی

۱۷۔ ودود احمد خانصاحب کراچی۔ ۱۸۔ بشریٰ خاتون آسمان صاحبہ مظفر آباد۔

۷۔ حضرت خانصاحب سیّد غلام حسین شاہ صاحب رضؓ بھیروی

ریٹائرڈ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پنجاب سول وٹرنری ڈیپارٹمنٹ و سابق ایمپلی ہز ہینڈری آنیبرریاست بھوپال

ولادت اندازاً ۱۸۸۳ء۔ بیعت ۱۸۹۷ء۔ وفات ۱۵ اخاء ۱۳۳۴ہش (۱۵ اکتوبر ۱۹۵۵ء)

آپ حضرت قاضی امیر حسین صاحب رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ چودہ[۱۴] سال کی عمر میں دامن مسیح موعودؑ کے ساتھ وابستہ ہوئے۔ حضرت اقدسؑ کے عشاق میں سے تھے۔ آپ کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک کے "البدر" یکم فروری ۱۹۰۵ء کے صفحہ ۲ پر بھی آتا ہے[۱]

---

[۱] لکھا ہے:۔ "۱۴ جنوری ۱۹۰۵ء عصر کے وقت محبی قاضی غلام حسین صاحب وٹیرنری اسسٹنٹ حصار نے عرض کی کہ

آپ کی زندگی کا ایک یادگار واقعہ آپ کا سفرِ بٹالہ ہے جو آپ نے سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ارشاد کی تعمیل میں کیا اور جس پر حضور نے اظہارِ خوشنودی فرمایا۔ ذیل میں آپ ہی کے قلم سے اُسے درج کیا جاتا ہے:۔

"عاجز کو خدا کے محض فضل سے چودہ سال کی عمر میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی بیعت نصیب ہوئی۔ مجھے اس بات کا ازحد شوق تھا کہ حضرت اپنی زبانِ مبارک سے مجھے کسی قسم کا بھی کام کرنے کا ارشاد فرمائیں۔ تاکہ مَیں اس کی تعمیل کر کے اپنی خواہش پوری کروں۔ غالباً ۱۸۹۶ء تھا جبکہ ہم درجن بھر آدمی حضرت کے ساتھ گول کمرہ میں کھانا کھانے اور چھوٹی مسجد میں جو کہ اَب مسجد مبارک کہلاتی ہے، نماز پڑھا کرتے تھے۔ مجھے اکثر حضرت کے پاؤں دبانے اور حضور کو پنکھا جھلنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ظہر کی نماز کے بعد حضرت مسجد میں ہی ڈاک پڑھا کرتے تھے جو کہ ان ایّام میں دوپہر کو آیا کرتی تھی۔

ایک دن میرے دل میں بڑا جوش اور شوق پیدا ہُوا کہ آج اگر حضرت مجھے کسی کام کا ارشاد فرمائیں تو دل کی تمنّا پُوری ہو۔ حضرت تو ڈاک پڑھ رہے تھے اور میرا دل تڑپ رہا تھا کسی کام کے کرنے کیلئے کہ اتنے میں حضرت صاحب نے خط پڑھتے پڑھتے گردن مبارک کو اُوپر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور فرمایا کہ یہ ایک بلٹی ہے آپ بٹالہ سے جاکر لے آئیں۔ بس پھر کیا تھا۔ میرا دل تو باغ باغ ہوگیا۔ بلٹی میرے ہاتھ میں دے کر فرمایا۔ ابھی ٹھہریئے اور حضور اندر تشریف لے گئے۔ چند منٹ میں باہر تشریف لا کر میرے ہاتھ میں پانچ روپے دے کر فرمایا کہ یہ اس کے اخراجات کے واسطے ہیں۔

روپے اور بلٹی لے کر خوشی سے اچھلتا ہُوا مَیں مسجد سے نیچے اُترا۔ یکّے کے اڈے سے پتہ لگا کہ اس وقت یہاں کوئی یکّہ نہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں ایک یا دو یکّے ہوتے تھے۔ اگر وہ بٹالہ چلے جاتے پھر قادیان سے بٹالہ تک جانے کے واسطے کوئی سواری نہ ہوتی۔ خیر مَیں پیدل چل پڑا۔ اور شام کو بٹالہ پہنچ گیا۔ اسٹیشن پر بابو جی کو بلٹی دکھائی۔ اُس نے کہا پارسل آیا ہُوا ہے تم صُبح چھڑا لینا۔ اَب رات کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میری تنخواہ میں عـہ روپیہ اضافہ ہُوا ہے اور بنگال سے ایک درخواست آئی ہے کہ انسپکٹری کی پوسٹ خالی ہے۔ عـہ روپیہ ماہوار ملیں گے۔ اس لئے مشورۃً استفسار ہے کہ کونسی جگہ منظوری کی جاوے۔ آپ نے فرمایا کہ استخارہ مسنونہ کے بعد جس طرف طبیعت کا میلان ہو۔ وہ منظور کر لو۔"

کہاں رکھوگے۔ رات سرائے میں ٹھہرا۔ صبح کو مَیں بابو جی کے پاس گیا۔ اُس نے ایک چھوٹی سی ٹوکری جس میں کہ پانچ سیر کے قریب وزن ہوگا۔ میرے سپرد کر دی۔ اور کہا کہ فرستندہ نے اس کا محصول ادا کیا ہُوا ہے۔ یعنی PAID پارسل ہے۔

جب مَیں ٹوکری لے کر سٹیشن سے باہر نکلا تو پتہ لگا کہ جو یکّہ رات کو قادیان سے بٹالہ آیا تھا وہ سواریاں لے کر واپس قادیان چلا گیا ہے۔ چونکہ بٹالہ سے قادیان کی سڑک کچّی اور بہت خراب اور ریتلی تھی۔ اس واسطے بٹالہ کے یکّہ والے قادیان جانا پسند نہ کرتے تھے۔ اگر کوئی جاتا بھی تو بہت کرایہ چارج کرتا۔ مَیں سوچ ہی رہا تھا کہ ایک شخص نے کہا کہ آپ بہنگی والا کہار لے جاؤ۔ چنانچہ مَیں نے ایک کہار کو وہ ٹوکری دے دی۔ اس نے بہنگی کے ایک پلڑا میں یہ ٹوکری رکھ دی اور دوسرے پلڑا میں اتنا ہی پتّھر کا وزن رکھ کر کندھے پر اُٹھا کر میرے ساتھ ہولیا۔ اور چار آنہ مزدوری قادیان تک طے ہوئی۔ ہم جلدی ہی قادیان پہنچ گئے۔ حضرت کے عطا کردہ پانچ روپیہ میں سے چار آنہ مَیں نے کہار کو مزدوری دے دی۔ اور پونے پانچ روپے جیب میں رکھ کر ٹوکری ہاتھوں میں لے لی۔ مسجد مبارک کی پرانی تنگ سیڑھیوں میں چڑھ کر سیڑھیوں کے خاتمہ سے قبل ہی جو دروازہ حضرت کے زنانخانہ میں جاتا ہے وہاں ٹھہر کر حضرت صاحب کی خدمت میں اپنی آمد کی اطلاع کرائی۔ حضرت فوراً ہی باہر تشریف لائے اور مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ آپ آگئے۔ مَیں نے عرض کی حضرت آگیا۔ ٹوکری کو دیکھتے ہی یہ فرماتے ہوئے اندر تشریف لے گئے کہ آپ ٹھہریں۔ چند منٹ میں حضرت ہاتھ میں ایک بڑا چاقو لئے ہوئے تشریف لائے۔ اور اس ٹوکری کے اُوپر جو ٹاٹ سِلا ہُوا تھا۔ اس کو چاقو سے ایک طرف سے کاٹ کر اپنے دونوں ہاتھ اس ٹاٹ کے اندر داخل کر کے باہر نکالتے ہی فرمایا کہ یہ آپ کا حِصّہ ہے۔ مَیں نے جلدی میں اپنے کرتے میں ڈلوا لئے۔ (قبل ازیں مجھے علم نہ تھا کہ پارسل میں کیا ہے) مَیں نے دیکھا کہ وہ سبزی مائل انگور ہیں۔ اتنے میں مَیں نے وہ پونے پانچ روپیہ جیب سے نکال کر پیش کئے۔ اور عرض کیا کہ حضور یہ بقایا رقم ہے۔ صرف چار آنہ خرچ ہوئے ہیں۔ اس پر حضرت نے بڑی شفقت سے فرمایا کہ "ہم اپنے دوستوں سے حساب نہیں رکھا کرتے۔" اتنا فرمایا اور ٹوکری اُٹھا کر اندر تشریف لے گئے۔ انگور میرے کُرتے میں اور پونے پانچ روپیہ میرے ہاتھ میں رہ گئے۔۔۔ سبحان اللہ! کیا اعلیٰ فقرہ فرمایا کہ ہم اپنے دوستوں سے حساب نہیں رکھا کرتے۔ مَیں اس وقت ۱۴، ۱۵ سال کا بچہ تھا۔ یہ حضرت کی شفقت مہربانی

اور عنایت تھی کہ اپنے خدام کی عزّت، قدر اور حوصلہ افزائی فرماتے۔

اَے خدا کے پیارے مسیح موعود! اللہ کی ہزاروں اور کروڑوں برکتیں اور رحمتیں ہوں تجھ پر اور تیری آل اولاد پر۔ؔ[1]"

آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی دُعاؤں کی برکت سے وٹرنری کالج لاہور کے طلبہ میں نہ صرف اوّل پوزیشن حاصل کی اور انعام اور وظیفہ حاصل کیا۔ بلکہ کم و بیش نصف صدی تک امتیازی رنگ میں حصار۔ فیروز پور چھاؤنی۔ لائل پور۔ منٹگمری۔ رہتک اور بھوپال میں طبّی خدمات بجا لاتے رہے۔ آپ ابتدائی موصی بھی تھے۔ اور تحریک جدید کے انیس سالہ مجاہد بھی۔

آپ کے بیٹے سیّد محمود احمد شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت والد صاحب کا اسم گرامی سیّد غلام حسین شاہ تھا۔ ان کے والد ماجد کا نام سیّد غلام شاہ تھا۔ آپ بھیرہ ضلع شاہ پور کے رہنے والے تھے۔ دادا جان نے ایک خواب میں دیکھا تھا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور دو روپے بطور نذر پیش کئے ہیں۔ چنانچہ اس خواب کو پُورا کرنے کی غرض سے حضرت دادا جان حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور کی بیعت کی اور دو روپیہ کی رقم بطور نذر بھی پیش کی۔ لیکن اس خواب کی حقیقی تعبیر یہ تھی کہ بجائے دو روپیہ کے دو بیٹے آپ کے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی بیعت کر کے خدمتِ دین کی توفیق حاصل کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا کہ آپ کے گیارہ بیٹوں میں سے دو بیٹوں یعنی حضرت قاضی امیر حسین صاحب اور حضرت سیّد غلام حسین نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی بیعت کی اور خدمتِ احمدیت حسبِ توفیق کرتے رہے۔

حضرت والد صاحب نے تقریباً چودہ یا پندرہ سال کی عمر میں ۱۸۹۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ ۱۸۹۸ء میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم کے مشورہ پر وٹرنری کالج لاہور میں داخل ہوئے اور اپریل ۱۹۰۰ء کے امتحان میں محض حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی دُعاؤں کے طفیل معجزانہ طور پر وٹرنری کالج کے تمام طلباء میں آپ نہ صرف اوّل آئے۔ بلکہ جنرل پروفیشن میں پرنسپل کے گولڈ میڈل کا انعام اور وٹرنری

---

[1] الحکم ۲۸ مئی و ۷ جون ۱۹۳۹ء صفحہ ۲۲، ۲۳

سائنس میں کوٹلے ویل میموریل سلور میڈل کا انعام اور لارڈ لارنس سکالرشپ بھی حاصل کئے علاوہ ازیں وٹرنری سرجری و میڈیسن اور اینا ٹمی و فزیالوجی اور بوداٹن پیتھالوجی کے ہر سہ مضامین میں بھی آپ نے علیحدہ علیحدہ فرسٹ پرائز حاصل کئے۔ ان سب انعامات کو جب آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور پیش کیا۔ تو حضرت اقدسؑ ملاحظ فرما کر بہت خوش ہوئے۔ خلاف توقع آپ کے شاندار طور پر کالج میں کامیاب ہونے اور اوّل آنے کے معجزہ کو دیکھ کر آپ کے ایک ہم جماعت راجہ فضل دین صاحب بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کر کے داخلِ احمدیت ہوئے۔ وٹرنری کالج سے کامیاب ہوکر جنگِ یوگنڈا کے سلسلہ میں آپ افریقہ چلے گئے۔ اور افریقہ سے واپسی پر ۱۹۰۲ء میں گورنمنٹ کیٹل فارم حصار میں آپ کی تعیناتی وٹرنری اسسٹنٹ کے طور پر ہوگئی۔ پھر آپ ترقی کر کے فارم اوورسیئر ہوگئے۔ اور بعد ازاں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہوگئے۔ حصار میں آپ ۱۹۰۲ء سے ۱۹۲۶ء یعنی پچیس سال تعینات رہے۔ حصار سے تبدیل ہو کر فیروزپور چھاؤنی۔ پھر لائل پور ساڑھے تین سال منٹگمری اور پھر پانچ سال رہتک میں بعہدہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تعینات رہے۔ جہاں سے جنوری ۱۹۳۷ء میں آپ پنجاب وٹرنری سروس سے ریٹائر ہوئے۔ اسی سال آپ کو حسنِ کارکردگی کے نتیجہ میں گورنمنٹ کی طرف سے "خانصاحب" کا خطاب دیا گیا۔ چونکہ آپ کا کنبہ بڑا تھا اور ابھی کافی بال بچے کمسن تھے۔ اس لئے مزید ملازمت کی اشد ضرورت آپ کو محسوس ہوئی۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد غالباً ۱۹۳۷ء کے آخر میں آپ ریاست بھوپال میں اینیمل ہزبینڈری اور وٹرنری آفیسر مقرر ہوگئے۔ جہاں سے گیارہ سال کی ملازمت کے بعد ۱۹۴۸ء میں بعد تقسیم برصغیر آپ ریٹائر ہوئے۔ ریاست بھوپال سے ریٹائر ہوکر آپ ۱۹۴۸ء میں پاکستان آگئے اور موضع بھلوال ضلع سرگودھا میں بغرض آبادکاری چلے گئے۔ بھلوال میں جانے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے ایک بڑے بھائی سیّد احمد شاہ صاحب نے آپ کو وہاں بلایا تھا اور زمین وغیرہ کی الاٹمنٹ کے حصول میں آپ کو تقریباً ڈیڑھ سال کا عرصہ لگا۔ بحیثیت ریفیوجی آپ نے جو عرصہ بھلوال میں گذارا اس میں آپ کی صحت دن بدن گرتی چلی گئی۔ اپریل ۱۹۴۹ء میں بمقام ربوہ جو پہلا جلسہ سالانہ منعقد ہوا تھا۔ اس میں شامل ہوئے تھے۔ لیکن اس کے بعد صحت اس قابل نہ رہی تھی۔ کہ موسم سرما کے جلسوں میں شرکت کر سکتے۔ بھلوال کا قیام آپ کا ضعیفی اور کمزوری کا دَور تھا۔ تاہم آپ اپنے سوانح حیات مرتّب کرتے رہتے تھے۔ ۱۹۴۹ء کے موسم گرما میں آپ ایک مرتبہ میرے ہمراہ لائل پور سے ربوہ تشریف لے گئے تھے ۱۹۴۹ء

کے بعد بھی ایک مرتبہ آپ ربوہ تشریف لے گئے تھے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے۔

لڑکپن میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی بیعت کرنے اور اوائل عمر میں بار بار حضرت اقدسؑ کی خدمت میں حاضر ہونے کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی سیرت کا گہرا اثر آپ کے دل و دماغ پر نقش تھا۔ بیعت کرنے کے بعد وٹرنری کالج سے کامیاب ہو کر آپ نے بھیرہ سے سکونت ترک کرنے کا ارادہ کر لیا تھا اور افریقہ سے واپسی پر حصار کی ملازمت کے دوران میں قادیان میں اپنے بڑے بھائی حضرت قاضی سیّد امیر حسین کی معرفت کچھ زرعی زمین خرید کر لی تھی۔ اور ۱۹۲۰ء تک ایک مختصر پختہ رہائشی مکان بھی اپنے بھائی صاحب کے مکان کے عقب میں تعمیر کر لیا تھا۔ جس میں جلسہ سالانہ کے مواقع پر آپ بال بچوں سمیت قیام کرتے تھے۔ چنانچہ آپ بھیرہ سے قطع تعلق کر کے قادیان میں ہجرت کر گئے تھے۔ اگرچہ بوجہ سرکاری ملازمت قادیان میں مستقل طور پر قیام پذیر نہ ہوئے تھے۔ لیکن ملازمت سے فارغ ہو کر مستقل سکونت قادیان میں اختیار کرنے کا مصمم ارادہ رکھتے تھے.....

تحریک جدید میں انیس سالہ مجاہد ہونے کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی پانچ ہزاری فوج کے سپاہی تھے۔ بہت پرانے موصی تھے۔ باقاعدہ چندہ ادا کرتے تھے۔ اپنی تنخواہ وصول کرنے پر سب سے پہلے چندہ ادا کیا کرتے تھے۔ اور بعد ازاں باقی ماندہ تنخواہ خرچ کرتے تھے۔ اگر کوئی ذاتی خرچ اشد ضروری ہوتا تو پہلے چندہ کی رقم علیحدہ نکال کر رکھ لیتے تھے۔ خرچ کا حساب کتاب نوٹ کرتے وقت چندہ کی رقم سب سے اوّل اور اوپر تحریر کرتے تھے۔ آپ نہایت محنتی، جفاکش، فرض شناس، منتظم اور نڈر تھے۔ جوشیلی طبیعت اور ہمت مردانہ کے مالک تھے۔ اسلام اور احمدیت کے لئے بہت غیرت رکھتے تھے۔ اولاد کو تعلیم دلانے اور تربیت کرنے میں بے حد دلچسپی لیتے تھے۔ پنج وقت نماز کے پابند اور تہجد گزار تھے۔ ہر تکلیف اور پریشانی میں دُعا کرتے اور حضرت اقدسؑ کی خدمت میں عریضہ برائے دُعا ارسال کرتے۔ آپ ملازمت کے فرائض اتنی محنت اور تن دہی سے ادا کرتے تھے کہ ایک نہایت محنتی انگریز آفسر مسٹر برینفورڈ MR. BRANFORD نے کئی بار آپ کو جا کر کہا "خدا کے لئے اپنے آپ کو ہلاک مت کرو"۔ فرمایا کرتے تھے کہ تقریباً پچاس سالہ دورِ ملازمت میں کبھی مَیں نے اپنے افسر سے ترقی نہیں مانگی۔ بلکہ خود بخود افسر میری ترقی کے لئے لکھتے رہے۔ اور اللہ تعالیٰ ترقی دیتا رہا۔

گھر میں اردو زبان مروّج ہونے کے باعث خود بھی اُردو بولتے تھے اور پنجابی زبان بُھول گئے تھے. فرمایا کرتے تھے. کہ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو کبھی پنجابی بولتے نہیں سُنا بلکہ ہمیشہ اردو ہی بولتے سُنا ہے"[1]

اولاد حضرت شاہ صاحب نے چھ[6] شادیاں کیں۔ آپ کے ہاں حسب ذیل اولاد ہوئی:۔

۱۔ سیّدہ امۃ الرحمٰن صاحبہ
۲۔ سیّد ظہور حسین صاحب
۳۔ سیّدہ رقیہ بیگم صاحبہ
۴۔ ڈاکٹر سیّد ظہور احمد شاہ صاحب ریٹائرڈ اسسٹنٹ پروفیسر پنجاب وٹرنری کالج سابق مبلغ احمدیت جزائر فجی۔
۵۔ سیّدہ صفیہ بیگم صاحبہ (مدفون بہشتی مقبرہ قادیان)
۶۔ سیّدہ آمنہ بیگم صاحبہ مانسہرہ (بیوہ سیّد مقصود علی شاہ صاحب مرحوم)
۷۔ سید منظور احمد صاحب۔
۸۔ سیّدہ کنیز فاطمہ صاحبہ
۹۔ سیّدہ احمدی خاتون صاحبہ
۱۰۔ میجر سیّد محمود احمد شاہ صاحب بی اے (ریٹائرڈ) سابق ایڈمنسٹریٹو آفیسر کراچی۔
۱۱۔ سیّدہ محمودہ خاتون صاحبہ اہلیہ ملک سعید احمد صاحب۔ شکاگو امریکہ۔
۱۲۔ سیّدہ مبارکہ بیگم صاحبہ جہلم۔
۱۳۔ سیّد مسعود احمد شاہ صاحب بی اے کراچی۔
۱۴۔ لفٹیننٹ سیّد منصور احمد شاہ صاحب شہید مصر۔ (وفات ۱۵ رجولائی ۱۹۴۲ء)
۱۵۔ بریگیڈیئر ریٹائرڈ سیّد ممتاز احمد شاہ صاحب۔ ممبر رائل کالج آف وٹرنری سرجنز۔ سابق ڈائریکٹر ریماؤنٹ وٹرنری فارمز G.H.Q. حال ڈیفنس سوسائٹی کراچی۔

---

[1] الفضل ۱۳ رنومبر ۱۹۵۵ء صہ ۵۔

۱۶۔ سیّدہ ممتاز جہاں صاحبہ بی اے۔ بی ٹی (علیگ) لاہور
۱۷۔ سیّد مقصود احمد شاہ صاحب کراچی۔
۱۸۔ میجر ریٹائرڈ سیّد منوّر احمد شاہ صاحب لاہور۔
۱۹۔ ڈاکٹر سیّد رفیق احمد شاہ صاحب ایم بی بی ایس لاہور
۲۰۔ سیّدہ نصیرہ بیگم صاحبہ
۲۱۔ سیّدہ بشریٰ بیگم صاحبہ
۲۲۔ سیّد سعید احمد صاحب۔
۲۳۔ سیّد ناصر احمد شاہ صاحب۔
۲۴۔ سیّدہ زہرہ خاتون صاحبہ۔
۲۵۔ سیّد ظفر احمد شاہ صاحب
۲۶۔ سیّد جمیل احمد شاہ صاحب[۱]

۸۔ حضرت سیّد علی احمد صاحبؓ مہاجر رجاولی ضلع انبالہ

(ولادت اندازاً ۱۸۹۲ء۔ بیعت و زیارت ستمبر ۱۹۰۷ء۔ ہجرت قادیان ۱۹۲۴ء۔ وفات یکم نومبر ۱۹۵۵ء۔)

آپ کی خود نوشت روایات میں لکھا ہے:۔

"سن بیعت ۱۹۰۷ء۔ سن زیارت حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۱۹۰۷ء۔ سیّد عبد المحی عرب کا نکاح سنور میں ہوا۔ رخصتانہ کے ساتھ مَیں قادیان دارالامان وارد ہوا۔ اور یہاں مدرسہ میں پڑھنے لگا اور تیسری کا امتحان دے کر چوتھی میں آیا۔ مَیں اپنی خالہ زوجہ عبد المحی عرب کی وجہ سے اندرونِ خانہ جایا کرتا تھا۔ اور کئی بار حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کا رُقعہ لے کر تازہ وحی لکھانے لے گیا جو مَیں کچھ پڑھ بھی لیتا تھا اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی وفات و دفن کا منظر مجھے خوب یاد ہے۔ اور حضور کا

---

[۱] شجرہ نسب مطبوعہ (مرتبہ میجر سیّد محمود احمد شاہ صاحب کراچی ۱۹۵۲ء)

[۲] "الفضل" ۱۵؍ اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۳۔ (مضمون سیّد اعجاز احمد شاہ صاحب ابن حضرت سیّد علی احمد صاحب)

جاءِ نماز پر مسجد مبارک میں ایک جانب کھڑے ہونا بھی یاد ہے۔ سیر کے لئے جانا بھی یاد ہے۔ حضورؑ کے چہرۂ مبارک کو میں ٹکٹکی لگائے دیکھا کرتا تھا اور اسی میں محو رہا۔ اور حضور کا میری طرف دیکھنا بھی یاد ہے۔ خاکسار علی احمد عفا اللہ عنہ ۲۸/۲/۴ ۔

میرا نکاح اوّل حضرت خلیفۃ المسیح اوّل نے قادیان میں پڑھا۔[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سیّدنا امیر المومنین کی ولایت سے واپسی پر مَیں ہجرت کرکے دارالامان میں آگیا۔ علی احمد عفا اللہ عنہ ۲۸/۲/۴ ء[2]

حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکملؔ نے آپ کی وفات پر لکھا کہ:۔

"وہ میرے رفیق قدیم تھے ان سے پہلے پہل مجھے ۱۹۰۶ء میں تعارف ہُوا۔ جب مَیں اخبار "بدر" قادیان میں کام کرتا تھا اور وہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے پاس ایک پرچہ پر تازہ وحی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلم مبارک رقم سے حسبِ معمول لکھی ہوئی بدر میں شائع ہونے کے لئے لائے پھر جب کاتب لکھ چکا اور کاپی پریس میں لے جائی گئی اور پروف نکلا تو حضور علیہ السلام کے ملاحظہ کے لئے انہی کے ہاتھ بھیجا گیا۔ دریافت کرنے پر مجھے معلوم ہُوا کہ ان کی قریبی رشتہ دار اندرونِ خانہ سیّدہ امّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں رہتی ہے۔ اس لئے ان کو یہ سہولت اور یہ فخر حاصل ہے۔ اور ابھی بچے ہیں۔ بستی کے مشہور و معروف افغان خاندان کے افراد مہاراجہ پٹیالہ کی مختلف خدمات پر مقرر تھے انہی میں سے ایک مخلص احمدی امام علی صاحب کی بیٹی ان کے رشتۂ مناکحت میں آئی۔ ان کے والد براڑہ سے دو تین میل دُور ایک بستی رجاڈلی نام ایک خانقاہ کے متولی تھے۔ جس کے ساتھ بیسیوں بیگھہ زمین معافی کی ان کے نام تھی اور وہ گدّی نشین تھے اور ہزاروں مریدوں اور معتقدین کے مرجع تھے والد کی وفات پر یہی (سیّد علی احمد صاحب) جانشین ہوئے۔ چونکہ یہ احمدی تھے اور نہایت مخلص اور والہ و شیدائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ انہوں نے اعلان کر دیا کہ مَیں یہاں کوئی خلافِ شریعتِ اسلامیہ امر نہ خود کروں گا نہ ہونے دوں گا۔ رقص و سرود اور دیگر بدعات یکسر موقوف۔ آپ آئیں ہیں علماء فضلاء منگوا کر ان کا وعظ کراؤں گا۔ آپ لوگوں کی دعوت بدستور ہو گی۔ مگر کوئی غیر شرع کارروائی روا نہ رکھی

---

[1] ۱۹۱۲ء (الفضل ۱۰ نومبر ۱۹۵۵ء ص۶)۔ [2] "روایات صحابہ" غیر مطبوعہ جلد ۵ ص۱۰۹

جائے۔ اس پر وہ لوگ مایوس ہو گئے اور کئی مخالفت پر آمادہ۔ یہ خود بھی اس صورتِ حال سے بیزار تھے۔ اور دل سے چاہتے تھے کہ قادیان دارالامان ہجرت کر جاؤں۔ چنانچہ یہ سجادہ نشینی اور پیری مریدی کا قضیہ نامرضیہ اور سینکڑوں بیگھہ زمین معافی والی اور دوسری جائیداد منقولہ و غیر منقولہ چھوڑ کر قادیان آ گئے۔ یہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا۔ یہاں چند سال تو رجاؤلی جا کر مزارعین سے بٹائی وغیرہ لے آتے۔ اور اس پر کشائش سے گذارہ کرتے۔ مگر پھر یہ صورت نہ رہی تو درویشانہ زندگی اختیار کر لی۔ تنہا نہیں تھے۔ بیوی بچے بھی ساتھ تھے۔ تنگ دستی بڑھی تو دفتر میں مددگار کارکن ہونا اختیار کر لیا۔ جس کی تنخواہ اس وقت دس گیارہ روپے سے زیادہ نہ تھی۔ زیادہ تر مقبرہ بہشتی کے دفتر کی ملازمت پسند کرتے۔ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں بھی برسوں خدمت بجا لاتے رہے[1]۔ وہاں زیادہ خوش تھے اور ہر قسم کی مشقت و محنت برداشت کرتے۔ کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے۔۔۔۔۔ میرے سامنے ان پر کئی مشکل وقت آئے۔ مگر وہ ہمیشہ صابر و شاکر رہے۔ اور کبھی شکوہ شکایت زبان پر نہیں لائے۔ فسادات ۱۹۴۷ء کے زمانے میں ان کے اہل و عیال تو لاہور آ گئے۔ ایسے ہی میرے بھی۔ وہ میرے مکان پر آ گئے اور کہا الحمد للہ آپ کی خدمت کا مجھے موقع ملے گا جس کی میں دیر سے خواہش رکھتا ہوں۔ میں نے معلوم کیا کہ وہ رات کو ۱۲ بجے تک تو برآمدے میں ٹہلتے رہتے اور درود و استغفار، ذکر و اذکار میں اور پھر حسبِ معمول تین بجے سے کچھ پہلے اُٹھ کر نمازِ تہجد پڑھتے رہتے۔ اذانِ فجر تک۔ اور یہ ان کی پرانی عادت تھی۔۔۔۔

جب ربوہ کی بنیاد پڑی تو سید علی احمد صاحب بغیر اپنی معیشت و جائے رہائش کا خیال کئے من یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغمًا کثیرًا وسعۃ پڑھتے ہوئے ربوہ پہنچ گئے اور اپنی بقیہ عمر عسر کی حالت میں بطیب خاطر گذار دی۔ غفر اللہ لہ[2]۔

آپ کو خلافت اور مرکز سے والہانہ محبت تھی اور باوجود تنگی ترشی کے مرکزِ سلسلہ سے باہر جانا گوارا نہیں تھا۔ آخری بیماری میں کئی دوستوں نے ربوہ چھوڑنے کا مشورہ دیا۔ مگر آپ کا ایک ہی جواب تھا اور وہ یہ کہ ساری عمر تو خلیفۂ وقت کے قدموں میں گذار دی۔ اب آخری عمر میں دُنیا کی

---

[1] ۱۹۲۵ء تا ۱۹۳۵ء (الفضل ۱۰ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶)۔ [2] الفضل ۲۷ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔

خاک چھاننے کے لئے کس طرح باہر چلا جاؤں. حضرت مصلح موعودؓ بھی آپ پر ہمیشہ نظرِ شفقت رکھتے تھے. چنانچہ اپنی جیبِ خاص سے حضور نے تجہیز وتکفین کا بندوبست فرمایا اور پھر خود ہی وصیت کے بقایاجات ادا کر کے انہیں موصیوں کے قبرستان میں دفن کرنے کا ارشاد فرمایا[1]

اولاد آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری چھ پشتوں میں ہر ایک کا ایک ہی لڑکا ہوتا رہا لیکن اللہ تعالیٰ نے احمدیت کی برکت سے آپ کو سات لڑکے اور آٹھ بیٹیاں عطا کیں جن کی تفصیل یہ ہے :-

(از اہلیہ اوّل لطیف النساء بیگم صاحبہ)

سیّدہ آمنہ بیگم صاحبہ. سیّدہ محمودہ بیگم صاحبہ. سیّدہ مبارکہ بیگم صاحبہ. سیّد اعجاز احمد صاحب[2]. سیّدہ عارفہ بیگم صاحبہ. سیّد امتیاز احمد صاحب. سیّدہ رضیہ بیگم صاحبہ (مرحومہ).

(از اہلیہ ثانی غفور النساء بیگم صاحبہ)

سیّدہ میمونہ اوّل (مرحومہ). سیّد سجاد احمد صاحب. سیّدہ میمونہ صاحبہ (ثانی). سیّد منیر احمد خلیل صاحب. سیّدہ ساجدہ بیگم صاحبہ. سیّد تنویر احمد صاحب. سیّد شاہ میر احمد صاحب. سیّد تبشیر احمد صاحب

۹۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحبؓ درد

(ولادت ۱۹ر جون ۱۸۹۴ء بمقام لدھیانہ. وفات ۷ر دسمبر ۱۹۵۵ء)

آپ کے والد ماجد حضرت ماسٹر قادر بخش صاحبؓ[3] (ولادت ۱۶ر اگست ۱۸۶۸ء. بیعت ۱۸۹۲ء. وفات ۱۰ر جولائی ۱۹۲۳ء). سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے نہایت مخلص یکرنگ اور قدیم عشاق میں سے تھے. جنہیں حضور کے ۳۱۳ اصحابِ کبار میں شمولیت کا شرف حاصل تھا. حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوری جنہیں اپنے اخلاص، خصوصی خدمات اور سرخی آسمانی نشان کے عینی شاہد کی حیثیت سے تاریخ احمدیت میں ایک خاص مقام حاصل ہے، آپ کے پھوپھا تھے. آپ نے احمدیت کی آغوش میں تربیت پائی. بچپن

---

[1] الفضل ۱۰ر نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۶ . [2] انسپکٹر بیت المال ربوہ

[3] تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو الحکم ۲۸ ستمبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۳، ۴ (از قلم مولانا عبدالرحیم صاحب درد. آپ کا پہلا نام رحیم بخش تھا)

میں ہی آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کرنے اور حضور کے ارشادات سننے اور ذہن نشین کرنے کا موقع ملا۔ اِس طرح آپ کو مسیح محمدیؑ کے صحابہ میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی اور پھر بڑے ہو کر آپ نے اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی تمام زندگی خدمتِ اسلام میں بسر کی۔

آپ اُن ممتاز اور نامور مخلصین میں سے تھے جنہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد خلافتِ ثانیہ کے ابتدائی ایّام میں اپنی زندگی خدمتِ اسلام کے لئے وقف کی اور پھر وفات کے وقت تک اپنے اس عہد کو نہایت درجہ اخلاص، ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ اس شان اور خوبی سے نبھایا کہ جس پر آنے والی نسلیں فخر کریں گی۔ آپ نے آٹھ سال تک انگلستان میں تبلیغِ حق کا فریضہ ادا کر کے سرزمینِ مغرب میں اسلام کا بول بالا کیا اور اس طرح خدمتِ اسلام کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ مسجد فضل لندن جس کا سنگِ بنیاد سیّدنا حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۱۹؍ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو اپنے دستِ مبارک سے رکھا تھا۔ آپ کے ہی دورانِ قیام میں تعمیر کے مراحل میں سے گذر کر پایۂ تکمیل کو پہنچی اور پھر آپ کے ہی زمانۂ قیام میں ۳؍ اکتوبر ۱۹۲۶ء کو اس کا افتتاح ہُوا۔ انگلستان میں پہلی مسجد اپنی زیرِ نگرانی تعمیر کرانے اور پھر اہلِ مغرب کی سعید روحوں کو حلقہ بگوشِ اسلام کر کے اس مسجد کو آباد رکھنے کی سعادت آپ کے حصّہ میں آنی پہلے سے مقدّر تھی۔ ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست ٭ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جب ۱۹۲۴ء میں سیّدنا حضرت مصلح موعود تبلیغی اغراض کے تحت انگلستان تشریف لے گئے تو آپ کو وہاں حضور کی معیت میں جانے کا شرف حاصل ہُوا۔ حضور کے واپس تشریف لے آنے کے بعد آپ انگلستان مشن کے مبلغ انچارج اور امام مسجد لندن کی حیثیت سے وہیں مقیم رہے۔ اور نہایت کامیابی کے ساتھ فریضۂ تبلیغ ادا کرنے کے بعد ۲۲؍ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو واپس تشریف لائے۔ حضور کے ارشاد کی تعمیل میں آپ ۲؍ فروری ۱۹۳۳ء میں دوبارہ انگلستان تشریف لے گئے۔ اور وہاں پانچ سال تک تبلیغِ اسلام کا فریضہ ادا کرنے کے بعد ۹؍ نومبر ۱۹۳۸ء کو قادیان تشریف لائے۔ آپ نے وہاں اپنے دورانِ قیام میں اس خوش اسلوبی سے تبلیغ کا فریضہ ادا کیا کہ انگلستان کے علمی طبقے میں اسلام کا خوب چرچا ہُوا۔ اور بالخصوص وہاں کا پریس اسلام اور ہادیٔ اسلام صلے اللہ علیہ وسلّم کے اذکارِ مقدس سے گونج اُٹھا۔ انگلستان سے واپس آنے کے بعد آپ صدر انجمن میں مختلف عہدوں پر فائز رہ کر خدمات سلسلہ بجا لاتے رہے۔ ایک لمبا عرصہ آپ کو حضور کے پرائیویٹ سیکرٹری

کے طور پر کام کرنے کی سعادت میسّر آئی۔ علاوہ ازیں تعلیم و تربیت، امورِ عامہ اور امورِ خارجہ کے شعبوں میں آپ نے ناظر کی حیثیت سے نہایت گرانقدر خدمات سرانجام دیں نیز کچھ عرصہ آپ نے انگریزی ترجمۃ القرآن کا کام بھی کیا۔ اور ایڈیشنل ناظر اعلیٰ کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔ عرصۂ دراز سے آپ ناظر امورِ خارجہ کے طور پر خدمات بجالا رہے تھے۔ حتیٰ کہ وفات سے کچھ دیر قبل تک آپ دفتر میں مفوّضہ فرائض کی سرانجام دہی میں مصروف تھے۔ اور کام کے دوران میں آپ کو ضعف کا شدید دَورہ ہُوا جس سے آپ جانبر نہ ہوسکے۔ اور دو گھنٹے کی مختصر علالت کے بعد جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ نوّر اللّٰہُ مَرْقَدہٗ۔

حضرت دردؔ صاحب مرحوم نے اپنی زندگی جہاں خدمتِ اسلام کے لئے وقف کئے رکھی۔ وہاں آپ نے مسلمانانِ ہند کی بھی کچھ کم خدمات سرانجام نہیں دیں۔ جب سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ۱۹۳۱ء میں کشمیر کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے اور کشمیر میں آزادی کی مہم کا پُوری شدّت سے آغاز ہُوا۔ تو اسی زمانے میں محترم دردؔ صاحب مرحُوم نے کشمیر کمیٹی کے سیکرٹری کی حیثیت سے مسلمانانِ کشمیر کی بیش بہا خدمات سرانجام دیں۔ ایک زمانے میں آپ آل انڈیا مُسلم لیگ کونسل کے رکن کے طور پر بھی خدمات بجالاتے رہے۔ پھر ۱۹۳۴ء میں جبکہ آپ انگلستان میں تھے۔ آپ نے وہاں قائدِ اعظم مسٹر محمد علی جناح مرحوم سے متعدد ملاقاتیں کیں اور انہیں ہندوستان واپس جا کر مسلمانوں کی سیاسی قیادت سنبھالنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ قائدِ اعظم مرحوم نے واپس آنے سے قبل جب ۶ راپریل ۱۹۳۳ء کو مسجد احمدیہ لندن میں عید الاضحیٰ کے موقع پر ہندوستان کے مستقبل کے متعلق تقریر فرمائی تو اس کے ابتداء میں محترم دردؔ صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

"امام مسجد نے مجھے ترغیب دی اور اس ترغیب میں ان کی فصاحت و بلاغت نے میرے لئے کوئی راہِ فرار نہیں چھوڑی۔ ان کی پُرزور تحریک کی وجہ سے مَیں سیاسی سٹیج پر کھڑا ہونے کے لئے مجبور ہُوا ہوں۔ ان کے انگریزی الفاظ یہ تھے:-

"THE ELOQUENT PERSUATION OF THE IMAM LEFT ME NO ESCAPE."[1]

---

[1] انقلابِ عظیم کے متعلق انذار و بشارات ۲ صفحہ ۱۹ از حضرت سیّد ولی اللہ شاہ صاحب۔

یعنی امام صاحب کی فصیح و بلیغ تحریک نے میرے لئے کوئی راہ بچاؤ کی نہیں چھوڑی۔

آپ کا بلند پایہ لٹریچر

اللہ تعالیٰ نے آپ کو علمی ریسرچ کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا چنانچہ دیگر تبلیغی اور دینی مصروفیات کے ساتھ ساتھ علمی ریسرچ کا سلسلہ آخر دَم تک جاری رہا اور آپ نے متعدد کُتب انگریزی اور اردو زبان میں تصنیف فرمائیں۔ ان میں "لائف آف احمد" ۔ "اسلامی خلافت" ۔ "مسلمان عورت کی بلند شان" ۔ "بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ اور انگریز" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ "لائف آف احمد" جلد ۱ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سوانح حیات پر مشتمل ہے، ایک ضخیم کتاب ہے اور سلسلہ کی تاریخ کے اعتبار سے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ آپ اس کی مزید دو [2] جلدیں تیار کرنے اور ان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ پیش کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

اس بلند پایہ لٹریچر کے علاوہ آپ کے قلم سے مندرجہ ذیل کُتب بھی شائع ہوئیں:۔

"اسلامی البم"

"الہدیٰ" ۔ "تاریخ اندلس"

"روئیداد جلسہ جوبلی" ۔

وفات میں شہادت کا رنگ

آپ کی وفات شہادت کا رنگ رکھتی ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ ۷ دسمبر ۱۹۵۵ء کا واقعہ ہے۔ آپ دفتر میں تشریف لائے۔ طبیعت پُوری طرح ہشاش بشاش تھی۔ ناظر اعلیٰ حضرت مرزا عزیز احمد صاحب ایم۔ اے کے کمرے میں اُن کی میز کے ہی ایک طرف بیٹھ کر آپ کام کرتے رہے۔ سوا بارہ بجے دوپہر کے قریب آپ نے کچھ تکان محسوس فرمائی اور یکلخت ضعف کا شدید دَورہ ہُوا۔ اور حالت غیر ہونے لگی۔ گرم دودھ وغیرہ پلانے اور ہاتھ پاؤں دبانے سے طبیعت سنبھل گئی۔ اس اثناء میں حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خانصاحب بھی تشریف لے آئے۔ انہوں نے دوائی بھجوائی اور پھر اس حال میں کہ آپ مسکراتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ آپ کو گھر پہنچا

---

[1] اس کا عربی ایڈیشن بھی "مؤسس الجماعۃ الاحمدیہ و انگلیز" کے نام سے چھپ چکا ہے۔

دیا گیا۔ سوا ۵ بجے کے قریب آپ کو ضعف کا پھر شدید دَورہ ہوا اور آپ نصف صدی سے زائد عرصہ تک اسلام اور احمدیت کی اَن تھک خدمات بجا لانے کے بعد عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔

آپ کی وفات کی خبر تمام ربوہ میں آناً فاناً پھیل گئی۔ اور لوگ کثرت کے ساتھ آپ کی رہائش گاہ کی طرف آنے شروع ہو گئے۔ وفات کی خبر موصول ہوتے ہی صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے دفاتر میں باقی وقت کے لئے فوراً تعطیل کا اعلان کر دیا گیا[1]

اگلے روز ۸ر دسمبر ۱۹۵۵ء کو نمازِ ظہر کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے احاطۂ بہشتی مقبرہ میں آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ جس میں اہلِ ربوہ ہزاروں کی تعداد میں شریک ہوئے۔ نمازِ ظہر کے بعد آپ کا جنازہ بہشتی مقبرہ لے جایا گیا۔ جہاں سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اور کافی دُور تک کندھا دیا۔ چارپائی کے ساتھ بڑے بڑے بانس باندھ دیئے گئے تھے۔ تاکہ احباب آسانی کے ساتھ کندھا دے سکیں۔ سپردِ خاک کرنے سے قبل احباب جماعت کو چہرہ دیکھنے کا موقعہ دیا گیا۔ لوگ احمدیت کے فدائی اور دیرینہ مخلص خادمِ سلسلہ کے چہرے کی آخری جھلک دیکھنے کے لئے بے تاب تھے۔ اور ایک دُوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ چنانچہ اس بات کا انتظام بھی کیا گیا کہ سب احباب قطار میں باری باری گذر کر چہرے پر آخری نظر ڈال لیں۔ یہ منظر نہایت دردناک تھا۔ ضبط کے باوجود اکثر احباب کی آنکھوں سے آنسو رَواں تھے۔ جب سب احباب چہرہ دیکھ چکے تو آپ کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ قبر تیار ہونے پر حضرت مولانا غلام رسول صاحبؓ راجیکی نے دُعا کرائی۔[2]

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دَرد نے جس ایثار و اخلاص سے سلسلہ کی خدمت کی وہ سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ نے ایک نوٹ میں اظہارِ تعزیت کرتے ہوئے لکھا:۔

"مکرم دَرد صاحب سلسلہ عالیہ احمدیہ کے درخشندہ گوہر۔ اُن صادق وفاداروں اور سچے خدام میں سے تھے جنہوں نے اپنی زندگی سلسلہ کے لئے وقف کر دی۔ اور آخر دَم تک اس پر قائم رہے۔ دین کو دُنیا پر عملی طور پر مقدّم کیا۔ آج اُن کے کالج فیلو بڑے بڑے مناصب پر فائز ہیں۔ اور ہزاروں روپیہ تنخواہ

---

[1] الفضل ۹ر دسمبر ۱۹۵۵ء صث۔ [2] الفضل ۱۰ر دسمبر ۱۹۵۵ء صا۔

لے رہے ہیں. لیکن درؔد صاحب مرحوم ومغفور نے سلسلہ کی خاطر درویشانہ زندگی کو امیرانہ زندگی پر ترجیح دی۔"[1]

مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری نے اپنے قلبی تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:۔

"عربی مقولہ ہے "موت العالِم موت العالَم" کہ عالم کی موت جہان کی موت ہوتی ہے. کیونکہ حقیقی عالم کا وجود دُنیا کے لئے نفع رساں وجود ہوتا ہے. اس کی زندگی خالق کی مرضی کو پُورا کرتے ہوئے مخلوق کے فائدہ میں صرف ہوتی ہے. ایسے وجُودوں کے اُٹھ جانے سے واقعی دُنیا میں ایک موت طاری ہو جاتی ہے. حضرت مولوی عبدالرحیم درؔد رضی اللہ عنہ ان اہلِ علم انسانوں میں سے تھے جو مِمّا رزقنٰھم ینفقون کے مطابق اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے انعامات و مواہب سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانے میں زندگی گذارتے ہیں. وہ اپنے علم، اپنی عقل، اپنی فراست اور اپنے اثر و رسوخ سے دوسروں کا بھلا کرنے میں کبھی کمی نہ کرتے تھے. روپے کی انہیں خود بہت تنگی تھی. تاہم بقدر امکان اس پہلو میں بھی کوتاہی نہ کرتے تھے. سال ہا سال تک اُن کے ساتھ رہنے اور تعاون دیکھنے کے نتیجہ میں مجھے معلوم ہے کہ حضرت درؔد صاحب رضی اللہ عنہ سلسلہ احمدیہ کے ان سچے اور وفادار خادموں میں ایک نمایاں وجود تھے. جو عُسر و یُسر اور حالت آرام و تنگی میں خدا کے دین کی خدمت کا قطعی فیصلہ کر چکے تھے. انہوں نے عملاً پوری وفاداری اور کامل اخلاص و محبت کے ساتھ اس فیصلہ کو نافذ کیا ہے. بہت سے مراحل ان کی زندگی میں ایسے آئے ہیں جب کھوکھلے انسان ثابت قدم نہیں رہ سکتے. لیکن حضرت درؔد صاحب نے ان تمام منزلوں کو نہایت خُوبی اور خوبصورتی سے طے کیا ہے. احمدیت اور اسلام کے لئے اُن کی بے انتہا عقیدت کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ وہ دن رات خدمتِ دین کرتے تھے. اور پھر ہمیشہ یہی کہتے تھے اور اسی احساس سے معمُور رہتے تھے کہ مَیں اپنا فرض پُورا نہیں کر رہا. وہ نہ صرف خود علمی اور ٹھوس کام کرنے کے عادی تھے بلکہ ہمیشہ ہی اپنے ملنے والوں اور دوستوں کو ہر روز نصیحت کرتے تھے کہ گہری تحقیق اور پُوری ریسرچ سے کتابیں اور مضامین لکھے جائیں. انہیں دینی علوم سے خاص شغف تھا اور جدّت اور تحقیق ان کی طبیعت کا خاصہ تھا. اپنے احباب اور دوستوں کے ساتھ پوری وفاداری اور کامل خلوص کے ساتھ پیش آتے

---

[1] الفضل ۱۰ دسمبر ۱۹۵۵ء صہ۸

تھے۔ دوستی نبھانے میں بھی حضرت درد صاحب منفرد تھے۔ مگر بایں ہمہ جب جماعت اور دین کا سوال آجاتا تھا تو حضرت درد صاحبؓ کو ہر قسم کی دوستی اور محبت کو قربان کر دینے میں ذرا بھی دریغ نہ ہوتا تھا۔ وہ جماعت کے نظام کے قیام کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پر آمادہ تھے۔ میں نے سفر و حضر اور جلوت و خلوت میں انہیں احمدیت کا نہایت غیور اور اپنے امام ہمام کا سچا عاشق صادق پایا تھا۔"[1]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے تاثرات

قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے نے حضرت مولانا درد صاحب کے حادثۂ انتقال پر حسب ذیل مضمون رقم فرمایا:۔

"محترمی درد صاحب ایک نہایت مخلص خاندان کے فرد تھے۔ ان کے والد مرحوم ماسٹر قادر بخش صاحب لدھیانوی قدیم اور مخلص صحابہ میں سے تھے اور ان کے پھوپھا حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوریؓ کو تو جماعت کا ہر فرد جانتا ہے۔ منشی محمد عبداللہ صاحب سنوریؓ کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب "ازالہ اوہام" میں نہایت درجہ محبت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور ان کے اخلاص اور تقویٰ شعاری کی بہت تعریف کی ہے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنا وہ قمیص عنایت فرمایا جس پر خدائی روشنائی کے چھینٹے پڑے تھے۔ اور جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق حضرت منشی صاحب مرحوم کے ساتھ ہی مقبرہ بہشتی قادیان میں دفن کر دیا گیا۔ بلکہ جیسا کہ میری تصنیف "سیرت المہدی" میں مذکور ہے، درد صاحب مرحوم کی پھوپھی مرحومہ کی شادی بھی حضرت منشی محمد عبداللہ صاحب مرحوم کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد پر ہی ہوئی تھی۔ اس طرح درد صاحب ایک ایسے مبارک خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو احمدیت کی تاریخ میں ایک خاص شان رکھتا ہے۔ درد صاحب خود بھی صحابی تھے اور ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی بعض باتیں بھی یاد تھیں۔ جن میں سے بعض کا ذکر "سیرت المہدی" میں آچکا ہے۔ مگر درد صاحب کی ذاتی خدمات کا سلسلہ خلافت ثانیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ درد صاحب اور میں نے ایم اے کا امتحان اکٹھا پاس کیا تھا جس کے بعد وہ کچھ عرصہ ضلع ہوشیارپور کے ایک ہائی سکول میں ملازم رہے۔ مگر بہت جلد ہی وہاں سے فراغت حاصل کر کے سلسلہ حقہ کی خدمت

---

[1] الفضل ۱۰ دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳

میں آگئے اور جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۲۱-۱۹۲۰ء میں نظارتیں قائم کیں تو ابتدائی ناظروں میں سے درد صاحب بھی ایک صیغہ کے ناظر مقرر ہوئے اور اس وقت سے لے کر آج تک جو بینتیس سال کا عرصہ بنتا ہے۔ درد صاحب نے اس وفاداری اور جاں نثاری کے ساتھ اس خدمت کو نبھایا جو انہی کا حصہ تھی۔ کبھی اپنی تنخواہ میں ترقی کا مطالبہ نہیں کیا۔ کبھی کوئی حق نہیں مانگا۔ بلکہ جو کچھ بھی سلسلہ کی طرف سے ملا اسے کامل رضا اور پورے صبر و شکر کے ساتھ قبول کیا۔ مجھے یاد ہے کہ جب ہم شروع میں خدا کے ساتھ عہد باندھ کر سلسلہ کی خدمت میں آئے تو میری ہی تجویز پر ہم دونوں نے یہ عہد کیا تھا کہ خدا کی توفیق سے ہم ہمیشہ سلسلہ کی خدمت میں زندگی گزاریں گے۔ اور کبھی کسی معاوضہ یا ترقی یا حق کا مطالبہ نہیں کریں گے اور میرے لئے انتہائی خوشی اور درد صاحب کے خاندان کے لئے انتہائی فخر کا مقام ہے کہ درد صاحب نے اس عہد کو کامل وفاداری کے ساتھ نبھایا اور مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ کے مقام پر فائز ہوگئے اور میرا انجام خدا کو معلوم ہے۔ گو میں بھی اپنی کمزوریوں کے باوجود خدا کی رحمت کا امیدوار ہوں۔ درد صاحب کا خاص وصف یہ تھا جس میں مجھے بھی اکثر اوقات ان پر رشک آتا تھا کہ اگر کبھی حضرت صاحب کی طرف سے یا انجمن وغیرہ کی طرف سے ان کی کسی بات پر گرفت ہوتی تھی۔ (اور گرفت سے کون انسان بالا ہے) تو وہ اسے انتہائی صبر اور ضبط کے ساتھ برداشت کرتے تھے اور اپنی بریت کا معاملہ بھی صرف خدا پر چھوڑتے تھے۔

غالباً ۱۹۲۴ء میں درد صاحب کو لندن مشن میں پہلی دفعہ مبلغ بنا کر بھجوایا گیا۔ جہاں انہوں نے ۱۹۲۸ء تک کام کیا۔ اور اسی زمانہ میں لندن مسجد کی بنیاد رکھی گئی اور اسی زمانہ میں وہ تعمیر ہوئی۔ اس کے بعد وہ دوبارہ ۱۹۳۳ء میں لندن گئے اور ۱۹۳۸ء میں واپس آئے۔ یہ وہی زمانہ ہے جس میں ہمارے خاندان کے چار بچوں نے ولایت میں تعلیم پائی اور درد صاحب کمال محبت سے ان کی سرپرستی فرماتے رہے۔ اس کے بعد درد صاحب نے ولایت سے واپس آکر اکثر زمانہ نظارت تعلیم و تربیت اور نظارت دعوت و تبلیغ میں گذارا مگر ان کا خاص کام نظارت امور خارجہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جہاں وہ غیر معمولی طور پر کامیاب رہے۔ درد صاحب کو حکومت کے افسروں اور غیر از جماعت اصحاب کے ساتھ ملنے کا خاص ڈھنگ آتا تھا۔ اور وہ ان ملاقاتوں میں غیر معمولی طور پر کامیاب رہتے تھے۔ مزاج کی سادگی اور کچھ مالی تنگی کی وجہ سے ان کا لباس بہت ہی سادہ بلکہ بعض اوقات درویشانہ رنگ کا ہوتا تھا۔ مگر لوگوں سے اس قابلیت اور

وقار کے ساتھ ملتے تھے کہ وہ بہت جلد ان کے زیرِ اثر آجاتے تھے اور درد صاحب اکثر اپنی بات منوا کر ہی اُٹھتے تھے۔ بظاہر حالات مجھے امید نہیں کہ جماعت کو قریب کے زمانہ میں درؔد صاحب جیسا کامیاب ناظر امورِ خارجہ میسّر آئے۔ وَلعل اللّٰہ یحدث بعد ذالك امرا۔

کچھ عرصہ درؔد صاحب نے انگریزی ترجمۂ قرآن کریم کے بورڈ میں بھی کام کیا جس میں حضرت مولوی شیر علی صاحب مرحوم اور ملک غلام فرید صاحب ایم اے اور چودھری ابوالہاشم خان صاحب مرحوم اور یہ خاکسار کام کرتے تھے اور درؔد صاحب کی قابلیت بورڈ کے لئے بہت مفید اور کار آمد ثابت ہوتی تھی۔

جیسا کہ مَیں نے اُوپر عرض کیا ہے۔ میرے ساتھ ذاتی تعلّقات درؔد صاحب کے ۱۹۱۶ء میں یعنی آج سے چالیس سال قبل شروع ہوئے اور ہم نے نہایت درجہ محبت اور اخلاص کے ساتھ یہ زمانہ گذارا۔ اور نظارتوں میں آنے کے بعد تو ہم گویا مسلسل رفیقِ کار ہی رہے۔ درؔد صاحب اکثر میری رائے پر اعتماد کرتے تھے اور مجھے بھی اکثر ان کے مشورہ پر اعتماد ہوتا تھا۔ اور گو بعض اوقات ہماری رائے میں اختلاف بھی ہو جاتا تھا۔ (واختلاف امّتی رحمۃ)۔ مگر درؔد صاحب کی محبت کا یہ انداز تھا کہ وہ اکثر میری رائے پر اعتماد کر کے اپنی رائے ترک کر دیتے تھے۔ گو بعض اوقات مجھے بعد میں محسوس ہوتا تھا کہ حالات کے لحاظ سے درؔد صاحب کی رائے ہی زیادہ مناسب تھی۔ مجھے وہ آخری دفعہ چند دن ہوئے لاہور میں عزیز مظفر احمد کے مکان پر آکر ملے۔ در اصل وہ میری اور اُمّ مظفر احمد کی عیادت کے لئے وہاں آئے تھے۔ اور اس سے قبل بھی کئی دفعہ آچکے تھے۔ لیکن اس دفعہ ایسا خدائی تصرّف ہُوا کہ جب مَیں انہیں رخصت کرنے کے لئے مکان سے باہر گیا تو انہیں رخصت کرتے ہوئے ان سے غیر معمُولی طور پر بغل گیر ہو کر ملا۔ غالباً اس میں تقدیر کا یہ اشارہ تھا کہ اب یہ تم دونوں کی آخری ملاقات ہے۔ میرے علاوہ درؔد صاحب کے زیادہ تعلقات عزیزم مرزا عزیز احمد صاحب ایم اے ناظر اعلیٰ اور عزیزم میاں ناصر احمد صاحب اور عزیزم مرزا ظفر احمد اور عزیزم مرزا مظفر احمد اور مکرمی ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اور مکرمی چودھری فتح محمد صاحب سیال (جن کے ساتھ بعد میں ان کا رشتہ بھی ہو گیا) اور مکرمی شیخ بشیر احمد صاحب اور مکرمی چودھری اسد اللہ خانصاحب اور مکرمی راجہ علی محمد صاحب کے ساتھ تھے۔ مگر حقیقۃً ان کا حلقہ ملاقات بہت وسیع تھا۔ اور بہت سے غیر از جماعت معزز اصحاب ان کے دوستوں میں شامل تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ تو درؔد صاحب کو خاص محبت اور

عقیدت تھی اور ان کے دل میں حضرت صاحب کا خاص اکرام تھا اور حضور کو بھی ان پر بہت اعتماد تھا. جب ہوشیار پور مصلح موعود والا جلسہ فروری ۱۹۴۴ء میں ہوا تھا تو اس میں اور بعض بعد کے جلسوں میں بھی درد صاحب نے ہی مصلح موعود والی پیشگوئی حاضرین کو سنائی تھی. اس موقع پر درد صاحب کو اس وجہ سے چنا گیا تھا کہ ان کے پھوپھا صاحب یعنی حضرت منشی عبداللہ صاحب مرحوم ان ایّام میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ساتھ تھے. جب حضورؑ نے ہوشیار پور میں چلّہ کشی کی اور انہی ایّام میں مصلح موعود والے الہامات ہوئے ...ﮯ[1]

حضرت مصلح موعودؓ کی زبانِ مبارک سے حضرت مولانا عبدالرحیم درد کا ذکرِ خیر

حضرت مصلح موعودؓ نے ۹ ردسمبر ۱۹۵۵ء کے خطبہ جمعہ میں آپ کی شاندار علمی، تبلیغی اور سیاسی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ :-

"اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے ماتحت پرسوں درد صاحب اچانک حرکتِ قلب بند ہو جانے کی وجہ سے فوت ہو گئے ہیں. ہم میں سے ہر ایک نے فوت ہونا ہے. درد صاحب تو اتنے بڑے پایہ کے آدمی نہیں تھے. ان سے بڑے بڑے پایہ کے لوگ بھی وفات پا گئے. رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم وفات پا گئے. آپ کے چاروں خلفاء وفات پا گئے. حضرت مسیح موعود علیہ السّلام وفات پا گئے. حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ وفات پا گئے. پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پرانے صحابہؓ ایک ایک کر کے وفات پا گئے. خود ان کے والد ماسٹر قادر بخش صاحب اور ان کے خسر میاں عبداللہ صاحب سنوری جو پرانے صحابہؓ میں سے تھے، فوت ہو گئے. پس فوت تو سب نے ہونا ہے. لیکن یہ طبعی بات ہے کہ پرانا تعلق ہونے کی وجہ سے صدمہ زیادہ ہوتا ہے. ۱۹۱۲ء سے درد صاحب کا میرے ساتھ تعلق تھا. ۱۹۱۴ء میں وہ قادیان سلسلہ کی خدمت کے لئے آ گئے تھے. ۱۹۲۴ء میں وہ انگلستان مبلّغ بن کر گئے تھے. پھر دوبارہ ۱۹۳۳ء میں انگلستان گئے. اور قریباً ۶ سال وہاں رہے. غرض وہ دو دفعہ مبلّغ بن کر انگلستان گئے. پہلی دفعہ ۱۲ رجولائی ۱۹۲۴ء کو قادیان سے روانہ ہوئے اور ۲۲ راکتوبر ۱۹۲۸ء کو واپس آئے. اور دوسری دفعہ ۲ رفروری ۱۹۳۳ء کو قادیان سے روانہ ہوئے. اور ۹ رنومبر ۱۹۳۸ء کو واپس آئے. قادیان میں وہ سالہا سال تک صدر انجمن احمدیہ کے

---

[1] روزنامہ "الفضل" ۱۴ ردسمبر ۱۹۵۵ء صـ ۲ رمـ ۳.

ناظر رہے۔ اور سلسلہ کے اہم عہدوں پر کام کرتے رہے۔ اتنے لمبے عرصہ تک جس شخص کے ساتھ تعلق رہا ہو۔ اس سے طبعاً محبت ہو جاتی ہے۔ ایک انسان کسی مکان میں لمبے عرصہ تک رہے تو اس سے بھی محبت ہو جاتی ہے۔ پھر ایک انسان جس کے ساتھ روزانہ واسطہ پڑتا ہو۔ اس سے تو لازماً محبت ہو جاتی ہے۔ اس لئے گو دردؔ صاحب کی وفات کوئی عجیب چیز نہیں۔ لیکن ان سے دیرینہ تعلق کی بناء پر ان کی وفات سے میرے دل کو اور دوسرے دوستوں کے دلوں کو بھی صدمہ پہنچنا ایک طبعی بات تھی حضرت مسیح علیہ السلام کو جب صلیب پر چڑھانے کا وقت قریب آیا تو آپ نے دُعا کی۔ کہ اے اللہ میری رُوح تو تیرا حکم ماننے کے لئے تیار ہے۔ مگر میرا جسم کمزور ہے۔ پس جسمانی طور پر ایسی چیزوں کا صدمہ ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ دردؔ صاحب کی اچانک وفات سے مجھے بھی صدمہ ہُوا........ مجھے یاد ہے جب ہم نے دردؔ صاحب کو ولایت بھیجا ہے۔ ان کی تنخواہ سو روپے ماہوار تھی۔ چندہ اور دوسری کٹوتیوں کے بعد انہیں ساٹھ روپے ماہوار ملتے تھے۔ جس میں سے بڑا حصّہ وہ اپنی والدہ کو بھیج دیتے تھے۔ ان کی دو بیویاں تھیں اور ان میں سے ہر ایک کے چار چار پانچ پانچ بچے تھے۔ وہ ہمارے مکان کے ہی ایک حصّہ میں جو کچّا تھا اور جس میں رہنا آج کل کے کلرک بھی پسند نہیں کرتے رہتی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ مجھے یہ معلوم کر کے سخت صدمہ ہُوا کہ ان کی بیویوں کے حصّہ میں چار چار پانچ پانچ بچّوں سمیت صرف چودہ چودہ روپے ماہوار آتے تھے۔ اَب تو چودہ روپے وظیفہ پر بھی لڑکے شور مچا دیتے ہیں۔ کہ یہ رقم بہت کم ہے۔ لیکن ان دنوں ان کی بیویوں کے حصّہ میں بچّوں سمیت صرف چودہ چودہ روپے آتے تھے۔ ان کی ایک بیوی کے بھائی جلد ساز تھے۔ جن کے پاس فرمہ شکنی کے لئے جب کوئی کتاب آتی۔ تو وہ اس سے فرمے منگوا لیتی تھیں اور وہ خود اور دوسری بیوی فرمے توڑ توڑ کر کچھ رقم پیدا کر لیتیں جس سے ان کا گزارہ چلتا۔ اَب دیکھو ایک شخص ایم اے ہے اور سب ججی کے لئے اسے آفر OFFER آچکی ہے۔ وہ تبلیغ کے لئے ملک سے باہر جاتا ہے۔ سلسلہ کو اتنی توفیق نہیں ہوتی۔ کہ وہ اس کے بیوی بچّوں کو مناسب گزارہ دے سکے۔ اس کی بیویوں کو اپنے گزارہ کے لئے فرمے توڑنے پڑتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس نے نہایت ثابت قدمی سے سلسلہ کی خدمت میں چالیس سال کا عرصہ گزار دیا...... دردؔ صاحب جب سلسلہ کی خدمت کے لئے آئے تو ان کی عمر زیادہ نہ تھی۔ لیکن اس عمر میں بھی ان کے وقار کا یہ حال تھا۔ کہ ہم انہیں بڑے سے بڑے افسر سے بھی ملنے کے لئے بھیج دیتے تو وہ نہایت کامیابی کے ساتھ

جماعت کی نمائندگی کر کے آجاتے تھے۔ اگر ہم انہیں کہتے کہ وائسرائے سے ملاقات کے لئے جاؤ۔ تو وہ فوراً اس کی ملاقات کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ اور کامیاب طور پر اسے مل کر آتے تھے۔ کونسل کے ممبروں کے پاس انہیں بھیجا جاتا تو وہ بغیر کسی جھجک کے چلے جاتے۔ اور نہایت کامیابی کے ساتھ سلسلہ کے کام بجالاتے۔ ان کے دل میں کبھی بھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا تھا کہ وہ لوگ بڑے درجہ کے ہیں اور مَیں کمزور انسان ہوں۔ اس وقت مَیں کالج کے پروفیسروں کے متعلق بھی یہ خیال نہیں کرتا کہ باوجودیکہ اس وقت ملک کی حکومت اپنی ہے۔ انہیں اگر گورنر کے پاس بھی بھیجا جائے تو وہ کامیابی کے ساتھ کوئی کام کر سکیں۔ لیکن درد صاحب کے اندر یہ یقین پایا جاتا تھا کہ گو مَیں کمزور انسان ہوں لیکن یہ کام خدا تعالیٰ کا ہے۔ پھر مَیں اسے کیوں نہیں کر سکتا۔ اور مَیں سمجھتا ہوں ہر شخص کے اندر یہ مادہ پایا جانا ضروری ہے۔ اگر کسی انسان میں یہ مادہ پیدا ہو جائے تو اس کی زبان میں برکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور لوگ اس کی بات سُننے لگ جاتے ہیں۔ چودھری فتح محمد صاحب۔ میاں بشیر احمد صاحب۔ درد صاحب اور سیّد ولی اللہ شاہ صاحب سب اکٹھے آئے تھے اور ان میں سے ہر ایک کو خدا تعالیٰ نے چالیس چالیس سال تک سلسلہ کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو ان میں سے زندہ افراد کو لمبی زندگی عطا کر کے اور زیادہ خدمت کی توفیق بھی دے سکتا ہے حضرت مسیح علیہ السلام کو ہی لے لو۔ ہمارے نزدیک وہ ۱۲۰ سال تک زندہ رہے۔ پس گو ان کی عمریں زیادہ ہو چکی ہیں۔ کوئی ۶۲ سال کا ہے کوئی ۶۴ سال کا ہے اور کوئی ۶۵ سال کا ہے۔ اور میری عمر تو اس وقت ۶۷ سال کی ہو چکی ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ میں یہ طاقت ہے کہ وہ ہم میں سے بعض کو صحت والی عمر دے کہ ان سے اس وقت تک کام لے لے جب تک جماعت کے نوجوانوں کے اندر بیداری نہ پیدا ہو جائے۔ اور وہ سمجھنے نہ لگ جائیں کہ ہمیں سلسلہ کا بوجھ اُٹھانے کے لئے آگے آنا چاہیئے۔

پس مَیں نوجوانوں سے کہتا ہوں کہ وہ دین کی خدمت کے لئے آگے آئیں۔ اور صرف آگے ہی نہ آئیں بلکہ اس ارادہ سے آگے آئیں کہ انہوں نے کام کرنا ہے۔"[1]

---

[1] الفضل ۱۸ دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴ تا ۶۔

اولاد حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد کو ہر دو بیویوں سے اولاد عطا ہوئی اس کی تفصیل یہ ہے۔ (پہلی بیوی محترمہ سارہ درد صاحبہ بنت میاں محمد اسماعیل صاحبؓ تاجر کتب آف مالیر کوٹلہ مہاجر قادیان سے)

۱۔ عطاء الرحمٰن درد صاحب۔

۲۔ عطیہ درد صاحبہ مرحومہ (اہلیہ چوہدری محمد سلیم احمد صاحب)

۳۔ رضیہ درد صاحبہ (اہلیہ پروفیسر مسعود احمد صاحب عاطف)

۴۔ خاتم النساء درد صاحبہ (اہلیہ مولوی محمد شفیع صاحب اشرف سابق مبلغ انڈونیشیا حال ناظر امور عامہ)۔

۵۔ لطف الرحمٰن درد مرحوم۔

۶۔ حبیب الرحمٰن درد صاحب۔

۷۔ مجیب الرحمٰن درد صاحب (سابق قائد مجلس خدام الاحمدیہ ضلع لاہور)

۸۔ صفیہ درد صاحبہ (اہلیہ عبدالرزاق احمد صاحب)

۹۔ نعیم الرحمٰن درد صاحب۔

۱۰۔ نعیمہ درد صاحبہ (اہلیہ ملک رب نواز صاحب) بیعت مئی ۱۹۰۱ء[1]

(محترمہ مریم درد صاحبہ بنت حضرت مولوی عبداللہ سنوری صاحبؓ سے)

۱۔ ہاجرہ درد صاحبہ (اہلیہ چوہدری محمد اسلم صاحب)

۲۔ صالحہ درد صاحبہ

۳۔ فائزہ درد صاحبہ (اہلیہ حمید حسن منور صاحب)

۴۔ محمد عیسیٰ درد صاحب۔

۱۰۔ چوہدری فضل الٰہی صاحب امیر جماعت احمدیہ کھاریاں (ولادت ۱۸۸۲ء بیعت ۱۹۰۱ء)

چوہدری فضل الٰہی صاحب کے بیٹے عطاء الٰہی صاحب سلیم تحریر فرماتے ہیں:۔

"محترم والد صاحب مرحوم کی پیدائش قریباً ۱۸۸۱ء میں کھاریاں ضلع گجرات میں ہوئی۔ مروجہ طریق کے مطابق آپ نے مڈل تک تعلیم حاصل کی اور تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ پٹواری کے عہدہ

[1] الحکم ۱۷ رمئی ۱۹۰۱ صفحہ ۱۴

پر ملازم ہو گئے۔

آپ نے ۱۹۰۱ء

میں قادیان جا کر حضرت مسیح پاک کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ قادیان سے واپس گاؤں پہنچ کر آپ نے اپنے خاندان کے دیگر افراد کو تبلیغ کرنا شروع کی۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کے فضل سے تھوڑے عرصہ میں کئی افرادِ خاندان احمدیت میں داخل ہو گئے۔ آپ کی تبلیغ سے ہی آپ کے والدین نے احمدیت قبول کی۔ احمدیت نے آپ کے اندر ایک پاک تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ باوجود جوانی کی عمر کے آپ نے ایسا نیک نمونہ ظاہر کیا کہ اپنے تو اپنے ہی تھے بیگانے بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ان دنوں آپ پٹواری تھے۔ لیکن احمدیت قبول کرتے ہی آپ نے اس ملازمت سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ کیونکہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ اس ملازمت میں حلال رزق کی کمائی دشوار ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس قربانی کا بدلہ یوں دیا کہ عمر بھر آپ کو کسی ملازمت کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔ اور نہایت عزت اور آرام سے زندگی بسر کی۔ فالحمد للہ علی ذالک ...... قبلہ والد صاحب نے سلسلہ کی طرف سے ہر تحریک پر عمل کر کے نہ صرف السابقون الاوّلون کا مقام حاصل کیا۔ بلکہ مقامی امیر ہونے کی حیثیت سے دوسروں کے لئے بھی اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ چنانچہ کھاریاں کی جماعت میں آپ نے سب سے پہلے وصیت کی۔ اور آپ کے اخلاص ہی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے خاندان میں اکثر افراد موصی ہیں۔ تحریک جدید میں آپ بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے رہے اور تا دمِ آخر آپ باقاعدگی کے ساتھ چندہ تحریک جدید ادا کرتے رہے۔ جماعت احمدیہ کھاریاں کے امیر ہونے کی حیثیت سے آپ نے قریباً تیس سال تک سلسلہ کی خدمت کی۔

امارت کے علاوہ آپ میونسپل کمیٹی کے قریباً پندرہ سال تک پریذیڈنٹ رہے ہیں۔ اس فریضہ کو بھی آپ نے نہایت دیانت داری اور عمدگی سے نباہا۔ آپ کی صفات میں سے آپ کی سادگی بہت نمایاں تھی۔ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کی مالی حالت بہت اچھی تھی اور دینی و دُنیاوی لحاظ سے آپ کو اچھا مقام حاصل تھا۔ لیکن ظاہرداری اور تکلّف آپ کے اندر نام کو نہ تھا۔ انتہائی سادگی سے آپ نے اپنی زندگی بسر کی۔ آپ کی دیانت داری کے نہ صرف اپنے بلکہ بیگانے بھی معترف تھے۔ آپ کے پاس لوگ اکثر اپنے زیورات اور نقدی وغیرہ بطور امانت رکھ جاتے۔

سلسلہ کے اموال میں تو آپ حد درجہ احتیاط برتتے اور کیا مجال تھی کہ ایک پائی کی بھی کمی بیشی ہونے پاتی۔ آپ کی ذاتی صفات میں ایک نمایاں صفت آپ کا حلیم الطبع ہونا تھا... آپ ہمیشہ حلم اور صبر سے کام لیتے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ دین کے معاملہ میں حد درجہ غیور بھی تھے۔ سلسلہ کے معاملات میں تو آپ بہت زیادہ غیور تھے اور اگر کسی سے آپ نے کبھی ناراضگی کا اظہار بھی کیا تو صرف ایسے مواقع پر جہاں سلسلہ کی عزت اور وقار کا سوال ہوتا۔ آپ نے اپنی زندگی میں متعدد مناظرے اور جلسے بایں غرض کروائے تاکہ سلسلہ کے متعلق غلط فہمیاں دُور ہوں۔ آپ خود سلسلہ کے احکامات اور شرعی امور کے سختی سے پابند تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اگر سلسلہ یا شریعت کے خلاف عمل کا مظاہرہ دیکھتے تو آپ کو بہت ناگوار گذرتا اور باحسن طریق اس کی اصلاح کی کوشش کرتے۔ احکام شریعت اور کُتب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آپ کو خاصا عبور حاصل تھا۔ غرباء کے ساتھ بہت شفقت سے پیش آتے اور حتی الامکان ہر غریب اور محتاج کی مدد کرتے۔ یہی وجہ ہے حضرت والد صاحب کی وفات کے موقع پر ہر طبقہ کے افراد نے بہت ہمدردی کا اظہار کیا"[1]

فصل ششم

بعض دیگر مخلص اور جانثار خدام احمدیت کی وفات

یہ سال حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے کے الفاظ میں "عام الحزن" تھا جس میں سلسلہ احمدیہ کے بہت سے جلیل القدر اصحاب کے علاوہ کئی اور مخلص بزرگ اور سلسلہ کے متعدد جانثار خادم انتقال کر گئے۔ مثلاً

۱۔ حضرت مولوی عبدالمغنی خانصاحبؓ سابق ناظر دعوت و تبلیغ

۲۔ حضرت حکیم فضل الرحمن صاحبؓ سابق مبلغ افریقہ و افسر لنگرخانہ۔

---

[1] الفضل ۱۷؍ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴ (مضمون از عطاء الٰہی صاحب سلیم)

۳۔ حضرت مولوی نذیر احمد علی صاحبؓ مبلغ افریقہ۔
۴۔ حضرت صوفی مطیع الرحمٰن صاحبؓ بنگالی سابق مبلغ امریکہ۔

۱۔ حضرت مولوی عبد المغنی خانصاحبؓ

حضرت مولوی صاحب قوم کے پٹھان تھے۔ آپ کی ولادت اپنے آبائی وطن قائم گنج ضلع فرخ آباد (صوبہ یو۔پی بھارت) میں ہوئی۔ صدر انجمن احمدیہ کے ریکارڈ کے مطابق آپ کی تاریخ پیدائش اکتوبر ۱۸۸۵ء ہے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی نامدار خان اور دادا کا نام کامدار خان تھا۔ نامدار خان ریاست حیدر آباد کے پولیس فورس میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ پر فائز تھے۔ مولوی صاحبؓ کی پرائمری تک تعلیم قائم گنج کے مقامی سکول میں ہوئی۔ اس کے بعد اٹاوہ چلے گئے جہاں بورڈنگ ہاؤس میں رہائش اختیار کر کے ہائی سکول کی تعلیم حاصل کی۔ کالج کی تعلیم بی۔ ایس۔سی تک علی گڑھ میں حاصل کی۔

آپ کا واقعہ قبولِ احمدیت بہت ایمان افروز ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "جب میں اٹاوہ میں بورڈنگ ہاؤس میں تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل سے عبادت کی خاص الخاص لذت سے روشناس کیا۔ ان ایام میں اللہ تعالیٰ رات کی تنہائی میں ایسے میٹھے سبق پڑھاتا کہ ان کی لذّت میرے دل اور رُوح کے ایک ایک گوشے میں سما جاتی۔ فرمایا یہ سلسلہ کچھ عرصہ تک جاری رہا۔ لیکن پھر اچانک ایک دن بند ہو گیا اور اس کے بعد باوجود میری انتہائی بے تابی اور بے قراری اور گریہ وزاری کے پھر جاری نہ ہُوا۔ جب میری بے قراری انتہا کو پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ کچھ عرصہ بعد تم ایک شخص سے ملوگے۔ اَب اس کے ذریعہ ہی یہ سلسلہ تمہارے لئے دوبارہ جاری ہوگا۔"

مندرجہ بالا واقعہ اٹاوہ کا ہے۔ جبکہ آپ ابھی ہائی سکول کے طالب علم تھے۔ چند سال بعد جب آپ علیگڑھ کالج میں داخل ہوئے تو وہاں طلباء کی مجلسوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اور احمدیت کا ذکر مخالفانہ رنگ میں آپ کے کانوں میں پڑنے لگا۔ ایک روز کسی ایسی ہی مجلس میں کسی شخص نے حضرت اقدس علیہ السّلام کے متعلق کہا کہ مرزا صاحب تو (نعوذ باللہ) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ فرمایا میں نے جب یہ سُنا تو میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبت کی وجہ سے چاہا کہ اس شخص کے خلاف جس کی طرف یہ گستاخی منسوب کی جا رہی ہے۔ (یعنی حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف) کچھ کہوں لیکن وہ الفاظ جو میرے دل میں تھے ابھی حلق تک نہیں پہنچے تھے کہ فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء ہُوا کہ خبردار اس شخص کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نہ نکلے یہ وہی برگزیدہ ہے جس کے ذریعے وہ سلسلہ تمہارے لئے دوبارہ جاری ہوگا جو اٹاوہ میں منقطع ہُوا تھا۔

فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے کچھ ہی عرصہ بعد مَیں قادیان گیا اور حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرکے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی غلامی سے مشرف ہُوا[1]"۔ یہ ۱۹۰۹ء یا ۱۹۱۰ء کا واقعہ ہے[2]۔

۱۹۱۴ء میں آپ بی۔ ایس۔ سی کا امتحان دے کر سیدھے قادیان آئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کی آخری بیماری کے ایّام میں تیمارداری میں ہمہ تن حصّہ لیا اور حضور کی وفات کے بعد اپنی خدمات حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کے حضور پیش کر دیں۔ حضور نے آپ کی پیشکش منظور فرماتے ہوئے آپ کا پہلا تقرّر تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں بطور سائنس ٹیچر کیا۔ جس کی تصدیق صدر انجمن احمدیہ قادیان کے کاغذات میں باقاعدہ طور پر ۱۵؍ نومبر ۱۹۱۶ء سے ہوتی ہے[3]۔ ۱۹۱۹ء میں جب پہلی بار حضرت اقدس مصلح موعود نے نظارتوں کی تشکیل فرمائی تو آپ پہلے ناظر بیت المال مقرر ہوئے۔ ۱۵ – ۱۶ ؍اپریل ۱۹۲۲ء کی اوّلین مجلس مشاورت[4] سے لے کر جب تک ناظر رہے مرکزی نمائندہ کی حیثیت سے شامل ہونے کا اعزاز حاصل ہُوا۔

جولائی ۱۹۲۴ء میں حضرت مصلح موعودؓ نے سفرِ یورپ کے لئے روانگی سے قبل ایک مشاورتی کمیٹی تجویز فرمائی تھی جس کے بارہ ممبروں میں سے چوتھا ممبر آپ کو نامزد کیا اور فرمایا" ماسٹر عبدالمغنی صاحب کی بھی میں قدر کرتا ہوں۔ سلسلہ کے کاموں کے تفکّرات کی وجہ سے وہ بوڑھے ہوگئے ہیں۔ ان کی عمر اتنی نہیں جتنی عمر کے وہ نظر آتے ہیں۔ لیکن مالی معاملات میں اعتراضوں اور تنبیہوں کی وجہ سے وہ جوانی

---

[1] الفضل ۱۲؍جنوری ۱۹۶۰ء صفحہ ۳ ۔ [2] خصوصی ریکارڈ "شعبہ تاریخ احمدیت" ربوہ۔

[3] الفضل ۱۰؍جنوری ۱۹۶۰ء صفحہ ۳ (مضمون جناب محمد رفیع الزمان خانصاحب ریٹائرڈ بریگیڈیئر)

[4] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۲ء صفحہ ۳ زیر نمبر ۲۷۔

ہیں ہی بوڑھے ہو گئے ہیں۔"[۱]

۲۶ر مارچ ۱۹۳۹ء کو جلسہ خلافت جوبلی کے پروگرام کی تکمیل کے لئے ایک سب کمیٹی مقرر ہوئی جس کے ایک ممبر آپ بھی تھے۔ اس سب کمیٹی کی تجاویز مشاورت ۱۹۳۹ء میں پیش کی گئیں جن پر حضرت مصلح موعودؓ نے فیصلہ جات فرمائے۔ اور انتظامات کی سرانجام دہی کے لئے پانچ رکنی کمیٹی مقرر فرمائی۔ جس کے صدر چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب تھے اور ایک ممبر آپ بھی تھے۔[۲]

نظارت بیت المال میں ۱۷ سال کام کرنے کے بعد ۱۹۳۶ء میں آپ کا تبادلہ ہوا اور آپ ناظر دعوت و تبلیغ مقرر ہوئے۔ یکم نومبر ۱۹۴۵ء کو ۶۰ سال کی عمر ہو جانے پر حسب قواعد صدر انجمن احمدیہ آپ ریٹائر ہوئے۔ لیکن چارج دینے کے دوسرے ہی روز حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کو تحریک جدید میں وکیل التبشیر مقرر فرمایا۔ تقسیم ملک پر جب صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر پاکستان آئے تو اوّل لاہور میں اور بعد ازاں ربوہ میں آپ بیک وقت ناظر دعوت و تبلیغ اور وکیل التبشیر کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ جن سے ۱۹۵۰ء میں آخری مرتبہ سبکدوش ہوئے۔[۳]

مئی ۱۹۵۵ء میں آپ شدید بیمار ہوئے اور ۱۹ر اگست ۱۹۵۵ء کو آپ میو ہسپتال لاہور کے امرتسر وارڈ (مغربی سرجیکل) میں داخل کئے گئے۔[۴]

اسی دوران آپ نے مولوی عبدالکریم صاحب (پسر حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب حلال پوری) کے ذریعہ یہ پیغام بھجوایا کہ "میرے تمام بھائیوں کو کہہ دیں کہ ممکن ہے کہ اب یہ میرا آخری سفر ہو۔ اور مَیں آپ لوگوں سے اب نہ مل سکوں اس لئے اگر مجھ سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو مجھے معاف کر دیں اور میرے لئے دعائیں کرتے رہیں۔"[۵]

آپ ۴ر ستمبر ۱۹۵۵ء کو انتقال کر گئے۔ ۵ر ستمبر ۱۹۵۵ء کو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب امیر مقامی نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپ کو بہشتی مقبرہ ربوہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔[۶]

---

[۱] الفضل ۲۲ر جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۶،۵۔ [۲] روئیداد جلسہ خلافت جوبلی از حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد ناشر مینجر بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان۔ [۳] الفضل ۱۰ر جنوری ۱۹۶۰ء صفحہ ۳۔ [۴] الفضل ۹ر ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔ [۵] الفضل ۳۰ر اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۸۔ [۶] الفضل ۶ر ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔

حضرت مصلح موعودؓ کا خراج تحسین

حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۳ ستمبر ۱۹۵۵ء خطبہ جمعہ میں آپ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مولوی عبد المغنی خانصاحب بھی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے ابتدائی زمانہ میں اپنی زندگی وقف کی۔ وہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قادیان میں ہجرت کر کے آگئے۔ اور پھر وفات تک مرکز میں ہی رہے۔ اور سلسلہ کے مختلف عہدوں پر نہایت اخلاص اور محبت کے ساتھ کام کرتے رہے[۱]۔"

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا نوٹ

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے آپ کی وفات پر تحریر فرمایا:۔

"مولوی صاحب مرحوم غالباً حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ۱۹۱۲ء میں اپنے وطن قائم گنج ضلع فرخ آباد یوپی سے قادیان ہجرت کر کے آئے تھے۔ اور پھر ملکی تقسیم کے بعد تک مسلسل خدمتِ سلسلہ میں مصروف رہے۔ نہایت مخلص اور صابر اور شاکر بزرگ تھے۔ نمازوں کے انتہا درجہ پابند اور نماز باجماعت کے دلی شائق تھے۔ صاحبِ کشف و رؤیا بھی تھے۔ مگر اس کا ذکر کم کرتے تھے۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ساتھ نہایت درجہ اخلاص رکھتے تھے۔ اور سلسلہ کی ہر چھوٹی بڑی خدمت کو بڑی توجہ اور سرگرمی سے ادا کرتے تھے۔ ملکی تقسیم کے بعد انہیں اُوپر تلے دو جوان بچوں (ایک لڑکی اور ایک لڑکے) کی وفات کا صدمہ پہنچا۔ مگر اس بندۂ خدا نے اس صدمہ پر انتہے صبر سے کام لیا جو اسی کا حصّہ تھا۔ ان کے جواں سالہ لڑکے کی وفات اُن ایّام میں ہوئی۔ جب حضرت صاحب پر قاتلانہ حملہ ہُوا تھا۔ وہ اس کا جنازہ لاہور سے ربوہ لا رہے تھے کہ ایک عزیز نے جسے اس کی وفات کا علم نہیں تھا۔ ان سے بچّہ کی خیریت پوچھی۔ مولوی صاحب نے جواب میں کہا پہلے حضرت صاحب کی خیریت بتاؤ اور جب یہ معلوم ہُوا کہ حضور خیریت سے ہیں تو بلند آواز سے الحمد للہ کہا۔ اور اس کے بعد پوچھنے والے کو بتایا کہ بچّہ کا جنازہ لا رہا ہوں۔

مولوی صاحب مرحوم شروع میں تعلیم الاسلام ہائی سکول میں ٹیچر رہے اور کچھ عرصہ بعد جب نظارتیں

---

[۱] روزنامہ الفضل ۲۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۔

بنیں تو حضرت صاحب نے انہیں ناظر بیت المال مقرر فرما دیا جس کام کو انہوں نے بڑی سرگرمی اور توجہ کے ساتھ نبھایا اور اس کے بعد کئی سال تک ناظر دعوۃ و تبلیغ بھی رہے۔ اور انجمن کی طرف سے ریٹائر ہونے پر کچھ عرصہ تحریک جدید میں بھی کام کیا۔ طبیعت بہت نرم پائی تھی اور کسی کی دُکھ کی داستان سُن کر دل فوراً پسیج جاتا تھا۔ اور ایسے موقعوں پر بعض اوقات اتنی نرمی کر بیٹھتے تھے جو نظم و ضبط کے لحاظ سے درست نہیں سمجھی جاتی تھی۔ مگر یہ کمزوری بھی ان کی شرافت اور رحم دلی کا نتیجہ تھی۔ مزاج میں تصوف کا رنگ تھا اور اردو اور فارسی ادب کے ساتھ بھی اچھا شغف تھا۔ اور اردو کے بہت سے شعراء کا کلام یاد تھا۔ مزاج میں بہت سادگی تھی اور دوست نواز بھی بہت تھے۔ مَیں جب بھی اُن کے مکان پر جاتا تو بڑی محبت سے مہمان نوازی کا حق ادا کرتے۔"[1]

جناب گیانی عباد اللہ صاحب کا بیان

جناب گیانی عباد اللہ صاحب سکالر سکھ لٹریچر نے چشم دید واقعات کی بناء پر بتایا کہ :-

" مجھے حضرت مولوی صاحب مکرم سے ۱۹۳۷ء سے جب کہ آپ نظارت بیت المال سے تبدیل ہو کر ناظر دعوۃ و تبلیغ مقرر ہوئے۔ اَب تک تعلق رہا ہے۔ اور اس لمبے عرصہ میں مجھے آپ کو قریب سے دیکھنے کے بھی کئی مواقع میسّر آئے۔ آپ کی گفتار اور کردار سے ہمیشہ نیکی اور تقویٰ ہی ظاہر ہُوا۔

آپ کے دل میں غیر مُسلم قوموں میں تبلیغ اسلام کا بہت جوش تھا۔ آپ کی یہ تڑپ تھی کہ ہندوستان کی ہندو اور سکھ وغیرہ غیر مُسلم قومیں جلد سے جلد حلقہ بگوشِ اسلام ہوں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان پیشگوئیوں کو پُورا کرنے والی بنیں جو حضور نے غیر مُسلم قوموں خصوصاً ہندوؤں اور سکھوں کے اسلام قبول کرنے کے بارہ میں فرمائی ہوئی ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمیشہ آپ کی یہ کوشش رہی تھی کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی طرف سے اچھے سے اچھا، اعلیٰ سے اعلیٰ ہندی اور گورمکھی لٹریچر شائع ہو تا کہ زبان کی غیریت کی بناء پر ہندو اور سکھ اسلام ایسی نعمت سے محروم نہ رہیں۔ آپ جتنا عرصہ نظارت دعوۃ و تبلیغ میں ناظر رہے آپ کی اس طرف خاص توجہ رہی آپ کو جہاں یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے پہلے ناظر بیت المال تھے وہاں آپ کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ آپ کے زمانہ میں نظارت دعوۃ و تبلیغ کی طرف سے

---

[1] الفضل ۱۶ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳ ۔

سکھوں اور ہندوؤں، میں تبلیغ کے لئے ہندی اور گورمکھی کا معیاری لٹریچر کثرت سے شائع ہوا چنانچہ آپ کے زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لیکچر پیغام صلح کا ہندی اور گورمکھی ترجمہ ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوا۔ جسے ہندوؤں اور سکھوں نے بہت پسند کیا۔ اس کے علاوہ آپ کے زمانہ میں ہی قادیان سے ہندی کا ماہوار رسالہ "ہندوؤں میں تبلیغ کے لئے" اور گورمکھی ماہوار رسالہ "سکھوں میں تبلیغ کے لئے" شائع ہوا۔ اُن کے زمانہ میں نظارت دعوۃ و تبلیغ کی طرف سے جتنے بھی گورمکھی میں یا اُردو میں سکھوں کے لئے تبلیغی ٹریکٹ یا مضامین شائع ہوئے۔ ان کا بیشتر حصہ آپ کی ہی ہدایات اور نگرانی میں تیار ہوا۔ آپ کا یہ طریق تھا ایک ایک مضمون کو کئی کئی مرتبہ سُنتے۔ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ میں اس مضمون میں درج شدہ کوئی شبد سُناتا تو آپ اس کے معنی دریافت کرنے کے بعد اس مضمون کی قرآن شریف کی آیت یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا شعر سُنا دیتے جسے اس مضمون میں شامل کر لیا جاتا۔

آپ جب کبھی احمدی مبلغین کو تبلیغی دَوروں پر بھجواتے تو انہیں موقع اور محل کے مطابق کچھ نہ کچھ نصائح اور ہدایات بھی فرماتے۔ جب مجھے پہلی مرتبہ یو۔پی اور سی۔پی کے تبلیغی دَورہ پر جانے کا موقع میسر آیا تو آپ نے بہت محبت اور شفقت سے مجھے اپنے پاس بٹھایا اور فرمانے لگے کہ:۔

"آپ ایک احمدی مبلغ ہیں اور احمدی مبلغ کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ جہاں بھی جائے احمدیت کے متعلق پیدا شدہ غلط فہمیوں کو دُور کرے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو احمدی بنائے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے آپ لوگوں کو احمدی بنانے میں کامیاب نہیں ہوتے۔ تو پھر آپ کا رویّہ ایسا ہونا چاہئیے کہ لوگ احمدیت کے دوست ضرور بن جائیں۔"[1]

ایک تحریر آخر میں حضرت مولوی عبدالمغنی خانصاحب کی تحریر کا ایک نمونہ (جو مستقبل کی احمدی نسلوں کے لئے ایک قابلِ قدر پیغام کی حیثیت رکھتا ہے) ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ آپ نے نظارت بیت المال کی سالانہ رپورٹ (۳۳-۱۹۳۲ء) کے ابتدا میں بطور تمہید لکھا:۔

خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم نے اُس مسیح پاک کے زمانہ کو پایا جس کے لئے پیشتر کی اُمتیں آرزومند

---

[1] الفضل ۲۳ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴ (حضرت مولوی صاحب کی سیرت و شمائل پر جناب وقیع الزمان صاحب نے ایک مقالہ سپردِ قلم کیا تھا جو اخبار الفضل ۱۰ جنوری تا ۱۵ جنوری ۱۹۶۰ء میں بالاقساط شائع ہوا۔

تھیں اور حسرت کرتے ہوئے دُنیا سے چلی گئیں۔ کیسا فضل و احسان ہے اس ذات باری کا کہ ہمیں یہ زمانہ میّسر ہُوا۔ اور ہمیں اُس جہاد میں شامل کیا گیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بروز حضرت مسیح موعود والمہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا شیطان کے مقابلہ میں ہونا مقدر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ذریعہ اور پہلے نبیوں کے نوشتوں میں بتلایا گیا تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے متبعین کے مقابلہ میں شیطان اپنی تمام طاقت کے ساتھ برسرِ پیکار ہوگا۔ اور یہ شیطان کی آخری جنگ ہوگی جس میں حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے متبعین غالب آئیں گے اور شیطان کا زور توڑ دیا جائے گا۔

پس اے احمدی جماعت! اس مبارک جنگ کے لئے اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ کی مصداق ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بروز حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے جھنڈے کے نیچے لانے کے لئے تیرا انتخاب مبارک ہو۔ اس پر جس قدر فخر کیا جائے بجا ہے۔ لیکن جس قدر کسی پر کوئی انعام ہوتا ہے۔ اسی قدر اس پر ذمہ داری بھی عائد ہو جاتی ہے۔ گو یہ ذمّہ داری اس انعام کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ جو انعام کہ ابدالآباد کے لئے اس صلہ میں حاصل ہوتا ہے۔

یہ جہاد تیر و تفنگ کے ساتھ نہیں بلکہ یہ ثابت کرنے کے لئے ہے کہ اسلام کی ترقی کا راز اس کا ذاتی حُسن و کمال اور اس کے پاک تاثیرات ہیں۔ جس نے دُنیا کی حالت کا نقشہ بدل دیا تھا اور اسی طرح اَب بھی اسلام ترقی کرے گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ثابت کر دیا کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ بُرہانِ نیّرہ اور دلائل قاطعہ اور اپنے ذاتی حسن و کمال سے بڑھا اور پھیلا ہے کیونکہ جس نے اس کی خوبیوں کو دیکھا اور اس کا پھل کھایا۔ اُس کی نظر میں دُنیا و مافیہا ایک نہایت حقیر چیز نظر آئی۔ اس کے لئے دُنیا کی کوئی طاقت یا خوبصورتی ایسی نہ تھی جو اُس کے مقابلہ میں مرعوب اور گرویدہ بنا سکے۔ اور دکھلا دیا کہ اس کی ذاتی کشش ہی تھی جو پہلے اور اب دُنیا کو اپنا حلقہ بگوش بنائے چلی جا رہی ہے۔ پس یہ خدا کا برگزیدہ دُنیا میں آیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں حیرت انگیز تبدیلی کر کے دُنیا سے رخصت ہُوا۔ اور اپنے بقیّہ کام کی تکمیل سنّت اللہ کے ماتحت متبعین کے لئے چھوڑ گیا۔

اَب اے احمدی جماعت! ہاں وہ جماعت جسے تیرہ سو سال پیشتر سے خُدا تعالیٰ نے اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ کے وعدے کے مطابق صحابہ کے ساتھ شامل فرمایا ہے۔ تیرا فرض ہے کہ تو غور کرے کہ کس قدر انعام و احسان ہے کہ خدا نے اپنے وَعدے کے مطابق اپنے کام کے لئے تجھے چُنا ہے تا دیکھے کہ تو بھی صحابہ کی

پہلی جماعت کی طرح کس حد تک اپنی ذمہ داریوں کو پُورا کرتی ہے۔

جن کے ہمدوش ہونے کا ہمیں دعویٰ ہے اور جن کے کارہائے نمایاں مخفی نہیں انہوں نے خدا کی راہ میں اسلام کی خاطر اپنی عزیز سے عزیز چیز، جان و مال، عزیز و اقارب قربان کر دینے میں کوئی دریغ نہیں کیا۔ اور جو کام اُن کے سپرد ہُوا۔ کماحقہٗ انجام دیکر رضی اللہ عنہم کی تاقیامت دُعائیں لیتے ہوئے دُنیا سے رخصت ہوئے۔

اَب اِس جماعت کے کام کرنے کا وقت آیا ہے۔ اِس نے بھی خدا کے مُرسل اور آپ کے خلفاء کے ذریعہ دین کو دُنیا پر مقدّم کرنے کا عہد باندھا ہے۔ آؤ دیکھیں اس عہد کو پُورا کرنے کے لئے ہم نے کیا کچھ کوشش کی ہے۔

اس وقت ہم سے جانوں کا مطالبہ نہیں ہے۔ اس جہاد میں صرف مالی قربانی کا مطالبہ ہے۔ وہ بھی تمام مال نہیں اس میں سے کچھ حصّہ بقدر سولہویں حصّے کے۔ اگر دیکھا جائے تو اس مالی قربانی کے مطالبہ کو پہلے نظائر کے پیشِ نظر قربانی کہنا ہی قربانی کی ہتک ہے۔ لیکن یہ خدا تعالیٰ کا مزید احسان ہے کہ ہماری اس حقیر سی مالی پیشکش کو قربانی قرار دے دیا گیا ہے۔"[1]

اولاد

۱۔ سیّدہ بیگم صاحبہ (دو سال کی عمر میں فوت ہوئیں)۔

۲۔ قانتہ بیگم صاحبہ زوجہ محترمہ مکرم محمد وقیع الزّمان خانصاحب ریٹائرڈ بریگیڈیئر (وفات ستمبر ۱۹۴۸ء بعمر ۲۸ سال)

۳۔ عبدالشکور خانصاحب (وفات مارچ ۱۹۵۴ء بعمر ۲۴ سال)۔

۴۔ عبدالمنان خان صاحب۔

۲۔ جناب حکیم فضل الرّحمٰن صاحب مبلّغ مغربی افریقہ

الحاج حکیم فضل الرّحمٰن صاحب جماعت احمدیہ کی طرف سے افریقہ بھیجے جانے والے دوسرے خوش قسمت مجاہد احمدیت تھے جن کو ارضِ بلال میں کم و بیش اکیس سال تک خدمت دین کی توفیق ملی۔ آپ حضرت

---

[1] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان بابت ۳۳-۱۹۳۲ء صفحہ ۸۴

[2] الفضل ۱۰ر جنوری ۱۹۶۰ء صفحہ ۳۔

مسیح موعودؑ کے اصحاب میں سے ایک ممتاز بزرگ حضرت حافظ نبی بخش صاحب ساکن فیض اللہ چک (ضلع گورداسپور) کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ پہلی مرتبہ حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر ۲۳ر فروری ۱۹۲۲ء کو گولڈ کوسٹ (غانا) تشریف لے گئے اور سات سال تک تبلیغی جہاد میں سرگرم عمل رہنے کے بعد ۱۹۲۹ء میں واپس قادیان تشریف لائے۔ قیام افریقہ کے دوران ہی آپ کی والدہ فوت ہوگئیں۔ واپسی پر آپ کی شادی ہوئی جس کے چند سال بعد فروری ۱۹۳۳ء میں آپ کو دوبارہ مغربی افریقہ بھیجا گیا جہاں آپ چودہ سال تک تبلیغ دین کے مقدس فریضہ کی ادائیگی میں مصروف رہے۔ یہ زمانہ آپ کے لئے مسلسل جہاد کی حیثیت رکھتا تھا۔ جس میں آپ نے اسلام کے کئی اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی یلغار کا نہایت بہادری اور جرأت سے مقابلہ کر کے انہیں شکست فاش دی۔ جس کے بعد ان علاقوں میں احمدیت کی بنیادیں پہلے سے بہت زیادہ مضبوط ہوگئیں۔ اگرچہ اُسی زمانہ میں آپ کو اپنے والد ماجد کی وفات کا صدمہ بھی سہنا پڑا مگر اس نڈر اور جانباز سپاہی نے میدانِ جہاد کو چھوڑ کر واپس آنا گوارا نہ کیا۔ چنانچہ آپ کے بھائی محترم ملک حبیب الرحمٰن صاحب (سابق ڈپٹی انسپکٹر آف سکولز سرگودھا ڈویژن) نے ایک مرتبہ جناب مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری مرحوم کو بتایا کہ جہاں تک انہیں علم ہے حکیم صاحب نے کبھی حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں یا دفتر تبشیر کو اپنی وطن واپسی کی استدعا نہیں کی اور ۱۹۴۷ء کے آواخر میں جب آپ واپس تشریف لائے تو آپ بڑھاپے میں قدم رکھ چکے تھے اور آپ کی اہلیہ محترمہ بھی ادھیڑ عمر کو پہنچ چکی تھیں اور بچے جوان ہو چکے تھے۔ بایں ہمہ افریقہ سے مراجعت کے بعد بھی آپ زندگی کے آخری سانس تک نہایت اخلاص سے سلسلہ احمدیہ کی خدمات بجا لاتے رہے۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء کی ابتداء سے کچھ عرصہ تک آپ نے وکالت تبشیر اور نظارت دعوۃ و تبلیغ[1] میں خدمات انجام دیں جس کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کو افسر لنگر خانہ و مہمان خانہ مقرر فرمایا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مہمانوں کی خدمت میں آپ نے اپنے سارے اوقات وقف کر دیئے اور اپنے فرائض کی بجا آوری میں اس درجہ محنت سے کام لیا کہ آپ ہائی بلڈ پریشر اور یرقان کی خطرناک بیماریوں میں مبتلا ہو گئے۔ بایں ہمہ کئی ماہ تک آپ مسلسل کام کرتے رہے اور بڑی مشکل سے بعض بزرگوں کے

---

[1] حال نظارت اصلاح و ارشاد۔

متواتر اصرار اور مشورہ پر جولائی ۱۹۵۵ء میں باقاعدہ علاج کے لئے لاہور گئے مگر بیماری آخری درجہ تک پہنچ چکی تھی۔ کوئی دوا کارگر نہ ہوئی۔ آخر ۲۸ اگست ۱۹۵۵ء[1] کو بعمر ۵۹ سال خالق حقیقی کا بلاوا آگیا۔ اور آپ ہمیشہ کے لئے مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ کے ایمانی گروہ میں شامل ہو گئے۔

اخبار الفضل نے آپ کی وفات پر حسب ذیل خبر شائع کی:۔

"ربوہ ۲۹ اگست۔ گہرے رنج و افسوس کے ساتھ یہ اطلاع احباب تک پہنچائی جاتی ہے کہ مکرم و محترم جناب حکیم فضل الرحمٰن صاحب کل دوپہر کو لاہور میں انتقال فرما گئے اور اس طرح تبلیغ ..... کے میدان کا ایک نہایت کامیاب اور بہادر سپاہی اور احمدیت کا ایک سچا اور مخلص فرزند ہم سے جدا ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔

محترم حکیم صاحب نے ۲۳ برس کے طویل عرصہ تک مغربی افریقہ میں جس کامیابی کے ساتھ اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کیا اور محض تبلیغ اسلام کی خاطر، اپنے وطن، اپنے اہل و عیال اور اپنے دیگر عزیزوں سے قریباً ایک ربع صدی تک جدائی برداشت کرتے ہوئے جس غیر معمولی قربانی اور ایثار کا ثبوت دیا اس کی بناء پر آپ کا نام یقیناً..... سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ و تابندہ رہے گا۔ اور آنے والی نسلوں کے لئے راہنمائی کا کام دے گا۔"[2]

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے خطبہ جمعہ ۲۳ ستمبر ۱۹۵۵ء میں آپ کی خدمات جلیلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"خدا تعالیٰ نے اسلام کی اس عظیم الشان عمارت کی مرمت کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور آپ کو اس قلعہ کا پاسبان مقرر فرمایا تا کہ اسلام کی یہ گرتی ہوئی عمارت پھر اپنی بنیادوں پر استوار ہو جائے اور دشمن کے حملے ناکام ہو جائیں۔ چنانچہ آپ آئے اور آپ نے نئے سرے سے اس عمارت کے فرش اور دیواروں پر سیمنٹ کر دیا۔ اس کے اندر دوبارہ سفیدی کر دی۔ اس کے تمام سوراخ بند کر دیئے۔ اور اسے پھر ایک مضبوط قلعہ کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ اب کسی کی طاقت نہیں کہ

---

[1] الفضل ۳۰ اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۱، الفضل ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴ (مضمون مولانا نذیر احمد صاحب مبشر انچارج مشنری گولڈ کوسٹ (غانا))
[2] الفضل ۲۹ اگست ۱۹۵۵ء

وہ اسلام کی دیوار کو گرا سکے۔ پھر خدا نے اس عمارت کی صرف مرمّت ہی نہیں کی بلکہ ایک نئی فوج بھی تیار کر دی جو قلعہ کی حفاظت کے لئے اس کے سامنے کھڑی ہے۔ اب دشمن کی مجال نہیں کہ وہ اس قلعہ کی طرف بڑھے اور اس پر حملہ کر سکے، کیونکہ اس قلعہ کے محافظین کے دلوں میں خدا اور اس کے رسول کی محبت ہے وہ اس کی رضا کے لئے اپنے وطنوں کو چھوڑتے ہیں۔ اور غیر ملکوں میں سالہا سال تک رہ کر دین کی اشاعت کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ ہمارے مبلّغین میں ایسی کئی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ انہوں نے اسلام کی اشاعت کے لئے اپنی زندگی وقف کی اور شادی کے چند ہفتوں بعد ہی غیر ممالک میں چلے گئے۔ چونکہ میاں بیوی اگر ایک رات بھی اکٹھے رہیں تو بعض دفعہ حمل ہو جاتا ہے۔ اس لئے ان کے پیچھے ہی بچے پیدا ہوئے اور وہ سالہا سال تک اپنے باپ کی شکل تک دیکھنے کو ترستے رہے۔ ایک مبلّغ جو شادی کے معًا بعد تبلیغ اسلام کے لئے چلے گئے تھے۔ ان کا بچّہ ان کے جانے کے بعد پیدا ہوا اور پھر بڑے ہو کر سکول میں تعلیم حاصل کرنے لگا۔ جب وہ دس سال کا تھا تو ایک دن وہ سکول سے اپنے گھر آیا اور اپنی ماں سے کہنے لگا کہ اماں لڑکے جب سکول میں آتے ہیں تو کہتے ہیں ہمارا ابّا یہ لایا۔ ہمارا ابّا وہ لایا۔ میرا بھی کوئی ابّا ہے یا نہیں[1]"۔

اسی طرح حکیم فضل الرحمٰن صاحب جو حال ہی میں میرے پیچھے فوت ہوئے ہیں وہ شادی کے تھوڑا عرصہ بعد ہی مغربی افریقہ میں تبلیغ اسلام کے لئے چلے گئے اور تیرہ چودہ سال تک باہر رہے۔ جب وہ واپس آئے تو اُن کی بیوی کے بال سفید ہو چکے تھے اور ان کے بچے جوان ہو چکے تھے[2]"۔

اسی طرح حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے تحریر فرمایا کہ:۔

"حکیم فضل الرحمٰن صاحب ایک نہایت مخلص کارکن تھے جنہوں نے اپنے آپ کو عین نوجوانی میں سلسلہ کی خدمت کے لئے وقف کیا اور پھر تقریباً تنیئس سال مغربی افریقہ کے مختلف علاقوں میں فریضہ تبلیغ ادا کرتے رہے اور ملکی تقسیم کے بعد واپس آکر افسر لنگر خانہ کے اہم عہدہ پر مقرر ہوئے۔

---

[1] خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کی طرف اشارہ ہے (''الازہار لذوات الخمار'' حصّہ دوم صفحہ ۱۰۴ طبع دوم ناشر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ ربوہ ۔ تقاریر حضرت مصلح موعود)

[2] روزنامہ الفضل ۲۲ / اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳ ۔

حکیم صاحب مرحوم ایک باہمت اور نہایت مخلص اور صابر و شاکر اور خدمت سلسلہ میں بشاشت اور خوشی کے ساتھ حصّہ لینے والے کارکن تھے۔ ان کی اہلیہ بھی ایک صابرہ اور شاکرہ خاتون ہیں[1]"

۳۔ الحاج مولانا نذیر احمد علی صاحب رئیس التبلیغ مغربی افریقہ

الحاج مولوی نذیر احمد علی صاحب حضرت بابو فقیر علی صاحبؓ کے فرزند تھے۔ ۱۰ر فروری ۱۹۰۵ء کو پیدا ہوئے۔ آپ پہلی مرتبہ ۲۲ر فروری ۱۹۲۹ء کو گولڈ کوسٹ (مغربی افریقہ) تبلیغ اسلام کے لئے بھجوائے گئے جہاں مسلسل پانچ سال تک تبلیغی جہاد میں مصروف رہے اور ۱۵ر مئی ۱۹۳۳ء کو قادیان تشریف لائے۔ ازاں بعد یکم فروری ۱۹۳۶ء کو دوبارہ گولڈ کوسٹ تشریف لے گئے۔ ڈیڑھ سال بعد حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایات کے مطابق آپ سیرالیون میں نئے مشن کی بنیاد کے لئے ۱۰ر اکتوبر ۱۹۳۷ء کو گولڈ کوسٹ سے روانہ ہو کر ۱۳ر اکتوبر ۱۹۳۷ء کو سیرالیون کے دارالحکومت فری ٹاؤن پہنچے۔ سیرالیون میں آپ نے مسلسل آٹھ سال تک شاندار تبلیغی خدمات سرانجام دیں۔ اور باوجود شدید مخالفت کے احمدی جماعتوں میں غیر معمولی ترقی ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۲ر فروری ۱۹۴۵ء کو آپ قادیان تشریف لائے تو حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کی سرفروشانہ اور مجاہدانہ خدمات پر خراجِ تحسین ادا کرتے ہوئے آپ کو ایک مجلس عرفان میں "کامیاب جرنیل" کے خطاب سے نوازا[2]۔ اور جب آپ ۲۶ر نومبر ۱۹۴۵ء کو عازم مغربی افریقہ ہوئے تو حضور نے آپ کو مغربی افریقہ کا رئیس التبلیغ نامزد کیا اور اعلان فرمایا کہ آئندہ آپ کا نام مولوی نذیر احمد علی ہو گا۔

آپ نے قادیان سے روانگی سے قبل ایک الوداعی تقریب میں فرمایا۔ "آج ہم خدا تعالیٰ کے لئے جہاد کرنے اور اسلام کو مغربی افریقہ میں پھیلانے کے لئے جا رہے ہیں۔ موت فوت انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ ہم میں سے اگر کوئی فوت ہو جائے۔ تو آپ لوگ یہ سمجھیں کہ دنیا کا کوئی دُور دراز حصّہ ہے۔ جہاں تھوڑی سی زمین احمدیت کی ملکیت ہے۔ احمدی نوجوانوں کا فرض ہے کہ اس تک پہنچیں اور اس مقصد کو پورا کریں جس کی خاطر اس زمین پر ہم نے قبروں کی شکل میں قبضہ کیا ہو گا۔ پس ہماری قبروں کی

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹ر اگست ۱۹۵۵ء۔ [2] روزنامہ الفضل ۲۲ر فروری ۱۹۵۵ء صا

طرف سے یہی مطالبہ ہوگا کہ اپنے بچّوں کو ایسے رنگ میں ٹریننگ دیں کہ جس مقصد کے لئے ہماری جانیں صرف ہوئیں اُسے وہ پُورا کریں[۱]"

اس دفعہ آپ کے ہمراہ تین اور مجاہد بھی تھے۔ یہ وفد ۲۶ر فروری ۱۹۴۶ء کو فری ٹاؤن پہنچ گیا۔ مولانا نذیر احمد علی صاحب دوسرے مبلغینِ احمدیت کو سیرالیون میں متعین کر کے خود پُورے مغربی افریقہ کی تبلیغی مہمّات کا جائزہ لینے کے لئے ۱۹ر ستمبر ۱۹۴۶ء کو گولڈ کوسٹ تشریف لے گئے۔ اور اہم خدمات بجالانے کے بعد اپریل ۱۹۵۱ء میں ربوہ واپس تشریف لائے۔ اور کچھ عرصہ نہایت محنت، فرض شناسی اور عرق ریزی کے ساتھ جامعۃ المبشرین ربوہ میں پروفیسر کے فرائض سرانجام دینے کے بعد آخری بار ۱۱ر اپریل ۱۹۵۴ء کو ربوہ سے سیرالیون پہنچے اور ایک لمبی علالت کے بعد سیرالیون کے شہر "بو" میں ۱۹ر مئی ۱۹۵۵ء کو انتقال کر گئے۔[۲]

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن ٭ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

آپ سلسلہ احمدیہ کے چھٹے جانثار مجاہد اور مبلّغ تھے جنہوں نے (بعہد خلافتِ ثانیہ) ممالکِ غیر میں فریضۂ تبلیغ بجالاتے ہوئے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کی۔ پہلے پانچ جانثار مبلّغ یہ ہیں:۔

۱۔ حضرت حافظ عبیداللہ صاحب ماریشس (۷ر دسمبر ۱۹۲۳ء)
۲۔ حضرت شاہزادہ عبدالمجید صاحب ایران (۲۲ر فروری ۱۹۲۸ء)۔
۳۔ مولوی محمد دین صاحب سابق مبلغ البانیہ آپ بذریعہ بحری جہاز مشرقی افریقہ تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ کا جہاز ڈوب گیا۔ (۲۲ر نومبر ۱۹۴۲ء)
۴۔ مرزا منوّر احمد صاحب مبلغ امریکہ (۱۵ر ستمبر ۱۹۴۸ء)۔
۵۔ حافظ جمال احمد صاحب روز ہل ماریشس (۲۷ر ستمبر ۱۹۴۹ء)

مولانا نذیر احمد علی صاحب کا مزار سیرالیون کے شہر "بو" کے ایک نہایت پُرفضا جگہ پر واقع ہے۔[۳]

---

[۱] الفضل ۲۷ر نومبر ۱۹۴۵ء صہ۲ (قادیان)۔ [۲] الفضل ۲۵ر دسمبر ۱۹۵۵ء سرورق صہ۳
[۳] مزید تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد ۵، ۸ (حالات غانا و سیرالیون مشن) تابعین اصحاب احمد جلد چہارم مؤلفہ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے ناشر احمدیہ بکڈپو ربوہ پاکستان۔ طبع اوّل دسمبر ۱۹۶۶ء الفضل ۷ر جون ۱۹۵۵ء صہ۳ (تجہیز و تکفین کی تفصیل از قلم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری انچارج سیرالیون مشن)

اس جانثار مجاہد کی یہ امتیازی شان ہے کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمۃ اللہ تعالیٰ پہلے سفرِ مغربی افریقہ کے دوران ۱۱ رمئی ۱۹۷۰ء کو آپ کے مزار پر دُعا کے لئے تشریف لے گئے۔ حضور کے ہمراہ حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ، صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر، مولوی محمد صدیق صاحب گورداسپوری امیر جماعت ہائے احمدیہ سیرالیون اور دیگر احباب جماعت بھی تھے۔ دُعا کے وقت کا منظر نہایت ہی رقت آمیز تھا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی[1]

مولوی نذیر احمد علی صاحب احمدیت کے ایک ایثار پیشہ، جانفروش اور مثالی مبلغ تھے اور آپ نے جس والہانہ انداز، جذبہ فدائیت اور رُوح اخلاص کے ساتھ مجاہدانہ خدمات سرانجام دیں اُس کے نقوش اہلِ افریقہ اور مبلغین افریقہ کے قلوب پر ہمیشہ قائم رہیں گے۔ بالخصوص وہ مجاہدینِ احمدیت جنہیں آپ کی قیادت و رفاقت میں افریقہ میں اعلائے کلمہ اسلام کی سعادت نصیب ہوئی۔ مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری کو سالہا سال تک آپ کی معیت میں کام کرنے کا موقع ملا۔ آپ اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :۔

"مَیں مارچ ۱۹۴۰ء میں سیرالیون بھجوایا گیا اور ۱۹۴۴ء کے آخر تک میں آپ کے ساتھ رہا۔ اس قریباً چار سال کی مدّت میں سفر و حضر میں آپ کو نہایت قریب سے دیکھنے اور آپ کی سیرۃ کا گہرا مطالعہ کرنے کا میں نے موقع پایا۔ آپ کا سلوک مربیانہ اور برادرانہ پایا۔ اور مجھے کبھی کوئی شکوہ پیدا نہیں ہوُا۔ آپ جو بھی کام سپرد کرتے اس میں خود بھی حصّہ لیتے تھے۔ ابتداء میں آپ میری پوری رہنمائی اور تربیت و اصلاح فرماتے رہے تاکہ آزادانہ طور پر کام سنبھالنے کے قابل ہو سکوں۔ تبلیغی جوش، سلسلہ کے لئے قربانی، ایثار، صبر و استقلال، غیرتِ دینی، خدا پرستی، توکل اور تقویٰ و طہارت کے لحاظ سے آپ اُسوہ تھے۔ باقاعدہ تہجد گزار تھے۔ کبھی نمازِ اشراق بھی ادا کرتے تھے۔ سفر و حضر میں صبح کے وقت بلاناغہ تلاوتِ قرآن مجید کرتے تھے۔ تلاوت نہایت بلند آواز سے خوش الحانی سے کرتے تھے۔ فرماتے تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) الفضل ۱۴ راکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴ (مضمون مولانا نذیر احمد صاحب مبشر) ۱۸ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵ (مضمون شیخ نور احمد صاحب منیر مبشر بلادِ اسلامیہ مقیم بیروت)

[1] الفضل ۱۵ رجون ۱۹۷۰ء صفحہ ۶ ، ۷۔

کہ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا کے مطابق صبح کی تلاوت زیادہ باعثِ ثواب ہے، کھلی ہوا میں بہ آوازِ بلند تلاوت کرنے سے دوسروں کو بھی تحریک ہوتی ہے۔ نیز صبح کی تازہ ہوا گلے اور پھیپھڑوں اور عام صحت کے لئے مفید ہے۔ سینکڑوں میل کے دَورے ہم نے اکٹھے کئے۔ آپ ہر بستی میں داخل ہوتے وقت مسنون دُعائیں پڑھتے اور بوقتِ ضرورت مسنون طریق پر استخارہ بھی کرتے تھے۔ اور آپ مبلّغین کو بھی تلقین کرتے تھے کہ کوئی اہم معاملہ بغیر استخارہ کے طے نہ کریں۔ آپ ماتحتوں سے نرمی کا سلوک کرتے اور عموماً اُن کے کام کی تعریف کر کے اُن کی ہمّت افزائی کرتے تھے۔ لیکن مفادِ سلسلہ کے پیشِ نظر بعض دفعہ آپ سختی ضروری سمجھتے۔ لیکن بعد میں نادم ہو کر اظہارِ معذرت کرتے اور استغفار کرتے تھے۔ آپ نے علوم دینیہ بچپن میں سبقاً سبقاً نہیں پڑھے تھے تاہم آپ قرآن مجید، حدیث شریف اور فقہ میں بہت دسترس رکھتے تھے۔ اور عربی بخوبی بول سکتے تھے۔ اور عربی سیکھنے کے بہت شائق تھے۔ آپ علم دوست تھے۔ مطالعہ کا شغف رکھتے تھے۔ کسی چھوٹے سے بھی حصولِ علم میں کوئی تردّد نہیں کرتے تھے۔ آپ نے مجھ سے عربی ادب اور صرف و نحو پڑھی۔ آپ تفاسیر کا مطالعہ کر کے مشکل آیات کا حل تلاش کرتے اور نوٹ لیتے رہتے۔ اور زیادتیٔ علم کی خاطر احباب سے تبادلۂ خیالات بھی فرماتے۔ رمضان شریف میں درس قرآن کریم سُن کر مستفید ہوتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جملہ تصانیف آپ کے پاس تھیں۔ آپ طبع اوّل کی کتب رکھنے کی کوشش کرتے اور کوئی نہ کوئی کتاب آپ کے زیرِ مطالعہ رہتی تھی۔ آپ نے اپنی کتابوں کے صندوق کے ڈھکنے کے اندرونی طرف حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی نظم "نونہالانِ جماعت" لگا رکھی تھی۔ اور جب بھی ٹرنک کھولتے اُسے پڑھ کر گنگنانے لگتے۔ اس طرح حضور کی ہدایات ہمیشہ مستحضر رہتی تھیں۔ تبلیغی سفروں میں سامان کا قریباً ⅔ حصّہ کتب پر مشتمل ہوتا تھا۔ خصوصاً ان کُتب پر جن کی ضرورت تبلیغی گفتگو اور تقریروں میں ہوتی ہے۔ آپ کے فرزند مبارک احمد صاحب نذیر نے ایک بار توجہ دلائی کہ اس قدر زیادہ کتب ساتھ لے جا کر آپ بلا وجہ سفری مشکلات میں اضافہ کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کی ضرورت کبھی کبھار پڑتی ہے۔ آپ نے کہا کہ میرے عزیز کو ان کُتُب کی قدر و قیمت کیا معلوم ہیں خدائی فوج کا سپاہی ہوں، اور یہ کُتب سفر و حضر میں میرا بہترین اسلحہ اور مونس ہیں۔[1]

---

[1] تابعین اصحاب احمد جلد چہارم مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے طبع اوّل ۱۹۶۶ء صفحہ ۲۳۷ تا ۲۳۹۔

جناب مولوی نور محمد نسیم سیفی صاحب سابق رئیس التبلیغ مغربی افریقہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"آپ اُن تھک کام کرنے والوں میں سے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ اپنے اردگرد کے تمام احباب کو ہر وقت کام ہی کرتے دیکھیں۔ ایک دفعہ ایک مبلّغ کی ڈائری پڑھ کر آپ کو احساس ہُوا کہ ضرورت سے کم کام کیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک پروگرام بنا کر واپسی ڈاک سے مجھے ارسال کر دیا کہ ان مبلّغ صاحب سے اس پر عمل کروایا جائے۔ یہ پروگرام تہجد سے لے کر رات کے نو دس بجے تک کے لئے تھا۔ اور اس دوران میں ورزش، نمازیں، تلاوت قرآن کریم، ناشتہ اور کھانا، تبلیغ اور آرام وغیرہا ہر قسم کی باتیں درج تھیں۔ اس پروگرام کو دیکھ کر مجھے اس بات کا شدید احساس ہُوا۔ کہ آپ کو نہ صرف کام کی فکر تھی بلکہ کام کرنے والوں کی صحت کا بھی ازحد خیال تھا۔ اپنے ماتحتوں کی عزت افزائی اور ان کے کام کو زیادہ سے زیادہ اچھا رنگ دے کر اُجاگر کرنے کی آپ کو ہمیشہ فکر رہتی تھی۔ اس سلسلہ میں آپ نے مجھے بھی اس بات کی طرف توجہ دلائی تھی کہ مَیں اپنے ساتھیوں سے مضامین لکھوا کر ان کی درستی کر کے اخبارات میں شائع کروایا کروں۔ آپ کی اس خواہش کے پیچھے یہ جذبہ کارفرما تھا کہ ہمیشہ اپنے جانشین پیدا کرنے کی فکر میں رہنا چاہیئے۔ آخر انسانی زندگی کا کیا بھروسہ ہے؟ کون جانے اُسے کب پیغامِ اجل آجائے۔ لیکن ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ کسی ایک آدمی کے چلے جانے سے کام کے میدان میں خلا پیدا ہو جائے۔ جب مَیں نے حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیّر کی وفات پر ایک پمفلٹ شائع کیا تو آپ نے ایک نہایت ہی پیارا دیباچہ لکھا جس میں حضرت نیّر صاحب کی بعض نمایاں خوبیوں کا ذکر کر کے اس بات کی خواہش کی کہ ہمیں بھی وہ خوبیاں اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں اور ان خوبیوں کو ایک دائمی تسلسل حاصل ہو جانا چاہیئے۔

آپ کی خاص خاص خوبیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ آپ تبلیغ کے سلسلہ میں جماعت پر کم سے کم بوجھ ڈالنا چاہتے تھے اور اپنے ساتھ کام کرنے والے مبلّغین کو ہمیشہ اس بات کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ نائیجیریا مشن کو کچھ مالی مشکلات پیش آئیں تو آپ نے جو اس وقت ہمارے رئیس التبلیغ تھے۔ مجھے لکھا کہ مَیں اپنے ساتھ کام کرنے والے مبلّغین سے کہوں کہ وہ پھیری لگا کر کپڑا بیچ لیا کریں اور مَیں خود لیگوس میں ایک دو ٹیوشنیں لے لُوں تاکہ اس آمد سے ہم اپنا خرچ بھی برداشت کر سکیں اور مشن کی مزید مدد بھی کر سکیں۔ اگرچہ حالات جلد ہی بدل گئے اور مشن کو مالی آسانی میسر آ گئی۔

لیکن آپ کی یہ نصیحت دل پر ایک نقش چھوڑ گئی۔" [1]

جناب مولوی عطاء اللہ صاحب کلیم (سابق مبلغ غانا و انچارج احمدیہ مشن امریکہ) کا بیان ہے:۔

"مَیں نے مولوی نذیر احمد علی صاحب کو غانا میں کام کرتے نہیں دیکھا۔ غانا میں فروری ۱۹۵۱ء میں میری آمد سے چند ماہ قبل آپ پاکستان جا چکے تھے۔ لیکن جن مبلغین اور احبابِ جماعت سے آپ کے متعلق تذکرہ ہُوا۔ ہر ایک کو آپ کے تبلیغی جنون کی تعریف میں رطب اللسان پایا۔ آپ عالمِ شباب میں ان ممالک میں تشریف لائے اور اعلائے کلمۃ اللہ میں اپنا شباب اور اپنی صحت قربان کر دی اور اسی فریضہ کی ادائیگی میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

جنونِ تبلیغ کے لحاظ سے یقیناً آپ حضرت مصلح موعود کے اس شعر کے مطلوب دیوانہ تھے۔ ؎

عاقل کا یہاں پر کام نہیں وہ لاکھوں بھی بے فائدہ ہیں
مقصود مرا پُورا ہو اگر مل جائیں مجھے دیوانے دو

جہادِ کبیر میں آپ کو نہ بخار کی پرواہ تھی نہ کسی بیماری کی۔ چونکہ تبلیغ کا خود جنون تھا۔ اس لئے وہ ماتحت کام کرنے والے مبلغین اور دیگر افراد کو بھی اسی رنگ میں رنگین دیکھنا اور کرنا چاہتے تھے۔ اور خواہاں تھے کہ سالوں کا کام مہینوں بلکہ ہفتوں میں تکمیل پذیر ہو سکے۔ اور اس تیز رفتاری پر کسی کو شکوہ ہو تو اس کی چنداں پرواہ نہیں کرتے تھے۔ متعدد بار ایسا ہوتا کہ شدتِ مرض کے باعث آپ تقریر نہیں کر سکتے تھے تو آپ تبلیغی جلسہ میں محض شرکت کر لیتے تا ثواب حاصل کر سکیں۔

مَیں نے وِدْلٹا ریجن کے سوا قریباً ہر ریجن (علاقہ) میں کام کیا ہے۔ اور مختلف مقامات میں جانے کی کوشش کی ہے۔ وہ علاقے جہاں اب سڑکیں بن چکی ہیں۔ پہلے گھنے جنگل اور دشوار گزار راستوں سے وہاں جانا پڑتا تھا۔ آپ اُس عہد میں بھی وہاں پہنچے۔ دوسری بار آپ تشریف لائے تو اسی تبلیغی جنون کے صدقے اپنے ساتھ الحاج مولوی نذیر احمد صاحب مبشر فاضل کو لائے تاکہ ان کے ذریعہ مقامی یعنی افریقن مبلغین تیار کر کے تبلیغ کی توسیع کی جائے اور بفضلہٖ تعالیٰ آپ کی یہ سکیم بہت کامیاب ہوئی اور آج کل

[1] "تابعین اصحاب احمد" جلد چہارم مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے صفحہ ۲۶۴، ۲۶۵۔

کے افریقن مبلغین میں سے سوائے چند کے دیگر تمام ہی مبشّر صاحب کے ذریعہ تربیت یافتہ ہیں۔ چنانچہ مولوی صاحب اور ان افریقن مبلغین کی مساعی سے اس ملک کے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں احمدیت کا بیج بویا گیا اور متعدد جماعتیں قائم ہوئیں۔[1]

۴۔ جناب صوفی مطیع الرحمٰن صاحبؓ بنگالی ایم۔اے مبلغ امریکہ

مبلغ امریکہ جناب صوفی مطیع الرحمٰن صاحبؓ کا آبائی گاؤں "کا مائیٹ" ہے۔ یہ گاؤں احمدیت کے قدیم بنگالی مرکز برہمن بڑیا شہر سے تقریباً تین چار میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ وہی تاریخی شہر ہے جہاں حضرت مولوی سید عبدالواحد صاحب (ولادت ۱۸۵۳ء وفات ۱۹۲۶ء) نے ۱۹۱۲ء میں داخل احمدیت ہونے کے بعد احمدیت کی اس زور شور سے تبلیغ کی کہ ۱۹۲۱ء تک ڈیڑھ ہزار سے بھی زیادہ نفوس حلقہ بگوشِ احمدیت ہوئے۔

صوفی صاحب اس علاقہ کے ایک ممتاز علم دوست خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کے والد ماجد قاری نعیم الدین صاحب بھی ایک بلند پایہ عالم، ہر دلعزیز واعظ اور خوش الحان قاری تھے جن کے چار بیٹے تھے۔ (۱) مولوی بذل الرحمٰن صاحب۔ (۲) مولوی ظل الرحمٰن صاحبؓ۔[2] (۳) مولوی مطیع الرحمٰن صاحب۔ (۴) مولوی محب الرحمٰن صاحب۔

یہ چاروں بھائی سلسلہ احمدیہ کے فدائی اور شیدائی تھے۔ اور انہوں نے اپنی پوری زندگی سلسلہ احمدیہ کی خدمت میں گزاری۔ صوفی مطیع الرحمٰن صاحب ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوئے۔ آپ اگرچہ اپنے بھائیوں میں سے تیسرے نمبر پر تھے مگر جہاں تک قبول احمدیت کا تعلق ہے پورے خاندان میں یہ نعمت اوّل نمبر پر آپ ہی نے حاصل کی۔ اس وقت آپ کی عمر قریباً پندرہ سال کی ہوگی۔ یہ زمانہ جماعت احمدیہ کے لئے اپنوں اور بیگانوں کی مزاحمت کے اعتبار سے بڑی پریشانی کا زمانہ تھا اور خلافتِ ثانیہ کا ابتدائی دور تھا اور آپ ابھی طالب علم تھے۔ احمدیت کی پاداش میں آپ کو گھر سے نکال دیا گیا۔ آپ قادیان تشریف لے آئے۔ اس وقت

---

[1] "تابعین اصحاب احمد" جلد چہارم مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے صفحہ ۲۵۱، ۲۵۲

[2] والد ماجد مکرم جناب مجیب الرحمٰن صاحب ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان و امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی۔

آپ راجشاہی کالج سے انٹرمیڈیٹ کر چکے تھے۔ حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر آپ نے اسلامیہ کالج لاہور سے بی اے کیا۔ آپ کو احمدیت سے والہانہ عشق تھا۔ آپ اور آپ کے بھائی مولانا ظلّ الرحمن نے قبولِ احمدیت کے بعد ایسا نیک نمونہ دکھایا کہ اُن کے والد بھی احمدی ہو گئے اور قادیان آنے کی خواہش ظاہر کی جس سے آپ کو اس قدر خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنی چند ضروری اور پسندیدہ اشیاء بیچ کر انہیں روپیہ بھیجا اور وہ قادیان تشریف لے آئے۔

بی۔ اے پاس کر لینے کے بعد آپ نے اپنی زندگی اسلام کے لئے وقف کر دی جس پر حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کو گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ کے تعلیم الاسلام ہائی سکول کا ہیڈ ماسٹر مقرر فرمایا جہاں آپ نے انتھک محنت اور خلوص سے کام کیا۔ شروع شروع میں آپ کو یہ ماحول کچھ اجنبی سا محسوس ہُوا مگر آپ جلد ہی لوگوں میں گھُل مل گئے۔ گھٹیالیاں میں ہی آپ نے ایم اے کی تیاری کی اور کامیاب ہو گئے۔ جس دن آپ کا ایم اے کا نتیجہ نکلا اُسی روز آپ کا نام امریکہ مشن کے لئے تجویز ہُوا۔ اور آپ ۲۰ مئی ۱۹۲۸ء کو احمدیہ مُسلم مشن امریکہ کے انچارج کی حیثیت سے بھیجے گئے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے بوقتِ روانگی آپ کو صُوفی کے قابلِ قدر خطاب سے نواز اور ارشاد فرمایا کہ اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ بنگالی کا لفظ استعمال کریں۔ آپ ۱۸ اگست ۱۹۲۸ء کو شکاگو پہنچے۔ آپ کو شروع میں بہت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت جلد آپ نے اس پر قابو پا لیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں نہ صرف امریکن مشن کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے میں کامیاب ہو گئے بلکہ ہزاروں میل کے تبلیغی دوروں، نجی ملاقاتوں، لیکچروں اور امریکن پریس میں مضامین اور خبروں کی اشاعت اور رسالہ "مسلم سن رائز" کی وسیع پبلسٹی کے ذریعہ امریکہ میں اسلام اور احمدیت کی دھاک بٹھا دی۔ آپ نے قریباً سات سال کے عرصہ میں نہ صرف نئی جماعتیں قائم کیں بلکہ بے شمار ٹریکٹوں کے علاوہ "دی لائف آف محمدؐ" اور "دی ٹومب آف جیزز" جیسی معرکۃ الآراء کتابیں شائع کیں جن کا مُلکی پریس میں بھی خوب چرچا ہُوا۔ شمالی امریکہ میں جو عرب مقیم ہو گئے تھے یا عارضی طور پر آتے تھے انہیں رسالہ "البشریٰ" کے ذریعہ سے تحریکِ احمدیت سے روشناس کرایا۔ بہت سی سعید رُوحیں آپ کی تبلیغ سے اسلام و احمدیت میں داخل ہُوئیں۔ آپ کو امریکہ میں ایسی مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی کہ مُلکی پریس آپ کے فاضلانہ لیکچروں سے گونجنے لگا۔ جناب صوفی صاحب ۱۳؍ دسمبر ۱۹۳۵ء کو واپس قادیان تشریف لائے۔ اور دوبارہ ۲۱؍ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو امریکہ بھیجے گئے۔

چوہدری مظفر الدین صاحب بنگالی مرحوم کا بیان ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کو الوداع کہتے ہوئے یہ خاص اعزاز بخشا کہ وہ امریکہ میں حضور کی طرف سے بعیت بھی لے سکتے ہیں۔ صوفی صاحب اس دفعہ مسلسل بارہ سال تک امریکہ کی سرزمین کو نورِ اسلام سے منوّر کرنے کے بعد ۱۹۴۸ء میں واپس مرکز میں پہنچے۔ ۱۹۴۹ء میں آپ کی ٹانگ پر ایک پھوڑا نمودار ہوا جس نے خطرناک صورت اختیار کر لی جس کے نتیجہ میں آپ کی ایک ٹانگ کاٹنا پڑی اور آپ کئی ماہ ہسپتال میں رہے۔ جونہی آپ کی طبیعت قدرے سنبھلی آپ نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ سے کام لیا جائے اور بار بار خطوط کے ذریعہ درخواست کی کہ حضور دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مرتے دم تک مجھے خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کی اس درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا اور دسمبر ۱۹۵۱ء سے آپ کو رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" انگریزی کا ایڈیٹر مقرر فرما دیا۔ ربوہ میں جب آپ نے ریویو آف ریلیجنز کی ادارت کا کام شروع کیا تو سامان بہت کم تھا۔ ربوہ ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں سے گذر رہا تھا۔ لیکن آپ نے اپنے علمی اور انتظامی قابلیت، ذوق و شوق اور محنت و عرق ریزی سے بہت جلد ایسے اعلیٰ معیار پر پہنچا دیا کہ یورپ اور امریکہ کے متعدد نامور مستشرقین نے رسالہ کی تعریف کی اور اس کے علمی مضامین کو سراہا۔ جس کا ذکر خود حضرت مصلح موعودؓ نے ایک جلسہ سالانہ کے موقع پر فرمایا۔ رسالہ کی افادیت میں اضافہ کے لئے آپ بڑی کثرت سے کُتب و رسائل زیرِ مطالعہ رکھتے، امریکہ کے تقریبًا تمام مشہور رسالے آپ منگواتے تھے۔ اور بستر پہ تمام دن لیٹے ہوئے انہیں پڑھتے رہا کرتے تھے۔ جب تک ہر چیز کو خود دیکھ کر اطمینان نہ کر لیتے چین نہیں آتا تھا۔ جس سے آپ کی محققانہ بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ اپنی علالت کے باوجود رسالہ چھپوانے کے لئے اکثر و بیشتر خود لاہور تشریف لے جاتے۔ آپ نہایت جانفشانی کے ساتھ قریبًا پانچ سال تک جماعت کے اہم رسالہ ریویو آف ریلیجنز کی ادارت کے فرائض سرانجام دیتے رہے حتّٰی کہ وفات کے دن (۳۰ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو) بھی اسی خدمت میں مصروف تھے کہ حرکتِ قلب بند ہونے سے رحلت فرما گئے اور اس طرح نئی دُنیا میں اسلام کا نہایت کامیابی سے جھنڈا گاڑنے والا ایک بہادر سپاہی اور ایک کامیاب مبلغ اور سلسلہ احمدیہ کا ایک قدیم اور انتھک خادم ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔ وفات کے وقت آپ کی عمرِ مبارک ۵۶ سال تھی[1]۔

---

[1] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۱۹۳۰ء تا ۱۹۴۲ء۔ الفضل یکم نومبر ۱۹۵۵ء۔ "ریویو آف ریلیجنز" انگریزی ربوہ

۵۔ نواب محمد الدین صاحب کی تدفین بہشتی مقبرہ میں

۲۷ر دسمبر ۱۹۵۵ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے جلسہ گاہ میں نمازِ ظہر و عصر پڑھانے کے بعد سلسلہ احمدیہ کے ایک نہایت مخلص بزرگ حضرت نواب محمد الدین صاحبؓ کی نمازِ جنازہ بھی پڑھائی۔ حضرت نواب صاحب مرحوم ۱۹۴۹ء میں فوت ہوئے تھے۔ اور آپ کو آپ کے آبائی گاؤں تلونڈی عنایت خاں میں ہی امانتاً دفن کیا گیا تھا۔ جہاں سے آپ کا تابوت مقبرہ بہشتی ربوہ میں دفن کرنے کے لئے لایا گیا۔ چنانچہ جلسہ سالانہ پر تشریف لانے والے ہزارہا احمدی احباب نے حضورؓ کی اقتدا میں آپ کا جنازہ پڑھا اور بلندیٔ درجات کے لئے دُعائیں کیں بعد ازاں آپ کا تابوت مقبرہ بہشتی میں سپردِ خاک کیا گیا۔

حضورؓ نے نمازِ ظہر و عصر سے قبل محترم نواب صاحب مرحوم کا جنازہ پڑھانے کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:۔

"نواب محمد الدین صاحب سلسلہ کے ساتھ نہایت گہرا اخلاص رکھنے والے انسان تھے۔ ان کے بیٹے چوہدری محمد شریف صاحب (جو منٹگمری جماعت کے امیر ہیں) بھی بڑے مخلص احمدی ہیں۔ نواب صاحب مرحوم اس لحاظ سے بھی سلسلہ کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتے ہیں کہ ربوہ کی زمین خریدنے یہاں پر مکانوں کی تعمیر کی اجازت لینے اور اس طرح ربوہ بسانے کا سارا کام آپ نے ہی کیا تھا۔ اس لئے نواب صاحب کا ہم پر حق ہے کہ ہم ربوہ کی ہر گلی اور ہر عمارت کو دیکھ کر ان کے لئے دُعا کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کے مدارج کو بلند فرمائے۔ اور ان کی اولاد میں بھی ان جیسا بلکہ اس سے بڑھ کر سلسلہ کے لئے اخلاص پیدا کرے"[۱]

حضرت نواب صاحب کے ساتھ مولوی غلام رسول صاحب آف بدوملہی کا جنازہ بھی پڑھایا گیا۔ مولوی صاحب مرحوم اصحاب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام میں سے تھے اور مربی سلسلہ مولوی چراغ الدین صاحب کے خسر تھے۔ آپ ۱۹۵۴ء میں فوت ہوئے[۲]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۶ تا ۵۹ (مضمون چوہدری مظفر الدین صاحب بنگالی)۔ الفضل یکم نومبر، ۱۶ر نومبر ۱۹۵۵ء (مضمون جناب مجیب الرحمٰن صاحب بنگالی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان)۔

[۱] روزنامہ الفضل ربوہ ۴ر جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳۔ [۲] ایضاً۔

فصل ہفتم

۱۹۵۵ء / ۱۳۳۴ہش کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں پُرمسرت تقاریب

(۱)۔ ۶ مارچ ۱۹۵۵ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی صاحبزادی امۃ المجید بیگم صاحبہ اور میجر[1] وقیع الزمان خانصاحب (خلف الرشید جناب رفیع الزمان خانصاحب آف قائم گنج یوپی) کی تقریب شادی عمل میں آئی۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے قصرِ خلافت میں دس ہزار روپے حق مہر پر نکاح کا اعلان فرمایا اور دُعا کی۔[2]

(۲)۔ ۱۲ مارچ ۱۹۵۵ء بروز ہفتہ چار بجے سہ پہر کو حضرت مصلح موعودؓ کی صاحبزادی امۃ الجمیل بیگم صاحبہ اور جناب چوہدری ناصر محمد صاحب سیال واقف زندگی (ابن حضرت چوہدری فتح محمد سیال) کی تقریب نکاح کا انعقاد ہوا۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اعلانِ نکاح فرمایا۔ دوران تقریب حضور پر ایک خاص کیفیت طاری رہی اور دیگر احباب کی آنکھیں بھی پُرنم تھیں۔[3] رخصتانہ اگلے سال ۵ جنوری ۱۹۵۶ء کو ہوا۔[4]

(۳)۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۵۵ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے جلسہ سالانہ کی افتتاحی تقریر سے قبل اپنی صاحبزادی محترمہ امۃ المتین صاحبہ کا نکاح سیّد محمود احمد صاحب (خلف الرشید حضرت سیّد محمد اسحٰق صاحبؓ) سے اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب کی صاحبزادی محترمہ امۃ الوحید بیگم صاحبہ کا نکاح محترم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب (ابن حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحبؓ) سے پڑھا۔[5]

---

۱ بعد ازاں بریگیڈیئر۔ ۲ الفضل ۸ مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔ ۳ الفضل ۱۵ مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۔
۴ الفضل ۷ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۔ ۵ الفضل ۴ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳۔

خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں اضافہ

اس سال خدا تعالیٰ کے پاک وعدوں کے مطابق خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں چھ بابرکت وجودوں کا اضافہ ہوا:۔

۱۔ صاحبزادی امۃ العلی صاحبہ زبدہ (روبی) بنت ڈاکٹر کرنل مرزا مبشر احمد صاحب (ولادت ۲۵ مئی ۱۹۵۵ء)[1]

۲۔ صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب ابن صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب ایم۔ اے لیکچرار تعلیم الاسلام کالج ربوہ (ولادت ۳ اکتوبر ۱۹۵۵ء)[2]۔

مبلغ انڈونیشیا کے اعزاز میں عشائیہ

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ۷ جنوری ۱۹۵۵ء کو مولانا عبدالواحد صاحب مولوی فاضل مجاہد انڈونیشیا کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔ جس میں غیر ملکی طلباء اور بعض دوسرے احباب بھی شامل ہوئے۔ اس موقع پر حضور مختلف ممالک کے تعلیمی و تبلیغی حالات پر دلچسپ گفتگو فرماتے رہے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ شفیق باپ اپنے گھر میں اپنے بچوں سے نہایت بے تکلفی کے ساتھ محبت بھری گفتگو کر رہا ہے۔[3]

قادیان کے بزرگ درویش اور اخبار "ریاست"

لاہور میں ۲۹۔ ۳۰ جنوری ۱۹۵۵ء کو ایک کرکٹ میچ ہوا جس میں بھارت کے ہزاروں غیر مسلم عارضی پرمٹ لے کر پاکستان آئے۔ اس موقع پر قادیان کے بعض بزرگ درویشوں نے بھی لاہور آنے کی اجازت چاہی لیکن سرکاری حکام نے کسی مصلحت کے پیش نظر اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ جس پر دہلی کے مشہور و معروف اخبار "ریاست" نے "قادیان کے احمدی شرفاء گیارہ نمبریوں میں" کے زیر عنوان حسب ذیل نوٹ شائع کیا:۔

"پچھلے کرکٹ میچ کے موقع پر ہندوستان سے بیس ہزار کے قریب ہندوستانی مختلف صوبہ جات سے لاہور گئے۔ دونوں حکومتوں کے فیصلہ کے مطابق کوئی شخص بھی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے دفتر سے فارم لیکر

---

[1] الفضل ۳۱ مئی ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔ [2] ڈائری نوشتہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب انور سابق پرائیویٹ سیکرٹری حضرت مصلح موعودؓ بحوالہ روزنامہ الفضل ۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۸۔ [3] الفضل ۱۳ جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۔

اور اس کو بھر کر بغیر کسی دقت کے لاہور جا سکتا تھا۔ اور کسی شخص کے مستحق یا غیر مستحق ہونے کے متعلق سوال نہ کیا گیا۔ چنانچہ اس موقع پر وہ لوگ بھی ہندوستان سے پاکستان جاکر لاہور کی سیر کر آئے جو پولیس کے رجسٹر نمبر دس میں بطور بدمعاش درج تھے یا جن کو کرکٹ سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور جو صرف اپنے دوستوں سے ملنے کے لئے وہاں گئے۔ مگر یہ واقعہ بے حد دلچسپ ہے کہ قادیان کے ذیل کے معزز اصحاب کو (جو احمدی جماعت میں انتہائی عزت و احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں اور جو مذہبی اعتبار سے بہت ہی بلند ہیں) کرکٹ کا میچ دیکھنے کے لئے بھی عارضی پرمٹ نہ دیا گیا۔

۱۔ حضرت مولوی عبدالرحمٰن امیر جماعت احمدیہ قادیان۔ ۲۔ حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد (حضرت امام جماعت احمدیہ کے صاحبزادہ)۔ ۳۔ ملک صلاح الدین ایم اے ایڈیٹر اخبار "بدر" قادیان۔

گویا کہ جس صورت میں دس نمبری بدمعاشوں کو بھی کرکٹ میچ دیکھنے کا عارضی پرمٹ دیا گیا۔ ان تین نیک دل اور بلند مذہبی بزرگوں کو حکومت نے گیارہ نمبریئے سمجھ کر پرمٹ دینے سے انکار کر دیا۔ اور حکومت کی کتابوں میں دس نمبر کے بعد ایک گیارہ نمبر رجسٹر بھی موجود ہے۔ جس میں کہ صرف مذہبی لوگوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ اور پرمٹ دینے والے افسروں کے خیال میں یہ گیارہ نمبریئے دس نمبریوں سے بھی بُرے اور خطرناک بدمعاش ہیں

قادیان کی احمدی جماعت کے ممبروں کے متعلق ہمارا پرانا تجربہ یہ ہے کہ یہ لوگ اخلاق اور کیریکٹر کے لحاظ سے بہت بلند ہیں۔ اور ایڈیٹر "ریاست" نے آج تک کسی احمدی کو بھی نہیں دیکھا جو کہ دیانت دار نہ ہو۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اگر دوسرے نیک لوگ گناہ کرتے ہوئے خدا سے ڈرتے ہیں تو احمدی گناہ کرتے ہوئے خدا سے اس طرح ہی بدکتے ہیں جیسے گھوڑا صرف سایہ سے بدکتا ہے۔ یعنی یہ گناہ کے خیال سے ہی خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ احمدیوں کی اس پوزیشن میں ان کو قادیان سے لاہور جانے کا عارضی پرمٹ نہ دیا جانا ایسا واقعہ نہیں جس کو نظر انداز کیا جا سکے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مرکزی گورنمنٹ کا ایکسٹرنل ڈیپارٹمنٹ ان افسروں سے باز پُرس کرے جو افسران بزرگوں کو پرمٹ نہ دینے کی حماقت کے ذمہ دار ہیں۔[1]"

ایک غیر احمدی صحافی کے تاثرات

ایک روشن خیال غیر احمدی صحافی جو ہفت روزہ "نگہبان" کراچی کے مدیر تھے، ۲۳؍ جنوری ۱۹۵۵ء کو مسجد احمدیہ

---

[1] "ریاست" ۱۴؍ فروری ۱۹۵۵ء بحوالہ روزنامہ الفضل ۲۲؍ فروری ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۔

کراچی میں تشریف لائے۔ لطیف احمد صاحب تاثیر چیف ایڈیٹر "المصلح" نے انہیں سلسلہ احمدیہ کی دینی خدمات کے بارے میں معلومات بہم پہنچائیں جن سے متاثر ہو کر انہوں نے اخبار "نگہبان" میں حسب ذیل شذرہ سپرد قلم فرمایا:-

"میں نے احمدیہ مسجد کراچی میں کیا دیکھا"

"کراچی میں یہ پہلا موقع تھا کہ میں ۲۳ جنوری کو روزنامہ "المصلح" کراچی کے چیف ایڈیٹر جناب لطیف صاحب تاثیر سے اُن کے دفتر واقع احمدیہ مسجد میں ملنے گیا۔ صاحب موصوف بڑے تپاک سے ملے اور دیر تک گفتگو کرنے کے بعد انہوں نے مجھے قرآن پاک کے ۳ ترجمے دکھائے ایک انگریزی دُوسرا جرمنی اور تیسرا ڈچ زبان میں تھا۔ اور جب مجھے یہ معلوم ہُوا کہ احمدیہ جماعت نے یورپ کی ۱۲ زبانوں میں قرآن پاک کے ترجمے کرکے اقوامِ یورپ کے سامنے پیش کئے ہیں تو بے انتہا مسرت ہوئی اور سچ تو یہ ہے کہ اسلامی فرقوں میں ..... صرف یہی جماعت ہے جو یورپین ممالک میں تبلیغ اسلام کا کام کر رہی ہے۔ ایڈیٹر صاحب سے ملنے کے بعد جب میں احمدیہ مسجد گیا۔ تو یہ دیکھ کر دلی مسرت ہوئی کہ بڑے بڑے احمدی افسران و عمائدین احمدیہ مسجد کے فرش دیواریں اور چھت پانی سے دھو کر صاف کر رہے ہیں اور اس خدمت کو ہر ہفتہ بلا تکلّف انجام دیتے ہیں۔ دراصل اس مسجد میں اخوّت و مساواتِ اسلامی کا جو مظاہرہ ہوتا ہے وہ دوسرے فرقوں کے لئے قابلِ تقلید ہے۔"[1]

صدر انجمن احمدیہ کے لئے تحریک واقفین

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اس سال کے شروع میں تحریک فرمائی کہ مخلص احباب تحریک جدید کے علاوہ صدر انجمن احمدیہ کے لئے بھی اپنی زندگیاں وقف کریں۔ فرمایا:-

"احباب کی اطلاع کے لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ اَب تک صرف تحریک جدید کے لئے واقفین لئے جاتے تھے۔ اَب ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ صدر انجمن کے لئے بھی واقفینِ زندگی کی تحریک کی جائے۔ پس اس بارہ میں مَیں اعلان کرتا ہوں کہ مخلص احباب اپنے آپ کو سلسلہ کی خدمت کے لئے پیش کریں۔ عام راہنمائی کے لئے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ مندرجہ ذیل قسم کے احباب کار آمد ہو سکیں گے:-

---

[1] ہفت روزہ نگہبان کراچی ۲۵ جنوری ۱۹۵۵ء۔

اوّل: ایم۔ اے۔ ایل ایل بی۔ ڈاکٹر۔ دوم: بی۔ اے بی ٹی۔ سوم: ایسے افراد جن کو انتظامی کاموں کا تجربہ ہو خواہ پنشنر ہوں۔ چہارم: ایسے احباب جو تجارتی یا صنعتی دلچسپی رکھتے ہوں خواہ مڈل تک کی تعلیم ہو۔ گذارہ کے متعلق ہر ایک واقف کو صدر انجمن احمدیہ اطلاع دے گی کہ کس اصل پر وہ گذارہ دے سکتی ہے[1]۔"

اس تحریک پر کئی مخلصین جماعت نے اپنی زندگی اپنے پیارے امام کے حضور پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔

ربوہ میں ایک مشہور اطالوی پروفیسر کی آمد

مشہور اطالوی پروفیسر ڈاکٹر الیساندرو بوزانی جو اپنی مادری زبان کے علاوہ دُنیا کی مشہور پانچ زبانوں کے ماہر اور قرآن مجید کے اطالوی زبان میں مترجم نیز روم یونیورسٹی میں شعبۂ فارسی کے صدر بھی تھے ان دنوں پاکستانی یونیورسٹیوں کے دَورہ پر تھے۔ آپ وکالت تبشیر کی دعوت پر مرکزِ احمدیت دیکھنے کے لئے ۱۳؍ فروری ۱۹۵۵ء کو لاہور سے ربوہ آئے۔ اور سیدنا حضرت مصلح موعودؓ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ علاوہ ازیں مرکزی دفاتر اور اداروں کو بھی دیکھا اور تعلیم الاسلام کالج میں "اٹلی میں اسلامی علوم کی ترویج" کے موضوع پر لیکچر دیا[2]۔

لجنہ اماء اللہ کا عہد

مجلس عاملہ لجنہ اماء اللہ مرکزیہ نے اپنے خصوصی اجلاس منعقدہ ۱۴؍ فروری ۱۹۵۵ء میں زیر صدارت حضرت اُمّ ناصرؓ لجنہ کا درج ذیل عہد نامہ منظور کیا:۔

"اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ مَیں اقرار کرتی ہوں کہ اپنے مذہب اور قوم کی خاطر اپنی جان و مال، وقت اور اولاد کو قربان کرنے کے لئے تیار رہوں گی۔ نیز سچائی پر ہمیشہ قائم رہوں گی۔"

۱۹۵۶ء میں اس عہد نامہ میں مندرجہ ذیل فقرہ کا اضافہ کیا گیا کہ:۔

"اور خلافتِ احمدیہ کے قائم رکھنے کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار رہوں گی[3]۔"

---

[1] الفضل ۸؍ فروری ۱۹۵۵ء صہ۳۔ [2] الفضل ۱۵؍ فروری ۱۹۵۵ء صہ۱۔

[3] رسالہ "مصباح" فروری ۱۹۵۵ء صہ۲ تاریخ لجنہ اماء اللہ جلد دوم صفحہ ۱۰۸ مرتبہ امۃ اللطیف صاحبہ سیکرٹری شعبہ اشاعت لجنہ اماء اللہ مرکزیہ طبع اوّل جنوری ۱۹۷۲ء۔

جماعت احمدیہ کے خلاف بے بنیاد پراپیگنڈہ

اس سال جماعتِ احمدیہ کے خلاف جس رنگ میں بے بنیاد اور جھوٹا پراپیگنڈہ کیا گیا اور مفروضہ خبریں شائع کی گئیں اس کا ایک نمونہ ریکارڈ کرنا ضروری ہے۔ اخبار "تعمیر" راولپنڈی نے لکھا:۔

"لاہور۔ ۱۸ مارچ (نمائندہ خصوصی) معلوم ہوا ہے کہ جماعت احمدیہ نے اپنا ہیڈکوارٹر ربوہ سے انڈونیشیا منتقل کر دینے کا منصوبہ تیار کر لیا ہے۔ مزید معلوم ہوا ہے کہ اس سلسلہ میں جماعت احمدیہ کے خلیفہ مرزا بشیرالدین محمود احمد کے بیٹے مرزا ناصر احمد تھوڑا ہی عرصہ ہوا۔ انڈونیشیا کا دورہ کرکے لوٹے ہیں۔ یاد رہے کہ قیامِ پاکستان سے پہلے جماعت احمدیہ کا ہیڈ کوارٹر قادیان (مشرقی پنجاب) میں تھا جہاں اَب بھی اس جماعت کے تین سو تیرہ ارکان مقیم ہیں۔

ہمارے نمائندہ خصوصی مقیم لاہور ملک ممتاز کو جماعت احمدیہ کے قریبی حلقوں نے بتایا ہے کہ جن دنوں مجلس تحفظ ختم نبوّت کا پاکستان میں زور تھا اور اس قسم کا پروپیگنڈا زوروں پر کیا جارہا تھا کہ جُملہ احمدیوں کو ایک اقلیتی فرقہ قرار دے دیا جائے اور چوہدری ظفر اللہ کو وزارتِ خارجہ سے ہٹا دیا جائے۔ انہی دنوں اس اَمر پر غور و خوض شروع ہو گیا تھا کہ جماعت کا ہیڈ کوارٹر ربوہ سے منتقل کر دیا جائے چنانچہ مارشل لاء اور اُس کے بعد چوہدری ظفر اللہ خان کے استعفوں اور چوہدری صاحب کے بین الاقوامی عدالت میں چلے جانے کی خبروں کے پیشِ نظر ہیڈ کوارٹر کی تبدیلی کے منصوبہ پر سنجیدگی سے غور شروع ہو گیا اور جس روز چوہدری صاحب پاکستان سے ہیگ چلے گئے ہمارے لئے اَب کوئی چارہ نہ رہا کہ ہم ربوہ سے باہر چلے جائیں۔ اس حلقے نے بتایا کہ چوہدری ظفر اللہ کے بحیثیت وزیرِ خارجہ پاکستان میں رہنے سے اگرچہ تبلیغی لحاظ سے جماعت احمدیہ کو کوئی خاص فائدہ نہیں تھا۔ مگر اس قسم کی ڈھارس سی تھی کہ حکومت میں ہمارا بھی نمائندہ ہے۔ اَب اگرچہ حکومت کی طرف سے ہمارے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کی جارہی لیکن اپنے تبلیغی ذرائع کو محدود اور ایک عدم تعاون کے نظریہ کو پاتے ہوئے ہم مجبور ہیں کہ ربوہ کو چھوڑ دیں جس کیلئے انڈونیشیا کو منتخب کر لیا گیا ہے۔ جہاں بیٹھ کر ہم اپنا عالمی مشن چلائیں گے۔ اس حلقے نے ابھی یہ انکشاف نہیں کیا کہ کب ان کا ہیڈ کوارٹر منتقل ہو جائے گا"۔[1]

---

[1] روزنامہ "تعمیر" راولپنڈی مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۶۔

مندرجہ بالا بے بنیاد اور جھوٹی خبر اگلے دن بالکل انہی الفاظ میں اخبار " زمیندار" لاہور نے بھی شائع کی۔[1] پھر تین ماہ کے بعد لکھا :۔

" کراچی۔ ۲۹ جون۔ کراچی کے ایک اُردو روزنامہ نے اپنی ۲۷ جون کی اشاعت میں لکھا ہے کہ قادیانیوں کے سربراہ اپنی باقی ماندہ زندگی انڈونیشیا میں بسر کرنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں انڈونیشیا کے سفارت خانے نے وضاحت کی ہے اور کہا ہے کہ قادیانی سربراہ کی طرف سے انہیں باقاعدہ کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی کہ آیا وہ ربوہ سے اپنا ہیڈ کوارٹر انڈونیشیا میں منتقل کرنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ سفارت خانے نے کہا ہے کہ جاکرتہ سے وزارتِ مذہب کی طرف سے بھی اس ہجرت کے متعلق نہیں کوئی خبر موصول نہیں ہوئی۔"[2]

مالا بار کے ایک قدیم احمدی کا انتقال

کالی کٹ کے اوّلین احمدیوں میں سے ایک بزرگ ایم۔ احمد تھے جو اس سال ۲ ۔ اپریل ۱۹۵۵ء کو فوت ہو گئے۔ اے پی عبدالرحیم صاحب آف کلکتہ کے بیان کے مطابق آپ کو احمدیت کا پیغام رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" کے ذریعہ پہنچا اور آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہدِ مبارک میں ہی شاملِ احمدیت ہو گئے مگر بیعت کے ایک سال بعد حضرت اقدس کا وصال ہو گیا اس لئے حضور کی زیارت نصیب نہ ہو سکی۔ جماعت احمدیہ مالا بار کی تاریخ میں آپ کی مالی قربانیاں ہمیشہ یاد رہیں گی۔ ابتدائے زمانہ میں جبکہ مالا بار کے مذہبی راہنما اور اُن کے حاشیہ نشین احمدیوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے مرحوم نے نہایت فراخدلی کے ساتھ خدا کے مظلوم بندوں کی مالی اعانت اور تکالیف کو کم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا آپ کو حضرت مُصلح موعودؓ کے ساتھ بے اندازہ عقیدت ومحبت تھی۔ ہر ضرورت کے وقت حضور کی خدمت میں دُعا کے لئے خط لکھتے اور خدا کے فضل وکرم سے حصّہ وافر پاتے۔

احمدی اور غیر احمدی کیا غیر مُسلم تک آپ کے دلدادہ تھے۔ آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصّہ کالی کٹ شہر میں گذارا۔ وفات کے وقت جماعت احمدیہ پینگاڈی کے پریذیڈنٹ تھے۔[3]

---

[1] روزنامہ " زمیندار" لاہور ۲۱ مارچ ۱۹۵۵ء صٰ ۔ [2] روزنامہ زمیندار " لاہور یکم جولائی ۱۹۵۵ء صا
[3] اخبار " بدر" ۱۴ اگست ۱۹۵۵ء صٰ ۱۲، ۶ ۔

جناب شیخ محمود احمد صاحب عرفانی نے "تاریخ مالا بار" کے صفحہ ۷۰ پر ان کا بطور خاص ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلافت ثانیہ کے اوائل میں مالا باری احمدیوں کے نمائندے کی حیثیت سے سالانہ جلسہ قادیان پر قادیان بھیجے گئے تھے اور حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے آپ کا تمام حاضرین جلسہ سے تعارف بھی کرایا تھا۔ اس کتاب میں اس واقعہ کا سن دسمبر ۱۹۱۷ء بتایا گیا ہے مگر یہ سہو ہے کیونکہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب ان دنوں لندن میں تھے۔ پھر یہ کونسا سال ہے؟ الفضل کے پرانے اور مستند مطبوعہ ریکارڈ سے اس پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

مولانا ابوالعطا صاحب کا سفرِ قادیان

اس سال مولانا ابوالعطا صاحب جالندھری مدیر ماہنامہ "الفرقان" اپریل کے دوسرے ہفتہ میں ہندوستان تشریف لے گئے۔ دورانِ سفر آپ کو قادیان دارالامان کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔

واپسی پر آپ نے سفرِ قادیان کے رُوح پرور تاثرات قلم بند فرمائے جو روزنامہ الفضل ۵ رمئی ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئے جن سے ۱۹۵۵ء کے قادیان کی ایک جیتی جاگتی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے اور تحریکِ احمدیت کی صداقت پر ایک زندہ ایمان نصیب ہوتا ہے۔ آپ نے لکھا:-

"... بیت الدعا میں چند منٹ گذارنے کے بعد اپنی قیام گاہ پر آیا۔ تلاوت قرآن مجید کی اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور دوسرے بزرگوں کے مزاروں پر دُعا کرنے کے لئے بہشتی مقبرہ کی طرف روانہ ہُوا سارا راستہ وہی سکون محسوس ہُوا جو ہمیشہ ہُوا کرتا تھا۔ مَیں بعض پیشگوئیوں پر غور کرتا ہُوا بہشتی مقبرے کی سڑک پر جا رہا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ کچھ نوجوان بوڑھے بچے اور خواتین دُعا کرکے واپس آرہے ہیں اور کچھ دُعا کے لئے جا رہے ہیں۔ روضۂ مبارک پر بھی چند دوست سوز و گداز سے دُعا کر رہے تھے۔ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے روضہ پر دُعا کے بعد اپنے طریق کے مطابق پہلے اپنے اساتذہ حضرت مولانا سیّد محمد سرور شاہ صاحبؓ۔ حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ۔ حضرت قاضی امیر حسین صاحبؓ اور حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؓ کی قبروں پر ان کی بلندی درجات کیلئے دُعا کی پھر اپنے پیارے اور محسن والد حضرت میاں امام الدین صاحبؓ کی قبر پر گیا۔

ا؎ مطبوعہ انوار احمدیہ پریس قادیان شیخ صاحب ۱۹۱۹ء میں مالا بار میں مبلّغ تھے اور یہ کتاب آپ نے انہی دنوں تالیف فرمائی تھی۔

اور دُعا کی۔ پھر اپنی مرحومہ بیوی والدہ عزیزم عطاء الرحمٰن طاہر کی قبر پر دُعا کی۔ پھر اپنے نانا جان شیخ نظام الدین صاحب آف سٹروعہ کی قبر پر دُعا کے لئے گیا۔ آخر میں اپنی پیاری والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر دُعا کی۔ یہ قبریں بہشتی مقبرہ کے مختلف قطعات میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس لئے دُعا کے لئے سارے قبرستان کا چکر لگانا ضروری ہوتا ہے اور ۱۹۴۷ء کی ہجرت کے بعد جب بھی مجھے قادیان آنے کا موقع ملا ہے مَیں نے قریباً ہر روز سارے بہشتی مقبرے میں دُعائیں کی ہیں حدیثِ نبویؐ کے مطابق زیارت قبور موت کو یاد دلاتی ہے جب مَیں بہشتی مقبرے سے واپس آ رہا تھا تو مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عظیم الشان قوتِ قدسیہ کا تصوّر کر رہا تھا۔ اس زمانہ میں جب کہ آپ کے خلاف فتویٰ کفر کا زور شور مچا اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور دوسرے معاند علماء سلسلہ احمدیہ کو مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولوی محمد حسین بٹالوی کو مخاطب کر کے فرمایا تھا :۔

هُمْ یَذْکُرُوْنَکَ لَاعِنِیْنَ وَذِکْرُنَا ۞ فِی الصَّالِحَاتِ یُعَدُّ بَعْدَ فَنَاءٖ

کہ ان کو تو لوگ بُرے طور پر یاد کیا کریں گے مگر ہمارا ذکر خیر اور ہمارے لئے دُعاؤں کا سلسلہ ہماری موت کے بعد بھی جاری رہے گا۔ ۱۹۴۷ء کے عظیم الشان انقلاب کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار پر زائرین کا اس طرح مسلسل دُعائیں کرتے رہنا آپ کی پیشگوئی کی صداقت کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے اور ادھر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا یہ حال ہے کہ ان کی قبر کا بھی کسی کو پتہ نہیں۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے ایک دفعہ بڑی مشکل سے اُن کی نشاندہی ہو سکی تھی اور اَب تو اس کا اَتا پتہ ہی نہیں ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے ان واقعات سے اپنی ہستی اور قدرت کا ثبوت دیا ہے۔"

امریکن رسالہ "لائف" میں جماعت احمدیہ کی شاندار تبلیغی جدوجہد کا ذکر

اس سال بین الاقوامی شہرت کے حامل ہفتہ وار امریکی رسالہ "لائف" (LIFE) نے دُنیا کے مشہور مذاہب پر درج ذیل اشاعتوں میں چھ تفصیلی مضامین شائع کئے۔ ہندو مذہب (۷ر فروری)۔ بُدھ مت (۷ر مارچ) چینی مذاہب (۴ر اپریل) اسلام (۹ر مئی)۔ یہودیت (۱۳ر جون)۔ عیسائیت (۲۰ر دسمبر)۔

۹ر مئی ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں رسالہ لائف نے اسلام پر جو مبسوط مضمون سپردِ اشاعت کیا۔ اس کے آخر میں اس نے خصوصیت کے ساتھ جماعت احمدیہ کی ان مساعی کا تذکرہ کیا جو جماعت کی طرف سے ان

دنوں اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے عمل میں آرہی تھیں۔ رسالہ لائف نے اس امر کا بھی اعتراف کیا کہ مبلغینِ احمدیت جس جوش ذوق وشوق اور جان فروشی کے ساتھ افریقہ میں تبلیغِ اسلام کر رہے ہیں اس کے نتیجہ میں عیسائی پادری بے بس نظر آتے ہیں اور جہاں ان کی کوششوں کی بدولت ایک شخص عیسائیت میں داخل ہوتا ہے وہاں احمدی مبلغوں کی مساعی سے دس افراد حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے ہیں۔

اس مفید مضمون کا ایک اہم حصّہ (مع ترجمہ) درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

MISSIONS A NEW SECT SEEKS TO WIN CONVERTS TO ISLAM

Though no faith in history spread with such fabulous speed as Islam, it was no – contrary to Western opinion propagated exclusively with fire and sword. While it is true that the Koran sanctions holy war and that many Pagan chose Islam in preference to oblivion the Moslems were generally tolerant of Christians and Jews and granted religious freedom to those who paid tribute. Numerous converts adopted Islam because of its doctrinal appeal. And in the centuries that followed its first swift florescence, it continued to spread quietly in the wake of Arab traders who carried its precepts to India, China and eventually Indonesia.

Until recently Islam had no organized missionary movement. For just as the orthodox Moslem abhorrence of mediation between man and God has obviated a priesthood, so individual faith makes every Moslem a missionary. But Islam has also been a victim of its own pride; contemptuous of other doctrines, it long denied itself the refreshing impact of new and outside ideas. Today, however, there are signs that it has begun to interest itself in the technique of Christian missions. Even the ancient Al Azhar University at Cairo, Intellectual center of Islam, which has resisted Western influences, now trains a few students annually for missionary work in the field. And certain off shoot sects are exhibiting symptoms of religious energy. Of these the most vocal is a modern sect called the Ahmadiyya, with headquarters in Pakistan and missionary centres throughout Eruope, Africa, America and the Far East.

The Ahmadiyya movement evolved in India during the last half century. Its origin, as with many other Islamic sects, was eccentric. In 1890 a performer named Mirza Ghulam Ahmad, of Qadian in the Punjab, announced that he was the bearer of a new evelation, a new interpretation of Islam for the modern era, and that his coming was foretold both in the Bible and the Koran. He claimed to be both the Messiah and the Mahdi, a Moslem version of the Messiah, and cited in evidence the similarity of his character to that of Christ (though he afterward asserted his superiority to him). A few years later he insisted that he was also an avatar, or incarnation, of the

HIndu Krishna (Life, Feb. 7). He also boasted of his ability to foretell the deaths of his opponents, which accurred so consistently in accordance with his forecasts that the government finally forbade him to exercise his prophetic power. But his teachings were liberal and pacifistic; Islam was to be propagated by precept, not by holy war, by missionaries, not by the sword.

After the death of Ahmad in 1908, his followers separated into two groups: the original Qadianis who supported Ahmad's claim to be a prophet, and the seceders, with headquarters at Lahore, who discarded this idea and formed a society for the propagation of Islam. Today both branches engage in mission work around the world. The Qadianis claim 60,000 converts in Africa, which they have made a special target.

For obvious reasons Islam is spreading wherever in the world the white man's prejudices about race and color seem to deny Christ's teachings of the fellowship of man. Like Christianity and judaism, Islam began among the predominantly Semitic peoples at the south-eastern corner of the Mediterranean basin. To day of the world's variegated Moslem populations. The vast majority are enlisted from other ethnic groups. About three quarters of them live in Asia and most of the remainder in Africa where millions of Negroes, representing roughly one fifth of the native inhabitants, have already embraced Islam. In some arears where Christian and Moslem missionaries are in competition Islam gains 10 converts for every one who accepts the rival faith. It is significant that in West Africa, Islam has come now to be regarded as the religion of the blacks as opposed to Christianity the religion of the whites.

(ترجمہ) دُنیا میں جس برق رفتاری سے اسلام پھیلا ہے تاریخ عالم میں اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی، بایں ہمہ اہلِ مغرب کے نظریات کے برعکس اس کی اشاعت محض اسلحۂ جنگ اور تلوار کی مرہون نہ تھی۔ یہ درست ہے کہ قرآن نے جہاد کی اجازت دی اور بہت سے بے دین مشرکوں نے اس حال میں اسلام قبول کیا کہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو انہیں اپنی ہستی سے ہی ہاتھ دھونا پڑتا۔[1] لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، کہ مسلمانوں نے بالعموم عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کیا اور ان لوگوں کو مذہبی آزادی عطا کی جنہوں نے خراج یا جزیہ دینا قبول کر لیا۔ پھر ایسے لوگوں کی بھی کمی نہ تھی جو اس لئے نئے دین میں داخل ہوئے کہ اسلامی عقائد کی صداقت ان کے دلوں میں گھر کر گئی تھی۔

---

[1] فاضل مضمون نگار نے اپنے ذاتی خیالات کے ماتحت ایسا لکھا ہے ورنہ اسلامی نظریۂ جہاد کے مطابق یقیناً ایسا نہ ہوتا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اربعہ کی زندگی میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس سے یہ پتہ لگتا ہو کہ کسی بھی شخص کو محض اس لئے زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا، کہ اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

اسلام اپنے ابتدائی زمانۂ عروج کے بعد صدیوں تک عرب تاجروں کے ذریعۂ دنیا میں خاموشی کے ساتھ پھیلتا رہا، یہ عرب تاجر ہی تھے جنہوں نے اسلامی تعلیم کو ہندوستان، چین اور بالآخر انڈونیشیا تک پہنچایا۔

حال ہی میں کچھ عرصہ قبل دُنیا میں تبلیغِ اسلام کی کوئی منظم تحریک موجود نہ تھی۔ مسلمانوں میں خدا اور بندے کے درمیان کسی اَور کو واسطہ تسلیم نہ کرنے کے شدید جذبہ کی وجہ سے اسلام میں پاپائیت کبھی سَر نہ اُٹھا سکی۔ ہر مسلمان اپنے انفرادی ایمان کی بدولت اپنی ذات میں اسلام کے ایک مبلغ کی حیثیت رکھتا تھا۔ تاہم اسلام خود اپنے جذبۂ تفاخر کا اس رنگ میں شکار ہوتا رہا، کہ اس نے دوسرے معتقدات کی تحقیر میں نئے اور عجمی افکار و نظریات کے ساتھ علاقہ پیدا کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی طرف کوئی توجہ نہ دی[۱]۔ لیکن موجودہ زمانے میں اَب مسلمانوں کے اندر ایسے آثار ظاہر ہو رہے ہیں کہ جن سے ایک خاص رجحان کی نشاندہی ہوتی ہے اور وہ رجحان یہ ہے، کہ مسلمانوں نے بھی اَب عیسائیوں کی تبلیغی تنظیم اور اس کے فنکارانہ اسلوب میں دلچسپی لینی شروع کر دی ہے۔ حتّٰی کہ قاہرہ کی الازہر یونیورسٹی بھی جسے اسلام کے ایک علمی مرکز کی حیثیت حاصل ہے اور جو مغربی اثرات کا شدّت سے مقابلہ کرتی رہی ہے اَب ہر سال بعض طلبہ کو اس غرض سے تیار کرتی ہے کہ وہ اسلام کی تبلیغ کا فریضہ ادا کر سکیں[۲]۔ مزید برآں اسلام کے بعض دوسرے فرقوں میں بھی زندگی اور قوّت کے آثار دن بدن نمایاں ہو رہے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ پیش پیش ایک نیا فرقہ ہے جو جماعتِ احمدیہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا صدر مقام پاکستان میں ہے اور یورپ، افریقہ، امریکہ اور مشرقِ بعید کے ممالک میں اس کے باقاعدہ تبلیغی مشن قائم ہیں۔

احمدیت کی تحریک گذشتہ نصف صدی کے اندر اندر ہندوستان میں معرضِ وجود میں آئی بعض دوسرے اسلامی فرقوں کی طرح اس کی ابتدا بھی غیر معمولی حالات میں ہوئی بسنہ ۱۸۹۰ء میں (حضرت) مرزا غلام احمد نامی ایک ریفارمر نے پنجاب میں قادیان کے مقام پر صاحبِ الہام ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ خدا تعالےٰ نے

---

[۱] یہ بھی مضمون نگار کا ذاتی تاثر ہے ورنہ اسلام نے کسی مذہب کے معتقدات کی تحقیر نہیں کی، بلکہ صداقت کے پیش کرنے میں بھی ان کے احساسات کا خیال رکھا ہے اور بعض امور مثلاً مسئلہ توحید وغیرہ میں تو تعاون و اشتراک کی پیشکش تک کی ہے۔ (آل عمران: ۶۵)۔ [۲] الازہر یونیورسٹی کی طرف سے ابھی تک کوئی اسلامی مشن جاری نہیں ہوا۔

نئے زمانے کی ضرورت کے مطابق اسلامی تعلیمات کے نئے نئے معارف ان پر کھولے ہیں۔ انہوں نے اس امر پر بھی زور دیا کہ ان کی بعثت کی خبر بائیبل اور قرآن دونوں میں موجود ہے۔ انہوں نے مسیح اور مہدی ہونے کا بھی اعلان کیا۔ اور اس کے ثبوت میں اس امر کو خاص طور پر دُنیا کے سامنے رکھا کہ خود ان میں اور مسیحؑ میں خُو بُو اور اوصاف کے لحاظ سے مماثلت پائی جاتی ہے گو بعد میں انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہ بلحاظ مرتبہ مسیحؑ سے افضل ہیں۔ چند سال بعد انہوں نے اس دعویٰ کا بھی اعلان کیا کہ وہ ہندوؤں کے لئے کرشن ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو اس رنگ میں بھی ظاہر کیا کہ وہ (اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر) اپنے مخالفین کی موت کی پیشگوئی کرنے اور اُن کے انجام کے متعلق قبل از وقت اطلاع دینے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ بعد میں ان کی یہ پیشگوئیاں اس طریق پر حرف بحرف پُوری ہونے لگیں کہ حکومت نے بالآخر انہیں اس قسم کی پیشگوئیاں کرنے سے منع کر دیا[۱]۔ ان کی تعلیم نرمی اور آزاد خیالی پر مبنی تھی۔ انہوں نے تعلیم دی کہ اسلام جہاد کے ذریعہ نہیں بلکہ اپنی باطنی خوبیوں کے ذریعہ دُنیا میں پھیلے گا۔ اور تلوار نہیں بلکہ خالصۃً تبلیغی جدوجہد اس کی اشاعت کا ذریعہ بنے گا۔

۱۹۰۸ء میں مرزا غلام احمدؑ کی وفات کے بعد ان کے ماننے والے دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ان میں سے اصل گروہ جو ابتداءً معرضِ وجود میں آیا تھا قادیانی کہلاتا ہے اور ان کے دعویٰ ماموریت پر ایمان رکھتا ہے، علیحدہ ہونے والے گروہ نے جو اس خیال کا حامی نہیں تھا لاہور میں اشاعت اسلام کے نام سے ایک انجمن قائم کر لی ہے[۲]۔ آجکل دونوں جماعتیں دُنیا بھر میں تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کرنے میں مصروف ہیں۔ قادیانی جماعت کا جس نے افریقہ کو خاص طور پر اپنی توجہ اور جدوجہد کا مرکز بنا رکھا ہے، دعویٰ ہے کہ وہ اب تک وہاں ساٹھ ہزار حبشی باشندوں کو اسلام میں داخل کر چکی ہے۔

---

[۱] یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہمیشہ سے یہ مسلک تھا کہ کسی شخص سے متعلق انذاری پیشگوئی کا اعلان نہیں کیا جاتا تھا جب تک اس سے اجازت حاصل نہ کر لی جائے اور گورنمنٹ کا بھی یہی منشا تھا۔

[۲] مضمون نگار نے غالباً یہ غلط فہمی سے لکھا ہے۔ یہ اختلاف حضرت مسیح موعودؑ کی وفات (۲۶ مئی ۱۹۰۸ء) کے معاً بعد نہیں ہوا بلکہ جماعت کے پہلے خلیفہ حضرت مولانا نورالدین بھیروی کی وفات (۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء) کے بعد ہوا ہے۔ نیز جماعت احمدیہ کی لاہوری شاخ بھی حضرت اقدس کے دعویٰ ماموریت کی ہرگز منکر نہیں۔

دُنیا میں جہاں کہیں بھی رنگ اور نسل کے بارے میں سفید فام اقوام کے تعصبات انسانی برادری سے متعلق مسیح کی تعلیم کو پسِ پُشت ڈال کر اس کی تردید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں وہاں اب (عیسائیت کی جگہ) اسلام پھیل رہا ہے۔ ایسا کیوں ہے۔ اس کے اسباب ظاہر و باہر ہیں۔

دینِ عیسوی اور دینِ موسوی کی طرح اسلام کا آغاز بھی بحیرۂ روم کے جنوب مشرقی کونے میں سامی النسل لوگوں کے درمیان ہی ہُوا تھا۔ چنانچہ یوروشلم کی قدیم پہاڑی جو ساتویں صدی عیسوی کے زمانہ سے مسلمانوں کے لئے ایک متبرک عبادت گاہ کا درجہ رکھتی ہے عیسائیت کے نمودار ہونے سے قبل یہودیوں کے لئے بھی اسی طرح متبرک تھی، اور وہ وہاں اپنے جانوروں کی قربانی دیتے تھے۔ اگرچہ مسلمانوں نے خود اس غرض کے لئے اس جگہ کو کبھی استعمال نہیں کیا۔ لیکن آج دُنیا میں مسلمانوں کی آبادی مختلف رنگ اور نسل کے لوگوں پر مشتمل ہے اور اس کی ایک بھاری اکثریت سامی نسل کے علاوہ کلیۃً دوسرے نسلی گروہوں سے تعلق رکھتی ہے۔ ان میں سے تین چوتھائی کے قریب ایشیا میں آباد ہے اور باقی کا اکثر حصّہ افریقہ میں پھیلا ہُوا ہے جہاں لاکھوں لاکھ حبشی باشندے جن کی تعداد وہاں کی اصل آبادی کے پانچویں حصّے کے برابر ہوگی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ بعض علاقوں میں جہاں آجکل عیسائی مشنری اور مسلمان مبلّغ ایک دوسرے کے بالمقابل اپنے اپنے مذہب کی اشاعت میں مصروف ہیں حالت یہ ہے کہ عیسائیت قبول کرنے والے ایک شخص کے مقابلے میں دس حبشی اسلام قبول کرتے ہیں۔

یہ اَمر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ مغربی افریقہ میں اب اسلام کو واضح طور پر حبشیوں کا مذہب قرار دیا جاتا ہے جبکہ عیسائیت وہاں صرف سفید فام لوگوں کا مذہب بن کر رہ گئی ہے۔"

رسالہ کی اشاعت کے بعد نیو یارک کے ادارہ TIME INCORPORATED نے ۱۹۵۷ء میں یہ مضامین کتابی شکل میں شائع کر دیئے اور اس کا نام رکھا۔ THE WORLD'S GREAT RELIGIONS افسوس ادارہ نے کتاب میں سے جماعت احمدیہ کی تاریخ اور تبلیغِ اسلام کی مساعی کا تفصیلی ذکر خارج کر دیا اور اس کی بجائے صرف چند سطریں بطور خلاصہ لکھ دیں۔

امریکی رسالہ "لائف" کے مضمون پر اخبار "لوح وقلم" کا تبصرہ

رسالہ "لائف" کے مندرجہ بالا مضمون پر پشاور کے اخبار "لوح وقلم" نے حسب ذیل تبصرہ سپردِ اشاعت کیا:-

"تمام عالمِ اسلام کے علماء کرام اور ساری تبلیغی جماعتیں آجکل مساجد کے ممبروں پر اخبارات اور ریڈیو پر اسلام کی تبلیغ کا فریضہ ادا کرنے میں نہایت سرگرمی سے مشغول ہیں لیکن ان کے مواعظِ حسنہ اور ان کی وعظ و نصیحت زیادہ تر بلکہ تمام تر اسلام کے حلقہ بگوش دیندار مسلمانوں کے لئے وقف ہے یورپ اور امریکہ کے غیر مسلموں تک پہنچ کر ان کو اسلام کی خوبیوں سے واقف کرنے کی سعادت ابھی انہیں نصیب نہیں ہوئی۔ بین الاقوامی تبلیغ کا حق ادا کرنے میں جماعت احمدیہ تمام اسلامی تبلیغی جماعتوں سے بازی لے گئی ہے اور اس کی نصف صدی کی کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ مغربی ممالک کے لوگ اسلامی تعلیم سے قدرے آشنا ہو گئے ہیں۔ اور یورپ اور امریکہ کے اخبار بین طبقہ نے اپنے ممالک کے اخبارات و رسالہ جات میں اسلامی واقفیت سے لبریز مضامین کو برداشت اور گوارا کر لیا ہے۔"[1]

احمدی طلباء کی نمایاں کامیابی

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ۱۹۵۵ء کا سال تعلیمی اعتبار سے جماعتِ احمدیہ پاکستان کے لئے بہت مبارک ثابت ہوا۔ کیونکہ اس میں بعض احمدی طلبا اور طالبات نے امتحانات میں نمایاں پوزیشن حاصل کی۔

۱۔ عزیزہ سیدہ نعیمہ صادقہ صاحبہ (بنت سیّد مقصود علی شاہ صاحب مرحوم) میٹرک میں ۶۱۴ نمبر حاصل کر کے صوبہ سرحد کی لڑکیوں میں اوّل آئیں۔[2]

۲۔ بشیر احمد صاحب گورنمنٹ کوارٹرز ۳۶۔ڈی لاہور کی صاحبزادی بشریٰ خورشید صاحبہ نے میٹرک کے امتحان میں ۷۵۱ نمبر حاصل کئے اور پنجاب بھر کی طالبات میں دوم رہیں۔[3]

۳۔ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے اعجاز الرحمٰن صاحب بی ایس سی کے امتحان میں پنجاب یونیورسٹی میں سوم رہے۔[4]

۴۔ مکرم منیر احمد صاحب رشید ابن مکرم میاں محمد اسحٰق صاحب سنوری سٹوڈنٹ گورنمنٹ کالج لاہور $\frac{392}{500}$ نمبر لے کر بی ایس سی کے امتحان میں پنجاب بھر میں اوّل آئے اور ایک نیا ریکارڈ قائم کیا۔ آپ میٹرک میں یونیورسٹی میں دوم اور ایف ایس سی میں چھٹے نمبر پر آئے تھے۔[5]

---

[1] نوح و قلم پشاور ۲۸ اکتوبر ۱۹۵۵ء بحوالہ الفضل ۱۱ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔ [2] الفضل ۲۲ مئی ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔
[3] الفضل ۵ جون ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔ [4] الفضل ۱۸ جون ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۔ [5] الفضل ۲۲ جون ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۔

۵۔ مکرمہ نسیم نصرت صاحبہ (بنت مکرم شیخ عبدالقیوم خان صاحب) ایس وی کے امتحان میں ۸۱۲ نمبر لے کر صوبہ بھر میں اوّل آئیں[1]۔

۶۔ تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے مکرم منور احمد صاحب سعید ایف اے آرٹس کے امتحان میں یونیورسٹی بھر میں اوّل آئے۔ آپ نے ۴۶۷ نمبر حاصل کئے[2]۔

۷۔ مکرم چوہدری حمید اللہ صاحب[3] (ابن محترم بابو محمد بخش صاحب سگنیلر) نے ایم اے حساب کے امتحان میں یونیورسٹی بھر میں تیسری پوزیشن حاصل کی[4]۔

۸۔ محترم ڈاکٹر میجر شاہنواز خانصاحب کی بڑی صاحبزادی نصیرہ بیگم صاحبہ نے بی اے آنرز فلاسفی کے امتحان میں پنجاب یونیورسٹی میں چوتھی پوزیشن حاصل کی[5]۔

۹۔ محترمہ زبیدہ نظام صاحبہ (بنت کرنل چوہدری نظام الدین صاحب امیر جماعت احمدیہ حلقہ پنج گرائیں) اور ممتاز جمیل صاحبہ آف لاہور ایم۔ اے جغرافیہ کے امتحان میں پنجاب یونیورسٹی میں بالترتیب اوّل اور دوم آئیں[6]۔

۱۰۔ مکرم محمد عباس صاحب (فرزند میاں عطاء اللہ صاحب امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی) بی ایس سی الیکٹریکل انجنیئرنگ کے آخری امتحان میں پنجاب یونیورسٹی میں دوم رہے اور ۸۹۲ نمبر حاصل کئے[7]۔

۱۱۔ محترم قاضی محمد اسلم صاحب صدر شعبہ سائیکالوجی کراچی یونیورسٹی کے صاحبزادے مکرم منصور احمد صاحب ایم اے فلاسفی کے امتحان میں یونیورسٹی بھر میں اوّل آئے نیز پاکستان کی اعلیٰ سروسز (فارن سول وغیرہ) کے امتحان میں پانچویں پوزیشن حاصل کی[8]۔

۱۲۔ مکرم بشارت احمد صاحب پیٹی آفیسر امریکہ (ابن مکرم غلام احمد خان صاحب بصیر پور، منٹگمری) اپنے امتحان میں ۹۸،۰۸ فیصد نمبر لے کر اوّل آئے اور نیا ریکارڈ قائم کیا[9]۔

---

[1] الفضل ۹ جولائی ۱۹۵۵ء صا۔ [2] الفضل ۱۳ جولائی ۱۹۵۵ء صا۔ [3] حال وکیل اعلیٰ تحریک جدید و صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ۔ [4] الفضل ۵ اگست ۱۹۵۵ء صا۔ [5] الفضل ۱۸ اگست ۱۹۵۵ء ص۳
[6] الفضل ۲۶، ۲۷ اگست ۱۹۵۵ء صا۔ [7] الفضل ۲ ستمبر ۱۹۵۵ء صا
[8] الفضل ۷ ستمبر ۱۹۵۵ء صا۔ [9] الفضل ۶ جنوری ۱۹۵۶ء ص۶

۱۳۔ محترمہ سیّدہ ناصرہ خاتون صاحبہ (بنت محترم ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب انچارج فاطمہ جناح سینی ٹوریم کوئٹہ) پنجاب یونیورسٹی ایم اے اُردو یونیورسٹی میں اوّل آئیں۔ ان کو طلائی تمغہ دیا گیا۔[1]

جامعہ احمدیہ کی احمد نگر سے ربوہ منتقلی

جامعہ احمدیہ سات سال تک احمد نگر میں جاری رہنے کے بعد ۲۲ر فروری ۱۹۵۵ء کو ربوہ میں منتقل ہوا۔ اس موقع پر احمد نگر کے سربراہ، نمبردار، اور مُسلم لیگ احمد نگر کے نائب صدر نے جامعہ کے اساتذہ اور طلباء کے اعزاز میں ایک وسیع پارٹی دی اور ان کے حُسنِ سلوک اور ہمدردانہ رویّہ کو سراہا اور سیلابوں میں ان کی ناقابلِ فراموش خدمات کو خراجِ تحسین ادا کیا۔ مکرم مولانا قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری نے احمد نگر کے معززین کا شکریہ ادا کیا اور دین و دُنیا کی کامیابی کے لئے دُعا کی۔ مولانا ابوالعطاء صاحب پرنسپل جامعۃ المبشرین قبل ازیں جامعہ احمدیہ کے پرنسپل تھے اور آپ ہی کے زیرِ انتظام فروری ۱۹۴۸ء میں یہ مرکزی ادارہ لاہور سے احمد نگر منتقل ہوا تھا۔ مولانا صاحب بھی اس تقریب میں مدعو تھے اور آپ نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ سات سالہ عرصہ میں مقامی باشندوں کے ساتھ ہمارے ایسے گہرے تعلقات رہے ہیں کہ فنانشل کمشنر صاحب پنجاب اور صوبائی وزیرِ بحالیات جب یہاں تشریف لائے تو وہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔[2]

قادیان سے رسالہ "اصحاب احمد" کا اجراء

۲۶ر مئی ۱۹۵۵ء کو جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے نے قادیان سے ایک دو ماہی رسالہ "اصحاب احمد" کے نام سے جاری کیا جو جولائی ۱۹۵۶ء تک شائع ہوتا رہا۔ اس رسالہ میں نہ صرف متعدد اصحاب مسیح موعود کے ایمان افروز حالات شائع ہوئے بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل مولانا نور الدینؓ، حضرت مصلح موعودؓ اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کی مبارک تحریرات کے عکس اور چربے اور تاریخ سلسلہ سے متعلق نہایت قیمتی اور نایاب تصاویر محفوظ ہوگئیں۔ علاوہ ازیں حضرت مصلح موعودؓ کے سفرِ یورپ ۱۹۲۴ء کے ابتدائی کوائف بھی ریکارڈ ہوئے۔ یہ رسالہ سیّدی حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب سے دُعا کے بعد جاری کیا گیا۔ آپ ۱۰ر اپریل ۱۹۵۵ء کو ربوہ سے دارالامان وارد ہوئے تھے۔[3]

---

[1] الفضل ۲۰ر جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۲۔ [2] الفضل ۲۴ر فروری ۱۹۵۵ء صفحہ ۷۔ [3] اخبار بدر ۲۴ر اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۲ کالم ۴

قادیان کے احمدی اور شرنارتھی

حکومت ہندوستان نے ایک طویل کشمکش کے بعد بالآخر یہ فیصلہ دیا کہ صدر انجمن احمدیہ[1] قادیان کی جائیداد کو واپس کیا جائے۔ اس فیصلہ پر قادیان کی شرنارتھی سیوک سبھا نے احتجاج کیا اور ہندوستان کی مرکزی حکومت کو ایک میموریل بھیجا۔ جس کی ایک نقل دہلی کے ایک مشہور اخبار "ریاست" کو بھی ارسال کی۔ یہ اخبار سردار دیوان سنگھ مفتون کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔ اخبار "ریاست" نے اس میموریل پر "قادیان کے احمدی اور شرنارتھی" کے عنوان پر حسب ذیل شذرہ لکھا:۔

"پرشارتھی سیوک سبھا قادیان (گورداسپور) نے اس میموریل کی ایک نقل اشاعت کے لئے دفتر

---

[1] "صدر انجمن احمدیہ قادیان" ایک مذہبی ادارہ ہے جو سائیسٹیز ایکٹ آف ۱۸۶۰ء کے تحت ۱۹۰۶ء سے رجسٹرڈ شدہ ہے اور اپنے بائی لاز کے مطابق مسلسل کام کر رہا ہے۔ بعض لوگوں نے یہ غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی کہ انجمن احمدیہ کے صدر احمدیوں کے خلیفہ ہیں جن کے پاکستان چلے جانے کے بعد یہ انجمن خودبخود EVACUEE ہو جاتی ہے۔ حالانکہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کے الفاظ میں صدر کا لفظ پریذیڈنٹ کے مفہوم کے لئے کبھی استعمال نہیں ہوا بلکہ اس کے معنے ہمیشہ مرکزی انجمن احمدیہ قادیان کے لئے گئے ہیں۔ اس نوع کی بے بنیاد باتوں اور مغالطہ انگیزیوں کے نتیجہ میں محکمہ کسٹوڈین نے شروع ۱۹۵۱ء میں انجمن کے خلاف نوٹس جاری کر دیا۔ یہ مقدمہ دو سال تک جاری رہا اور ضلع گورداسپور کے اسسٹنٹ کسٹوڈین سے لے کر ہندوستان کے کسٹوڈین جنرل تک پہنچا اور بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ صدر انجمن احمدیہ قادیان پناہ گزین EVACUEE نہیں ہے۔ اس لئے اس کے خلاف مقدمہ خارج کیا جاتا ہے۔ اور بینکوں میں رُکی ہوئی رقم واپس کی گئی۔ اس فیصلے پر صدر انجمن احمدیہ قادیان کی طرف سے کسٹوڈین صاحب کی خدمت میں انجمن کی جائیدادوں کی فہرست پیش کی گئی۔ اس فہرست میں قادیان کے قریباً چالیس مکانات بشمول تعلیم الاسلام کالج دو سکول اور ہسپتال بھی تھے۔ اور سفید زمین کے چند پلاٹ بھی۔ چونکہ اس جائیداد پر تقسیم کے بعد بعض ادارے یا شرنارتھی قابض ہو گئے تھے۔ اس لئے ان میں تشویش پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔ شیخ عبد الحمید صاحب عاجز ناظر امور عامہ و خارجہ قادیان نے بدر ۱۴ر اپریل ۱۹۵۵ء میں یہ ساری تفصیلات بیان فرمانے کے بعد قادیان کی پرشارتھی سیوک سبھا کو توجہ دلائی کہ وہ اس سلسلہ میں معقول آئینی اور پُرامن طریق اختیار کرے۔

"ریاست" میں بھیجی ہے جو اس سبھا نے ہندوستان کی مرکزی گورنمنٹ کو بھیجی۔ اس میموریل میں خواہش کی گئی ہے کہ قادیان کی احمدی جماعت کو وہ جائیداد واپس نہ کی جائے جس پر شرنارتھی ۱۹۴۷ء سے قابض ہیں اور جس کو خالی کرنے کے لئے حکومت نے ابھی حال ہی میں حکم دیا ہے۔

قادیان کے احمدیوں کی پوزیشن یہ ہے کہ جب ۱۹۴۷ء میں فسادات ہوئے تو اُن کا زیادہ حصّہ قتل و خون ریزی اور غنڈہ پن سے خوف زدہ ہو کر پاکستان چلا گیا۔ مگر دو سو کے قریب احمدیوں نے جن کو اَب جاں نثار درویش کہا جاتا ہے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اور بڑے بڑے خطرہ سے بے نیاز ہوتے ہوئے فیصلہ کیا کہ یہ اپنے اس مذہبی ہیڈ کوارٹر کو نہ چھوڑیں گے کیونکہ یہاں ان کے بانیٔ مذہب حضرت مرزا غلام احمد اور دوسرے مذہبی لیڈروں اور مشاہیر کے مقبرے اور تاریخی یادگاریں ہیں چنانچہ دو سو جاں نثار درویش پاکستان نہ گئے اور انہوں نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہر خطرہ کو لبیک کہا حالانکہ اس زمانہ میں مشرقی پنجاب میں مسلمان ہونا یا مسلمان کہلانا ایک سنگین جُرم تھا جس کی سزا غنڈوں کے ہاتھوں سے قتل اور خون ریزی سے کم نہ تھی۔ یہ واقعات ۱۹۴۷ء کے ہیں۔ اس کے بعد جب اس صوبہ میں کچھ سکون اور امن ہؤا تو یہاں کی احمدی جماعت نے حکومت سے درخواست کی کہ ان کی جائیداد (جس پر شرنارتھی قابض ہیں) اور روپیہ (جو بنکوں میں جمع تھا) اِن کو واپس کیا جائے۔ چنانچہ احمدیوں کی بہت بڑی جد و جہد کے بعد مرکزی گورنمنٹ نے حکم دیا کہ چونکہ یہ روپیہ اور جائیداد ایک مذہبی ٹرسٹ کی ملکیت ہے یہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں۔ اس جائیداد کو کسٹوڈین کے قبضے میں رہنا خلافِ انصاف ہے۔ گورنمنٹ کے حُکم سے بنکوں نے تو روپیہ ادا کر دیا مگر وہ شرنارتھی جو اس جائیداد پر قابض ہیں اس مقبوضہ جائیداد کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں اور یہ میموریل بھی اس غرض کے لئے ہی گورنمنٹ کو بھیجا گیا ہے کہ یہ جائیداد کسٹوڈین پراپرٹی قرار دی جائے اور جائیداد کو شرنارتھیوں سے خالی نہ کرایا جائے۔ احمدیوں کی اس جائیداد کے متعلق بہت بڑا سوال اصول کا ہے۔ مثلاً ایک مسلمان کرنال کا رہنے والا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات سے خوف زدہ ہو کر یہ بمبئی چلا گیا۔ یہ کبھی بھی پاکستان نہیں گیا اور ہمیشہ ہی ہندوستان میں رہا۔ تو اگر یہ مسلمان آج اپنے وطن کرنال جا کر وہاں اپنی جائیداد میں آباد ہونا چاہتا ہو تو کیا اس شخص کو صرف مسلمان ہونے کے جُرم اور اس کے اپنی جان بچا کر بمبئی چلے جانے کے گناہ کی یہ سزا دی جا سکتی ہے کہ اس کی جائیداد واپس نہ کی جائے اور اسے کہا جائے کہ

کرنال میں قدم نہ رکھو یا اگر ۱۹۴۷ء کے فسادات سے خوف زدہ ہو کر درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے تمام سجادہ نشین، مجاور اور جاروب کش دہلی سے بھاگ جاتے اور کوئی شخص بھی اس درگاہ میں نہ رہتا تو کیا اس درگاہ یعنی ایک مذہبی معابد کو کسٹوڈین کی ملکیت میں دیا جا سکتا تھا۔ یعنی اگر ان دونوں صورتوں میں کسٹوڈین کو جائیداد پر قبضہ کرنے کا حق حاصل نہیں تو پھر قادیان کی احمدی جماعت جو خالص مذہبی جماعت ہے، کی جائیداد کیونکر کسٹوڈین کے قبضہ میں رہ سکتی ہے اور کیوں اسے واپس نہ کیا جائے۔ جبکہ احمدی جماعت کے لئے قادیان کی وہی پوزیشن ہے جو سنّیوں کے لئے درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی اور قادیان میں تو دو سو کے قریب احمدی اپنی جان کو ہتھیلی میں رکھ کر ثابت قدم اور موجود رہے۔ قادیان کے شرنارتھیوں کے ساتھ ہر شریف انسان کو ہمدردی ہونی چاہیئے کیونکہ یہ لوگ صاحب جائیداد تھے اور تباہ ہو کر پاکستان سے ہندوستان آئے اور ان کو ناقابلِ برداشت اور ناقابلِ بیان مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر ان شرنارتھیوں کی امداد کی صورت یہ ہے کہ ہندوستان سے پاکستان جا چکے مسلمانوں کی جائیداد میں سے ان کو جائیداد دی جائے اور ان کی کسٹوڈین کے فنڈ میں سے نقد روپیہ کی امداد کی جائے۔ ہم چاہتے ہیں کہ حکومت اور قادیان کے شرنارتھی دونوں اس مسئلے پر سنجیدگی کے ساتھ غور کریں اور احمدی جماعت کی جائیداد ان کو واپس کی جائے کیونکہ احمدی جماعت مذہبًا ہر اس حکومت کی وفا شعار ہے جو حکومت برسرِ اقتدار ہو۔ یعنی یہ لوگ حکومت کے خلاف کسی سیاسی تحریک میں حصّہ نہیں لے سکتے یہ خالص مذہبی جماعت ہے اور ان کے ساتھ کینہ اور بغض کا سلوک کرنا انصاف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (ریاست دہلی)[1]

وفات خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی

شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صاحب سجادہ نشین حضرت نظام الدین اولیاء (ولادت ۲۵ ردسمبر ۱۸۷۸ء، وفات ۳۱ رجولائی ۱۹۵۵ء) جو برصغیر ہند و پاک کے مشہور مذہبی راہنما اور اردو کے قدیم اور صاحبِ طرز ادیب تھے اس سال انتقال کر گئے۔ خواجہ صاحب عربی، فارسی، اردو اور ہندی کے بہت بڑے سکالر تھے۔ ۱۹۱۱ء میں انہوں نے مصر اور شام اور حجاز کا سفر کیا۔ یہ سفر نامہ ضخیم ہونے کے باوجود ہاتھوں ہاتھ بکا۔ اس کے بعد آپ نے غدر ۱۸۵۷ء کے متعلق متعدد کتابیں لکھیں جو اس پُر آشوب زمانہ کی تاریخ کا

---

[1] ہفت روزہ "بدر" قادیان ۴ رجولائی ۱۹۵۵ء صفحہ ۲

مستند مأخذ سمجھی جاتی ہیں۔ آپ نے قرآن مجید کا اردو اور ہندی میں بھی ترجمہ کیا جو مقبولِ عام ہوا۔ آپ نے اپنی زندگی میں بیسیوں اخبار و رسائل کی ادارت کی۔ اخبار "منادی" آخر وقت تک مرتب کرتے رہے۔ آپ کا روزنامچہ انتہائی دلچسپی سے پڑھا جاتا تھا۔[1] آپ کے مریدوں کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ نہایت مرنجان مرنج اور ہر قسم کے تعصب سے پاک طبیعت رکھتے تھے۔ جس امر کو حق سمجھتے اُس کا برملا اظہار کر دیتے تھے۔ باوجود اختلافِ مسلک کے عمر بھر جماعت احمدیہ سے آپ کے مراسم و روابط نہایت درجہ گہرے رہے۔ ان تعلقات کا آغاز ۱۸۹۱ء سے ہوا جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو اپنے قلمِ مبارک سے ایک خط لکھا کہ:۔

ہم نے آپ کی صحت کے لئے خدا سے دُعا مانگی اور ہم کو الہام ہوا کہ "خواجہ حسن نظامی ابھی بہت دن زندہ رہیں گے اور مسلمانوں کے بڑے بڑے کام کریں گے۔"

آپ نے یہ خط اپنے اخبار منادی بابت ماہ ستمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۴ تا ۱۱ میں شائع کر دیا تھا۔[2] حضرت مسیح موعود علیہ السلام اکتوبر ۱۹۰۵ء میں آخری بار دلی تشریف لے گئے اور دوسرے اکابرِ اُمت کے علاوہ حضرت نظام الدین اولیاء کے مزارِ مبارک پر بھی دُعا کی۔ اس موقع پر خواجہ حسن نظامی صاحب نے نہایت محبت و خلوص کا ثبوت دیا۔ حضرت اقدس اور آپ کے خدّام کو اپنے خاص حجرے میں لے گئے۔ ایک کتاب "شواہدِ نظامی" ہدیۃً پیش کی۔ اور پہلے زبانی اور بعد کو تحریری درخواست کی کہ حضور اُنہیں کوئی تحریر عطا فرمائیں۔ حضرت اقدس نے واپسی پر ۱۲؍ نومبر ۱۹۰۵ء کو تبرکاً ایک مبارک تحریر بھجوائی جو اخبار بدر قادیان ۲۴؍ نومبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۳[3]

---

[1] اخبار "نوائے وقت" ۳؍ اگست ۱۹۵۵ء

[2] روزنامہ الفضل ۱۱؍ اکتوبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲ میاں عبدالوہاب صاحب عمر کا بیان ہے کہ:۔

سکول کی طالب علمی کے زمانہ میں مَیں نے آپ کو ایک خط لکھا۔ بواپسی جواب آیا: "مجھے ایک دفعہ دِق ہوگئی تھی تو حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو مَیں نے دُعا کے لئے لکھا۔ آپ نے مجھے جواب دیا کہ آپ اس مرض سے فوت نہیں ہوں گے۔ اور ساتھ ہی مولانا حکیم نورالدین کو لکھا کہ حسن نظامی کے لئے دَوا تیار کر کے بھیجو۔ چنانچہ مجھے اس مرض سے شفا حاصل ہوگئی۔" (روزنامہ الفضل ۱۲؍ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴)

[3] متن کے لئے دیکھیں "تاریخ احمدیت" جلد سوم صفحہ ۴۳۹ حاشیہ

کالم ۱ میں بھی چھپ گئی۔ خواجہ صاحب نے ۱۹۰۹ء میں حضرت خلیفۃ المسیح اوّل سے بھی اس قسم کی درخواست کی تھی۔ جس پر حضور نے حضرت نظام الدّین اولیاء کی شان وعظمت کے بارہ میں ایک ایمان افروز مکتوب لکھا[1]۔ حضرت مصلح موعودؓ سے حضرت خواجہ صاحب موصوف کو عمر بھر نہایت مخلصانہ تعلق رہا۔ ۱۹۳۱ء کی تحریک آزادیٔ کشمیر میں آپ حضرت مصلح موعودؓ کی قیادت میں جو بے لوث انتھک اور شاندار خدمات بجالائے اُن کی تفصیل تاریخ احمدیت جلد ششم حصّہ دوم میں گزر چکی ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ اپنے مشہور سفرِ حیدر آباد دکن سے واپسی پر دہلی تشریف لائے تو ۲۸ ر اکتوبر ۱۹۳۸ء کو خواجہ حسن نظامی صاحب نے حضور کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔ خواجہ صاحب نے اس موقع پر حضور کی اقتداء میں نماز بھی ادا کی اور حضور کا ایک گروپ فوٹو مسجد نواب خان دوراں میں لیا گیا جس میں خواجہ صاحب کے علاوہ چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب اور دیگر عمائدین ومعززین بھی تھے۔ یہ یادگار فوٹو شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صاحب نے اپنے اخبار "منادی" (مورخہ ۲۴ ر دسمبر ۱۹۳۹ء) میں سپردِ اشاعت کیا اور اُس کے نیچے ایک مفصّل نوٹ دیا جس میں لکھا:۔

"مَیں اپنے تعلقات کی یادگار میں جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب سے میرے تھے اور اُن کے فرزند اور خلیفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب سے ہیں۔ اور مرزا صاحب نے اپنی خلافت کے پچیس سالہ ایّام میں اسلام کی اور مسلمانوں کی بڑی بڑی خدمات انجام دی ہیں اور سر محمد ظفر اللہ خان جیسے خادم اسلام اور مسلمین افراد تیار کئے ہیں۔ اس لئے میں یہ تصویر اپنی جماعت اور ناظرینِ منادی کی معلومات کے لئے اور جوبلی کی خوشی میں دل سے شریک ہونے کے لئے شائع کرتا ہوں۔ حسن نظامی[2]"۔

خواجہ صاحب اتحاد بین المسلمین کے پُرجوش حامی اور علمبردار تھے اور آپ کو اُمّت میں انتشار و تشتّت پر بہت دُکھ ہوتا تھا اسی جذبہ اتحاد اور رُوحِ وحدت کی بناء پر آپ نے ۱۹۵۰ء میں فرمایا کہ:۔

"جو لوگ اس وقت مسلمانوں کے فرقوں اور خصوصاً قادیانیوں کے خلاف تقریریں کرتے پھرتے ہیں پاکستان کے دشمن اور بھارت کے ایجنٹ ہیں[3]"۔

---

[1] الحکم ۲۸ ر فروری ۱۹۱۰ء صفحہ ۳ کالم ۱، تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۳۰۳، ۳۰۴۔ [2] مفصل نوٹ "تاریخ احمدیت" جلد ہشتم صفحہ ۶۱۳، ۶۱۴ میں ملاحظہ ہو۔ [3] اخبار "آزاد" لاہور ۲۸ ر جون ۱۹۵۰ء صفحہ ۶۔

نیز درد مند دل کے ساتھ تحریر فرمایا :-

" اگر سچ مچ علماء مذکور (مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی) نے ایسا جلسہ کیا تھا تو مجھے خدا کے سامنے سجدہ میں گر کر رو رو کر دُعا کرنی چاہیئے کہ وہ علماء مذکور کو اس غلط طرزِ عمل سے بچائے اور یا مجھکو اس دُنیا سے جلدی اُٹھائے تاکہ میں اپنی مسلمان قوم کی تباہی اور پاکستان کی تباہی نہ دیکھوں جو ایسے غلط کاموں سے ہونی ضروری ہے"[1]

چنانچہ آپ کی دُعا قبول ہوئی اور آپ ۳۱ جولائی ۱۹۵۵ء کو انتقال کر گئے۔ آپ کی المناک رحلت پر برّصغیر پاک و ہند کے پریس نے خصوصی نوٹ لکھے اور گہرے رنج والم کا اظہار کیا۔ چنانچہ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم اے ایڈیٹر بدر (قادیان) نے خاص طور پر لکھا کہ :-

" ہمیں یہ افسوس ہے کہ اس وقت جبکہ ایسے محبِّ وطن صلح ذی وجاہت اور باثر شخصیتوں کی نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ بھارت کو ازحد ضرورت ہے آپ کے مفید وجود سے ہم محروم ہو گئے ہیں"[2]

ملک صاحب نے اپنے اس نوٹ میں اپنی نجی ملاقاتوں کا ذکر بھی کیا اور لکھا :-

" ۱۹۵۲ء میں آپ بواسیر کے باعث فریش تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں کراچی وغیرہ سے ہو کر آیا ہوں۔ احمدی احباب نے ربوہ لے جانے کے لئے بہت اصرار کیا۔ لیکن بعض روکاٹیں تھیں۔ اب نہ معلوم میں زندہ رہوں کہ نہ رہوں اس لئے بار بار افسوس ہوتا ہے کہ (حضرت) مرزا صاحب (امام جماعت احمدیہ) سے کیوں ملاقات نہ کر آیا۔ ۱۹۵۳ء میں ...... جناب خواجہ صاحب سے پھر ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اس صورتِ حالات سے سخت دُکھ ہوا ہے۔ اور پاکستان سے عُرس پر آنے والے معززین سے علیحدگی میں میں نے حالات دریافت کئے اور خواجہ ناظم الدین کو (جو اس وقت گورنر جنرل تھے) اور بعض دیگر سرکردہ لیڈروں کو پیغام بھیجے ہیں"[3]

کوئٹہ میں بہائیوں پر اتمامِ حُجّت

مولانا ابوالعطا صاحب اس سال موسم گرما میں تین ہفتے کے لئے کوئٹہ تشریف لے گئے۔ عرصہ قیام میں مولانا صاحب نے

---

[1] "منادی" جون ۱۹۵۲ء بحوالہ رسالہ "چند معروضات" صـ۱۱ از اصغر بھٹی صاحب بی اے علیگ۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ سرگودہا ممبر پنجاب پراونشل مُسلم لیگ کونسل مطبوعہ پاکستان پرنٹنگ ورکس ایبٹ آباد روڈ لاہور۔

[2] اخبار بدر ۷ اگست ۱۹۵۵ء صـ۸ ۔ [3] ہفت روزہ بدر قادیان ۷ اگست ۱۹۵۵ء صـ۸

اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے سرکردہ بہائیوں سے گفتگو کے بعد بہائیوں پر اتمامِ حجّت کے لئے پانچ مقالے سپردِ قلم فرمائے۔ یہ پُرمغز مقالے ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰ اور ۲۲ راگست ۱۹۵۵ء کو آپ نے عام اجلاسوں میں پڑھے اور ہر مقالے کے بعد بہائی صاحبان کو سوالات کا موقع بھی دیا۔ اس اہم واقعہ کی تفصیل مولانا ابوالعطا صاحب کے قلم سے درج ذیل کی جاتی ہے فرماتے ہیں :۔

"امسال موسمِ گرما میں مجھے تین مہینے کے لئے کوئٹہ جانے کا اتفاق ہوا۔ کوئٹہ میں بہائیوں کی ایک مختصر سی جمعیت ہے۔ مگر یہ لوگ اپنے پروپیگنڈے اور وسوسہ اندازی میں بہت ہوشیار ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ بہائی صاحبان نے مشہور کر رکھا ہے کہ کوئی عالم ہمارا جواب نہیں دے سکتا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اس عرصۂ قیام میں احباب کو بہائیت کے متعلق معقول واقفیت بہم پہنچائی جائے اور بہائیوں کے تمام اعتراضات کا قلع قمع کیا جائے۔ بعض احباب جماعت کی معیت میں میں بہائی ہال اور بہائی لائبریری میں گیا۔ ہم نے اس ہال میں جو ایک غیر معمولی کمرہ ہے تین چار سرکردہ بہائیوں سے گفتگو کی اور میں نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم بہائیت کے متعلق چند تحریری مقالے یہاں پڑھیں گے۔ بہائی اور دوسرے احباب سنیں اور مقالہ ختم ہونے پر مناسب وقت سوال وجواب کے لئے رکھ لیا جائے۔ اس طرح سے فریقین کے دلائل سامنے آجائیں گے اور اعتراضات کے جواب ہو جائیں گے۔ بہائی سیکرٹری صاحب نے کہا کہ تحریری طور پر یہ تجویز آجائے تو اپنی محفل میں پیش کر کے جواب دے سکیں گے۔ چنانچہ ہماری جماعت کی طرف سے یہ تجویز لکھ کر بھیجی گئی مگر بہائیوں کی طرف سے انکار میں جواب آگیا۔

آخر ہم نے فیصلہ کیا کہ بہائیوں کو عام دعوت دے کر یہ مقالے احمدیہ مسجد کوئٹہ کے احاطہ میں پڑھے جائیں۔ چنانچہ بذریعہ تحریری اعلان انہیں اطلاع دی گئی اور پورا پروگرام بھیج دیا گیا۔ یہ پانچ مقالے ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰ اور ۲۲ راگست ۱۹۵۵ء کو پڑھے گئے۔ اس میں احمدی احباب کے علاوہ سنّی اور دوسرے مسلمان احباب نے بھی شرکت فرمائی۔ مستورات کے لئے پردے کا انتظام تھا۔ چند بہائی صاحبان بھی آتے رہے۔ ہر مقالہ کے بعد انہیں سوالات کا موقع دیا جاتا رہا۔ اچھے ماحول میں سلسلۂ سوال وجواب جاری رہا اور حاضرین پر حق واضح ہو گیا۔ بہائیوں کی طرف سے بعض اوقات تین تین اصحاب یکے بعد دیگرے سوالات کرتے رہے سب کے تفصیلی جواب حاضرین کے گوش گزار کئے گئے۔ ان پبلک اجتماعات کے علاوہ جناب شیخ محمد اقبال صاحب تاجر کی طرف سے بہائی سیکرٹری کو محدود اصحاب کی موجودگی میں چائے پر بلایا

گیا۔ اس موقع پر ان پر اتمامِ حجّت کی گئی انہوں نے سوچنے کا وعدہ کیا۔[1]

مولانا صاحب نے یہ یادگار مقالے ۳۰ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کو "بہائیت کے متعلق پانچ مقالے" کے عنوان سے شائع کر دیئے اور ان مقالات کے بعد بطور نمونہ ایک اور باب کا بھی اضافہ کیا جس میں قرآنی آیات سے متعلق بہائی صاحبان کی مغالطہ انگیزیوں کا مُسکت و مدلّل جواب تھا۔

مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی ایڈیٹر "صدق جدید" لکھنو نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:۔

"کتاب کے مصنف "احمدی" ہیں اور کتاب احمدیت ہی کے نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے۔ اس لئے اس میں مناظرانہ رنگ جھلکنا قدرتی ہے۔ تاہم بہت سی پُرمغز باتیں بھی بہائی مذہب و شریعت سے متعلق ان صفحات میں مل جاتی ہیں"۔[2]

آنریری مبلغ احمدیت سوڈان کا انتقال

السیّد ابراہیم عباس فضل اللہ جو سوڈان کے دارالسلطنت خرطوم کے باشندہ تھے اور سوڈان میں آنریری طور پر تبلیغ احمدیت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اس سال ۲۸ر اگست ۱۹۵۵ء کو وفات پا گئے۔ مرحوم نے ۲۲ سال کی عمر میں ۴ ۲ر نومبر ۱۹۴۱ء کو احمدیت قبول کی اور پھر حضرت مصلح موعودؓ کی تحریک پر لبّیک کہتے ہوئے بغرض تعلیم ۳ر مارچ ۱۹۵۲ء کو پاکستان آئے اور ربوہ میں تعلیم پانے کے بعد ۱۴ر مئی ۱۹۵۴ء کو اپنے وطن کو لوٹے اور پہلے خرطوم میں ایک کمپنی میں کام شروع کیا اور ساتھ ہی سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر کی تقسیم اور زبانی تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری کیا۔ ازاں بعد اپنی الگ تجارت قائم کر لی اور چوہدری محمد شریف صاحب مبلغ احمدیت مقیم حیفہ کو لکھا کہ اب میں بہت آزادی سے پیغام احمدیت پہنچا سکتا ہوں۔ لیکن افسوس زندگی نے وفا نہ کی اور آپ ۳۷ سال کی عمر میں اپنے مولیٰ کریم سے جا ملے۔

السیّد ابراہیم عباس کا اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر محض دینی تعلیم کی خاطر پاکستان میں آنا اور پھر آنریری طور پر تبلیغ احمدیت کرنا اخلاص کا بہترین نمونہ ہے جو بلادِ عربیہ کے احمدی نوجوانوں کے لئے ہی نہیں

---

[1] بہائیت کے متعلق پانچ مقالے از مولانا ابوالعطاءؓ صاحب صفحہ ۲،۳

[2] "صدق جدید" لکھنو مؤرخہ ۳۱ر اگست ۱۹۵۶ء۔ بحوالہ "بدر" ۱۲/۲ اکتوبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۲۵۔

تمام دُنیا کے احمدیوں کے لئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے[1]۔

ڈاکٹر عبد السلام صاحب کا معلومات افزا لیکچر جھنگ مگھیانہ میں

ڈاکٹر عبد السلام صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی (کنٹیب) فیلو سینٹ جان کیمرج کالج اس سال پاکستان تشریف لائے۔ آپ اُن دنوں اقوامِ متحدہ کی ایٹمی توانائی برائے پُرامن مقاصد کانفرنس جینوا کے سائنٹفک سیکرٹری کی حیثیت سے خدمات بجا لا رہے تھے۔ ۹ ستمبر ۱۹۵۵ء کو آپ کے اعزاز میں جھنگ ڈسٹرکٹ بورڈ ہال میں وسیع پیمانہ پر عصرانہ دیا گیا۔ اس موقع پر ڈاکٹر صاحب نے اپنے معلومات افروز انگریزی لیکچر میں، ایٹم کی تاریخ اور اس کی طاقت پر نہایت دلچسپ انداز میں روشنی ڈالی اور آخر میں سوالوں کے جوابات بھی دیئے[2]۔

جماعت اسلامی کے ترجمان "تسنیم" نے اس علمی تقریر کی مفصّل کارروائی درج ذیل الفاظ میں شائع کی:۔

"جھنگ مگھیانہ (ڈاک سے) دُنیا کے مشہور سائنسدان مسٹر آئن سٹائن کے واحد ایشائی ساتھی جناب ڈاکٹر عبد السلام ایم اے پی ایچ ڈی کینٹیب نے امین الدین ہال جھنگ میں مقامی حکام ضلع، وکلاء اور شہر کے صاحبِ علم و فکر معززین کے ایک بہت بڑے اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ایٹمی طاقت صرف جنگ ہی میں نہیں بلکہ پُرامن مقاصد کے لئے بھی ایک نعمت ثابت ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر عبد السلام جو سینٹ جان کالج کیمرج کے فیلو ہیں اور جو جنیوا کی حالیہ بین الاقوامی ایٹم برائے امن کانفرنس کے سائنٹیفک سیکرٹری بھی تھے۔ شیخ ایم بشیر احمد ایجنٹ برماشیل جھنگ کی طرف سے دی گئی ٹی پارٹی میں تقریر کر رہے تھے۔

آپ نے کہا کہ امریکہ نے قریباً چھ سیر صاف شدہ یورینیم ایٹمی تجربات کے لئے پاکستان کو دی ہے۔ اس کے علاوہ بہت جلد پاکستان میں ایک ایٹمی ری ایکٹر بھی تعمیر کیا جائے گا۔ اس طرح طاقت کی فاضل پیداوار سے عوام کے معیار زندگی پر کافی خوشگوار اثر پڑے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ آئندہ قریباً ساٹھ سال تک دُنیا میں طاقت کے وسائل از قسم پٹرول، کوئلہ گیس وغیرہ میں بہت حد تک کمی واقع ہو جائے گی تو اس وقت طاقت کی تمام ضروریات ایٹمی قوت سے

---

[1] الفضل ۱۱ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱، ہفت روزہ "بدر" ۲۱ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۰

[2] الفضل ۱۵ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔

ہی پوری کی جائے گی۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تقریر کے دوران میں تختہ سیاہ پر سامعین کو مختلف اشکال کے ذریعہ یہ سمجھایا کہ ایٹمی فارمولا سے کس طرح حسبِ ضرورت کام لیا جاسکتا ہے۔ کس طرح ایٹم کو توڑا جاسکتا ہے اور کس طرح اس سے طاقت حاصل کرکے کارخانے، فیکٹریاں اور دوسری روزمرّہ کی ضروریات میں کام لایا جاسکتا ہے۔ آپ نے بعض اصحاب کے سوالات کے جوابات میں فارمولا کی تفصیل کے ساتھ وضاحت کی۔ آپ نے کہا برطانیہ میں ۱½ سو یونٹ فی کس طاقت استعمال کرنے پر ۲۲ سو ڈالر آمدنی۔ شام و لبنان اور ترکی میں ۳۰ یونٹ پر ۱½ سو ڈالر آمدنی اور پاکستان میں ۴ یونٹ پر ۵۰ ڈالر فی کس آمدنی کا تخمینہ ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے ہائیڈروجن ایٹم کے سلسلے میں بھی وضاحت کے ساتھ اپنے تجربات کا نچوڑ بتایا۔ آپ نے انگریزی زبان میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ روس میں ہائیڈروجن ایٹم سے متعلق بہت زیادہ کوشش سے تحقیقات جاری ہے کیونکہ جہاں یورینیم کے حصول میں مختلف قسم کی دقتیں پیش آتی ہیں وہاں ہائیڈروجن ایٹم کی تیاری میں صرف پانی سے کام لیا جائے گا۔

ڈاکٹر عبدالسلام کا تعارف کراتے ہوئے صدرِ جلسہ شیخ یوسف شاہ بیرسٹر ایٹ لاء نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب جھنگ کے ایک متوسط و معزز گھرانہ کے ہونہار فرزند ہیں۔ آپ نے میٹرک۔ بی اے اور ایم اے میں پنجاب یونیورسٹی اور پی ایچ ڈی میں کیمبرج یونیورسٹی کے سابقہ ریکارڈ کو مات کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب پہلے اور واحد ایشیائی ماہر ریاضی دان ہیں جنہوں نے مغرب کے شہرہ آفاق سائنس دان مسٹر آئن سٹائن کے ساتھ کام کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی عمر تقریباً ۳۳، ۳۴ سال ہے اور آپ جھنگ کے ایک ریٹائرڈ ہیڈ کلرک محکمہ تعلیم کے صاحبزادے ہیں۔ آج کل آپ کیمبرج یونیورسٹی میں سائنس کے لیکچرار اور بین الاقوامی ایٹم برائے امن کانفرنس جنیوا کے سیکرٹری ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ دُنیا کے چیدہ دماغوں میں سے ایک بہترین دماغ کے مالک ہیں۔ یہ تقریب آپ کے اعزاز میں شیخ ایم بشیر احمد تاجر[1] و ایجنٹ برماشیل و مسٹر نُور سلطان ایڈووکیٹ جھنگ کی طرف سے منعقد کی گئی تھی جو قریباً ۲½ گھنٹے جاری رہی۔"[2]

دفتر لجنہ اماء اللہ کراچی کا افتتاح

۱۹ ستمبر ۱۹۵۵ء کو حضرت سیدہ اُمّ ناصر صاحبہؓ کے مبارک ہاتھوں سے لجنہ اماء اللہ کراچی کے دفتر کا باقاعدہ افتتاح عمل میں آیا۔ اس تقریب پر لجنہ کراچی کی ویزیٹرز بُک VISITORS BOOK پر حضرت

---

[1] امیر جماعت احمدیہ ضلع جھنگ۔ [2] روزنامہ "تسنیم" لاہور ۲۱ ستمبر ۱۹۵۵ء صـ۲۔

اُمّ امۃ المتین سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ مدّظلہا العالی صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ نے اپنے دستِ مبارک سے حسب ذیل تحریر رقم فرمائی :-

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

وَعَلٰى عَبْدِهِ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ

خُدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هُوَ النّـــــــــاصِرُ

الحمدللہ آج ۱۹ ستمبر ۱۹۵۵ء کو لجنہ اماء اللہ کراچی کے مرکزی دفتر کا افتتاح ہُوا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ لجنہ اماء اللہ کراچی کی عہدہ داروں اور تمام ممبرات کو صحیح رنگ میں کام کرنے کی توفیق ملے اور دفتر کا قیام ان کے لئے مزید ترقیات کا موجب ہو۔ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کریں۔ اور لجنہ اماء اللہ کے قیام کا جو صحیح مقصد ہے کہ نظام احمدیت کی عمارت کی ہر عورت ایک مضبوط اینٹ بنے۔ وہ مقصد ان کے ذریعہ پُورا ہو۔ آمین اللّٰہم آمین۔

(دستخط) مریم صدیقہ۔ امّ مرزا ناصر احمد۔ آمنہ طیبہ۔ امۃ الجمیل۔ محمودہ بیگم۔ امۃ المتین

جنرل سیکرٹری لجنہ اماء اللہ (۱۹ - ۹ - ۵۵ء)

جامعۃ المبشرین میں ایک مبارک تقریب

اس سے پہلے ربوہ کا مرکزی ادارہ جامعۃ المبشرین کرایہ کے ایک مکان میں جاری تھا۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۵۵ء کو جامعہ کے طلباء کی دقّت کے پیشِ نظر اسے اپنی زیرِ تعمیر عمارت میں منتقل کر دیا گیا۔ اس موقع پر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج نے مولانا ابوالعطا صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ کی درخواست پر ایک پُر اثر خطاب فرمایا جو نہایت مفید نصائح پر مشتمل تھا۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنے دستِ مبارک سے جامعۃ المبشرین کے رجسٹر میں حسب ذیل الفاظ سپردِ قلم فرمائے :-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعودؑ

دُنیا میں فلسفہ بھی موجود ہے اور فلسفی بھی۔ مگر دُنیا میں عملاً مذہبی لوگوں کا فقدان ہے قریباً۔ پس

---

[1] مصباح دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۵۔ تاریخ لجنہ اماء اللہ جلد دوم صفحہ ۳۸۰ مرتبہ اُمۃ اللطیف سیکرٹری شعبہ اشاعت لجنہ اماء اللہ مرکزیہ طبع اوّل تاریخ اشاعت جنوری ۱۹۷۲ء۔

جامعۃ المبشرین کے قیام کی غرض فلسفہ یا علم کلام سکھلانا نہیں ۔اس کے لئے ایک علیحدہ ادارہ کے قیام کی ضرورت ہی کیا تھی ۔ پس عملی رنگ میں ایک مذہبی انسان بننا اور بنانا آپ کی زندگیوں کا مقصد ہونا چاہیئے ۔ اگر ہم اسلام کا عملی نمونہ دُنیا کے سامنے پیش کر سکیں تو دُنیا بہت سی مشکلات سے نجات حاصل کرلے گی ۔اور اسلام کو کروڑوں فرزند مل جائیں گے ۔اس تربیت کے لئے ایک مفید ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا منظوم کلام ہے ۔اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے ساتھ ہو[1] فقط

مرزا ناصر احمد ۲۲ - ۹ - ۵۵ء"

لبنان میں جماعت احمدیہ کے کارناموں کا تذکرہ

اسلامی دُنیا کے ایک علمی مرکز کی حیثیت سے لبنان کو ہمیشہ ہی بہت اہمیت رہی ہے ۔اس سال لبنان پریس میں جماعت احمدیہ کے دینی کارناموں کا خصوصی تذکرہ ہوا ۔

چنانچہ روزنامہ "بیروت" نے حسب ذیل الفاظ میں جماعتِ احمدیہ کے انگریزی ترجمہ قرآن کو خراجِ تحسین ادا کیا :-

"مَعَانِی الْقُرْاٰنِ الْکَرِیْم بِاللُّغَۃِ الْاِنْکِلِیْزِیَّۃِ

ظَھَرَ فِیْ مَکَاتِبِ اُوْرُوْبَّا بِطَبْعَۃٍ ثَانِیَۃٍ وَبِصُوْرَۃٍ اَنِیْقَۃٍ لِتَرْجَمَۃِ مَعَانِی الْقُرْاٰنِ الْکَرِیْمِ بِاللُّغَۃِ الْاِنْکِلِیْزِیَّۃِ مِنْ قِبَلِ الْجَمَاعَۃِ الْاِسْلَامِیَّۃِ الْاَحْمَدِیَّۃِ ، وَقَرَّرَتِ الْجَمَاعَۃُ فِیْ مُؤْتَمَرٍ لِلتَّبْشِیْرِ بِالْاِسْلَامِ اَنَّھَا سَتُؤَسِّسُ الْجَوَامِعَ بِھَا نَبُوْرِغْ وَ زُوْدِیْغَ وَ تَرِیْنِدَاد ..... وَالْمَعْھَدَ الْاِسْلَامِیَّ بِلَیْغُوْس[2]"

ترجمہ :- قرآنِ کریم کا انگریزی زبان میں ترجمہ

جماعتِ اسلامیہ احمدیہ کی طرف سے یورپ میں قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کا دُوسرا ایڈیشن بڑی خوبصورت شکل میں شائع ہوا ہے ۔ جماعت نے اسلام کے بارہ میں ایک تبلیغی مجلس میں یہ بھی فیصلہ

---

[1] الفضل ۳۰ ستمبر ۱۹۵۵ء صلا ۔ [2] روزنامہ "بیروت" (لبنان) ۲۲ ستمبر ۱۹۵۵ء ۔

کیا ہے کہ ہمبرگ، زیورچ، ٹرینڈاڈ میں مساجد اور لیگوس میں تعلیمی ادارہ قائم کرے گی۔

اسی طرح روزنامہ "الہدف" نے حسب ذیل نوٹ شائع کیا :-

"ترجمة معانی القرآن

تَقُوْمُ الْجَمَاعَةُ الْأَحْمَدِيَّةُ فِي الْبَاكِسْتَان بِنَشَاطٍ دِيْنِيٍّ وَّاِجْتِمَاعِيٍّ وَّثَقَافِيٍّ مَلْحُوْظٍ۔

وَقَدْ عَلِمْنَا اَنَّ فَرِيْقًا مِّنْ اَعْلَامِ الْجَمَاعَةِ يَقُوْمُ الْاٰنَ بِتَرْجَمَةِ مَعَانِي الْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ اِلٰى عَدَدٍ مِّنَ اللُّغَاتِ الْعَالَمِيَّةِ

وَقَدْ تَلَقَّيْنَا مِنَ الْجَمَاعَةِ كُرَّاسًا بِاللُّغَةِ الْاِنْكِلِيْزِيَّةِ وَضَعَهٗ رَئِيْسُ الْجَمَاعَةِ مِيْرْزَا بَشِيْر اَحْمَد بِالْمُقَارَنَةِ بَيْنَ الْاِسْلَامِ وَالشُّيُوْعِيَّةِ"[1]

(ترجمہ): قرآن مجید کا ترجمہ

جماعتِ احمدیّہ پاکستان میں دینی، قومی اور ثقافتی کام سرانجام دے رہی ہے۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہ جماعت اب متعدد عالمی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کا اہتمام کر رہی ہے۔

ہمیں انگریزی زبان میں ایک کتابچہ بھی موصول ہوا ہے جو جماعت کے امام مرزا بشیر احمد نے لکھا ہے۔ جس میں اسلام اور اشتراکیت کا موازنہ کیا گیا ہے۔

یومِ تشکر حضرت مصلح موعودؓ کی سفر یورپ سے کامیاب مراجعت پر اہلِ ربوہ نے ۲۶ ستمبر ۱۹۵۵ء کا دن یومِ تشکر کے طور پر منایا۔ اس روز صدر انجمن احمدیہ اور تحریکِ جدید کے دفاتر اور ربوہ کے جملہ تعلیمی اداروں میں عام تعطیل رہی۔ مقامی احباب نے حضور کے اُن صاحبزادگان اور خدام اور دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کے ارکان کو مبارکباد دی جنہیں اس یادگار سفر میں حضور کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا تھا۔ دوپہر کو مجلسِ استقبالیہ نے پانچ سو سے زائد ضعفاء اور مستحقین کی پُرتکلف ضیافت کا اہتمام کیا۔ اسی طرح غلہ منڈی کے تاجروں اور دوکانداروں نے چاولوں کی دو دیگیں پکا کر مسافروں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کیں۔ شام کو مقامی انجمن کے صدر عمومی ڈاکٹر فرزند علی صاحب کے زیرِ انتظام

---

[1] روزنامہ "الھدف" بیروت لبنان ۶ نومبر ۱۹۵۵ء۔

ہاکی ، فٹ بال ، والی بال اور کبڈی کے میچ ہوئے جن میں ربوہ کے اطفال اور خدام نے شرکت کی۔

اس مبارک سفر کے مبارک قافلہ کی مکمل فہرست درج ذیل کی جاتی ہے :۔

(۱)۔حضرت سیّدہ اُمّ ناصر صاحبہ ۔ (۲)حضرت سیّدہ اُمّ وسیم صاحبہ ۔ (۳)۔ حضرت سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ ۔(۴)۔ حضرت سیّدہ مہر آپا صاحبہ ۔(۵)۔صاحبزادی امۃ الجمیل بیگم صاحبہ ۔(۶)۔صاحبزادی امۃ المتین بیگم صاحبہ ۔ (۷)۔صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر ۔ (۸) صاحبزادی طیبہ آمنہ بیگم صاحبہ اہلیہ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب۔ (۹)۔ امۃ الباقی عائشہ صاحبہ بنت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب۔

(۱۰) صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منوّر احمد صاحب ۔ (۱۱) صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب ۔(۱۲) صاحبزادہ مرزا نعیم احمد صاحب ۔ (۱۳) صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب۔ (۱۴) صاحبزادہ مرزا رفیق احمد صاحب ۔

(۱۵) حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب[۱] (۱۶) سیّد داؤد احمد صاحب[۲] ۔ (۱۷) صاحبزادی امۃ الباسط بیگم صاحبہ (بیگم سیّد داؤد احمد صاحب) ۔ (۱۸) صاحبزادی امۃ المصوّر صاحبہ (بنت سیّد داؤد احمد صاحب) ۔

(۱۹) حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خانصاحب (معالج خاص) ۔ (۲۰) چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ بی۔ اے ایل ایل بی (پرائیویٹ سیکرٹری) ۔ (۲۱) ملک مبارک احمد صاحب (سکالر عربی زبان) ۔ (۲۲) قریشی عبدالرشید صاحب (وکیل التجارت تحریک جدید) ۔ (۲۳) میاں محمد شریف صاحب اشرف بی اے (اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری)۔

(۲۴) عبداللطیف خانصاحب (کارکن دفتر پرائیویٹ سیکرٹری) ۔ (۲۵) کیپٹن محمد حسین صاحب چیمہ (افسر حفاظت)

(۲۶) میاں رحم دین صاحب باورچی۔

خط کشیدہ نام اُن خوش نصیبوں کے ہیں جو حضور کی معیّت میں ۲۵ ستمبر ۱۹۵۵ء کی شب کو وارد ربوہ ہوئے۔ باقی شرکائے سفر حضور کی ربوہ میں تشریف آوری سے قبل ۱۳ستمبر[۳] ۱۹۵۵ء کو یا بعض دوسرے ایام میں پہلے ہی ربوہ پہنچ گئے تھے[۴]۔

---

[۱] آپ اس سفر میں حضور کے ہمراہ تھے مگر تعلیم کی غرض سے انگلستان میں ٹھہر گئے اور سیّد محمود احمد صاحب ناصر کے ہمراہ ۴ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو واپس تشریف لائے۔ [۲] آپ بھی مع اہل بیت اعلیٰ تعلیم کے حصول اور لندن میں دینی خدمات بجا لانے کے بعد ۲۸ نومبر ۱۹۵۷ء کو واپس ربوہ تشریف لائے۔ [۳] مثلاً حضرت سیّدہ اُمّ وسیم صاحبہ۔ صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب۔ صاحبزادہ مرزا نعیم احمد صاحب۔ صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب۔ صاحبزادہ مرزا رفیق احمد صاحب۔

[۴] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۳۰ ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔

تاثراتِ "ربوہ"

اس سال ماہ ستمبر میں ہفت روزہ اخبار "چوٹ" (راولپنڈی) کے ایڈیٹر جناب نسیم سیّد صاحب ربوہ تشریف لائے۔ واپسی پر انہوں نے الفضل کو درج ذیل الفاظ میں اپنے تاثرات قلم بند کر کے بھجوائے:۔

"اس سے قطع نظر کہ ایک قوم، فرقے یا گروہ کے عقیدوں میں سچّائی کا عنصر کس حد تک ہے یا وہ ناقد کے ذاتی عقائد سے کس حد تک مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ امر قابلِ توجہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا جو اس مخصوص گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ عملی رویہ کیا ہے۔ کیوں کہ بے عمل حقیقت سے با عمل کم علمی بہتر ہوتی ہے۔ اور ایک مشہور حدیث (بقول بعض قولِ علیؓ) ہے کہ یہ نہ دیکھو کہ کون کہتا ہے بلکہ یہ دیکھو کہ کیا کہتا ہے۔ جب اس نظریہ سے تحریکِ احمدیت سے وابستہ لوگوں کا کردار جانچا جائے تو بلا شُبہ ان کے لئے سرِ عقیدت سے جھک جاتا ہے۔

پچھلے دنوں آل پاکستان جرنلسٹ ایسوسی ایشن کی مرکزی کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لئے مجھے سرگودھا جانے کا اتفاق ہُوا۔ واپسی پر جب ربوہ اُترا تو اجنبی ہونے کی وجہ سے مَیں پیش آئندہ دقتوں کے تصوّر سے مانوس ہو چکا تھا۔ اسٹیشن سے متّصل ایک چھوٹی سی مسجد سے باہر نکلتے ہوئے ایک ضعیف شخص سے مَیں نے "الفضل" کے دفتر کا پتہ پوچھا۔ جس شفقت اور نرمی سے اس بزرگ نے میرا احوال پوچھا اور مجھے خود دفتر تک پہونچایا۔ اس سے خلوص اور محبت کا وہ بین القومی جذبہ جھلک رہا تھا جو کسی بھی حساس دل کو مرعُوب کرنے کے لئے کافی ہے۔ انسانی اخوّت کے اس چھوٹے سے مظاہرے نے مجھے بے حد متأثر کیا۔ میرا ارادہ ربوہ کے کچھ مقامی اخبار نویسوں سے ملنے کا تھا۔ الفضل کے دفتر سے تھوڑا آگے نکل کر نظر اٹھائی تو قصرِ خلافت کی عمارت کو احاطے میں لئے طویل چار دیواری دکھائی دی۔ میرا ربوہ آنے کا چونکہ یہ پہلا موقع تھا۔ اس لئے محض سَیر گشت کے خیال سے چل پڑا۔ ایک چیز جس نے میرے ذہن پر گہرا اثر چھوڑا۔ ربوہ کے مختصر قصبہ میں صفائی کا بندوبست تھا۔ بازاروں اور کوچوں کی صفائی کسی اور شہر میں صفائی کا ہفتہ منانے کے دنوں میں بھی نہیں دیکھی جا سکتی۔ چھوٹی چھوٹی عمارات جنہیں ماڈرن طرز پر بنانے کی کوشش کی گئی تھی اور صاف سُتھرا ماحول قابلِ رشک منظر پیش کرتا تھا۔ وہاں سے رسالہ مصباح کے دفتر پہونچا تو ایک عزیز نے مجھے خوش آمدید کہا۔ چائے کے کپ پر جو گفتگو چھڑی تو اُٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ مسٹر عطاء الکریم کی باتوں میں سادگی اور شیرینی کا حسین امتزاج تھا۔ انہوں نے مجھے تحریکِ احمدیہ

کی تبلیغی سرگرمیوں سے روشناس کرایا اور مختصر سے عرصہ میں جو ترقی کی تھی اس پر روشنی ڈالی۔ اپنائیت اور بے ساختہ پن کا احساس اس ماحول میں ایسی نعمت معلوم ہوتا تھا جس سے جدا ہونے پہ رنج ہوتا تھا مجھے پتہ چلا کہ بڑے بڑے شہروں سے دُور یہ جگہ علم و ادب کا ایک چُھپا ہُوا مرکز ہے۔ وہ جگہ جہاں تعلیم کا ذکر بھی نہ ہوتا تھا۔ اب ایک سے زائد کالجوں جن میں سے ڈگری کالج برائے طالبات بھی ہے، کا مستقر ہے۔ مفت طبّی امداد بلا امتیاز ہر شخص کو حاصل ہو سکتی ہے۔ الفضل، مصباح اور الفرقان اور رسالہ ریویو آف ریلیجنز (مذہبی جائزہ) اور دیگر رسائل کا مرکز ہونے کی وجہ سے اس کی صحافتی اہمیت بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سے بیشتر بلکہ تمام رسالے مذہبی قسم کا لٹریچر شائع کرتے ہیں لیکن یہ بعید نہیں کہ جلد ہی ادبی معیار کے لحاظ سے ان میں سے کسی دن کوئی جریدہ مُلک گیر شہرت حاصل کرے۔

آج اگر یہ پوچھا جائے کہ مسلمان جو ہمیشہ سے یہ دعویٰ کرتے آئے ہیں کہ انہوں نے اسلام تبلیغ کے زور سے پھیلایا۔ کس حد تک اس مقصد کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں تو ہم خاموشی کے علاوہ کوئی جواب نہ دے سکیں گے۔ اگر احمدیوں کی ان کوششوں کو نظر انداز کر دیا جائے جو وہ اپنے نظریات پھیلانے کے لئے کر رہے ہیں۔ دُنیا کے دُور افتادہ علاقوں اور سمندر پار کے ملکوں میں ان کے مضبوط ادارے قائم ہیں۔ جن کا رشتہ مرکز سے اتنا مستحکم ہے کہ اس پر رشک کیا جا سکے۔ اس محدود سی تنظیم کی نگرانی میں برطانیہ، امریکہ، افریقہ، آسٹریلیا، مراکش اور دوسرے ملکوں میں تبلیغ کا کام پُوری تندہی سے جاری ہے۔ گلوب کے کونے کونے سے مبلغ ربوہ میں آتے ہیں اور ہدایات لے کر اپنے اپنے مقاموں کو لوٹ جاتے ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگوں نے زندگی اس مقصد کے لئے وقف کر رکھی ہے اور خیالات کی اشاعت کے لئے ہر طرح کی تکالیف بصد خوشی برداشت کرتے ہیں۔ اس جذبہ کی قدر نہ کرنی حد درجہ ناانصافی ہوگی۔

کہا جاتا ہے کہ ہر تحریک جب تک وہ محدود دائروں میں رہتی ہے مضبوط اور پُرخلوص ہاتھوں میں رہتی ہے۔ لیکن جونہی اس کا دائرۂ اثر وسیع ہو جاتا ہے اس میں ہر قسم کی بدعنوانیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کسوٹی پر متذکرہ تحریک کس حد تک پرکھی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر اس کے عقیدت مندوں کی تعداد پر بحث نہ کی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں وہ تمام خُوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ جن کے لئے معاشرہ میں اصلاح کی جاتی ہے۔ معدودے چند افراد کو چھوڑ کر یہ لوگ اپنے عقیدہ میں راسخ، مخلص،

راست گو اور دیانت دار ہوں گے۔ اپنے ساتھیوں کی مدد کے لئے ایک احمدی ذاتی نقصان کی پرواہ نہیں کرے گا۔ اور جہاں مجموعی مفاد کا سوال ہوگا وہاں کسی بھی شخص کی بہبودی اس کی سدِ راہ نہیں ہو سکتی۔ یہی وہ صفات ہیں جو کسی قوم کی تعمیر میں خشتِ اوّل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

احمدیوں کے خلاف بے شمار شکایات بیان کی جاتی ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر سنجیدگی سے ان پر غور کیا جائے تو اس میں بے شمار غلط فہمی کی بناء پر مبنی ہوں گی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر ہم کسی سے اختلاف رکھتے ہوں تو اس پر ٹھنڈے دل سے سمجھنے اور سمجھانے کی پالیسی پر عمل کرنا چاہیئے نہ کہ تلوار بازی پر۔

شام کو جب میں ربوہ سے لائل پور کے لئے روانہ ہوا تو میں اپنے دل میں ایسا خوشگوار تأثر لئے ہوئے تھا جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔"[1]

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی تقریر رُوحانیت سے متعلق دوسری قومی کانفرنس میں

بین الاقوامی عدالتِ انصاف کے جج حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب نے ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو واشنگٹن (امریکہ) میں رُوحانیت سے متعلق دُوسری قومی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ایک ہمہ گیر اخلاقی اور رُوحانی انقلاب کی ضرورت پر زور دیا۔ جماعتِ اسلامی کے آرگن روزنامہ "تسنیم" لاہور نے اس اہم تقریر کا خلاصہ حسب ذیل الفاظ میں شائع کیا :-

"واشنگٹن ۲۶ر اکتوبر۔ بین الاقوامی عدالت کے جج سر محمد ظفر اللہ خاں نے اعلان کیا ہے کہ اگرچہ دُنیا کا نیا سائنٹیفک علم اور اس کے نتیجے میں ہونے والی ترقی ایک عطیۂ ربّانی ہے۔ لیکن ایک روحانی اور اخلاقی انقلاب جو اس سائنٹیفک ترقی کے لئے نہ صرف ہم پلہ ہو بلکہ اس سے زیادہ ہو۔ انسانیت کی عظیم ترین ضرورت ہے۔ رُوحانیت سے متعلق دوسری قومی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کے سابق وزیر خارجہ نے کہا کہ ہم میں سے اکثر کے لئے یہ انقلاب موجودہ طرز ہائے زندگی، رسوم وعادات اور اقدار میں مکمل کایا پلٹ کر دے گا۔ امریکہ کے نائب صدر مسٹر رچرڈ نکسن نے اس سے پہلے کانفرنس کو خطاب کیا اور کانفرنس کے اعلان کردہ مقصد کو سراہا۔ کانفرنس کی غرض وغایت ہے کہ دُنیا کے ہر مُلک اور قوم میں

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۵ر اکتوبر ۱۹۵۵ء صٓ ۵۔

تنظیم آزادی اور مشترکہ بھلائی کو فروغ دینے کے لئے مذہبی صداقت کو ایک مؤثر طاقت بنایا جائے۔

سر ظفر اللہ خان نے کہا کہ موجودہ سائنٹیفک ترقیوں اور ایٹمی ہتھیاروں نے خیر و شر کی درمیانی خواب کو جو ممکن بنا دیا ہے۔ اس کی وجہ سے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ انسان اپنے طرزِ فکر کو تیر و کمان اور گولہ بارود کی سطح سے بلند کرے۔ ہمیں اپنے آپ کو انسانیت اور آفاقیت کی اصطلاحات میں فکر کرنے کی تربیت دینی چاہیئے۔

آپ نے کہا کہ ایسی طرزِ فکر خدا کی ذات سے اپنا تعلق قائم کرنے سے پیدا کی جا سکتی ہے۔ ہم جب ایک مرتبہ خدائے تعالیٰ کی ذات سے اپنا تعلق قائم کریں گے اور اس کے ہم آہنگ ہو جائیں گے تو انسانیت کی اصطلاحات میں سوچنا آسان ہو جائے گا۔ ہم صرف خدائے تعالیٰ کی ذات ہی کے توسط سے مختلف رنگ، نسل، مذہب اور طبقات کے انسانوں سے اپنے رشتوں کو استوار کر سکتے ہیں۔ دوسرا کوئی بھی طریقہ کار جزوی نوعیت کا ہو گا۔ اور کسی نہ کسی لحاظ سے اس میں کوئی نہ کوئی نقص رہ جائیگا۔

سر ظفر اللہ خان نے مزید کہا کہ ایک ایسی صورتِ حال میں جس میں کہ ہماری تہذیب اپنے آپ کو گرفتار پاتی ہے۔ ایک تہذیب و ثقافت کی بنیادوں کے لئے بڑی کٹھن آزمائش کا وقت ہوتا ہے۔ اگر یہ بنیادیں ہل گئیں تو ہر چیز تباہ و برباد ہو کر کھنڈر بن جائے گی۔ یہ بنیادیں اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتیں۔ جب تک وہ صداقت اور سچائی پر قائم نہ ہوں اور جو حق اور صداقت پر بنیاد قائم کرتے ہیں تو یقین کیجئے کہ وہ ایک مضبوط چٹان پر عمارت تعمیر کر رہے ہیں۔ اور جو لوگ جھوٹ اور برائی یا جھوٹ اور سچائی کے کسی امتزاج پر یہ بنیاد قائم کرتے ہیں وہ ریت پر محل کی تعمیر کر رہے ہیں[1]"

مارشل بلگانن اور مسٹر کروشچیف کو ترجمۃ القرآن انگریزی کا تحفہ

روس کے وزیر اعظم مارشل بلگانن اور کمیونسٹ پارٹی کے فسٹ سیکرٹری کروشچیف نومبر ۱۹۵۵ء کے آخر میں دورۂ خیر سگالی پر ہندوستان آئے۔ جماعت احمدیہ کلکتہ نے ان روسی لیڈروں کی کلکتہ میں آمد کی اطلاع پر مئیر آف کلکتہ اور جناب وزیر اعلیٰ مغربی بنگال

---

[1] روزنامہ "تسنیم" لاہور ۲۸ ؍اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔ ایضاً "نوائے وقت" لاہور ۲۸ ؍اکتوبر ۱۹۵۵ء نیز اخبار "الفضل" ۲۸ ؍اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱

سے درخواست کی کہ ہم معزز مہمانوں کی خدمت میں قرآن کریم انگریزی بطور تحفہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ وزیر اعلیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ جماعت احمدیہ کے وفد کی ملاقات تو وقت کی کمی کی وجہ سے مشکل ہے۔ البتہ اپنا تحفہ ڈائریکٹر آف پبلسٹی کو پہنچا دیں۔ چنانچہ ۲۸ نومبر کو جماعت کلکتہ نے مولوی محمد سلیم صاحب فاضل کے ذریعہ ترجمۃ القرآن انگریزی حصہ اوّل و دوئم اور دیباچہ کے دو سیٹ ڈائریکٹر صاحب کی خدمت میں پیش کر دیئے[1]۔

جلالۃ الملک شاہ سعود کی خدمت میں اسلامی لٹریچر

سعودی عرب کے بادشاہ جلالۃ الملک شاہ سعود بن عبدالعزیز ہندوستان کے سرکاری دَورہ پر ۲۷ نومبر ۱۹۵۵ء کو دہلی تشریف لائے۔ اور سترہ روزہ قیام کے بعد ۱۳ دسمبر کو بمبئی سے سعودی عرب روانہ ہوئے۔ آپ اپنے دَورہ کے دوران ۵ دسمبر کو حیدرآباد دکن میں اور ۹ دسمبر کو بمبئی میں پہنچے۔ حیدرآباد دکن میں حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب امیر جماعت احمدیہ سکندرآباد نے آپ کی خدمت میں مندرجہ ذیل کتب پر مشتمل اسلامی لٹریچر خوبصورت مجلد کروا کر اور کلمہ طیبہ لکھوا کر پیش کیا۔ ایکسٹریکٹ فرام دی ہولی قرآن EXTRECT FROM THE HOLY QURAN اسلامی اصول کی فلاسفی (عربی)۔ جلالۃ الملک شاہ سعود نے یہ ہدیہ خوشی سے قبول فرمایا۔ اسی طرح مولانا شریف احمد صاحب امینی مبلغ بمبئی نے جماعت احمدیہ بمبئی کی طرف سے بذریعہ مکتوب نہایت مخلصانہ جذبات کے ساتھ آپ کا خیر مقدم کیا اور امید ظاہر کی کہ آپ کی آمد سے دونوں ممالک کے تعلقات پہلے سے زیادہ خوشگوار ہو جائیں گے[2]۔

مبلغین کی ایک تقریب میں حضرت مصلح موعودؓ کی شرکت

۳ دسمبر ۱۹۵۵ء کو وکالت تبشیر کی طرف سے بیرونی ممالک میں جانے والے مبلغین اور ماریشس سے آئے ہوئے مخلص احمدیوں کے اعزاز میں ایک خصوصی تقریب منعقد کی گئی۔ جس میں حضرت مصلح موعود نے بھی شرکت فرمائی۔ بیرونی ممالک میں جانے والے مجاہدین احمدیت حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب، شیخ نصیر الدین احمد صاحب اور مکرم مولوی عبدالواحد صاحب سماٹری تھے اور جماعت احمدیہ ماریشس کے مکرم محمد عظیم سلطان غوث صاحب۔ احمد یدُ اللہ صاحب اور

---

[1] ہفت روزہ "بدر" ۷ دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۔ [2] ہفت روزہ "بدر" ۱۴ دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱

عبدالرحیم صاحب سوکیہ جو حضور کی زیارت اور جلسہ سالانہ میں شمولیت کی غرض سے مرکزِ احمدیت میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ یہ تقریب بعد نمازِ عصر ہوئی۔ نمازِ مغرب کے بعد انہی اصحاب کے اعزاز میں جامعۃ المبشرین کی طرف سے ایک عشائیہ کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ کی زیرِ صدارت ان اصحاب نے مختصر تقاریر فرمائیں۔ اور بالآخر حضرت مولانا دردؔ صاحب نے صدارتی خطاب فرمایا جو اُن کی زندگی کا آخری خطاب ثابت ہوا۔[1]

ایک نہایت اہم تحریک

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۷؍ دسمبر ۱۹۵۵ء کو جلسہ سالانہ کے موقع پر تحریک فرمائی کہ اصحابِ مسیح موعود کے حالات جلد سے جلد محفوظ ہو جانے چاہئیں اور جس کو کوئی روایت پتہ لگے وہ اخبارات اور کتابوں میں چھپوا دے اور ملک صلاح الدین صاحب کو پہنچا دے تا یہ خزانہ محفوظ ہو جائے۔ چنانچہ فرمایا:۔

"ہمارے ہاں بھی صحابہؓ کے حالات محفوظ ہونے چاہئیں ملک صلاح الدین صاحب لکھ رہے ہیں .... جس وقت یورپ اور امریکہ احمدی ہوا۔ تو انہوں نے آپ کو بُرا بھلا کہنا ہے کہ حضرت صاحب کے صحابہؓ اور اِن کے ساتھ رہنے والوں کے حالات بھی ہمیں معلوم نہیں وہ بڑی بڑی کتابیں لکھیں گے جیسے یورپ میں بعض کتابوں کی بیس بیس چالیس چالیس پونڈ قیمت ہوتی ہے اور بڑی بڑی قیمتوں پر لوگ اِن کو خریدیں گے مگر ان کا مصالحہ ان کو نہیں ملے گا اور وہ غصہ میں آکر تم کو بددُعائیں دیں گے کہ ایسے قریبی لوگوں نے کتنی قیمتی چیز ضائع کر دی۔ ہم نے تو اَب تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت بھی مکمّل نہیں کی۔ بہرحال صحابہؓ کے سوانح محفوظ رکھنے ضروری ہیں۔ جس جس کو کوئی روایت پتہ لگے اس کو چاہئے کہ لکھ کر اخباروں میں چھپوائے۔ کتابوں میں چھپوائے اور جن کو شوق ہے ان کو دے تاکہ وہ جمع کریں اور پھر وہ جو کتابیں چھاپیں ان کو ضرور خریدے اور اپنے بچّوں کو پڑھائے۔ صحابہؓ میں جو رنگ تھا اور ان لوگوں میں جو قربانی تھی وہ ہمارے اندر نہیں ہے مگر ہمارے اندر بھی وہ طبقہ جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی صحبت پائی تھی۔ بڑا مخلص تھا اور اِن میں بڑی قربانی تھی اگر وہی اخلاص آج کل نوجوانوں میں پیدا ہو جائے تو جماعت ایک سال میں کہیں سے کہیں نکل جائے"۔[2]

---

[1] الفضل ۶؍ دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۱ و ۲۱؍ دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۴-۵۔ [2] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۶؍ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۴

بیرونی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں

اس سال بھی مجاہدینِ احمدیت یورپ، امریکہ، افریقہ اور مشرقِ بعید وغیرہ میں سرگرم عمل رہے۔ اس سلسلہ میں بیرونی مشنوں کے بعض اہم واقعات کا تذکرہ ضروری ہے۔

لنڈن مشن

(۱) جماعت احمدیہ انگلستان کے ایک وفد نے ۱۱ر فروری ۱۹۵۵ء کو وزیر اعظم سیلون کو انگریزی ترجمہ قرآن پیش کیا نیز بتایا کہ قرآن مجید عالمگیر شریعت ہے۔ اور اس کے ذریعہ اقوام عالم میں امن قائم ہو سکتا ہے۔ یہ وفد مکرم مولود احمد خاں صاحب امام مسجد لنڈن، مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ، مکرم سید محمود احمد ناصر، مکرم عبدالعزیز صاحب، مسٹر بشیر الدین پلیرنس پر مشتمل تھا۔

وزیر اعظم سیلون نے نہایت توجہ سے اسلامی تعلیم کو سُنا اور اس کی خوبیوں کا اعتراف کیا۔ موصوف نے اسلام، بُدھ مذہب اور عیسائیت کے بارہ میں تبادلہ خیالات کیا۔ اس تقریب کی خبر لنڈن کے مشہور اخبار "ڈیلی ٹیلیگراف" DAILY TELEGRAPH میں بھی شائع ہوئی[1]

(۲)۔ ۱۲ر فروری ۱۹۵۵ء کو ایرانی سفارت خانہ میں جماعت احمدیہ کے ایک وفد نے عزت مآب شاہِ ایران (رضا شاہ پہلوی) کو انگریزی ترجمہ قرآن کا تحفہ پیش کیا۔ اس وفد کے ممبران یہ حضرات تھے۔ مکرم مولود احمد خانصاحب امام مسجد لنڈن، مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ۔ مکرم مولوی نذیر احمد صاحب مبشر، مکرم سید محمود احمد صاحب ناصر اور مکرم عبدالشکور صاحب کنزے۔

شاہِ ایران نے عزت و احترام سے یہ تحفہ قبول کیا نیز جماعتِ احمدیہ کی اسلامی خدمات کو سراہتے ہوئے جرمنی، ڈچ اور انگریزی تراجم قرآن پر بہت مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا انگریزی ترجمہ قرآن کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہونی چاہیئے[2]

(۳)۔ ۷ر اپریل ۱۹۵۵ء کو "انگلستان نیشنل انشورنس ایڈوائزری کمیٹی" کا اجلاس ہوا جس میں جناب مولود احمد خاں صاحب امام مسجد لندن نے قانونِ وقت کی پابندی اور تعدد ازدواج وغیرہ مسائل پر اسلامی نقطہ نگاہ سے روشنی ڈالی۔ اجلاس میں انگلستان کی نامور شخصیتیں موجود تھیں[3]

---

[1] الفضل ۲۵ر فروری ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔ [2] ایضاً صفحہ ۱۔ [3] الفضل ۹ر اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۱

ہالینڈ مشن

مشن کی طرف سے اس سال ۲ نئی کُتب شائع ہوئیں:۔
(۱) پہلی کتاب حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس کی کتاب "مسیح کہاں فوت ہوئے" کا ترجمہ ہے۔ (۲)۔ دوسری کتاب "قرآن مجید اور اس کی اخلاقی تعلیم" کے زیرعنوان مکرم مولوی غلام احمد صاحب بشیر مبلغ ہالینڈ نے لکھی۔

حضرت مولانا شمس صاحب کی کتاب کے بارہ میں اخبار HETVADER LAND نے ۲۶ر مارچ ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"احمدیہ مُسلم مشن ہالینڈ کی طرف سے مسیح کہاں فوت ہوئے" کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کے مصنف مسٹر شمس ہیں اور جس کا ترجمہ مسز زرمان نے کیا ہے۔ اس کتاب کا لب لباب یہ ہے کہ یسوع مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ بلکہ بے ہوشی کی حالت میں قبر میں اُتارے گئے۔ جہاں سے ہوش آنے پر آپ باہر نکال لئے گئے۔ چونکہ فلسطین میں اُن کے لئے خطرہ تھا اس لئے وہاں سے مشرقی ممالک کو چلے گئے جہاں جاکر انہوں نے اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کو انجیل کی خوشخبری سنائی۔ انجیل سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسیح تمام گمشدہ بنی اسرائیلیوں کو جمع کرنے آئے تھے۔ جو کہ ساری دُنیا میں پھیلے ہوئے تھے اور پھر کشمیر میں وفات پائی۔ (ترجمہ)۔

اسی نوعیت کا تبصرہ مُلک کے ایک دوسرے اخبار HET PANOOL نے ۳۰ر مارچ ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں بھی کیا۔[1]

امریکہ مشن

حضرت مُصلح موعودؓ کی علالتِ طبع کے باعث اس سال دُنیا بھر کے احمدیوں نے نہ صرف دُعائیں کیں بلکہ حضور سے عقیدت کا بے مثال ثبوت دیا اس سلسلہ میں امریکی احمدیوں نے حضور کی خدمت میں تین ہزار ڈالر کی رقم پیش کی اور درخواست کی کہ حضور اسے اپنی صحت کو بحال کرنے کے لئے خرچ فرمائیں۔ پاکستان اور لندن سے حضور کی صحت سے متعلق جو تازہ خبریں موصول ہوتیں واشنگٹن کا مرکز ان کو باقاعدگی سے تمام مشنوں تک پہنچاتا رہا۔

امریکہ کے ایک ہفتہ وار جریدہ NEWS WEEK نے اسلام پر یہ الزام لگایا کہ وہ جبروتشدد

---

[1] الفضل ۱۹ر نومبر ۱۹۵۵ء (خلاصہ رپورٹ مکرم مولوی غلام احمد بشیر مبلغ ہالینڈ)

کا علمبردار ہے۔ امریکہ مشن کی طرف سے اس کی پُرزور تردید میں نیوز ویک کو ایک مفصّل مکتوب لکھا گیا۔ اخبار کے ادارہ نے خط کے جواب میں اپنی غلطی پر برملا افسوس کا اظہار کیا اور آئندہ محتاط رہنے کا یقین دلایا۔ امریکہ کے ایک مشہور غیر مُسلم ادیب مسٹر جیمز نے " ریڈرز ڈائجسٹ " (مئی ۱۹۵۵ء) میں اسلام کی تائید میں ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا ISLAM MISUNDER STOOD RELIGION امریکہ مشن نے اس اہم مضمون کو دس ہزار کی تعداد میں چھاپ کر مُلک کے کونہ کونہ تک پہنچا دیا جس کے نتیجہ میں امریکی عوام میں اسلام کی تحقیق کا نیا شوق پیدا ہُوا۔ اس مضمون کے علاوہ لاس انجلز مشن نے پانچ ہزار کی تعداد میں تبلیغی اشتہارات بھی تقسیم کئے اور اس سال مشن کی طرف سے مجموعی طور پر سات ہزار اشتہارات شائع کئے گئے۔

اسی طرح ایک پمفلٹ BIBLICAL BACK GROUND OF ISLAM پانچ ہزار کی تعداد میں فلسطین بھیجا۔ جناب چوہدری خلیل احمد ناصر نے امریکن یونیورسٹی میں اور مولوی نورالحق صاحب انور نے نیو یارک یونیورسٹی میں لیکچر دیئے۔ نیو یارک کے ایک چوک میں رات کے وقت مختلف خیالات کے لوگ جمع ہو کر پبلک لیکچر دیتے تھے۔ نیو یارک کے احمدیوں نے بھی اس سے فائدہ اُٹھایا۔ اُن کے لیکچر سُن کر سینکڑوں غیر مُسلم احباب دارالتبلیغ آئے اور معلومات حاصل کیں۔ مبلغینِ احمدیت نے لیکچروں کے ذریعہ پیغامِ حق پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ریڈیو پر بھی پانچ تقاریر کیں[1]۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں احمدی جماعتوں کی آٹھویں سالانہ کنونشن اس سال ۳، ۴ ستمبر ۱۹۵۵ء کو سینٹ لوئیس SAINT LOUISE میں ہوئی جس میں مُلک کے اطراف و جوانب سے شمعِ احمدیّت کے پروانوں نے شرکت کی۔ اس کنونشن میں جن شہروں کے نمائندے خاص طور پر شاملِ اجتماع ہوئے ان کے نام یہ ہیں:۔

نیو یارک۔ واشنگٹن۔ پٹس برگ۔ کلیو لینڈ۔ شکاگو۔ ڈیٹرائٹ۔ ملواکی۔ ڈیٹن۔ انڈیانپلیس۔ سنز سینٹی۔ بالٹی مور۔ باسٹن۔ ینگسٹر ٹاؤن۔

---

[1] الفضل ۳ جولائی ۱۹۵۵ء صہ ۳

مکرم سیّد عبد الرحمٰن صاحب کلیولینڈ سے اپنے بھتیجے طاہر احمد صاحب کے ہمراہ شامل ہوئے اور انتظامات میں ہر قسم کی امداد کی۔ کنونشن کا افتتاح مولوی نور الحق صاحب انور مبلغ انچارج امریکہ نے فرمایا۔ کنونشن سے مبلغین کے علاوہ مختلف جماعتوں کے پریذیڈنٹوں نے بھی مؤثر خطاب کیا۔ اس موقع پر عہدیداروں کے انتخاب کے علاوہ خدّام الاحمدیہ اور لجنہ اماء اللہ کے اجلاس بھی ہوئے۔

کنونشن میں مکرم سیّد جواد علی صاحب بی اے سیکرٹری امریکہ مشن نے امریکہ مشن کی آمد و خرچ کے بجٹ اور اس میں اضافہ کرنے کی تجاویز پیش کرنے سے پہلے سیّدنا حضرت مصلح موعود کا درج ذیل رُوح پرور پیغام پڑھ کر سُنایا جس کو سُنکر حاضرین کے دل فرحت و مسرّت سے بھر گئے۔ حضور کا یہ پیغام سوئٹزرلینڈ سے مکرم چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر نے بھجوایا تھا۔

"کانفرنس میں شرکت کرنے والے تمام بھائیوں اور بہنوں کو سیّدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کا سلام پہنچا دیں نیز انہیں حضور ایدہ اللہ کی اس خواہش کی بھی یاد دہانی کرائیں کہ انہیں ہر سال اپنی تعداد کو دُگنا کرنے کا عزم کرنا چاہئیے۔ خدا تعالیٰ آپ لوگوں کی مساعی میں برکت ڈالے اور آپ کے کام میں آپ کی راہنمائی فرمائے"[۱]

شکاگو ٹریبیون (۲۳ ستمبر ۱۹۵۵ء) میں مکرم عبد الشکور صاحب کنزے کا انٹرویو شائع ہوا جس میں جماعتِ احمدیہ کے قیام، اغراض و مقاصد، احمدیوں کی تعداد کا ذکر تھا۔

اس سال جو سعید روحیں داخل احمدیت ہوئیں ان میں کینیڈا کے ایک نوجوان بھی شامل تھے جن کا اسلامی نام ناصر احمد رکھا گیا۔ آپ کینیڈا میں پہلے مقامی مسلمان ہیں[۲]

کینیڈا کے ایک ہفت روزہ اخبار "دی سٹار" THE STAR نے مکرم بشیر احمد صاحب آرچرڈ اور جماعتِ احمدیہ کی تبلیغی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:۔

رومن کیتھولک چرچ کے بعض پیروؤں نے اب ایک ہندوستانی مذہب اسلام قبول کر لیا ہے۔ ہندو تو پہلے ہی تبدیلیِ مذہب کے قائل نہیں۔ البتہ مسلمان اس سلسلہ میں کوشش کر رہے ہیں۔

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "الفضل" ۲۲ تا ۲۴ نومبر ۱۹۵۵ء۔

[۲] الفضل ۲۰، ۲۱ دسمبر ۱۹۵۵ء (خلاصہ رپورٹ مکرم سیّد جواد علی صاحب)۔

ہندوستان اپنے قدیم مذہب کو قائم رکھنے کے لئے پروہت بھجواتا رہتا ہے۔ پاکستان جو کسی زمانہ میں ہندوستان کا حصّہ تھا۔ لیکن اَب ایک آزاد ملک ہے۔ اشاعتِ اسلام کے لئے اسلامی مبلغین بھجوا رہا ہے۔ یہ بات قارئین کے لئے اور بھی حیران کُن ہو گی کہ یہاں ان کا کامیاب مبلغ کوئی ہندوستانی یا پاکستانی نہیں بلکہ ایک انگریز ہے جو اپنے آپ کو بشیر احمد آرچرڈ کہتا ہے[1] (ترجمہ)

مشرقی افریقہ مشن

مبلغ مشرقی افریقہ مولوی محمد منوّر صاحب نے نو ماہ کسموں اور تین ماہ نیروبی میں گزارے۔ اس عرصہ میں دو ہزار تین سو میل کا سفر کیا۔ تین سو افراد کو زبانی تبلیغ کی۔ دو ہزار پمفلٹ، دو سو کتب اور چار سو رسائل تقسیم کئے۔ ۲۷۰ خطوط لکھے۔ چار تقاریر کیں۔ اسّی مضامین لکھے۔ آپ کی مساعی کے نتیجہ میں ۳۲ افراد داخلِ سلسلہ ہوئے۔ آپ نے اس سال خصوصیت سے مُلک کے مختلف مذہبی حلقوں میں عربی، انگریزی، گجراتی اور سواحیلی لٹریچر تقسیم کیا۔ اور عرب بھائیوں کو جماعتِ دمشق کا عربی لٹریچر پیش کیا۔ اخبار ٹروتھ TRUTH نائیجیریا۔ البشریٰ (فلسطین) کی اشاعت کی۔ کینیا کالونی کے پچاس پادریوں کو WHY ISLAM (کیوں اسلام؟) اور دیگر لٹریچر بھیج کر اتمامِ حجت کی۔ نیروبی کے ایک یورپین پادری صاحب سے تین گھنٹے تک آپ کی مختلف مسائل پر گفتگو ہوئی۔ دوسری ملاقات میں وہ ایک اور پادری صاحب کو ساتھ لائے جو جنوبی افریقہ سے آئے تھے۔ آپ نے انہیں بھی پیغامِ حق پہنچایا اور انگریزی لٹریچر دیا۔ آپ کی تبلیغی مساعی سے افریقنوں کو متأثر دیکھ کر پادری صاحبان جماعت کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے مگر اس کا الٹا اثر ہُوا۔ افریقنوں کو تحریکِ احمدیت سے متعلّق مزید دلچسپی پیدا ہو گئی۔

کرسمس کی چھٹیوں میں بہت سے عیسائی کسوموٹانگانیکا اور کینیا سے آئے۔ جن سے آپ نے کفّارہ، تثلیث، معجزاتِ مسیح اور آمدِ ثانی کے بارہ میں تبادلۂ خیالات کیا۔ عیسائیوں کے علاوہ آپ نے ہندوؤں کو بھی ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السّلام، احمدیت کا پیغام اور اسلامی اصول کی فلاسفی (بزبان گجراتی) دی۔ مکرم مولوی عنایت اللہ صاحب خلیلؔ نے اپنے حلقہ میں دسمبر کے وسط میں دَورہ کیا۔ وہاں ۲۱ افراد داخلِ سلسلہ ہوئے[2]۔

---

[1] بحوالہ روزنامہ الفضل ۱۲ر جولائی ۱۹۵۵ء صہ ۲

[2] روزنامہ الفضل ۶ر مارچ، ۱۵، ۱۸ر جولائی ۱۹۵۶ء (رپورٹ مکرم مولانا محمد منوّر صاحب مبلغ مشرقی افریقہ)

مبلغ یوگنڈا مکرم حکیم محمد ابراہیم صاحب نے اس سال ملک کے ممتاز شیوخ کو پیغام احمدیت پہنچایا۔ فرقہ بکوٹو کے شیخ اور ڈیڑھ صد مساجد کے نگران شیخ زید بھی زیر تبلیغ رہے۔ انہوں نے احمدیہ لٹریچر کا شوق سے مطالعہ کیا۔ اسی طرح شیخ ابراہیم نے مخالفت کے باوجود جماعت کے لٹریچر کا مطالعہ کیا۔ شیخ علی کولیبا بھی احمدیت سے متاثر ہوئے۔ شیخ شعبان کرونڈے نے جماعت احمدیہ کی دینی خدمات کو سراہتے ہوئے یہاں تک کہا کہ ہمارے شیوخ نے ہمیں تباہ کر دیا ہے۔ آؤ ہم سب احمدیوں کے ساتھ مل جائیں۔ ایک مخلص احمدی شیخ عبداللطیف صاحب کی بہت شدید مخالفت ہوئی مگر وہ احمدیت پر ڈٹے رہے۔ کمپالہ سے دس میل دُور جینجہ روڈ پر ایک نئی جماعت کا قیام عمل میں آیا۔ یہاں ایک پلاٹ مقامی جماعت کے ذریعہ تین ہزار شلنگ میں حاصل کیا گیا۔ یہ رقم یوگنڈا کی جماعت نے دی۔ یوگنڈا کے شاہی خاندان کے فرد پرنس بدرو اور امریکی رسالہ لائف LIFE کے نمائندہ کو قرآن مجید کے سواحیلی ترجمہ کا تحفہ دیا گیا۔

یوگنڈا کے سالانہ اجتماع میں غیر احمدی معززین بھی دُور دُور سے تشریف لائے۔ اس سال یوگنڈا میں ۲۹ افراد داخل سلسلہ ہوئے[1]۔

پچھلے سال دارالسلام میں جماعت کی مخالفت تیز تھی۔ جس میں اس سال نمایاں کمی آگئی۔ تعلیم یافتہ طبقہ مداح رہا۔ بعض شیوخ کے رویہ میں بھی خوشگوار تبدیلی ہوئی۔ شیخ عجمی اپنے پوتے کو مکرم مولوی عبدالکریم صاحب شرما مبلغ سلسلہ کی خدمت میں لائے اور کہنے لگے میرا اپنا بیٹا بے علم رہا ہے۔ اسے مَیں آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ آپ اس کو پڑھائیں۔ شیخ علی مُرسے MZE جو جماعت کی مخالفت میں پیش پیش تھے ایک روز کہنے لگے کہ مَیں سمجھتا ہوں کہ اب ہمیں عیسائیت کے خلاف متحد ہو جانا چاہیئے۔

دورانِ سال مولوی صاحب موصوف نے چار ہزار میل کا تبلیغی سفر کر کے پیغامِ حق پہنچایا اور دوسرے کئی سفروں کے دوران لٹریچر کی اشاعت بھی ہوئی۔ تین ہزار پمفلٹ مفت تقسیم کئے گئے۔ دو ہزار سے زائد کا لٹریچر فروخت ہوا۔ سواحیلی اخبار مانیریا مونگر اور دوسری جگہوں کے چیدہ چیدہ افراد کو بھجوایا جاتا رہا، سات سو افراد داخل سلسلہ ہوئے۔

دارالسلام میں جماعت نے خانہ خدا اور مشن ہاؤس کے لئے ایک موزوں پلاٹ لے رکھا تھا۔ ۱۹۵۶ء

---

[1] الفضل ۱۳ نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳، ۴ (خلاصہ رپورٹ مکرم مولوی نورالدین صاحب منیر سیکرٹری احمدیہ مشن مشرقی افریقہ)۔

میں اس پر عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ ۱۹۵۵ء میں تعمیر کا کام جاری رہا اور تکمیل ۱۹۵۶ء میں ہوئی۔ مشرقی افریقہ کے مخلص احمدیوں کے علاوہ غیر احمدی معززین نے بھی عطیہ جات دیئے۔ جن کی وصولی میں مکرم مولوی عبدالکریم صاحب شرما۔ مکرم ڈاکٹر طفیل احمد صاحب ڈار۔ مکرم شفیع صاحب۔ مکرم نذیر احمد صاحب ڈار۔ اور مکرم عطاء الرحمن صاحب سٹیشن ماسٹر، مکرم عبدالعزیز صاحب اور اُن کے بھائیوں کی مخلصانہ کوششوں کا نمایاں دخل تھا۔[1]

گولڈ کوسٹ مشن

اس سال جماعت احمدیہ گولڈ کوسٹ کا تیسواں سالانہ جلسہ ۷، ۸، ۹ جنوری ۱۹۵۵ء کو سالٹ پانڈ میں منعقد ہوا جس میں ملک کے کونہ کونہ سے ۱۵۰۰ افراد شامل ہوئے۔ مسٹر بشیر الدین صاحب "منتظم مکانات" تھے۔ جلسہ گاہ ملک کی بڑی شاہراہ کے عین کنارے پر اور تعلیم الاسلام سکول کے سامنے تھی۔ مکرم قریشی محمد افضل صاحب قائم مقام امیر گولڈ کوسٹ نے اپنے افتتاحی خطاب میں احباب جماعت کی مخلصانہ مساعی پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ جماعتوں نے ۳۷۰ پونڈ کی رقم حضور کے مجوزہ سفر امریکہ کے لئے داخل خزانہ کر دی ہے۔ اسی طرح عیدین کے موقع پر ایک ہزار پونڈ کی رقم جمع ہوئی۔ سلسلہ کی عمارتوں کے لئے پانچ سو پونڈ جمع ہوئے۔ یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ گولڈ کوسٹ کی آل افریقین اسمبلی میں دو مخلص احمدی مسٹر آرم امنڈے اور بی کے آدم منتخب ہوئے۔ جلسہ میں آپ کے علاوہ درج ذیل اصحاب نے تقاریر کیں:۔

۱۔ مسٹر جمال الدین صاحب جنرل سیکرٹری جماعت احمدیہ گولڈ کوسٹ۔
۲۔ مسٹر بشیر الدین صاحب۔
۳۔ محترم پروفیسر سعود احمد خانصاحب وائس پرنسپل احمدیہ کالج کماسی۔
۴۔ مکرم حاجی حسن عطا صاحب۔
۵۔ محترم ڈاکٹر سید سفیر الدین صاحب۔
۶۔ مکرم مولوی عبدالقدیر صاحب شاہد مبلغ انچارج اکرہ۔

اس کے علاوہ بعض چیف اور دیگر مبلغین نے بھی تقاریر کیں۔ تیسرے دن شوریٰ کا اجلاس

---

[1] الفضل ۲۴ جولائی ۱۹۵۶ء (خلاصہ رپورٹ مکرم مولوی عبدالکریم صاحب شرما)

ہوا جس میں تبلیغ کا اہم مسئلہ خاص طور پر زیرِ بحث آیا اور اس کی طرف پُر زور توجہ دلائی گئی۔[1]

(۱) اکرا (دارالحکومت غانا) کے کثیرالاشاعت اخبار "ڈیلی گرافک" میں UAC کمپنی کی ایک شاخ نے ایک اعلان شائع کروایا جس کے بعض فقرات سے سرورِ کائنات حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیصِ شان ہوتی تھی۔ جس پر محترم مولانا نذیر احمد صاحب مبشر انچارج گولڈ کوسٹ (غانا) نے اخبار کے ایڈیٹر کو بطور احتجاج پہلے ایک تار دیا اور پھر ایک لمبی تحریر بھیجی اور اس کی ایک کاپی مینیجر کمپنی کو بھی ارسال کی جس پر مینیجر کمپنی نے اظہارِ افسوس کیا اور اخبار نے آپ کے احتجاج کا ذکر بھی کیا اور آپ کے مراسلہ کے بعض فقرات شائع کر کے معذرت بھی کی۔

(۲) اس سال فینٹی زبان میں قرآن مجید کے ترجمے کا کام بھی شروع کیا گیا۔[2]

(۳) جولائی تا ستمبر ۱۹۵۵ء کے دوران مجاہدینِ گولڈ کوسٹ نے ۳۷۸۹ میل کا سفر طے کیا۔ ۱۰۷ گاؤں میں تبلیغ کی۔ ۵۴ تقاریر کیں۔ اور اس دوران ۴۷ افراد اسلام قبول کر کے داخلِ احمدیت ہوئے۔[3]

انچارج مشن مکرم مولانا نذیر احمد صاحب مبشر نے اس سال ملک بھر کے طویل دَورے کئے اور متعدد مقامات پر تقاریر کرنے کے علاوہ مشہور شخصیات سے ملاقاتیں کیں اور سالٹ پانڈ۔ اکرافل اور ٹیچیا کے سکولوں کا معائنہ کیا اور سالٹ پانڈ کی فلڈ ریلیف کمیٹی میں شرکت کی۔ مولوی عبدالقدیر صاحب نے بھی تبلیغی اور تربیتی جلسوں میں شرکت کی اور مختلف شخصیات تک پیغامِ حق پہنچایا۔ اکرہ میں نوجوانوں کی ایک عالمی کانفرنس منعقد ہوئی جو آٹھ روز تک جاری رہی۔ مولوی عبدالقدیر صاحب شاہد کے سپرد پاکستانی نمائندہ (مسٹر انعام اللہ خانصاحب سیکرٹری مؤتمر عالم اسلامی اور ورلڈ فیڈریشن آف یونائیٹڈ نیشنز ایسوسی ایشن کے وائس چیئرمین) کی رہائش کا انتظام کیا گیا۔ جسے آپ نے احسن طریق پر انجام دیا۔ مولوی صاحب موصوف نے پاکستانی نمائندہ کی ملاقات مسلمان لیڈروں، شامی تاجروں اور گولڈ کوسٹ کے سرکاری افسروں اور اخباری نمائندوں کے ساتھ کرائی۔ کانفرنس کے مندوبین میں سلسلہ احمدیہ کا لٹریچر بھی تقسیم

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۰ مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۳، ۸ (خلاصہ رپورٹ مکرم قریشی محمد افضل صاحب)۔
[2] روزنامہ الفضل ۹، ۱۰ ستمبر ۱۹۵۵ء۔ [3] روزنامہ الفضل ۹ نومبر ۱۹۵۵ء۔

کیا گیا۔ اس سال کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ یکم جنوری ۱۹۵۵ء سے جماعت احمدیہ نے "سن رائز" کے نام سے ایک اخبار جاری کیا۔ جو اس ملک کا پہلا مُسلم اخبار تھا۔ اس اخبار کے مدیر مکرم مسعود احمد خانصاحب دہلوی بی۔ اے آنرز بی۔ ٹی وائس پرنسپل احمدیہ کالج کماسی تھے۔ جو کالج کی مصروفیات کے باوجود ادارت کے فرائض نہایت تندہی سے کرتے رہے۔ علاوہ ازیں مکرم مولوی عطاء اللہ صاحب کلیم اور دیگر مبلغین کرام بھی اُن کے ساتھ تعاون کرتے رہے۔ یہ ماہنامہ اخبار ملک کی نامور شخصیتوں مثلاً وزراء ممبرانِ اسمبلی پیرامونٹ چیفس اور افسرانِ حکومت کو بذریعہ ڈاک بھجوایا جاتا رہا[1]

نائیجیریا مشن

برٹش پارلیمنٹ کے ممبر مسٹر LONNEX BOYED نائیجیریا کے دورہ پر آئے۔ آپ نے محکمہ تعلقات عامہ کے زیر اہتمام ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ کانفرنس کے اختتام پر احمدیہ مشن نائیجیریا کی طرف سے موصوف کو دیباچہ قرآن مجید انگریزی کا تحفہ دیا گیا۔

GIWA نامی گاؤں کے سکول میں احمدی ٹیچر نے طلبا کو اسلامی روایات سے آگاہ کیا۔ جس پر اس بستی کے لوگوں میں احمدیت کا چرچا شروع ہوگیا۔ بعد ازاں مکرم مولوی مبارک احمد صاحب ساقی وہاں تشریف لے گئے اور احمدیت سے متعلق مزید معلومات بہم پہنچائیں۔

عرصہ زیر رپورٹ میں ساٹھ افراد نے بیعت کی[2]

ویسٹرن ریجن کے ایک مسلمان حاکم AL-AFIN کو بعض سیاسی وجوہات کی بناء پر اپنے علاقہ سے جلا وطن کر دیا گیا۔ آپ کی واپسی کے لئے مکرم مولانا نسیم سیفی صاحب اور مکرم مبارک احمد صاحب ساقی نے وزیر اعلیٰ سے دو دفعہ ملاقات کی اور انہیں الافین کے معاملہ میں نرمی کرنے کے لئے کہا گیا جس پر وزیرِ اعلیٰ نے انہیں یقین دلایا کہ وہ اُن کے مطالبہ پر غور کریں گے۔

اس سال کی پہلی سہ ماہی میں پندرہ افراد داخلِ سلسلہ ہوئے[3]

اس سال نائیجیریا میں سیکنڈری سکولوں کے مسلمان طلباء کی سالانہ کانفرنس منعقد ہوئی جس کا

---

[1] الفضل ۹ نومبر ۱۹۵۵ء صہ، ۱۹ مارچ ۱۹۵۵ء صہ ۔ [2] الفضل ۱۸ مارچ ۱۹۵۵ء۔
[3] الفضل ۲۳ اپریل ۱۹۵۵ء صہ (رپورٹ مکرم مبارک احمد صاحب ساقی)۔

افتتاح مولانا نسیم سیفی صاحب کی تقریر (فلسفہ دُعا) سے ہُوا۔ مقامی حاکم ادبا OBA نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا "جن دنوں ہم تمہاری عمر کے تھے۔ ہمارے ہاں عیسائیت کا اس قدر زور تھا کہ ہمارے لئے مسلمان کہلانا مشکل تھا۔ یہ ۱۹۱۵ء کا ذکر ہے جب ہم نے قادیان میں جماعتِ احمدیہ کو لکھا اور انہوں نے وہاں سے ۱۹۳۲ء میں ایک مشنری بھیجا اور ہم اس قابل ہوئے کہ نائیجیریا میں سب سے پہلا مسلمان سکول جاری کر سکیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس مُلک میں مسلمان قوم کی ترقی کا آغاز احمدیت کے داخل ہونے سے ہُوا۔ لیگس میں ایک نیا احمدیہ سکول جاری کیا گیا جس سے جماعت کے تعلیمی اداروں کی تعداد دس ہو گئی۔[1]

۴ راکتوبر ۱۹۵۵ء کو آل پاکستان مسلم آرگنائزیشن اور ورلڈ اسمبلی آف یوتھ کی ایگزیکٹو کے ممبر جناب انعام اللہ خانصاحب نائیجیریا پہنچے۔ مکرم مولانا نسیم سیفی صاحب، مکرم مولوی مبارک احمد صاحب ساقی اور پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ نائیجیریا نے ہوائی مستقر پر ان کا استقبال کیا۔ آپ احمدیہ مشن ہاؤس میں بھی تشریف لائے اور قرآن مجید کے ڈچ، جرمن، سواحیلی اور انگریزی تراجم کو دیکھ کر بہت متأثر ہوئے۔[2]

سیرالیون مشن

مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب خلیل مبلغ فری ٹاؤن نے اس سال اخبار "ڈیلی میل" کے یہودی رپورٹر سے کئی بار مذہبی گفتگو کی۔ اخبار نے ۱۴ رمارچ کو آپ کا مضمون شائع کیا جس میں اس اَمر کا ذکر تھا کہ مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ یہ مضمون لاکھوں مسیحیوں کی نظر سے گزرا مگر کسی سے کوئی معقول جواب نہ بن پڑا۔ بعض عیسائی اصحاب نے غیر متعلق باتیں چھپوا کر پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔ جو کاسرِ صلیب کے علمِ کلام کی برتری کا بیّن ثبوت تھا۔ ایک مسیحی نے ایڈیٹر "ڈیلی میل" کے نام ایک خط میں مسیحیوں کی اس روش پر تنقید کی۔ ایڈیٹر صاحب "ڈیلی میل" پر اس کا ایسا نمایاں اثر ہُوا کہ انہوں نے ۱۲ رمارچ ۱۹۵۵ء کے جلسہ کے دوران واضح لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اسلام مسیحیت سے بدرجہا بہتر ہے۔[3]

---

[1] روزنامہ الفضل ۲۷ رستمبر ۱۹۵۵ء۔ [2] روزنامہ الفضل ۱۷ رنومبر ۱۹۵۵ء

[3] روزنامہ الفضل ۱۵ راپریل ۱۹۵۵ء صہ۴ (خلاصہ رپورٹ مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب خلیل)۔

مارچ ۱۹۵۵ء میں مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب خلیل نے ایک جلسہ میں تمام مسیحیوں کو حضرت مسیح کی صلیب سے نجات اور سفر کشمیر کے موضوع پر دعوتِ مذاکرہ دی جو اخبار "ڈیلی میل" مورخہ ۱۴ر مارچ ۱۹۵۵ء میں ایک مختصر مضمون کی صورت میں بھی شائع ہوئی۔ یہ مضمون لاکھوں مسیحیوں کی نظر سے گزرا لیکن کسی کو مقابل پر آنے کی جرأت نہ ہوئی حتیٰ کہ اخبار "ڈیلی میل" میں ایک عیسائی نے اپنے طویل خط میں اعتراف کیا کہ مبلغِ اسلام کے چیلنج کا کوئی معقول اور تسلی بخش جواب نہیں دیا گیا۔ مولوی صاحب موصوف نے ایک رپورٹر سے (جو امریکہ اور لائبیریا میں دس سال تک رہے اور ان دنوں فری ٹاؤن میں تھے)۔ اس سلسلہ میں گفتگو کی وہ بہت متأثر ہوئے اور انہیں بھی تسلیم کرنا پڑا کہ بشپ اور دوسرے مسیحی اصل موضوع سے گریز کر گئے ہیں[۱]۔

مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری کی کوشش سے ریاست نے فیصلہ کیا کہ روکوپر احمدیہ سکول کی نئی عمارت سرکاری خرچ پر تیار کی جائے۔ اس کے لئے سولہ سو (۱۶۰۰) پونڈ کی منظوری دی۔ روکوپر میں پندرہ سال سے خانہ خدا قائم کرنے کی کوشش ہو رہی تھی۔ مگر چیفس اور دیگر مخالفین جماعت کے عدمِ تعاون کی وجہ سے معاملہ تعطل میں رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارہ میں بھی کامیابی بخشی۔ چنانچہ آپ کی تحریک پر ۱۳۰ پونڈ میں ایک مکان برلبِ سڑک خرید لیا گیا۔

حضرت مصلح موعودؓ کی دیرینہ خواہش تھی کہ سیرالیون سے ایک جماعتی اخبار جاری کیا جائے۔ یہ خواہش اس سال پوری ہوئی اور ماہ مئی سے "بو" احمدیہ دارالتبلیغ سے ایک پندرہ روزہ اخبار "افریقن کریسنٹ" کے نام سے جاری کیا گیا[۲] اور مشن کے ہیڈ کوارٹر "بو" میں نذیر مسلم پریس سے طبع ہونے لگا۔ یہ نیا پریس حضرت مصلح موعودؓ کی خواہش کے مطابق مولانا نذیر احمد علی صاحب کی یاد میں قائم کیا گیا تھا[۳]۔

ریاست ٹونکیا سیرالیون سے جنوب مشرق میں واقع ہے جہاں عرصہ سے پانچ مختلف مقامات پر دو سو افراد پر مشتمل جماعتیں قائم تھیں اور تین مقامات پر احمدیہ بیوت الذکر بھی تعمیر ہو چکے تھے۔

---

[۱] الفضل ۵ر اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔ [۲] الفضل ۵ر اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۳

[۳] الفضل ۵ر نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۔

اس سال شروع مارچ ۱۹۵۵ء میں وہاں کے پیرا ماؤنٹ چیف ماماداسما نے احمدیوں پر جور و ستم ڈھانے شروع کئے۔ ۳۵ پونڈ جرمانہ کیا، بعض کو زدوکوب کیا۔ اور قید میں ڈالا۔ اور بعض کو تپتی دھوپ میں دو تین گھنٹے کھڑے رہنے پر مجبور کیا۔ حالانکہ اُن کا سوائے اس کے اور کوئی جرم نہ تھا کہ انہوں نے مالک ریاست سے مشورہ کئے بغیر احمدیت کو کیوں قبول کیا اور خدا کے گھر کیوں تعمیر کئے۔ اس تشویشناک صورت حال کی اطلاع ملنے پر مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری اور مکرم مولوی محمود احمد صاحب شاہد اور بو جماعت کے بعض ممبران چیف صاحب سے ملے۔ بعد ازاں ہنگامی میٹنگ کرکے حکام ضلع اور سیرالیون کے اخباروں کو ان احمدیوں پر کئے جانے والے مظالم کی تفصیلات بھجوائیں جس پر سیرالیون پریس نے ان مظالم کے خلاف آواز بلند کی اور احمدیوں کی تائید میں مؤثر اداریئے سپرد قلم کئے جس کے نتیجہ میں گورنمنٹ کی طرف سے پولیس افسروں کو تحقیقات کے لئے بھجوایا گیا اور یہ تکلیف دہ سلسلہ خدا کے فضل سے ختم ہو گیا۔[1]

سیرالیون گورنمنٹ کے وزیر مواصلات و رسل و رسائل آنریبل ایم۔ ایس مصطفےٰ سنوسی نے احمدیہ اخبار ''افریقن کریسنٹ'' پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کے ایڈیٹر کو لکھا:۔

''مَیں آپ کو اور آپ کے احمدیہ مشن کو اس شاندار اور عظیم القدر کام پر جس کا بیڑا آپ نے سارے مغربی افریقہ میں عموماً اور سیرالیون میں خصوصاً اٹھایا ہے ہدیہ مبارکباد پیش کرتے ہوئے دلی خوشی محسوس کرتا ہوں۔ ''افریقن کریسنٹ'' کا اجرا آپ کے کام میں جو آپ تعلیمی اور مذہبی میدان میں سرانجام دے رہے ہیں ایک گرانقدر اضافہ کا موجب ہوا ہے اور سیرالیون کے ایک گروہِ عظیم کی دیرینہ خواہش اور ضرورت کی تکمیل کا پیش خیمہ ہے۔ اس اخبار کا مقصد چونکہ محض اشاعتِ اسلام اور اس کی صحیح اور اصلی تعلیم سے لوگوں کو آشنا کرنا اور ملک کی عام خدمت ہے۔ لہٰذا مجھے امید واثق ہے کہ یہ اخبار خواص اور عوام کی نظروں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

خدا تعالیٰ آپ کے اس نئے فریضہ میں جس کی ذمہ داری آپ نے اٹھائی ہے برکت ڈالے اور متلاشئ حق لوگوں کے دل آپ کی اخلاقی اور مالی امداد کے لئے کھول دے۔ خدا تعالیٰ آپ کو

---

[1] روزنامہ الفضل ۷ راگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۔

توفیق عطا فرمائے کہ آپ اسے استقلال اور مداومت سے جاری رکھ سکیں۔"

مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری انچارج سیرالیون مشن ماہ اگست میں فری ٹاؤن تشریف لے گئے اور برٹش کونسل کے ایک لیکچر میں شرکت کی۔ جہاں ملک کے تمام اخبار نویس، سیرالیون کے چیف منسٹر اور معزز شہری موجود تھے۔ آپ کو ان سے ملنے اور تعلقات پیدا کرنے کا موقع میسر آیا۔ آپ نے سلسلہ کا کچھ لٹریچر مفت تقسیم کیا اور کچھ فروخت کیا۔ اور پریس کے لئے مزید سامان خریدا۔

مکرم قاضی مبارک احمد صاحب۔ مکرم مولوی محمود احمد صاحب شاد اور مکرم مولوی محمد صدیق صاحب شاہد گورداسپوری اور لوکل مبلغ پا فوڈے صاحب نے مختلف جگہوں کے دورے کئے جن میں پیغام حق پہنچایا گیا۔ سال کے شروع میں بو جماعت کے ایک مخلص دوست پا علی رو جس نے ایک مکان مشن کے نام ہبہ کیا۔

جملہ مبلغین کی مساعی کے نتیجہ میں ماہ اگست میں اکیس ۲۱ افراد داخل احمدیت ہوئے۔[1]

جماعت احمدیہ سیرالیون کی ساتویں سالانہ کانفرنس ۱۶؍ دسمبر ۱۹۵۵ء کو نہایت کامیابی سے اختتام پذیر ہوئی۔ یہ کانفرنس احمدیہ سکول بو کے کھلے احاطے میں منعقد ہوئی۔ کانفرنس کے پانچ اجلاس ہوئے۔ کانفرنس کا افتتاح مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری مبلغ انچارج سیرالیون نے کیا جس میں بتایا کہ اس سال خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمیں غیر معمولی کامیابی ہوئی ہے مثلاً بو شہر میں نہ صرف احمدیہ سکول کی عمارت جو عرصہ سے زیر تکمیل تھی مکمل ہوئی ہے بلکہ ایک شاندار مشن ہاؤس بھی تعمیر کیا گیا ہے۔

دوران سال پانچ نئی جماعتیں قائم ہوئیں اور اڑھائی سو افراد شامل احمدیت ہوئے۔ علاوہ ازیں ایک اخبار اور پریس کا قیام عمل میں آیا۔[2]

انڈونیشیا مشن

اپریل ۱۹۵۵ء کے دوران بانڈونگ میں وزراء کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ۲۹ ممالک کے سینکڑوں نمائندے اور بعض کے وزرائے عظام اور سینکڑوں اخباری نمائندے شامل ہوئے۔ مکرم سید شاہ محمد صاحب رئیس التبلیغ انڈونیشیا، ملک

۱؎ الفضل ۱۶؍ نومبر ۱۹۵۵ء (خلاصہ رپورٹ مکرم مولوی محمد صدیق صاحب شاہد گورداسپوری)۔ ۲؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۳ تا ۷؍ فروری ۱۹۵۶ء و سالانہ رپورٹ ۱۲؍ مارچ تا ۱۱؍ مارچ ۱۹۵۶ء (مرتبہ مولوی محمد صدیق صاحب شاہد)۔

عزیز احمد صاحب اور مولوی محمد زہدی صاحب نے ایک ہزار سے زائد کُتب نمائندگان میں تقسیم کیں۔ نیز فلسطین، انڈونیشیا، ترکی، عراق، برما، سیلون، انڈیا اور یمن کے ممالک کے نمائندگان سے تبادلہ خیال بھی کیا۔[1]

شمالی بورنیو مشن

مشن کی طرف سے اس سال انگریزی و ملائی زبان کا ایک سہ ماہی رسالہ PEACE جاری کیا گیا۔ اَب تک مغربی ساحلی علاقہ میں احمدیت قائم تھی۔ اس سال کے ابتداء میں بعض دوسرے علاقوں کی طرف توجہ دی گئی۔ چنانچہ مبلغ سلسلہ مکرم مرزا محمد ادریس صاحب مشرقی ساحل کے دَورے پر تشریف لے گئے۔ جس کے دوران ایک تو رسالہ کی توسیع و اشاعت کا موقع ملا۔ دوسرے دیہاتی لوگوں نے ذوق و شوق سے تبلیغِ حق سُنی۔ آپ کے بعد مکرم مولوی محمد سعید صاحب انصاری بھی اس علاقہ میں تشریف لے گئے۔ ایک زیرِ تبلیغ نوجوان ونتلمورا یوسف صاحب نے بیعت کی۔ جس پر اُن کی بہت سخت مخالفت ہوئی۔ مگر وہ ثابت قدم رہے اسی طرح مکرم مرزا محمد ادریس صاحب کی کوششوں میں بھی خدا نے برکت بخشی اور راناؤ کی بستی کا ایک ہیڈ ماسٹر احمدی ہو گیا جس کے چند روز بعد ایک ریٹائرڈ ٹیچر نے بھی مع اپنی بیوی کے بیعت کر لی۔[2]

اس سال بورنیو مشن کے اثرات نمایاں طور پر ظاہر ہونے شروع ہوئے۔ اور خوشکن اطلاعات مرکز میں پہنچیں جن کی تفصیل حضرت مصلح موعودؓ کی زبانِ مبارک سے درج ذیل کی جاتی ہے:۔

"بورنیو میں اس وقت ہمارے دو مبلّغ ہیں۔ پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس علاقہ میں احمدیت کا پھیلنا مشکل ہے۔ اس لئے یہاں دو مبلغوں کو بٹھانے کی کیا ضرورت ہے اور اس علاقہ میں پہلے بہت ہی تھوڑے احمدی تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہاں صرف ایک ہی احمدی تھے اور وہ ڈاکٹر بدرالدین صاحب تھے۔ مَیں وہاں کے مبلغین کو بار بار کہہ رہا تھا کہ اپنے کام کو بڑھاؤ۔ آخر خدا تعالیٰ کا فضل ہُوا اور اس علاقہ میں احمدیت کے پھیلنے کے سامان پیدا ہو گئے۔ ہمارا ایک مبلغ بورنیو کے ایک حصّہ میں تبلیغ کے لئے گیا اور خدا تعالیٰ کا یہ فضل ہُوا کہ وہاں احمدیت کی ایک رَو پیدا ہو گئی۔ انگریزوں کو

---

[1] الفضل ۲۰ جولائی ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۔ [2] الفضل ۴ ستمبر ۱۹۵۵ء (خلاصہ رپورٹ مکرم ڈاکٹر حافظ بدرالدین صاحب مقیم بورنیو)۔

جب اس رَد کا احساس ہُوا تو حکام نے اس کو دبانا چاہا اور جو شخص بھی احمدی ہونے لگتا اس پر دباؤ ڈالا جاتا کہ اگر وہ احمدی ہو گیا تو اسے ملازمت سے برخواست کر دیا جائے گا یا اسے جائداد سے محروم کر دیا جائے گا۔ لیکن اس کے باوجود ہمارے مبلّغ کو خدا تعالیٰ نے اس علاقہ میں کامیابی عطا فرمائی۔ آج وہاں سے ایک اور خط آیا ہے کہ دوسرے مبلغ کو بھی ایک دوسرے علاقہ میں بھیجا جا رہا ہے۔ اور خیال ہے کہ اگر یہ مبلغ اس علاقہ میں گیا تو وہ سارے کا سارا علاقہ احمدیت میں داخل ہو جائے گا۔ بورنیو میں آبادی کم ہے۔ لیکن علاقہ بہت وسیع ہے۔ اگر انگریزی یا انڈونیشین بورنیو دونوں کو ملا لیا جائے تو اس کا رقبہ ہندوستان کے نصف کے برابر ہے اور پاکستان سے وہ تین چار گُنا زیادہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اس علاقہ میں احمدیت پھیلا دی تو یہ ہمارے لئے بڑی برکت کا باعث ہوگا۔[1]

مجاہدینِ احمدیت کی روانگی اور کامیاب مراجعت

۱۹۵۵ء میں مندرجہ ذیل مجاہدینِ احمدیت بلادِ غیر میں بغرضِ تبلیغِ اسلام تشریف لے گئے:۔

۱۔ مکرم مولوی نذیر احمد صاحب مبشر۔ آپ مع اہل و عیال تیسری بار گولڈ کوسٹ (غانا) تشریف لے گئے۔

۲۔ مکرم صوفی محمد اسحٰق صاحب (۲۸ جنوری ۱۹۵۵ء) برائے گولڈ کوسٹ۔

۳۔ مکرم خلیل احمد صاحب اختر برائے لائبیریا (۲۸ جنوری ۱۹۵۵ء)

۴۔ مکرم چوہدری محمود احمد صاحب چیمہ برائے سیرالیون (۲۸ جنوری ۱۹۵۵ء)

۵۔ مکرم قاضی مبارک احمد صاحب برائے سیرالیون (۲۸ جنوری ۱۹۵۵ء)[2]

۶۔ مکرم شیخ ناصر احمد صاحب برائے سوئٹزرلینڈ (۲۷ فروری ۱۹۵۵ء)[3]

۷۔ مکرم مولوی صالح محمد صاحب برائے لنڈن (۲۴ مارچ ۱۹۵۵ء)[4]

۸۔ مکرم مولوی نور الدین صاحب منیر برائے مشرقی افریقہ (۲۱ جولائی ۱۹۵۵ء)[5]

---

[1] الفضل ۱۸ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۴ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰ دسمبر ۱۹۵۵ء)

[2] الفضل ۲۹ جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۱ (ریکارڈ تحریک جدید کے مطابق روانگی کی تاریخ ۲۷ جنوری ۱۹۵۵ء)۔

[3] الفضل یکم مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۸۔ [4] الفضل ۲۷ مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۸۔ [5] الفضل ۲۲ جولائی ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔

۹۔ مکرم حافظ بشیر الدین صاحب برائے مشرقی افریقہ (۴ر اگست ۱۹۵۵ء)[1]

۱۰۔ مکرم رحیم بخش صاحب برائے برٹش گی آنا (یکم نومبر ۱۹۵۵ء)[2]

۱۱۔ مکرم شیخ نصیر الدین صاحب برائے نائیجیریا (۳ر دسمبر ۱۹۵۵ء)[3]

۱۲۔ مکرم مولانا عبدالواحد صاحب سماٹری برائے انڈونیشیا (۸ر دسمبر ۱۹۵۵ء)[4]

اس سال مندرجہ ذیل مبلغینِ اسلام بیرونی ممالک میں اعلائے کلمۂ حق کا فریضہ کامیابی سے ادا کرنے کے بعد مرکزِ احمدیت واپس تشریف لائے۔

۱۔ مبلغ انڈونیشیا مکرم حکیم عبدالرشید صاحب ارشد (۲۸ر فروری ۱۹۵۵ء)[5]

۲۔ مبلغ امریکہ مکرم مولوی عبدالقادر صاحب ضیغم (۱۴ر اپریل ۱۹۵۵ء)[6]

۳۔ مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ مبلغ انگلستان (۱۶ر اپریل ۱۹۵۵ء)[7]

۴۔ مبلغ امریکہ مکرم چوہدری غلام یٰسین صاحب (۱۲ر مئی ۱۹۵۵ء)[8]

۵۔ مبلغ گولڈکوسٹ مکرم مولوی عطاء اللہ صاحب کلیم (۶ر جون ۱۹۵۵ء)[9]

۶۔ مبلغ انڈونیشیا مکرم میاں عبدالحئی صاحب (۲۵ر ستمبر ۱۹۵۵ء)[10]

۷۔ مبلغ انچارج امریکہ مکرم چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر (۲۸ر ستمبر ۱۹۵۵ء)[11]

۸۔ مکرم چوہدری محمد شریف صاحب مبلغ فلسطین (۱۴ر دسمبر ۱۹۵۵ء)[12]

ان مبلغین کے علاوہ ۳ر فروری ۱۹۵۵ء کو انگلستان سے شیخ مبارک احمد صاحب (ابن خانصاحب فرزند علی صاحبؓ) کی مراجعت بھی ہوئی۔ آپ ۱۱ر اگست ۱۹۵۱ء کو ربوہ سے بغرض تعلیم روانہ ہوئے تھے۔ اس عرصہ میں آپ شام، جرمنی اور انگلستان میں مختلف علوم کی تحصیل میں مصروف رہے۔[13]

۱؎ الفضل ۵ر اگست ۱۹۵۵ء صفحہ۱ (اخبار میں سہواً ۴ر جولائی لکھا ہے)۔ ۲؎ الفضل ۳ر نومبر ۱۹۵۵ء صفحہ۱
۳؎ ریکارڈ تحریک جدید۔ ۴؎ الفضل ۹ر دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ۱۔ ۵؎ الفضل ۲ر مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ۱
۶؎ الفضل ۱۶ر اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ۱۔ ۷؎ الفضل ۱۷ر اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ۱۔ ۸؎ الفضل ۱۶ر مئی ۱۹۵۵ء صفحہ۱
۹؎ الفضل ۸ر جون ۱۹۵۵ء صفحہ۱۔ ۱۰؎ الفضل ۳۰ر ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ۵۔ ۱۱؎ الفضل ۳۰ر ستمبر ۱۹۵۵ء صفحہ۸
۱۲؎ الفضل ۱۶ر دسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ۱۔ ۱۳؎ الفضل ۵ر فروری ۱۹۵۵ء صفحہ۱۔

نئی مطبوعات

اس سال کی چند قابلِ ذکر اور مشہور مطبوعاتِ سلسلہ یہ ہیں:۔

۱۔ "حیاتِ قدسی" حصہ چہارم (از حضرت مولانا غلام رسول صاحب قدسی راجیکی مبلغ سلسلہ احمدیہ)۔

۲۔ "تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر ایک نظر" (از خالد احمدیت مولانا جلال الدین صاحب شمس انچارج تالیف و تصنیف صدر انجمن احمدیہ)۔

۳۔ "شمع حرم[1] مع قندیل حرم" ہر دو[2] حصہ (مؤلف حکیم عبداللطیف صاحب شاہد منشی فاضل، ادیب فاضل نمبر ۱۴ مین بازار گوالمنڈی لاہور)

۴۔ سیرت حضرت مولانا شیر علی رضی اللہ عنہ (مرتبہ ملک نذیر احمد ریاض لیکچرار جامعۃ المبشرین ربوہ)۔ اس کتاب کا پیش لفظ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ نے رقم فرمایا۔

۵۔ حیات فیض (مرتبہ مولانا عبد المالک خانصاحب مربی سلسلہ احمدیہ کراچی)۔

۶۔ رسالہ حج (مصنفہ مولوی عبداللطیف صاحب فاضل بہاولپوری۔ ناشر الشرکۃ الاسلامیہ)

۷۔ علامات شناخت انبیاء (از مکرم مولوی غلام باری صاحب سیف پروفیسر جامعۃ المبشرین۔ ناشر الشرکۃ الاسلامیہ)۔

۸۔ عبرت ناک انجام (از مکرم چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر انچارج احمدیہ مشن امریکہ ناشر الشرکۃ الاسلامیہ)۔

۹۔ آزاد بھارت۔ (مکرم گیانی عباد اللہ صاحب۔ ریسرچ سکالر سکھ ازم ناشر الشرکۃ الاسلامیہ[3])

ان کتب کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کی زیرِ نگرانی بڑے سائز پر ربوہ کا ایک نقشہ بھی شائع ہوا[4] جس میں شہر کی سڑکوں، گلیوں اور دیگر مشہور پبلک مقامات کو نمایاں کیا گیا تھا۔ نقشہ کی ایک بڑی غرض جلسہ سالانہ پر آنے والے دوستوں کی راہنمائی اور ان کی جائے رہائش سے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچانا تھا۔

---

[1] مسلمان خواتین کے لئے فقہی مسائل اور اسلامی ہدایات کا مجموعہ (فقہ احمدیہ) کا دوسرا ایڈیشن مفید اضافوں کے ساتھ۔

[2] مولانا عبدالمجید صاحب سالک نے اس کتاب پر یہ تبصرہ کیا کہ "مجھے یہ کتاب بے حد پسند آئی۔ اس کی سادگی سلاست، اور اثر انگیزی قابلِ قدر ہے۔" (الفضل ۲۸ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۶)

[3] الفضل ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۲ ۔ [4] الفضل ۱۰ مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۴ ۔

تیسرا باب

احمدیہ مشن لائبیریا کا قیام اور اس کی شاندار دینی خدمات

فصل اوّل

لائبیریا کا ملک، افریقہ کے مغربی ساحل پر گنی کے جنوب، سیرالیون کے جنوب مشرق اور ایوری کوسٹ کے مغرب میں واقع ہے۔ یہ افریقہ کی سب سے پرانی جمہوری ریاست ہے۔ جس کی بنیاد ۱۸۲۲ء میں اُن افریقیوں کے ذریعہ سے رکھی گئی جو امریکن کالونائزیشن سوسائٹی AMERICAN COLONIZATION SOCIETY کے زیر انتظام یہاں آباد کئے گئے تھے۔ لائبیریا ۱۸۴۷ء میں جمہوری ملک بنا۔ اس ملک کے مقبول ترین صدر ولیم وی ایس ٹب مین WILLIAM V.S TUBMAN تھے جو ۱۹۴۴ء سے بار بار منتخب ہوتے رہے اور اپنی وفات (۱۹۷۱ء) تک اسی عہدے پر فائز رہے۔ ملک کا دارالسلطنت منروویا MONROVIA ہے۔ جس کے باشندوں کی غالب اکثریت عیسائی ہے۔

لائبیریا میں احمدیت کا پیغام اس ملک میں احمدیت کا پیغام سب سے پہلے ۱۹۱۷ء میں پہنچا جبکہ کالج کے ایک پروفیسر نے احمدیہ مشن لنڈن سے لٹریچر منگوایا۔[1] اس واقعہ کے قریباً چونتیس سال بعد ۱۹۵۲ء کے اوائل میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر مکرم مولوی محمد صدیق

---

[1] الفضل ۲۴ نومبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۲ (خط حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب بی۔ اے بی ٹی مبلغ لنڈن)

صاحب امرتسری مبلغ سیرالیون نے بذریعہ ڈاک نیز سیرالیون کے بعض مخلص احمدیوں کے ذریعہ سے لائبیریا میں بہت سا انگریزی اور عربی لٹریچر بھجوایا۔ پھر مئی ۱۹۵۲ء میں خود بھی ایک ماہ کے دَورے پر یہاں آئے۔ آپ پہلے احمدی مبلغ تھے جو اس مُلک میں تشریف لائے۔ اس دوران آپ نے صدر مملکت ولیم ٹب مین سے ملاقات کی اور انہیں قرآن مجید کی انگریزی تفسیر اور دوسرا اسلامی لٹریچر تحفۃً پیش کیا۔ صدر ٹب مین نے اس آسمانی تحفے کا دلی شکریہ ادا کیا اور وعدہ کیا کہ لائبیریا کے مُسلم عوام کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں جماعت احمدیہ جو بھی قدم اٹھائے گی حکومت اس کا خیر مقدم کرے گی۔ لائبیریا کے اخبار لسنر LISTNER نے اس ملاقات کی نمایاں خبر شائع کی۔[1]

مشن کی بنیاد لائبیریا مشن کی بنیاد رکھنے کی سعادت صوفی محمد اسحٰق صاحب کے حصّے میں آئی جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کے حکم پر ۳؍جنوری ۱۹۵۶ء[2] کی صبح کو بذریعہ بحری جہاز منروویا پہنچے۔ صدرِ جمہوریہ کے انتخاب کے باعث آپ کے جہاز کو چند روز تک کھلے سمندر میں بندرگاہ کے باہر ٹھہرنا پڑا۔ ۶؍جنوری کو جہاز بندرگاہ میں داخل ہوا۔ آپ قریباً اٹھارہ روز تک ایک لبنانی تاجر یحییٰ علی[3] کے ہاں قیام فرما رہے اور خاصی تگ و دو کے بعد نمبر ۱۱۶ اکبری سٹریٹ میں تیس ڈالر پر ایک کمرہ کرائے پرلے کر اشاعت احمدیت کا فریضہ انجام دینا شروع کر دیا۔ یہ ۲۴؍جنوری ۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے۔ جس کے بعد آپ نے ایک قرآن کلاس کھول دی۔ جس سے لوگوں میں آہستہ آہستہ چرچا شروع ہو گیا۔ ایک جمعہ کے موقع پر آپ کو امام کی اجازت سے نماز جمعہ کے بعد غیر احمدی مسلمانوں میں لیکچر دینے کا موقع ملا بعد میں چند صحرائی عربوں نے وفاتِ مسیح کے متعلق سوالات کئے جس پر آپ نے شیخ الجامع الازہر الاستاذ محمود شلتوت[4] کا فتویٰ پیش کیا جو قاہرہ کے ہفت روزہ "الرسالہ" (۱۱؍مئی ۱۹۴۲ء) میں رفع عیسیٰ کے نام سے شائع ہوا۔[5] اس طرح عام مسلمانوں میں بحیثیت مبلّغ احمدیت آپ کا ابتدائی تعارف ہوا۔ شروع فروری ۱۹۵۶ء میں آپ نے اندرونِ مُلک دَوروں کا آغاز کیا

---

[1] الفضل ۵؍جون ۱۹۵۲ء صفحہ ۵۔ [2] ڈائری ۲۸؍جنوری تا ۳؍فروری ۱۹۵۶ء مرسلہ صوفی محمد اسحٰق صاحب از لائبیریا (ریکارڈ تحریک جدید)۔ [3] آپ مکرم مولوی مبارک احمد صاحب ساقی کے زمانہ میں احمدی ہوئے اور لائبیریا میں ہی انتقال کیا۔
[4] ولادت ۱۸۹۳ء وفات ۱۹۶۳ء۔ [5] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد ۹ صفحہ ۲۹۷ - ۳۱۳۔

اور پہلی بار ابینہ گاؤں میں پہنچے۔ آپ نے ایسے مؤثر رنگ میں پیغامِ حق پہنچایا کہ ایک عالمِ دین اسمٰعیل مالک داخلِ احمدیت ہو گئے۔ یہ آپ کی تبلیغ کا پہلا شیریں ثمر تھا۔[1] جس کے بعد آہستہ آہستہ سعید روحیں احمدیت سے وابستہ ہونے لگیں اور جلد ہی ایک مختصر مگر فعّال جماعت کا قیام عمل میں آگیا۔

حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایات اور تبلیغی وسعت

صوفی صاحب نے دارالسلطنت کے مختلف مسلمان محلّوں میں لیکچر دینے شروع کئے جس سے شہر میں بھی حرکت پیدا ہو گئی اس پر حضرت مُصلح موعودؓ نے ہدایت بھجوائی کہ:۔

"ابھی موقع ہے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات بڑھاؤ ان کو تحفے وغیرہ دیتے رہو اور جلدی کوشش کرو کہ لائبیریا سارا احمدی ہو جائے۔"

ازاں بعد صوفی صاحب کی تبلیغی رپورٹ (مورخہ ۱۳ر مارچ ۱۹۵۶ء) پر ہدایت فرمائی کہ "آپ احمدی بنائیں اور چندہ لیں پھر خرچ بھجوانے میں آسانی رہے گی۔" چنانچہ آپ نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں تیز تر کر دیں۔ اپریل ۱۹۵۶ء میں افواج کے کمانڈنگ آفیسر سے ملاقات کی اور انہیں احمدیت کا پیغام پہنچایا۔ جون ۱۹۵۶ء میں چیف کمشنر سے ملے اور انہیں تحریکِ احمدیت سے متعارف کرایا۔ جولائی ۱۹۵۶ء میں لائبیریا یونیورسٹی کے پریذیڈنٹ کو یونیورسٹی میں عربی کلاسز جاری کرنے کی تحریک کی۔ اگرچہ پوری یونیورسٹی میں کوئی مسلمان پروفیسر اور طالب علم نہیں تھا۔ تاہم انہوں نے یہ تجویز منظور کر لی اور یونیورسٹی کی طرف سے اس کا اعلان بھی پریس میں شائع کروا دیا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ محکمہ تعلیم نے مسلمانانِ لائبیریا کو اجازت دے دی کہ اُن کے علاقوں میں جو سرکاری سکول ہیں اور اُن کو کوئی عربی معلّم مل سکتا ہے تو وہ اپنے طلبا کو عربی کی بھی تعلیم دیں۔ صوفی صاحب کو مُسلم حقوق کی جدوجہد میں دوسری کامیابی یہ ہوئی کہ وزیرِ دفاع نے فوجیوں میں تبلیغِ اسلام کی منظوری دے دی۔

اگست ۱۹۵۶ء سے آپ نے تحریری رنگ میں بھی اشاعتِ اسلام کی طرف توجہ شروع کر دی۔ اس سلسلہ میں آپ کا ایک مضمون اخبار "لائبیرین ایج" LIBERIAN AGE میں ۱۴ر اگست ۱۹۵۶ء کو شائع ہوا۔ یہ مضمون امریکی رسالہ "ریڈرز ڈائجسٹ" (مئی ۱۹۵۵ء) کے ایک مخالفِ اسلام

---

[1] رپورٹ جناب صوفی محمد اسحٰق صاحب مورخہ ۵ر فروری ۱۹۵۶ء ریکارڈ تحریک جدید وکالت تبشیر و الفضل ۱۰، ۱۱ر اپریل ۱۹۵۶ء ص ۳

مضمون کے جواب میں تھا۔

انہی ایّام میں آپ نے ایک شبینہ تعلیمی کلاس جاری کی جس میں کئی افراد نے داخلہ لیا۔ یہ کلاس بھی تبلیغ کا ایک عُمدہ ذریعہ ثابت ہوئی۔ ستمبر ۱۹۵۶ء میں آپ نے بہائیوں سے تبادلہ خیالات کر کے اُن پر اتمام حجّت کی۔ آپ شروع ہی سے باقاعدگی کے ساتھ منزدویا کے محلہ واٹی ٹاؤن کے مسلمانوں کو بھی تبلیغ کرتے آرہے تھے جس کا مخالفانہ ردِّ عمل بھی ظاہر ہونا شروع ہو گیا۔ مگر آپ نے صبر و تحمّل کے ساتھ اپنا مشن جاری رکھا۔ جس کا خوشگوار اثر چیف پر ہُوا۔ اور اس نے آپ کی ایک تقریر کے بعد آپ کے رویہ کی بہت تعریف کی۔ آپ نے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں یہ خوشکُن اطلاع بھجوائی تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"آپ گالیاں سُن کر دُعا دیں۔ اتنی نرمی کریں کہ اُن کے دل شرمندگی سے بھر جائیں۔ بلکہ اظہار بھی کریں کہ اگر آپ جوتیاں بھی ماریں تو مَیں آپ کی ہدایت کے لئے کوشش کرتا رہوں گا۔ آپ بہائی عورت کے پیچھے پڑے رہیں۔ اور دُعا کرتے رہیں میں بھی دُعا کروں گا۔ اور کہیں کہ آپ اُنّیس سال کے بعد بہائیت نہیں چھوڑ سکتیں تو ہم ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد کس طرح اسلام چھوڑ سکتے ہیں۔"[۱]

صوفی صاحب نے ایک خاص تبلیغی مہم جاری کی۔ جس کے تحت سرکاری حکام اور دیگر معززین سے خاص طور پر رابطہ قائم کیا۔ آپ نے حلقہ تبلیغ کو وسیع کرنے کے لئے سلسلہ کے انگریزی لٹریچر کو پھیلانے کا بھی انتظام کیا جس کے نتائج بہت جلد ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔[۲] اس کامیاب تجربہ کے بعد آپ نے اگلے سال ایک بُک شاپ قائم کر دی جس سے مشن کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں بہت مدد ملی۔

۱۲؍جون ۱۹۵۷ء کو آپ نے پریذیڈنٹ ہاؤس میں سربراہِ مملکت کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا جس میں درخواست کی کہ اس ملک کے مسلمان آپ کی وفادار رعیت ہیں۔ ان کی ترقی کے لئے مناسب اقدام فرمایا جائے۔ نیز تجویز پیش کی کہ یونیورسٹی میں عربی زبان کی تعلیم کا انتظام کیا جائے اور اس کے لئے آپ نے اپنی رضاکارانہ خدمات پیش کیں۔ پریذیڈنٹ صاحب نے ان امور پر غور کا وعدہ کیا۔[۳]

---

[۱] فائل لائبیریا مشن تحریک جدید وکالت تبشیر و الفضل ۱۳؍جنوری ۱۹۵۷ء۔

[۲] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۳، ۱۶؍اکتوبر ۱۹۵۶ء۔ [۳] الفضل ۱۱؍ستمبر ۱۹۵۷ء صہ ۲ (تبوک ۱۳۳۶ھش)۔

دوسرے احمدی مشنوں کی طرح لائبیریا مشن میں بھی صداقتِ احمدیت کے کئی نشان ظاہر ہوئے۔ چنانچہ صوفی محمد اسحٰق صاحب اپنی ایک رپورٹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

"لائبیریا میں قیام کے شروع میں وہاں ایک لبنانی تاجر مسلمان منصور عطر نامی نے مخالفت شروع کر دی حتیٰ کہ ایک اخبار میں میرے خلاف کچھ نازیبا ریمارکس بھی شائع کرائے جس پر میں اس سے ملا مگر اس کا رویہ معاندانہ اور متکبرانہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مسیح موعودؑ کو الہام کیا تھا کہ "اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ وَاِنِّیْ مُعِیْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِعَانَتَکَ" چنانچہ اس الٰہی وعدہ کے مطابق چند ماہ کے اندر اندر اس شخص کی رسوائی اور مُلک بدری کا انتظام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس طرح ہُوا کہ اس مُلک میں بسیں چلانے کی کسی غیر ملکی کو اجازت نہ تھی۔ لیکن یہ اس میں ملوّث پایا گیا جس پر اسے فوراً مُلک بدر ہونے کا نوٹس مل گیا۔ اور اسے اپنا سارا تجارتی کاروبار اونے پونے فروخت کر کے مُلک سے نکلنا پڑا۔

اسی طرح ایک دفعہ منرودیا کے بعض سرکردہ مسلمان جو دَر پردہ جماعت کے دشمن تھے صدر مملکت ٹب مین کو ملے اور اُن سے درخواست کی کہ وہ اس عاجز کو ملک بدر کر دیں لیکن صدر صاحب نے ان مسلمانوں کو جواب دیا کہ احمدیہ مشن ایک بین الاقوامی تنظیم ہے۔ پس جب تک جماعت احمدیہ کا مبلغ لائبیریا کے مُلکی قوانین کی خلاف ورزی نہیں کرتا وہ اسے مُلک سے نکل جانے کا حکم نہیں دے سکتے۔ جس پر یہ سب ناکام ہو کر واپس آگئے۔[1]

صوفی صاحب موصوف لائبیریا میں تقریباً سوا تین سال مصروفِ جہاد رہے۔ اس قلیل عرصہ میں نہ صرف یہ کہ مُلک میں اسلام اور احمدیّت کا چرچا مُلک کے ہر طبقہ میں شروع ہو گیا۔ بلکہ مشن مالی اعتبار سے بھی بہت حد تک خود کفیل ہو گیا اور علمی طبقے کا ایک اہم مرکز بن گیا۔

---

[1] ملخص رپورٹ مرتبہ جناب صوفی محمد اسحٰق صاحب

فصلِ دوم

دوسرے مجاہدینِ احمدیت کی تبلیغی سرگرمیاں

صوفی محمد اسحٰق صاحب سوا تین سال کے بعد ۲۹؍مارچ ۱۹۵۹ء کو مرکزِ احمدیت ربوہ میں واپس تشریف لائے[1]۔

آپ کے بعد بالترتیب مندرجہ ذیل مجاہدینِ احمدیت نے انچارج مشن کے فرائض سرانجام دیئے اور تبلیغی سرگرمیوں کو وسیع سے وسیع تر کر دیا:۔

۱۔ مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری (از ۲۷؍اپریل ۱۹۵۹ء/شہادت ۱۳۳۸ہش تا ۲۶؍دسمبر ۱۹۶۰ء/فتح ۱۳۳۹ہش)۔

۲۔ مولوی مبارک احمد صاحب ساقی (از ۶؍اکتوبر ۱۹۶۰ء/اخاء ۱۳۳۹ہش تا ۱۵؍دسمبر ۱۹۶۹ء/فتح ۱۳۴۸ہش)۔

۳۔ مولوی امین اللہ صاحب سالک (از ۱۴؍اکتوبر ۱۹۶۹ء/اخاء ۱۳۴۸ہش تا ۱۱؍فروری ۱۹۷۴ء/تبلیغ ۱۳۵۳ہش)۔

۴۔ چوہدری رشید الدین صاحب (از ۲۱؍نومبر ۱۹۷۳ء/نبوت ۱۳۵۲ہش تا ۳۰؍مارچ ۱۹۷۷ء/امان ۱۳۵۶ہش)۔

۵۔ مولوی عطاء الکریم صاحب شاہد (از ۵؍نومبر ۱۹۷۶ء/نبوت ۱۳۵۵ہش تا ۷؍جولائی ۱۹۸۰ء/وفا ۱۳۵۹ہش)[2]

۶۔ مولوی عبدالشکور صاحب۔ آپ ۱۶؍فروری ۱۹۸۰ء[3] (تبلیغ ۱۳۵۹ہش) کی شب کو منروویا پہنچے۔ ۱۹؍جون ۱۹۸۰ء/احسان ۱۳۵۹ہش کو اس مشن کا چارج سنبھالا۔ اور اَب تک لائبیریا میں تبلیغی خدمات بجا لا رہے ہیں۔ اکتوبر ۱۹۸۱ء میں دو مقامی مبلغین غانا کے مشنری کالج سے کورس مکمّل کر کے آئے تو دو نئی شاخیں کھول دی گئیں اور وہاں ان کو متعین کر دیا گیا۔ ان میں سے ایک مبلغ ۱۹۸۲ء کے شروع میں فارغ ہوگئے۔ تاہم دوسرے مبلّغ مکرم علی ساما صاحب بدستور نہایت دلجمعی سے خدمتِ دین میں

---

[1] الفضل ۲۹؍مارچ ۱۹۵۹ء ص۱ ۔ [2]، [3] ریکارڈ وکالت تبشیر لائبیریا مشن

مصروف ہیں[1]۔

ان مبلغین نے اپنے عرصہ تبلیغ میں اشاعتِ حق کے لئے قابلِ قدر خدمات انجام دیں اور کئی اہم واقعات رونما ہوئے۔ جن میں سے بعض کا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔

سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ کو لٹریچر

۱۔ دسمبر ۱۹۵۹ء میں اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل ڈیگ ہیمر شولڈ لائبیریا تشریف لائے۔ اس موقع پر مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری نے ۲۳ دسمبر ۱۹۵۹ء کو ان سے ملاقات کر کے ان کی خدمت میں بیش قیمت اسلامی لٹریچر کے علاوہ ایک ایڈریس بھی پیش کیا جس میں اسلام اور تحریکِ احمدیت کے متعلق تعارف کرانے کے بعد ان کی توجہ قرآن کریم کی سورہ حجرات کی دسویں آیت کی طرف مبذول کرائی جس میں اسلامی لیگ آف نیشنز کا نقشہ پیش کیا گیا ہے اور جسے حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۹۲۴ء میں ویمبلے کانفرنس کے موقع پر اپنے مشہور لیکچر "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" میں پیش فرمایا تھا۔

اس میمورنڈم کے جواب میں سیکرٹری جنرل کے پرسنل سیکرٹری ڈبلیو وچسٹر نے نیویارک سے حسب ذیل مراسلہ مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری کو بھیجا:۔

"اقوامِ متحدہ ایگزیکٹو آفس آف دی سیکرٹری جنرل

۱۶ فروری ۱۹۶۰ء

محترم الحاج صدیق صاحب۔ مجھے یونائیٹڈ نیشنز کے سیکرٹری جنرل صاحب کی طرف سے ہدایت کی گئی ہے کہ میں آپ کی چٹھیوں مورخہ ۲۳ دسمبر اور ۸ جنوری ۱۹۶۰ء کا شکریہ ادا کروں۔ نیز آپ کی اس مہربانی پر بھی ان کی طرف سے شکریہ ادا کروں جو کہ آپ نے قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کا ایک نسخہ اور دیگر مفید اسلامی لٹریچر ارسال کر کے، سیکرٹری جنرل صاحب پر کی ہے۔

سیکرٹری جنرل آپ کے ان تحائف اور نیک جذبات کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

آپ کا خیر اندیش ــــ ڈبلیو وچسٹر پرسنل سیکرٹری[2]" (ترجمہ)

---

[1] مکتوب مولوی عبدالشکور صاحب مبلغ انچارج لائبیریا (۱۵ اکتوبر ۱۹۸۴ء)۔

[2] الفضل ۲۴ اپریل ۱۹۶۰ء صفحہ ۴۔

ڈاکٹر بلی گراہم پر اتمامِ حجّت

۲۔ جنوری ۱۹۶۰ء کے آخر میں مشہور امریکن پادری ڈاکٹر بلی گراہم آٹھ امریکن پادریوں کے ہمراہ افریقن ممالک کے دَورہ پر سب سے پہلے مغربی افریقہ کے ملک لائبیریا آئے۔ وہاں انہوں نے اپنے تین روزہ قیام کے دوران عیسائیت پر تین پبلک لیکچر دیئے۔ لوگوں کو یہ لیکچر سُننے پر آمادہ کرنے کیلئے منروویا MONROVIA دارالحکومت میں بے شمار ہینڈ بل تقسیم کئے گئے۔ حتّٰی کہ ہوائی جہازوں کے ذریعہ بھی یہ اشتہار شہر پر پھینکے جاتے رہے۔ لوکل اخبارات میں بھی ایک ہفتہ تک خُوب پراپیگنڈہ ہوتا رہا۔ اور یہ سب پراپیگنڈہ امریکن کونسل کی طرف سے کیا جاتا رہا۔

ہوائی اڈہ پر اور پھر شہر میں ڈاکٹر گراہم کا عیسائیوں کی طرف سے شاندار استقبال کیا گیا۔ جس میں لائبیریا کے پریذیڈنٹ جناب ولیم ٹب مین خود شریک ہوئے اور ڈاکٹر گراہم کے تینوں لیکچروں کے موقع پر صدارت کے فرائض بھی انہوں نے خود انجام دیئے۔ ڈاکٹر گراہم ایک نہایت ہوشیار اور مشّاق لیکچرار اور بین الاقوامی شہرت کے مالک پادری ہیں۔ بقول ان کے اس وقت ان کا ہفتہ واری لیکچر "فیصلہ کا وقت" ایک ہزار ریڈیو اسٹیشنوں سے براڈ کاسٹ کیا جاتا تھا۔

ڈاکٹر گراہم نے اپنے لیکچروں کے دوران قرآن مجید پر زبردست تنقید کی کہ اس میں نسلِ انسانی کی نجات اور دُنیا کے مستقبل کا کوئی ذکر نہیں۔ نہ کوئی پیشگوئی موجود ہے۔ اس پر مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری نے ان کی آخری تقریر میں پبلک مناظرہ کا چیلنج دیا اور جمہوریہ متحدہ عربیہ (مصر) کے سفیر مقیم لائبیریا استاذ انور فرید اور ایک امریکن پریس رپورٹر نے آپ کی تائید کی اور اُن سے کہا کہ اوّل تو آپ کو قرآن مجید کا اس رنگ میں ذکر ہی نہیں کرنا چاہیئے تھا اور اگر کیا ہے تو اب احمدی مبلغ کو اپنے جلسے میں جواب دینے کا موقع دیں۔ مگر ڈاکٹر گراہم کاسرِ صلیب کے شاگرد کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ کر سکے۔

ڈاکٹر بلی گراہم صاحب کے نائیجیریا اور مشرقی افریقہ پہنچنے پر ہمارے وہاں کے مبلغین کرام نے بھی انہیں اس قسم کے کھلے چیلنج دیئے بلکہ مقابلۃً دعا کا نشان دکھانے اور دیکھنے کی بھی دعوت دی مگر افسوس وہاں بھی وہ گریز کرتے رہے اور پبلک کے آمادہ کرنے کے باوجود مجاہدینِ احمدیت سے ایسا روحانی مقابلہ نہ کر سکے اور دَورے سے واپسی پر امریکہ پہنچ کر بیان دیا کہ "میری حالیہ تحقیق

کے مطابق افریقہ میں اسلام کی ترقی اور رفتار عیسائیت کی نسبت بہت زیادہ تیز ہے اور باوجود عیسائی مبلغین کی انتھک کوششوں کے اور ہر قسم کے طریقے استعمال کرنے کے اب تک تیز ہے بلکہ جہاں تین افراد عیسائیت میں داخل ہوتے ہیں وہاں اس کے مقابل سات افراد اسلام قبول کرتے ہیں گویا سات اور تین کی نسبت ہے بلکہ بعض عیسائی لیڈروں کے نزدیک دس اور ایک کی نسبت ہے۔[۱]

حبشہ کے شہنشاہ ہیل سلاسی کو پیغامِ حق

۳۔ دسمبر ۱۹۶۰ء میں حبشہ کے شہنشاہ ہیل سلاسی اوّل لائبیریا تشریف لائے۔ ۶ر دسمبر ۱۹۶۰ء کو مولانا محمد صدیق صاحب نے ان کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا جس میں تاریخِ اسلام کے ابتدائی واقعات کی روشنی میں واضح کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے صحابہ شاہِ حبشہ اور اس کے مُلک کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

ایڈریس کے بعد آپ نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ اور تفسیر کا ہدیہ پیش کیا جسے شہنشاہ نے کھڑے ہو کر وصول کیا اور بتایا کہ مَیں عربی جانتا ہوں اور نجاشی شاہِ حبشہ کی نسل میں ترپیسٹھواں بادشاہ ہوں۔

جماعتِ احمدیہ کی غیر معمولی ترقی

۴۔ مولوی مبارک احمد صاحب ساقی کے زمانہ میں ۱۹۶۳ء کے شروع میں ماؤنٹ برکلے MOUNT BARCLAY اور پیگ وے PAG WAY گاؤں[۲] کے اکثر لوگ احمدی ہوگئے۔

آپ نے اُن دنوں ایک جگہ پیغامِ احمدیت پہنچایا جس پر ایک مُعمّر خاتون نے (جو صاحب کرامات سمجھی جاتی تھی فریضہ حج بھی ادا کر چکی تھی اور اس نے ایک پختہ مسجد بھی بنوائی تھی) حاضرین سے کہا کہ مَیں نے آج سے بیس برس قبل آپ کو بتایا تھا کہ مجھے خواب میں ایک شخص نے کہا ہے کہ امام الزمان آ چکا ہے اور عنقریب اس کا نام یہاں پہنچنے والا ہے۔ دیکھو میری بات سچّی ہوگئی اس لئے مَیں بغیر کسی حیل وحُجّت کے احمدی ہونے کا اعلان کرتی ہوں۔

---

[۱] رسالہ "ٹائمز" ۱۵ر فروری ۱۹۶۰ء (ترجمہ) [۲] رپورٹ مولوی مبارک احمد صاحب ساقی ۲۵ر جنوری ۱۲ر فروری ۱۹۶۳ء ریکارڈ وکالتِ تبشیر تحریک جدید ربوہ تبلیغ ۱۳۴۲ھش ۔

قبل ازیں آپ تنہا تبلیغی فرائض انجام دے رہے تھے۔ لیکن شروع ۱۹۶۳ء میں مکرم مولوی بشارت احمد صاحب بشیر انچارج احمدیہ مشن سیرالیون نے ایک لوکل مبلغ بھی لائبیریا بھیج دیا۔ جن کے ذریعہ تبلیغ کا سلسلہ دیہات تک وسیع ہو گیا۔ بعد ازاں گیمبیا کے ایک لوکل مبلغ بھی کچھ عرصہ کے لئے پہنچ گئے اور مڈنگو زبان بولنے والوں میں بھی سُرعت سے حق کا نُور پھیلنے لگا۔ یہاں تک کہ اکتوبر ۱۹۶۴ء میں لائبیریا کی احمدیہ جماعت کی مجموعی تعداد ایک سو سے اُوپر ہو گئی[1]۔

لائبیریا پریس میں اثر و نفوذ

۵۔ محترم ساقی صاحب کے ذریعہ لائبیریا پریس میں اسلام اور احمدیت کی آواز کا خاصا اثر و نفوذ ہُوا۔ موصوف لائبیریا کے صحافیوں کی انجمن LIBERIAN UNION OF JOURNALISTS کے ممبر تھے اور اکثر صحافیوں سے گہرا رابطہ رکھتے تھے۔ آپ کی تجویز پر منروویا کے کثیر الاشاعت اخبار دی لائبیرین ایج THE LIBERIAN AGE نے جمعہ کے روز مسلمانوں کے لئے نیا کالم جاری کیا جس میں آپ کے دینی مضامین باقاعدگی کے ساتھ چھپتے رہے۔ مسلمانانِ لائبیریا کے پڑھے لکھے طبقہ نے اعتراف کیا کہ یہ پہلا موقع ہے کہ اس عیسائی ملک میں اسلام کا نام برملا لیا جا رہا ہے۔ ان مضامین کے نتیجہ میں ہی مسٹر کوامی یاتر حلقہ بگوشِ احمدیت ہوئے جو بعد میں جماعت کے جنرل سیکرٹری بنے[2]۔

ریڈیو اور ٹیلیویژن پر دینِ حق کا چرچا

۶۔ مولوی مبارک احمد صاحب ساقی اور اُن کے بعد تشریف لے جانے والے مبلغین کے دَور میں اسلام کا چرچا پریس کے علاوہ ریڈیو اور ٹیلیویژن میں بھی شروع ہو گیا۔ اور مبلغین ہر جُمعہ کو لائبیریا ریڈیو پر کسی نہ کسی اسلامی موضوع پر تقریریں نشر کرنے لگے۔

جنوری ۱۹۶۴ء کے آغاز میں لائبیریا میں ٹیلیویژن جاری ہُوا اور اسی ماہ ٹب مین کے پانچویں دفعہ صدر منتخب ہونے کا جشن منایا گیا۔ ٹیلیویژن کے مینیجر نے یہ انتظام کیا کہ جب پروگرام کا اختتام ہو تو مختلف فرقوں کے رہنما ٹیلیویژن پر دُعائیہ کلمات کہیں اور پبلک کو مختلف مذہبی امور کی طرف توجہ

---

[1] ۱۹۶۳ء کی مرسلہ رپورٹیں (فائل نائیجیریا مشن وکالت تبشیر تحریک جدید)

[2] غیر مطبوعہ یادداشتیں (تحریر کردہ مولوی مبارک احمد صاحب ساقی)

دلایا کریں اور اس غرض کے لئے مسلمانوں کے لئے جمعہ کا دن تجویز ہوا۔ اس سلسلہ میں مسلمانوں کے جو دو نمائندگان چنے گئے اُن میں مولوی مبارک احمد صاحب ساقی انچارج مشن لائبیریا بھی تھے۔ دُوسرے مسلمان نمائندہ تو ایک ماہ کے بعد ہی تنگ پڑ گئے۔ مگر احمدی مبلغ سارا سال بغیر کسی ناغہ کے ہر جمعہ کو ٹیلیویژن پر قرآن مجید کی آیات تلاوت کر کے ان کا ترجمہ اور تفسیر بیان فرماتے رہے۔ یہ اسلامی پروگرام مسلمان حلقوں میں بہت پسند کیا گیا۔ حتّٰی کہ بعض عیسائی دوستوں نے اس بات کا اظہار کیا کہ انہیں اَب معلوم ہُوا ہے کہ قرآن مجید میں ایسی جامع اور عُمدہ تعلیمات پائی جاتی ہیں اسی طرح شہر کے اکثر لبنانی اور شامی اور عرب دوستوں میں بھی اس پروگرام کے تذکرے ہوئے[1]

اگست ۱۹۶۳ء میں لائبیریا کے چھ سات گاؤں کے لوگوں کا مشترکہ خط ساقی صاحب کے پاس پہنچا کہ ان کے پاس مبلغ بھیجا جائے۔ ان خوشکن نتائج کی بناء پر آپ کی ہر تقریر کے آخر میں یہ اعلان بھی کیا جانے لگا۔ کہ اگر لٹریچر کی ضرورت ہو تو احمدیہ مشن کو پوسٹ بکس نمبر ۶۱۸ کے پتہ پر لکھیں[2]

تعطیل جمعہ کی کامیاب کوشش

۷۔ حکومتِ لائبیریا نے حکم دیا کہ اتوار کے روز ہر قسم کا کاروبار بند رکھا جائے۔ اور اس دن کے تقدس کا خاص خیال رہے۔ اس پر مولوی مبارک احمد صاحب ساقی نے صدر مملکت کی ہفتہ وار پریس کانفرنس میں یہ سوال اٹھایا کہ جمعہ کا دن مسلمانوں کی نگاہ میں بہت مقدس ہے۔ مگر مسلمان ملازمین نماز جمعہ میں دفاتر چھوڑ کر مسجد میں جا ہی نہیں سکتے۔ اس لئے انہیں نماز جمعہ کے لئے ایک گھنٹہ کی رخصت دی جائے۔ پریذیڈنٹ صاحب نے اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے مسلمان ملازمین کو جُمعہ کے روز ایک گھنٹہ کی رخصت دیئے جانے کی منظوری دے دی اور شام کو ریڈیو نے بھی یہ خبر نشر کی کہ مولوی مبارک احمد صاحب کے مطالبہ پر پریذیڈنٹ نے یہ رخصت دی ہے اس اعلان پر تمام مسلمان حلقوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے آپ کا شکریہ ادا کیا[3]

---

[1] الفضل ۲؍جنوری ۱۹۶۴ء صفحہ ۳ و الفضل ۲۷؍مارچ ۱۹۶۵ء صفحہ ۳

[2] رپورٹ مبارک احمد صاحب ساقی ۸؍اگست، ۲؍ستمبر ۱۹۶۳ء ریکارڈ وکالتِ تبشیر تحریک جدید۔

[3] الفضل ۲۸؍جنوری ۱۹۶۴ء صفحہ ۳۔

منرو ویا کالج میں لیکچر

۸۔ مولوی مبارک احمد صاحب ساقی نے منرو ویا کالج کی ہائی وائی کلب کے زیرِ اہتمام لیکچر دیا جس میں بائبل کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیشگوئیاں بتلائیں اور صلیب سے حضرت مسیح کے زندہ اتارے جانے کا ذکر کیا اور بائبل اور قرآن کا موازنہ کیا۔ اس لیکچر کے بعد طلباء میں بحث ہوئی اور بالآخر سب نے مل کر عیسائیت پر عدم اعتماد کا ووٹ پاس کر دیا۔ جب کالج کے ارباب حل و عقد کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے کلب ہی بند کر دی اور فیصلہ کیا کہ طلبا کو آئندہ کسی میٹنگ کی اجازت نہ ہوگی۔ کلب کے پریذیڈنٹ نے کالج کی اتھارٹی سے معافی مانگی اور بڑی مشکل سے چھ ماہ کے بعد کلب جاری کرنے کی اجازت دی گئی۔[1]

محترم بشیر احمد خان رفیق کا دورہ لائبیریا

۹۔ ۱۹۶۷ء میں لائبیریا کے صدر ٹب مین انگلستان کے سرکاری دورے پر تشریف لے گئے۔ جہاں محترم بشیر احمد خان صاحب رفیق امام مسجد لنڈن نے اُن کے اعزاز میں مع ۳۵ ممبرانِ وفد کے مسجد فضل میں عشائیہ دیا۔ دورانِ تقریر انہوں نے لائبیریا مشن اور اس کے انچارج مشنری جناب مبارک احمد صاحب ساقی کی دینی اور علمی خدمات کو بہت سراہا نیز امام صاحب کو لائبیریا کی تقریب آزادی پر مع اہل وعیال مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے لائبیریا آنے کی دعوت دی جس پر مکرم بشیر احمد خان صاحب رفیق اگلے سال ۲۴ جولائی ۱۹۶۸ء کو لائبیریا تشریف لے گئے۔ منرو ویا کے ہوائی مستقر پر ملک کی مشہور شخصیات نے آپ کا پرجوش استقبال کیا۔ ان میں مسلمان گورنر صوصو مومو، پریذیڈنٹ مسلم کانگریس آف لائبیریا، وائس پریذیڈنٹ مسلم کمیونٹی آف لائبیریا، وائی چیف اور دیگر سرکردہ مسلمان شامل تھے۔ آپ کو ڈوکر انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل میں ٹھہرایا گیا اور ایک ایئر کنڈیشنڈ کار آپ کے عرصہ قیام میں استعمال کے لئے مہیا کی گئی۔ اور روزانہ صدر مملکت کی ملاقات کے لئے وقت مقرر کیا گیا۔

امام رفیق صاحب کا یہ دورہ لائبیریا مشن کی ابتدائی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ جس سے جماعت احمدیہ لائبیریا کو بہت فائدہ ہوا اور اس نے ملک کے عوام کو محسوس کرا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے

---

[1] رپورٹ ۱۷ جولائی ۱۹۶۴ء

احمدیت کو اتنی شوکت عطا کر دی ہے کہ ملک کے پریذیڈنٹ نے ایک احمدی مبلغ کو خصوصی مہمان کی حیثیت سے مدعو کیا ہے۔

محترم امام صاحب نے اپنے ہفت روزہ دَورہ میں ۲۶ر جولائی کی تقریبِ آزادی میں شرکت کرنے کے علاوہ (جس میں صدر ٹب مین نے آپ کی آمد کا خاص طور پر ذکر کیا) متعدد اہم دینی و قومی اجتماعات میں بھی شمولیت کی۔ چنانچہ ۲۴ر جولائی کی شام کو جبکہ حج فلم دکھلانے کا انتظام تھا۔ آپ نے فلسفہ حج پر مختصر تقریر کی۔ ۲۵ر جولائی کی شام کو جماعت احمدیہ کی مجلس عاملہ سے خطاب کیا۔ ۲۶ر جولائی کو خطبہ جمعہ دیا۔ شام کو ٹیلیویژن کے نمائندے نے آپ کا ایک انٹرویو ٹیلی کاسٹ کیا۔ جس میں آپ نے اسلام کے متعلق برجستہ اور برموقع جواب دیئے۔ جو دلچسپی سے سُنے گئے۔ ۲۷ر جولائی کو مسلمانان لائبیریا نے آپ کے اعزاز میں پُرتکلف عصرانہ دیا۔ مُسلم کانگرس آف لائبیریا نے آپ کو ایڈریس پیش کیا جس کا آپ نے مؤثر رنگ میں جواب دیا بعد ازاں صدر ٹب مین نے تقریر فرمائی جس میں باوجود عیسائی ہونے کے واضح الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو صادق قرار دیا۔ جس پر مسلمانوں میں خوشی کی زبردست لہر دوڑ گئی[1]

اس موقع پر مولوی مبارک احمد صاحب ساقی کے علاوہ مختلف ممالک کے سفراء بھی موجود تھے۔ ہماری تقریب ٹیلیویژن پر دکھائی گئی۔ ریڈیو اور اخبارات میں بھی اس کا خُوب چرچا ہُوا۔ خود پریذیڈنٹ صاحب نے مسلمان گورنر کو اس کی کامیابی پر مبارک باد دی۔ ۲۹ر جولائی آپ کے قیام کا آخری دن تھا۔ اس روز آپ نے شام کو منروویا کے گورنمنٹ ہائی سکول کے ہال میں "یورپ میں اسلام کا مستقبل" کے موضوع پر لیکچر دیا جس کے بعد آپ ساڑھے سات بجے شام بذریعہ طیارہ عازم اکرا ہوگئے۔ آپ کو الوداع کہنے والے معززین میں ڈیپارٹمنٹ آف سٹیٹ کا نمائندہ بھی تھا[2]

مشن ہاؤس کیلئے عمارت کی خرید

۱۰۔ مولوی مبارک احمد صاحب ساقی کا بیان ہے کہ:-

" ہماری بک شاپ بفضل خدا اس قدر ترقی کر چکی تھی کہ ہمارا مشن خودکفیل ہو گیا اور مرکز

---

[1] غیر مطبوعہ تحریر جناب بشیر احمد خان صاحب رفیق سابق امام مسجد لنڈن۔

[2] الفضل ۲۴ر ستمبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳، ۴ (مضمون مولوی مبارک احمد صاحب ساقی)۔

سے کسی قسم کی گرانٹ نہیں لی جاتی تھی۔ یہی نہیں بلکہ ہم نے کچھ رقم جمع کرنی بھی شروع کر دی۔ تقریباً تین سال بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق دی کہ ہم اس قابل ہوگئے کہ مشن ہاؤس خرید سکیں۔ منروویا شہر کے اندر کافی تلاش جاری رہی کہ کوئی مناسب پلاٹ مل جائے جہاں مشن ہاؤس تعمیر کیا جائے۔ لیکن کافی تگ و دَو اور حکومت سے بار بار درخواستوں کے باوجود کوئی خاص قطعہ دستیاب نہ ہو سکا۔ بہت پریشانی تھی۔ شہر سے باہر خالی زمین مل سکتی تھی لیکن خیال تھا کہ غریب جماعت ہے کسی کے پاس بھی سواری موجود نہیں اگر شہر سے باہر مشن ہاؤس بنا لیا گیا۔ تو عام نمازوں کا کیا ذکر جمعہ کے لئے بھی احباب نہیں پہنچ سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہوا کہ ایک روز ایک دوست بک شاپ پر آئے اور چند کتب خریدیں۔ جاتے وقت کہنے لگے کہ میرا ایک مکان ہے جو فروخت کرنا چاہتا ہوں اگر تمہاری نظر میں کوئی گاہک ہو تو بتائیں۔ میں نے کہا الحمدللہ ہم تو خود اس تلاش میں ہیں۔ چنانچہ شہر کے عین وسط میں فوجی توپ خانہ کے بالکل سامنے یہ مکان دیکھا اور پانچ ہزار ڈالر میں سودا ہو گیا۔ بلڈنگ ہماری ضرورت کے لئے مناسب تھی چنانچہ یہ مکان خرید لیا گیا۔ اس کے پیچھے کچھ جگہ خالی پڑی تھی۔ خاکسار نے ایک لبنانی مسلمان سے بات کی اور وہ اس بات پر رضامند ہو گیا کہ ہم اس کو یکصد ڈالر ماہوار ادا کرتے رہیں اور وہ چھ کمروں پر مشتمل دو منزلہ مکان تیار کر دے گا۔

الحمدللہ خاکسار کی روانگی سے قبل اس مکان کے اُوپر کا حصّہ مکمّل ہو گیا اور اس لبنانی دوست کو تمام تر ادائیگی بھی کر دی گئی۔[1]

سیرت النبیؐ کا پہلا کامیاب جلسہ

۱۱۔ لائبیریا میں سیرت النبیؐ کا سب سے پہلا کامیاب جلسہ چوہدری رشید الدین صاحب مبلغ انچارج لائبیریا کی نگرانی اور انتظام کے تحت ۱۴ رجون ۱۹۷۵ء کو منعقد ہوا۔ جس میں احمدی احباب کے علاوہ دیگر دوستوں نیز لائبیریا کی بعض سربرآوردہ شخصیتوں نے شرکت کی۔ صدارت کے فرائض لائبیریا کے سابق وزیر خارجہ جناب موموولوڈوکلی MOMOLU-DUKULY نے انجام دیئے۔ موصوف پریذیڈنٹ ٹب مین مرحوم کے زمانہ میں لمبے عرصہ تک ملک کے وزیرِ خارجہ رہ چکے ہیں آپ کا تعلق ایک ایسے خاندان سے

---

[1] غیر مطبوعہ تحریر مولوی مبارک احمد صاحب ساقی۔

ہے جو کسی زمانہ میں سوڈان سے ہجرت کرکے لائبیریا آیا اور یہاں اسلام کی اشاعت کا موجب بنا۔

محترم جناب ڈوکلی صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں اس امر پر خوشی کا اظہار کیا کہ احمدیہ مشن نے اِس مبارک جلسہ کا اہتمام کرکے محسنِ انسانیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیّبہ کے اذکارِ مقدّس سُننے کا موقع بہم پہنچایا۔ نیز انہوں نے جماعتِ احمدیہ کی اسلامی خدمات کو سراہتے ہوئے فرمایا۔ ایک وقت تھا کہ جب یہاں اسلام اور مسلمانوں کی کسمپرسی کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے میں شرم محسوس کرتے تھے۔ جماعت احمدیّہ کا یہاں تبلیغی مشن قائم ہونے کے بعد صورتِ حال نمایاں طور پر تبدیل ہوتی چلی گئی۔ احمدیہ مشن کی مساعی اور سرگرمیوں کے نتیجہ میں تقاریر، اخبارات، ٹی وی اور لٹریچر کی اشاعت کے ذریعہ اسلام کی صحیح تصویر لوگوں تک پہنچنی شروع ہوئی اور لوگوں کے خیالات میں تبدیلی آنے لگی۔ بعد ازاں مشن کی طرف سے تعلیمی اداروں کا قیام عمل میں آیا اور اس طرح مسلمانوں کے زیورِ علم سے آراستہ ہونے کی راہیں کھُلیں۔ اَب بحمد اللہ تعالیٰ یہ حال ہے کہ لوگ مسلمان کہلانے میں فخر محسوس کرنے لگے ہیں اور سرکاری حلقوں میں بھی مسلمانوں کو عزّت ملنے لگی ہے۔

مزید برآں یہ کہ سب سے با اثر اخبار " لائبیرین سٹار" نے اپنی ۱۷ رجون کی اشاعت میں " احمدیہ مشن تعریف و توصیف کا مستحق ہے" کے جلی عنوان کے تحت اِس مبارک جلسہ کی تفصیلی خبر شائع کی۔ اخبار مذکور نے لکھا:۔

AHMADIYYA MISSION EXTOLLED

FORMER Secretary of State Hon. Momolu Dukuly has extolled the Ahmadiyya Muslim Mission in Liberia as a progressive educational and religious establishment.

He underlined the essential role Ahmadiyya has played in the spiritual enhancement of the Liberian Society more especially in upgrading Islam in this country.

Hon. Dukuly made these remarks while add ressing the convention of Seerae-tun-Nabi (reviewing the life of Prophet Muhammad) held last Saturday at the mosque of the Ahmadiyya Mission on Lynch Street Monrovia.

A prominent, Lawyer who has contributed to the development of Ahmadiyya in Liberia. Hon. Dukuly reaffirmed his continual assistance to the mission.

Earlier the head of the Mission. Maulvi Rashid Uddin, admonished participants of the convention to effectively emulate the examplary life of Muhammad the Holy Prophet of Islam.

The Ahmadiyya Missionary depicted the life of Muhammad as "an open chapter" and he retraced the old days of Islam when Holy Prophet Muhammad and his minority followers were rejected and prosecuted by their majority oponents who were mostly immoral idol worshipers.

Maulvi Rashid reminded the participants that the time is very close for Islam to dominate the world asking them to strictly adhere to the Islamic doctrine.

Also speaking at the occasion was Mr. G.S. Gill. proprietor of GITCO enterprise in Liberia. He hailed the Ahmadiyya Movement in the world as a successful religious organization.

Mr. Gill a learned religious philosopher who belings to the Sikh sect of India, described Islam as a source of transformation for mankind which has impressed us.

(ترجمہ) "سابق وزیرِ خارجہ آنریبل موموڈوکلی نے ایک ترقی یافتہ تعلیمی اور دینی تنظیم کی حیثیت سے احمدیہ مشن لائبیریا کو بہت تعریف و توصیف کا مستحق گردانا۔ انہوں نے لائبیریا کے معاشرہ میں روحانی اقدار کو فروغ دینے اور خاص طور پر اس مُلک میں اسلام کو سربلند کرنے کے سلسلے میں جماعتِ احمدیہ نے جو اہم کردار ادا کیا ہے اس پر روشنی ڈالی اور اس کی خدمات کو سراہا۔ آنریبل ڈوکلی نے ان خیالات کا اظہار گذشتہ ہفتہ (۱۴، جون ۱۹۷۵ء) کے روز احمدیہ مسجد منروویہ میں منعقدہ جلسہ سیرۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلّم) میں تقریر کرتے ہوئے کیا۔ آنریبل ڈوکلی نے جو ملک کے نامور قانون دان ہیں، احمدیہ مشن کو اپنی مسلسل تائید و حمایت کا یقین دلایا۔

قبل ازیں احمدیہ مشن کے انچارج مولوی رشید الدین نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے اسوۂ حسنہ پر روشنی ڈالی اور حاضرین کو اپنی زندگیاں آپؐ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ڈھالنے کی تلقین کی۔ انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیّبہ ایک کھلی ہوئی کتاب

کی مانند ہے۔ ہم ہر ہر قدم پر آپؐ کی حیاتِ طیّبہ سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ انہوں نے خاص طور پر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی زندگی کے اُس حصّہ کا ذکر کیا جبکہ آپؐ کے قلیل التعداد ساتھیوں کو کثیر التعداد مخالفین کی طرف سے شدید مخالفت اور مظالم کا سامنا کرنا پڑا اور مشکلات و مصائب کے ان ایّام میں آپؐ نے صبر کا جو بینظیر نمونہ دکھایا، اس پر روشنی ڈالی۔ مولوی رشید نے حاضرین کو آگاہ کیا کہ وہ وقت بہت قریب ہے جب اسلام ساری دنیا میں غالب آجائے گا۔ انہوں نے اسلامی تعلیم پر عمل پیرا ہونے کی پُرزور انداز میں تلقین فرمائی۔

اس موقع پر جناب گورچرن سنگھ گل (جو لائبیریا میں GITCO فرم کے مالک ہیں) نے بھی تقریر کی۔ آپ نے جماعت احمدیہ کو دُنیا بھر میں ایک کامیاب اور قابلِ تعریف مذہبی تحریک قرار دیا۔ مسٹر گل نے جو مذہبی علوم کی گہری واقفیت رکھتے ہیں۔ اور جن کا تعلق ہندوستان کے سکھ مذہب سے ہے، مزید کہا کہ اسلام انسانیت میں اصلاحی انقلاب لانے کا سرچشمہ ثابت ہوا ہے۔ اور اس نے ہماری زندگیوں کو بہت متاثر کیا ہے۔

دو لبنانی علماء کو تبلیغ

۱۲۔ ۱۹۷۵ء کے وسط میں لبنان کے دو عالم الشیخ عدہ رئیس الجمعیۃ الخیریۃ للتعلیم والاسعاف بیروت اور مشہور قاری اور واعظ الشیخ لطفی عامر افریقہ کا دورہ کرتے ہوئے لائبیریا پہنچے۔ اُن کا مشن مسلمانوں کو وعظ و تلقین کرنا تھا۔ احمدیہ مشن لائبیریا کے انچارج جناب چوہدری رشید الدین صاحب کی دعوت پر ۱۲؍جون کو پانچ بجے شام وہ ایک سرکردہ اور بااثر لبنانی ڈاکٹر جناب عارف قصاص کی معیت میں تشریف لائے۔ مبلغ لائبیریا نے اس موقع پر انہیں جماعت احمدیہ کے عقائد اور تعلیمی و تبلیغی خدمات سے متعارف کرایا نیز قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ اور دوسرا لٹریچر پیش کیا۔ جسے دیکھ کر وہ کہنے لگے یہی اصل کام ہے جو سب مسلمانوں کو کرنا چاہیئے۔

اس پہلی تقریب کے بعد بھی وہ مبلّغ لائبیریا سے ملتے رہے اور تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ ہر جمعہ کو مبلغ لائبیریا یہاں ٹی وی پر تقریر کرتے تھے یہ پروگرام بھی وہ دلچسپی سے دیکھتے رہے۔ نیز احمدیہ مشن کے تبلیغی کاموں کے بارہ میں معلومات حاصل کیں۔ بعض ایسے لوگوں سے بھی اُن کی ملاقات ہوئی۔ جو مکرم چوہدری رشید الدین صاحب کی تبلیغ کے ذریعہ عیسائیت کے چنگل سے نکل کر آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے حلقہ غلامی میں داخل ہوئے تھے۔ اس وفد کے امیر اور" الجمعیۃ الخیریۃ للتعلیم والاسعاف بیروت" کے پرنسپل جناب الشیخ محمد عدرہ کا حال یہ تھا کہ جب پہلے دن وہ مشن ہاؤس میں آئے اور مبلغ لائبیریا نے انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ مسیحیت و مہدویت کے بارہ میں بتایا تو وہ لاحول پڑھنے لگے اور کہا کہ یہ بات کیسے ممکن ہو سکتی ہے لیکن رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُن میں نمایاں تبدیلی آگئی اور انہوں نے بالآخر تسلیم کیا کہ جماعت احمدیہ کے عقائد میں کوئی خلافِ قرآن بات نہیں۔

الشیخ لطفی عامر صاحب نے اسلامی اصول کی فلاسفی کے اقتباسات پر مشتمل بارہ صفحات کا ایک مضمون بھی مرتب کیا اور کہا کہ وہ اسے اپنی تقریروں میں بیان کریں گے اور جرائد میں بھی شائع کرائیں گے۔[۱]

ان علماء نے احمدیہ مشن کی دینی خدمات پر مبلغ لائبیریا کو اپنے ادارہ کی فیلوشپ کی سند بھی دی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رضی اللہ عنہ کو عقیدت بھرے الفاظ میں مکتوب لکھا جس کا متن اس باب کے آخر میں دیا جارہا ہے۔

اس لبنانی وفد کی لائبیریا میں آمد، صدر مملکتِ لائبیریا سے ملاقات، اور احمدیہ مشن ہاؤس میں آمد کا مفصل ذکر پریس نے کیا۔ چنانچہ اخبار نے لکھا:-

"The two Arabian Muslim Preachers: Sheik Loutfi Amer and Sheik Mohamed Adra are currently nere on a spiritual visit;

Last week; they visited the Ahmadiyya Muslim Mission; on Lynch Street where they were welcomed by the head of the Mission; Maulvi Rashid Uddin; in a spiritual mood preceded by a grand reception.

At the Mission they were presented copies of the English translation of the Holy Quran and other Islamic Literature which they examined and lauded as work of great men.

The Sheiks are sheduled to leave early next week for the second leg of their tour in Senegal. They have already visited Ghana."

---

[۱] ماخوذ از رپورٹ چوہدری رشید الدین صاحب مبلغ لائبیریا بخدمت حضرت خلیفۃ المسیح الثالث۔ زرہ ۱۶ر جولائی ۱۹۷۵ء

ترجمہ:۔

یعنی دو عرب مسلمان مبلغین ۔ شیخ لطفی عامر اور شیخ محمد عدرا جو کہ یہاں ایک مذہبی پروگرام کے تحت آئے ہوئے ہیں نے پچھلے ہفتہ لنچ سٹریٹ میں واقع احمدیہ مسلم مشن دیکھا۔ جہاں اُن کا استقبال مشن کے سربراہ چوہدری رشید الدین نے ایک خاص جذبۂ اخوت کے ساتھ کیا۔ یہاں ایک استقبالیہ تقریب بھی منعقد ہوئی۔

مشن ہاؤس میں اُن کو مقدس قرآن کے انگریزی ترجمہ کی کاپیاں اور دوسرا اسلامی لٹریچر بطور تحفہ پیش کیا گیا۔ جس کا انہوں نے جائزہ لیا اور یہ کہہ کر بڑی تعریف کی کہ یہ عظیم انسانوں کا کام ہے۔ دونوں بزرگ اگلے ہفتہ کے شروع میں یہاں سے سینیگال کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔ جو اُن کے سفر کا دوسرا مرحلہ ہے۔ اس سے پہلے وہ گھانا سے ہو آئے ہیں۔

امام جماعت احمدیہ کی طرف سے لائبیرین مسلمانوں کیلئے عید مبارک کا پیغام

۱۳۔ دسمبر ۱۹۷۵ء کو عید الاضحیہ کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؓ امام جماعت احمدیہ نے لائبیرین مسلمانوں سے اپنی محبت اور شفقت کا اظہار فرماتے ہوئے عید مبارک کا ایک پیغام بھجوایا۔ اس بارہ میں روزنامہ "لائبیرین سٹار" میں درج ذیل رپورٹ شائع ہوئی:۔

Ahmadiyya Head Sends Special Eid Greetings

The head of the world wide Ahmadiyya Movement in Islam, Mirza Nasir Ahmad, has sent a special Eid greetings to Liberian Muslims urging them to be steadfast in their religious undertakings.

Mirza Ahmad, who is the Khalifatul Mesih III of the Movement, called on Liberians to dilligently strive for success of Islam and assured them of the victory of Islam at the predicted time.

The radiogramed message was received last week when hundreds of Muslims gathered at the Lynch Street Mosque of the Mission to observe the Islams annual prayer of Eidul Azhiya.

While giving the Eid sermon, the Ahmadiyya Muslim Missionary in Liberia, Maulvi Rashid Uddin, called on Muslims in the community to sacrifice for the cause of Allah so that they may obtain eternal divine blessings.

He underscored the essence of sacrifice which he described n fundamental aspect of every success, adding that it will bring mankind closer to his creator.

(Page 2, Liberian Star Wednesday Dec. 24, 1975)

ترجمہ:۔ "دنیا بھر میں پھیلی ہوئی احمدیہ جماعت کے امام حضرت مرزا ناصر احمد صاحب نے لائبیرین مسلمانوں کے نام عید مبارک کے تہنیتی پیغام میں فرمایا ہے کہ انہیں اپنے مذہبی فرائض پوری مستعدی اور تندہی سے سرانجام دینے چاہئیں۔

حضرت مرزا ناصر احمد صاحب جو جماعت احمدیہ کے تیسرے خلیفہ ہیں نے لائبیرین مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ چوکس اور ہوشیار ہو کر پوری سرگرمی سے اسلام کی ترقی اور سرفرازی کے لئے جدوجہد میں لگ جائیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ اپنے موعود وقت پر اسلام کو ضرور فتح اور غلبہ حاصل ہو جائے گا۔

یہ برقی پیغام گذشتہ ہفتہ اُس وقت وصول ہُوا جبکہ ریج سٹریٹ پر واقع احمدیہ مشن کی مسجد میں سینکڑوں مسلمان عیدالاضحیہ کی نماز ادا کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے۔ اس موقع پر عید کا خطبہ دیتے ہوئے لائبیریا میں مقیم احمدی مبلغ رشید الدین نے سامعین پر زور دیا کہ وہ خدا کی راہ میں بشاشت سے قربانیاں پیش کریں تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور دائمی برکات حاصل ہوں۔ انہوں نے قربانی کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہر کامیابی کے لئے قربانی ایک بنیادی امر ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ قربانی سے ہی انسان خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔"

ہائی سکول کا اجراء

۱۴۔ لائبیریا میں سب سے پہلے "مسلم ہائی سکول" کا اجراء "نصرت جہاں آگے بڑھو" سکیم کے تحت سانوے SANOYEA کے مقام پر ۱۹۷۴ء میں عمل میں آیا۔ ابتداء میں یہ سکول ایک عارضی عمارت میں جاری کیا گیا۔ مستقل عمارت کی تعمیر کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے ۱۹۷۵ء میں ایک خطیر رقم منظور فرمائی اور سردار رفیق احمد صاحب

ایم اے پرنسپل مسلم ہائی سکول سانوئے نے چوہدری رشید الدین صاحب انچارج احمدیہ مسلم مشن لائبیریا کی نگرانی میں عمارت کی تعمیر کے تمام مراحل نہایت محنت اور اخلاص سے ادا کئے۔ اس شاندار عمارت کا افتتاح حکومتِ لائبیریا کے وزیرِ تعلیم نے ۳۔ ستمبر ۱۹۷۶ء کو کیا۔ اس تقریب میں علاقہ کے چیفس اور دیگر متعدد ناموَر شخصیتوں نے شرکت کی اور جماعتِ احمدیہ کی تعلیمی خدمات کو سراہا۔[1]

وزیرِ تعلیم نے کہا کہ صدرِ مملکت[2] کی حکومت تعلیمی اداروں کی وسعت کو بہت اہمیت دیتی ہے اور جماعتِ احمدیہ کا اس علاقہ میں ہائی سکول کا جاری کرنا ان کی پالیسی کے عین مطابق ہے۔ حکومت احمدیہ مشن کے اس قابلِ ستائش کام پر بہت شکرگزار ہے۔ افتتاح کی اس تقریب کو ریڈیو اور ٹیلیویژن نے اپنی خبروں میں نمایاں جگہ دی۔ یہ خبر مختلف وقتوں میں کئی بار نشر ہوئی۔ لائبیریا کے سب سے اہم اخبار لائبیرین سٹار LIBERIAN STAR نے اسے نمایاں خبر کے طور پر نشر کیا۔ اخبار کی رپورٹ کا متن یہ تھا:۔

AHMADIYYA OPEN 25,000 SCHOOL

"EDUCATION Minister Advertus A. Hoff has commonded the Ahmadiyya Muslim Mission in Liberia for its pragmatic and whole some contribution towards the development of the Liberian educational system.

Making this remark over the weekend after dedicating the $25,000:00 high school complex established by the Mission in Sanoyea Bong County Minister Hoff noted that the Ahmadiyya sect is gallantly fighting in the battle – front against ignorance in this country.

He said that the laudable efforts of the Mission towards the enhancement of our educational standard is a clear manifestation of its genuine interest in the over-all development of the Liberian people.

---

[1] الفضل ۱۰۔ ستمبر ۱۹۷۶ء۔ [2] یعنی ولیم ٹالبرٹ WILLIAM TOLBERT جو صدر ٹب مین کی وفات کے بعد اس عہدہ پر فائز ہوئے۔

The Education Minister expressed profound gratitude to the Ahmadiyya Mission on behalf of the Liberian Government and assured the Mission of Government's continual support.

Earlier the Head of the Ahmadiyya Muslim Mission in Liberia Maulvi Rashid Uddin declared the Sanoyea school project as a humble start of an elabotule plan to be implemented by the Mission for the benefit of the Liberian people.

In addition to the school complex the Missionary disclosed that his Mission will provide a modern hospital in Sanoyea District thereby fighting against disease another are – enemy of the country.

Maulvi Rashid added that the Sanoyea school project symbolizes his Mission's unreserved support for the educational policy of President Tolbert.

He expressed gratitude to the people and Government of Liberia for recieving Ahmadiyya in Liberia with open hands and hearts which he said iniciates the cordial relationship that has long existed between Christians and Muslims in Liberia.

The first high academic institution ever built by any Islamic organization in Liberia the Sanoyea Ahmadiyya High School is fully equiped with indespensible educational facilities according to Mr. Sardar Rafiqqûe Principal of the School.

Minister Hoff was accompanied to the dedication ceremonies by top officials of the Education Ministry including the Supervisor of Schools for Montserrado and Bong Counties Mr. Raulston G. Dennis and Mrs. Maria Mason.

The Superintendent and other top officials of Bong County including the Commissioner of Sanoyea District Mr. Blyden Rennie were also present at the dedication ceremony".

(ترجمہ) ''وزیر تعلیم جناب ADVERTUS A. HOFF نے لائبیریا کے تعلیمی نظام کی ترقی میں مفید اور عملی تعاون پر احمدیہ مسلم مشن لائبیریا کو قابلِ تحسین قرار دیا۔ انہوں نے اس خیال کا اظہار گذشتہ ہفتہ SANOYEA مقام پر مشن کی طرف سے قائم کردہ ہائی سکول کا افتتاح کرتے ہوئے کیا نیز کہا کہ احمدیہ جماعت اس ملک میں جہالت کے خلاف جہاد میں مصروف ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے تعلیمی معیار کو بلند کرنے کے سلسلہ میں جماعت لائبیرین عوام کی عمومی ترقی میں گہری دلچسپی لے رہی ہے۔ جناب وزیر تعلیم نے لائبیرین حکومت کی طرف سے احمدیہ مشن کا شکریہ ادا کیا اور مشن کو حکومت کے مسلسل تعاون کا یقین دلایا۔

قبل ازیں احمدیہ مشن لائبیریا کے انچارج رشید الدین نے کہا کہ سانوئے میں سکول کا قیام اس سکیم کی ابتدا ہے جو مشن کی طرف سے لائبیرین عوام کے فائدہ کے لئے عمل میں لائی جائے گی۔ مبلغ اسلام نے نے کہا کہ سکول کے علاوہ ان کا مشن ضلع سانوئے میں ایک ہسپتال بھی تعمیر کرے گا تا کہ بیماریوں کا مقابلہ کیا جا سکے جو ملک کو نقصان پہنچا رہی ہیں۔

رشید الدین نے مزید کہا کہ اس سکول کی تعمیر مشن کی طرف سے جناب پریذیڈنٹ ٹالبرٹ TOLBERT کی تعلیمی پالیسی کی مکمل حمایت کا عملی اظہار ہے۔ احمدیہ مشن کا جس کشادہ دل سے لائبیریا میں استقبال کیا گیا ہے۔ آپ نے اس پر لائبیریا کے عوام اور حکومت کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ یہ امر اس ملک میں رہنے والے مسلمانوں اور عیسائیوں کی باہمی رواداری نہ اور اچھے تعلقات کی دلیل ہے۔

احمدیہ ہائی سکول جو لائبیریا میں کسی مسلمان تنظیم کی طرف سے بنایا جانے والا پہلا ہائی سکول ہے کے بارہ میں سکول کے پرنسپل سردار رفیق احمد نے بتایا کہ اس میں ضروری تعلیمی سہولتیں پورے طور پر میسر ہوں گی۔

وزیر تعلیم ڈاکٹر HOFF کے ساتھ وزارتِ تعلیم کے اعلیٰ افسران نے افتتاح کی تقریب میں شرکت کی ان میں MONTSERADO اور BONG کاؤنٹی کے سپروائزر آف سکولز مسٹر C. DENNIS اور مسز MARIA MASON شامل تھے۔ ضلع سانوئے کے کمشنر مسٹر BLYOTON کے علاوہ بانگ کاؤنٹی کے سپرنٹنڈنٹ اور دوسرے افسران بھی

افتتاح کے موقع پر موجود تھے۔"[1]

۱۹۸۰ء میں اس سکول کی سائنس لیبارٹری کے لئے عالمی شہرت کے حامل سائنسدان جناب ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے تحفۂ اپریٹس APPORATUS عنایت فرمایا[2]

"پاکستان فورم آف لائبیریا" کی صدارت

۱۵۔ بیرونی ممالک میں احمدی مبلغین تبلیغ و تربیت کا فریضہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے محبوب وطن پاکستان کی خدمت میں بھی سرگرم رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں لائبیریا احمدیہ مشن کی خدمات بھی ناقابلِ فراموش ہیں۔

۱۹۷۳ء میں سفیرِ پاکستان مقیم غانا جناب ایس اے معید صاحب نے لائبیریا میں رہائش رکھنے والے پاکستانی شہریوں پر مشتمل ایک تنظیم "پاکستان فورم آف لائبیریا PAKISTAN FORUM OF LIBERIA" کے نام سے قائم کی جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ لائبیرین لوگوں کو پاکستان سے متعارف کرایا جائے اور وہ پاکستان اور اس کے شہریوں کے بارہ میں صحیح معلومات حاصل کرسکیں اور اس طرح دونوں ممالک کے باشندوں میں رابطہ اور تعارف کی راہیں کھلیں اور یہاں کے لوگوں میں پاکستان کی نیک نامی اور وقار بڑھایا جائے۔ لائبیریا میں مقیم پاکستانی احمدی اس تنظیم میں بڑی گرمجوشی سے شامل ہوئے اور انہوں نے اس کے مقاصد کو کامیاب بنانے میں بھرپور حصّہ لیا اور ہر موقع پر دوسرے پاکستانی بھائیوں کے دوش بدوش رہے اور پاکستان کی شہرت کا موجب بنے۔ چوہدری رشید الدین صاحب مبلغ لائبیریا دو سال تک اس تنظیم کے منتخب صدر رہے اور غانا میں واقع پاکستانی سفارت خانہ سے بھی رابطہ قائم رکھا اور لائبیریا میں پاکستان کا وقار بڑھانے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

اس تنظیم کے زیرِ انتظام ہر سال یومِ پاکستان، یومِ آزادی اور دیگر تہوار شایانِ شان طریق پر منائے جاتے۔ ان مواقع پر اخبارات میں مضامین لکھے جاتے اور اجلاسوں کی رپورٹیں شائع کرائی جاتیں۔ فورم کے ان اجلاسوں میں کئی مواقع پر پریذیڈنٹ ٹالبرٹ کی کابینہ کے وزراء بھی شریک

---

[1] "لائبیرین سٹار" ۸ ستمبر ۱۹۷۶ء بحوالہ الفضل ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء صفحہ ۴۔ [2] الفضل ۳ مارچ ۱۹۸۰ء صفحہ ۵

ہوتے تھے۔ ان میں صدارتی امور کے وزیر جناب ڈوچہ DUE CHEH اور نائب وزیر محنت جناب ڈینس خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔[1]

قائدِ اعظم کی صد سالہ تقریبات کا انتظام

۱۶- جماعت احمدیہ کا مرکز چونکہ پاکستان میں ہے۔ اس لئے دُنیا بھر میں پھیلے ہوئے احمدی مشن شروع سے ہی اس کی ترقی و استحکام اور شہرت و مقبولیت کے لئے کوشاں ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کی خدمات سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔ ان قومی روایات کے مطابق احمدیہ مشن لائبیریا نے نومبر ۱۹۷۶ء میں بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح کی صد سالہ تقریبات کا خصوصی اہتمام کیا۔

ایک تقریب احمدیہ مشن کے زیرِ اہتمام سانوئے SANOYEA کے مقام پر احمدیہ ہائی سکول کی نئی عمارت میں مبلغ انچارج رشید الدین کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں لائبیرین شہری کثیر تعداد میں شریک ہوئے اور بڑے شوق سے پروگرام میں حصّہ لیا۔ دوسرے مقامی لوگوں کے علاوہ مکرم جناب MOMO KAINE ممبر قومی اسمبلی نے بھی حضرت بانیٔ پاکستان کے بارہ میں ایک پُرجوش تقریر فرمائی۔ اس تقریب کی جو رپورٹ روزنامہ لائبیرین سٹار میں شائع ہوئی وہ درج ذیل ہے:-

AHMADIYYAS REMEMBER PAKISTAN'S FOUNDER

MEMBERS of the Ahmadiyya Mission of Liberia; joined by Liberian friends, recently held an impressive programme in Sonoyea. Bong County, to mark the Birth Centennary of the Founder of the State of Pakistan, Quaid Azam Mohammad Ali Jinnah.

In his message to the Mission, the Pakistan Ambassador to Liberia resident in Accra, Ghana, S.A.H. Ahsani, expressed his happiness for the special programme and wished the function success.

Missionary In Charge Rashid Uddin spoke about the great achievements of the Quaid at the ceremony saying that he lived a life according to the principles of Islam.

Other speakers were Hon. Momo Kaine, member of the House

---

[1] اس سلسلہ میں بطور نمونہ سفارتخانہ پاکستان کے مراسلات اور بعض اخبارات کے تراشے ضمیمہ میں ملاحظہ ہوں۔

of Representatives, Bong County; Bong Ahmadiyya High School principal Sardar Rafiq Ahmad.

ترجمہ :- بانیٔ پاکستان قائدِاعظم محمد علی جناح کی صد سالہ تقریبات کے سلسلہ میں ممبران جماعت احمدیہ لائبیریا نے اپنے لائبیرین دوستوں کے تعاون سے بانگ کونٹی میں سانوے SANOYEA کے مقام پر ایک شاندار پروگرام ترتیب دیا۔ اس موقع پر سفیرِ پاکستان مقیم گھانا جناب ایس اے ایچ احسانی نے احمدیہ مشن کے نام اپنے پیغام میں اس اہم تقریب پر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور پروگرام کی کامیابی کے لئے دُعا کی۔

اس موقع پر مشنری انچارج جناب رشید الدین صاحب نے اپنی تقریر میں قائدِاعظم کی عظیم کامیابیوں کا ذکر کیا اور کہا کہ اُن کے اعمال اسلامی اُصولوں کے مطابق ہوتے تھے۔

اس تقریب کے دُوسرے مقررین میں عزّت مآب MOMOKAINE ممبر قومی اسمبلی اور مکرم سردار رفیق احمد صاحب پرنسپل احمدیہ ہائی سکول شامل تھے[1]۔

اس سلسلہ میں دوسری تقریب مانرووِیا شہر میں منعقد ہوئی۔ اس میں بھی احمدی احباب نے پُورے جوش وخروش سے حصّہ لیا۔ جس کی تفصیل مکرم مولوی عطاء الکریم صاحب شاہد مبلغ لائبیریا کے الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہے :-

" لائبیریا میں بانیٔ پاکستان قائدِاعظم محمد علی جناح کی صد سالہ تقریبات ۲۸، ۲۹ نومبر کو بڑے اہتمام کے ساتھ منائی گئیں۔ اس موقع پر سفیرِ پاکستان برائے لائبیریا مقیم اکرا جناب احسانی صاحب خود بھی تشریف لائے اور ان کی تحریک پر حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ کے عین مطابق پاکستانی احمدی احباب نے بھی دُوسرے لوگوں کے شانہ بشانہ پُورے جوش وخروش کے ساتھ اس موقع پر منعقد ہونے والی نمائش اور فٹ بال کے میچ میں حصّہ لیا۔ اس تقریب پر جو سیمینار منعقد ہُوا اس کا آغاز خاکسار (عطاء الکریم شاہد) نے تلاوتِ قرآن پاک کے ساتھ کیا۔ جس کا بعد میں انگریزی میں ترجمہ بھی سُنایا گیا۔ بعدہٗ ایک پاکستانی احمدی دوست نے تقریر کی اور بانیٔ پاکستان کو شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا۔

---

[1] لائبیرین سٹار۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۷۶ء۔

عرض قائد اعظم کی صد سالہ مقامی تقریبات میں مقامی احمدی احباب بھی دیگر پاکستانیوں کے شانہ بشانہ شریک ہوئے اور یہ تقریب خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر لحاظ سے بہت کامیاب رہی۔ الحمدللہ۔[1]

صدر جمہوریہ لائبیریا کو تحفہ قرآن

۱۷۔ ڈاکٹر ڈبلیو آر ٹالبرٹ صدر جمہوریہ لائبیریا کو مکرم مولوی عطاء الکریم صاحب شاہد نے جماعت احمدیہ کے سات رکنی وفد کے ہمراہ قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ و مختصر تفسیر مع ایک تبلیغی خط ۲۳ جنوری ۱۹۷۶ء کو پیش کیا۔ اس بارہ میں حکومت لائبیریا کی وزارت اطلاعات نے اپنے سرکاری خبرنامہ میں مندرجہ ذیل اطلاع شائع کی:-

"MONROVIA: The Ahmadiyya Muslim Mission in Monrovia presented the translation and commentary of the Holy Koran to President Tolbert.

Making the presentation to Dr. Tolbert at the Executive Mansion A.K. Shahid, missionary in charge of the Muslim Mission, extolled the President for the religious tolerance they are enjoying in Liberia under his able leadership.

He expressed the hope that Dr. Tolbert will appreciate the greatness of the Holy Koran which, he said, provides man with spiritual, moral and political guidance.

Mr. Shahid thanked the President for granting him and members of his delegation audience. He wished for Dr. Tolbert a prosperous New Year and prayed for God's choicest blessings upon the Liberian leader."

ترجمہ:- منروویا۔ احمدیہ مسلم مشن منروویا نے صدر ٹالبرٹ کو قرآن پاک کا ترجمہ و تفسیر پیش کی ہے۔ قصر صدارت میں ڈاکٹر ٹالبرٹ کو یہ تحفہ پیش کرتے ہوئے اے کے شاہد امیر و مشنری انچارج احمدیہ مسلم مشن نے صدر مملکت کو اس مذہبی رواداری کے لئے سراہا جس سے وہ سب لائبیریا میں ان کی باصلاحیت قیادت میں فیضیاب ہو رہے ہیں۔

آپ نے اس توقع کا اظہار کیا کہ ڈاکٹر ٹالبرٹ قرآن پاک کی قدردانی کرتے ہوئے اس کی عظمت سے محظوظ ہوں گے جو انسان کی روحانی اخلاقی اور سیاسی رہنمائی کرتا ہے۔

شاہد نے وفد کو ملاقات کا موقع دینے پر صدر مملکت کا شکریہ ادا کیا۔ آپ نے ڈاکٹر ٹالبرٹ

---

[1] الفضل ۵ جنوری ۱۹۷۶ء ص ۱

کو نئے سال کے دوران خوشحالی نصیب ہونے اور عنایاتِ الٰہی کا مورد بننے کے لئے دُعا کی۔

قومی ذرائع ابلاغ نے صدر لائبیریا کو قرآن کریم کی پیشکش کی خبر کی وسیع پیمانہ پر تشہیر کی ریڈیو لائبیریا دو روز تک یہ خبر اپنے خبرناموں میں نشر کرتا رہا اور قومی ٹیلیویژن نے دو مرتبہ اس تقریب کو ٹیلی کاسٹ کیا۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے اس دُور دراز علاقہ میں خدام احمدیت کو عظمتِ قرآن کی اشاعت کا موقع عطا فرمایا۔ فالحمد للّٰہ۔

آرچ بشپ آف کنٹربری پر اتمامِ حجّت

۱۸۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے کسرِ صلیب کانفرنس لندن (منعقدہ ۱۹۷۸ء) میں برٹش کونسل آف چرچز کے دعوت نامہ کے جواب میں عیسائیت کے مذہبی رہنماؤں کو تبادلہ خیالات کی عالمی تحریک فرمائی تھی۔

۱۹۷۹ء میں برٹش کونسل آف چرچز کے سربراہ آرچ بشپ آف کنٹربری مغربی افریقہ کا دَورہ کرتے ہوئے لائبیریا آئے تو مولوی عطاء الکریم صاحب شاہد نے ۱۳؍ مارچ ۱۹۷۹ء کو اُن سے ملاقات کرکے ایک تحریری یادداشت کے ذریعہ انہیں حضرت امام جماعت احمدیہ کی اس پیشکش کی طرف توجہ دلائی گو بالمشافہ گفتگو کے دوران مذکورہ یادداشت کی زبانی وضاحت سُن کر انہوں نے اس معاملہ کو ٹال دیا مگر انگلستان واپسی پر اُن کے ایماء پر برٹش کونسل آف چرچز کے ترجمان مسٹر کینتھ آر کریکنل KENNETH R. CRACK NELL نے آپ کو اپنے خط محررہ ۱۱؍ اپریل ۱۹۷۹ء میں لکھا:۔

"The Archbishop of Canterbury has asked me to reply to your letter of March 13th 1979. The position in brief is this. We have indeed, from the British Council of Churches, responded to the Ahmadiyya Muslim Mission in London. I am thoroughly engaged in correspondence with Mr. Rafiq, the Imam here in London. He has nominated three Ahmadi gentlemen to take part in some prelimary conversations in an unpublicised, but friendly and open-spirited way about how our conversations could proceed with you.

Mr. Rafiq is at this moment not in Britain, but I have written to tell him that on our side we have nominated three of our scholars, Canon Wootton, Dr. Kerr, and Canon Schneider to meet with the Ahmadiyya Mission group.

We on our side have great hope that we may promote both understanding and goodwill.

Many thanks for your concern in this matter."

ترجمہ:۔ آرچ بشپ آف کنٹربری نے مجھے ہدایت کی ہے کہ مَیں آپ کے خط محرّرہ ۱۳ مارچ ۱۹۷۹ء کا جواب دُوں۔ اختصاراً حقیقتِ حال یہ ہے کہ برٹش کونسل آف چرچزنے "احمدیہ مُسلم مشن لندن" کی مراسلت کا جواب دے دیا ہے۔ مَیں پُوری طرح امام لندن جناب بشیر احمد صاحب رفیق سے خط و کتابت میں مصروف ہوں۔ آپ نے تین احمدی حضرات کو اسی غرض کے لئے نامزد کیا ہے کہ وہ غیر مشتہرہ ابتدائی مگر دوستانہ اور فراخدلانہ گفتگو میں حِصّہ لیں کہ ہماری باہمی گفتگو کا سِلسلہ کس طرح آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔

جناب رفیق صاحب ان دنوں برطانیہ میں موجود نہیں۔ تاہم مَیں نے انہیں لکھ دیا ہے کہ ہم نے اپنی طرف سے تین فضلاء یعنی جناب کینن ووٹن، ڈاکٹر کیر اور ڈاکٹر شیڈر کو مقرر کر دیا ہے کہ وہ احمدیہ مشن کے وفد سے ملیں۔

ہم پُرامید ہیں کہ باہمی افہام و تفہیم اور خیر سگالی میں اضافہ کر سکیں گے۔ اس سلسلہ میں آپ کی دلچسپی کے لئے شکریہ۔"

اگرچہ اس خط سے ظاہر ہوتا تھا کہ "مسیح کی صلیب سے رہائی" کے موضوع پر گفتگو کے لئے برٹش کونسل آف چرچز آمادہ ہے مگر عملاً ہُوا یوں کہ جلد ہی بی بی سی نے یہ خبر نشر کی کہ

"آرچ بشپ آف کنٹربری نے اچانک ریٹائر ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔"

لائبیریا میں عیسائی حکومت اور چرچ کا غلبہ بڑا نمایاں ہے مگر الٰہی تصرّف سے آرچ بشپ آف کنٹربری کی لائبیریا میں آمد اور انہیں احمدیہ مُسلم مشن کی یادداشت پر مبنی مفصّل خبر اور تصاویر مقامی پریس نے نمایاں طور پر شائع کیں۔

اخبار سکوپ نے یادداشت کی پیشکش کو ایک عجیب و غریب تحفے کا نام دیا۔[1]

---

[1] رسالہ "تحریک جدید" دسمبر ۱۹۷۹ء صفحہ ۱۴، ۱۵۔

اخبار "نیو لائبیرین"[1] نے اسی خبر اور تصویر کو اس عنوان سے شائع کیا۔

AHMAPIYYA MISSIONARY MEETS ANGLICAN ARCHBISHOP

یعنی مبلغ احمدیت کی آرچ بشپ سے ملاقات۔

لائبیریا کے سب سے قدیم اور وقیع اخبار "لائبیرین ایج"[2] نے اسی خبر کو نمایاں ترین رنگ میں آرچ بشپ کی تصویر کے ہمراہ شائع کرتے ہوئے لکھا کہ آپ کے حالیہ دورہ کے دوران احمدیہ مسلم مشن کے نمائندے آپ کا استقبال کر رہے ہیں۔ خبر کا مکمل انگریزی متن اور ترجمہ درج ذیل ہے:۔

ARCHBISHOP TO HOLD MUSLIM CHRISTIAN DIALOGUE

IT was indeed a memorable occasion in the history of Liberia when the Most Reverend Rt. Honourable Frederic Donald Coggan D.D. Archbishop of Canterbury set his foot, for the first time on the soil of this oldest African Republic. He was welcomed by all and particularly by the members and officials of the Protestant Episcopal Church. This is not all.

He was as well heartily welcomed by A. K. Shahid, Amir and Missionary Incharge of the Ahmadiyya Muslim Mission, Liberia who presented him a letter declaring his visit and auspicious, and appropriate occasion to remind him about the British Council of Churches letter to the Ahmadiyya Muslim Mission London, dated May 25, 1978, inviting them to a dialogue on: "THE DELIVERANCE OF JESUS FROM THE CROSS".

This invitation was duly accepted by the Supreme Head of the Ahmadiyya Movement in Islam, during the concluding session of the international conference on the above subject in London, on June 4, 1978.

He further suggested that those conversations should be held in an atmosphere of love and courtesy in London, Rome a West African capital, an Asian capital, and in the United States of America adding that the Roman Catholic Church should also be included in the proposed dialogue. It is noteworthy that the Ahmadiyya Movement does not believe in the accursed death of Jesus (Peace be on him) at the hands of the Jews. Under a Divine scheme to save him, he was taken down from the cross alive while he was in a deep

---

[1] ۲۹ مارچ ۱۹۷۹ء ۔ [2] ۲۳ مارچ ۱۹۷۹ء ۔

swoon. After miraculous treatment of his wounds according to his own saying the journeyed a long way to Kashmir (India) to convey the Divine message to the "Lost sheep of Israel" where he was revered, followed and lived unto a ripe old age of 120 years, died a natural and honourable death and was buried in Srinagar the capital of Kashmir, where his tomb is a centre of historical attraction, even today.

The Ahmadiyya Missionary requested the Most Rev. Archbishop to hold the dialogue by virtue of his being the President of the British Council of Churches, so that the invitations acceptance should reach its logical conclusion, praying for the Archbishop that his fair name might go down in the annals of history for this great achievement promoting religious amity between two great religions of the world – Islam and Christianity. Amen.

ترجمہ:۔ " آرچ بشپ اسلام اور عیسائیت میں تبادلۂ خیال کی مجلس منعقد کرائیں ۔

لائبیریا کی تاریخ میں یہ یقیناً ایک یادگار موقع تھا جب محترم رائٹ آنریبل فریڈرک ڈونلڈ کوگن ڈی ڈی۔ آرچ بشپ آف کنٹربری نے پہلی بار اپنا قدم افریقہ کی اس قدیم ترین جمہوریہ کی سرزمین پر رکھا۔ ہر کسی نے اور خصوصاً پراٹسٹنٹ ایپی سکوپل چرچ کے عمائدین اور ممبران نے آپ کو خوش آمدید کہا۔

صرف یہی نہیں بلکہ عطاء الکریم صاحب شاہد امیر و مشنری انچارج احمدیہ مسلم مشن لائبیریا نے بھی خوش دلی سے آپ کا استقبال کیا جنہوں نے آرچ بشپ کو ایک خط پیش کرتے ہوئے آپ کے دورہ کو ایک مسعود اور موزوں موقع قرار دیا تاکہ آپ کو برٹش کونسل آف چرچز کے خط بنام احمدیہ مسلم مشن لندن محررہ ۲۵ مئی ۱۹۷۸ء کے سلسلہ میں یاد دہانی کرائی جا سکے جس میں کونسل مذکورہ نے "مسیح کی صلیب سے رہائی کے موضوع پر باہمی تبادلہ خیالات کی دعوت دی ہے۔

یہ دعوت حضرت امام جماعت احمدیہ نے مذکورہ موضوع پر لندن میں ہونے والی عالمی کانفرنس کے اختتامی اجلاس میں ۴ جون ۱۹۷۸ء کو باضابطہ طور پر منظور فرمائی تھی اور آپ نے مزید تجویز فرمایا کہ تبادلہ خیالات کی یہ مجالس محبت اور شائستگی کی فضا میں لندن، روم، مغربی افریقہ اور ایشیا کے ایک ایک دارالحکومت نیز ریاستہائے متحدہ امریکہ میں منعقد کی جائیں۔ مزید برآں رومن کیتھولک چرچ کو بھی تبادلۂ خیالات کی ان مجالس میں شریک کیا جائے۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ جماعتِ احمدیہ حضرت مسیح علیہ السّلام کی یہود کے ہاتھوں لعنتی موت پر ایمان نہیں رکھتی۔ آپ کی حفاظت کی الٰہی تدبیر کے تحت آپ کو صلیب سے زندہ اتارا گیا جبکہ آپ پر گہری بیہوشی طاری تھی۔ آپ کے زخموں کے معجزانہ علاج کے بعد، خود آپ کی اپنی پیشگوئی کے مطابق آپ کشمیر (انڈیا) تک طویل سفر کر کے پہنچے تاکہ " اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو پیامِ الٰہی دے سکیں جہاں آپ کو عزت و احترام اور قبولیت نصیب ہوئی۔ اسی جگہ آپ نے ایک سو بیس برس کی طویل عمر کے بعد طبعی اور آبرومندانہ وفات پائی اور کشمیر کے دارالحکومت سرینگر میں دفن ہوئے جہاں آج بھی آپ کا مقبرہ تاریخی کشش کا مرکز ہے۔

مبلغ جماعت احمدیہ نے جناب آرچ بشپ سے درخواست کی کہ وہ برٹش کونسل آف چرچز کے صدر کی حیثیت سے تبادلہ خیالات کی مجلس کا انعقاد کرائیں تاکہ ان کی طرف سے دی گئی دعوت کی قبولیت اپنے منطقی انجام تک پہنچ سکے۔ آپ نے آرچ بشپ کے لئے دُعا کی کہ دُنیا کے دو عظیم مذاہب یعنی اسلام اور عیسائیت کے درمیان مذہبی ارتباط بڑھانے کی عظیم کاوش کی بناء پر آپ کا نیک نام تاریخ میں ہمیشہ محفوظ رہے۔ آمین "

امریکی بحریہ کے کمانڈر کو اسلامی لٹریچر

۱۹۔ نومبر ۱۹۷۹ء میں دو امریکی بحری جنگی جہازوں کے لفٹیننٹ کمانڈر ڈینس سی مارویل خیر سگالی کے دورہ پر لائبیریا آئے۔ مولوی عطاء الکریم صاحب شاہدؔ نے مکرم محمود احمد صاحب بھٹی اور مکرم محمد کوامے صاحب یاتر کے ہمراہ ان کو قرآن کریم انگریزی اور دوسرے اسلامی لٹریچر کے دو سیٹ ہر دو جہازوں کی لائبریریوں کے لئے پیش کئے۔

اس خبر کو لائبیریا کے تین اخبارات نے نمایاں طور پر تفصیل کے ساتھ شائع کیا۔ اخبار " نیو لائبیرین NEW LIBERIAN نے ۱۰ دسمبر ۱۹۷۹ء کو اس عنوان کے ساتھ خبر شائع کی:

" QURAN FOR WAR SHIPS "

یعنی جنگی جہازوں کے لئے قرآنِ کریم "

ل اخبار " لائبیرین ایج " ۲۳ مارچ ۱۹۷۹ء۔

اخبار ویک اینڈ نیوز WEEK END NEWS نے یکم دسمبر ۱۹۷۹ء کو یہ خبر دی اور اخبار لائبیرین اِن آگرل LIBERIAN INAUGURAL نے اپنی ۲۸ر نومبر ۱۹۷۹ء کی اشاعت میں تفصیلی خبر پر یہ عنوان دیا :۔

"VISITING US ATLANTIC NAVAL
FLEET PRESENTED WITH HOLY QURAN"

یعنی خیرسگالی کے دورہ پر آنے والے بحرِ اوقیانوس میں متعین امریکی بحری بیڑے کو قرآن کریم کی پیشکش ۔

اخبار ہٰذا نے لکھا :۔

"Making the presentation, the Ahmadiyya Muslim Missionary emphasised that true Quranic and Islamic teachings have been in fact meant to bring about an unprecedented era of peace and prosperity, good-will and amity between nations and continents. The Lt. Commander Dennis C. Marvel accepted the precious gift, expressing his heartfelt gratitude and hoped that it would prove to be an inspiring reading for the crews of both the U.S. naval ships."

ترجمہ :۔ احمدیہ مُسلم مشنری نے تحفہ پیش کرتے ہوئے اس اُمر پر زور دیا کہ حقیقی قرآنی اور اسلامی تعلیمات کا اصل مقصد قوموں اور برّ اعظموں کے درمیان بے مثال دَورِ امن و خوشحالی، خیرسگالی اور باہمی مفاہمت پیدا کرتا ہے ۔ لیفٹیننٹ کمانڈر ڈینس سی ماروِیل نے اس گرانقدر تحفہ کو قبول کرتے ہوئے امید ظاہر کی کہ اس کا مطالعہ امریکی بحریہ کے دو جنگی جہازوں کے عملہ کے لئے ایمان افروز

لہ اخبار لائبیرین اِن آگرل منرو دیا THE LIBERIAN INAUGURAL. ۲۸ر نومبر ۱۹۷۹ء ۔

ثابت ہوگا۔"

۲۰۔ مولوی عطاء الکریم صاحب شاہد کے عہدِ امارت میں سانوے سے تین میل جنوب میں بمقام نخلہ غدا کے ایک نئے گھر کی تعمیر ہوئی۔ جس کا سنگِ بنیاد سردار رفیق احمد صاحب ایم اے نے رکھا اور اس کا افتتاح ۹، مارچ ۱۹۸۰ء کو مولوی عطاء الکریم صاحب شاہد کے ہاتھوں عمل میں آیا۔[1]

تبلیغ کا ایک وسیع پروگرام

۲۱۔ ستمبر ۱۹۸۰ء میں مولوی عبدالشکور صاحب انچارج مشن نے منروویا شہر میں تبلیغ کا ایک وسیع پروگرام بنایا۔ ایک لاؤڈ سپیکر خریدا۔ حکومت سے شہر کے معروف مقامات میں تبلیغ کے لئے تحریری اجازت لی اور ایک سال تک ہر ہفتہ باقاعدگی سے ان مقامات پر پیغامِ حق پہنچاتے رہے۔

مشن ہاؤس کی جدید عمارت

۲۲۔ نومبر ۱۹۸۱ء میں مشن ہاؤس کی جدید عمارت کی بنیاد رکھی گئی جو فروری ۱۹۸۲ء میں پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ اس دو منزلہ خوبصورت عمارت کے نچلے حصّہ میں بک شاپ اور اُوپر والے حصّہ میں گیسٹ ہاؤس بنایا گیا۔

احمدیہ کلینک کا اجراء

۲۳۔ ۱۹۸۰ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ جب دوبارہ افریقن ممالک میں تشریف لائے تو مولوی عبدالشکور صاحب مبلغ کو نائیجیریا اور غانا میں حضور کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ حضور نے ۱۹۷۰ء کے سفر افریقہ کی طرح اس سفر کو بھی لائبیریا میں ہسپتال کے اجراء کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خواہش کو بہت جلد پُورا کرنے کے سامان کر دیئے اور اگست ۱۹۸۳ء میں حکومت کی طرف سے اس کی منظوری بھی مل گئی حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے ہسپتال کے لئے ڈاکٹر نصیر احمد صاحب مبشر ایم بی بی ایس۔ ایم ٹی کو نامزد فرمایا اور سولہ ہزار ڈالر کی خطیر رقم اس کے اجراء کے لئے منظور فرمائی۔

۳۰، نومبر ۱۹۸۲ء کو اس کا اجراء منروویا شہر میں عمل میں آیا۔ کلینک کی افتتاحی رسم لاسانہ کروما نائب وزیر تعلیم نے ادا کی۔ مقامی ریڈیو اور ٹیلیویژن پر کئی بار یہ خبر نشر کی گئی اور پریس میں بھی اس کی

---

[1] الفضل ۱۲، مئی ۱۹۸۰ء صفحہ ۵

خوب اشاعت ہوئی۔ چنانچہ اخبار "ڈیلی آبزرور" DAILY OBSERVER نے یکم دسمبر ۱۹۸۳ء
کی اشاعت میں کلینک کی تصویر دیتے ہوئے لکھا :-

AHMADIYYA MUSLIM MISSION OPENS CLILIC

The Ahmadiyya Muslim in Liberia has opened a modern clinic in Monrovia as part of its contribution towards the expansion of health delivery services to the Liberian people.

The clinic, dedicated on Tuesday, is being operated by Dr. Naseer A. Mobashar, Dr. Mobashar worked at various medical centres in Pakistan, Ghana and the United States of America.

Assistant Minister of Education for Administration, Mr. Lasanah V. Kromah who officiated at the dedicatory ceremony, extolled the efforts of the Ahmadiyya Muslim Mission in bringing spiritual, intellectual and physical upliftment to the people of Liberia.

During the dedication ceremony, the Head of the Ahmadiyya Muslim Mission in Liberia, Maulvi Abdul Shakoor, said the establishment of the clinic is a humble start of a scheme designed by the Worldwide Ahmadiyya Muslim Movement to provide health care and quality education for the people of West Africa.

He disclosed that the Mission presently operate a junior high school in Sanoyea, Bong County, and an elementary school in Largo, Grand Cape Mount County.

Maulvi Shakoor Further disclosed that the Mission has established and operates about 150 institutions of learning in West Africa, including a Teacher's Training College and a Missionary Training College in Ghana.

In the field of health care, he said, the Mission operates 19 well-equipped hospitals now functioning in Ghana, Sierra Leone, the Gambia and Nigeria.

He thanked the Liberian Government for the high level of cooperation it has accorded the Mission since it was established here 25 years ago. He also expressed gratitude to the Government for granting the permission to open and operate a clinic in the country.

The dedication ceremony was attended by some distinguished religious and community elders, including the President of the Ahmadiyya Muslim Mission in Liberia, Alhaji Fatai Akani Odutola and the President of the Indian Association in Liberia, Mr. G.S. Gill.

ترجمہ :۔ " احمدیہ مشن کے کلینک کا افتتاح ۔

احمدیہ مشن لائبیریا نے منرو و یا میں ایک جدید کلینک کھولا ہے ۔ جو لائبیرین عوام کے لئے صحت کے میدان میں اس کی خدمات میں ایک اور اضافہ ہے ۔

اس کلینک کا منگل کے دن افتتاح کیا گیا۔ اس میں ڈاکٹر نصیر اے مبشر کام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر مبشّر پاکستان، گھانا اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے مختلف میڈیکل سینٹرز میں کام کر چکے ہیں۔

انتظامیہ کے نائب وزیرِ تعلیم جناب لاسانا . وی. کرومانے ، نے اس تقریب کی صدارت کی اور احمدیہ مُسلم مشن کی اُن کوششوں کی بہت تعریف کی ، جو وہ لائبیرین قوم کی رُوحانی ، ذہنی اور جسمانی سربلندی کے لئے سرانجام دے رہا ہے ۔

احمدیہ مُسلم مشن لائبیریا کے سربراہ مولوی عبدالشکور صاحب نے افتتاح کی اس تقریب کے دوران کہا کہ کلینک کی تعمیر ایک معمولی سا آغاز ہے، اُس اسکیم کا جو احمدیہ مُسلم عالمی تحریک نے مغربی افریقہ کے لوگوں کو حفظانِ صحت اور عُمدہ تعلیم مہیّا کرنے کے لئے تیار کی ہے ۔

انہوں نے بتایا کہ اِس وقت مِشن بونگ کاؤنٹی کے مقام سانوے میں ایک جونیئر ہائی سکول اور گرینڈ کیپ ماؤنٹ کاؤنٹی کے مقام لارگو میں ایک ابتدائی سکول چلا رہا ہے ۔

مولوی عبدالشکور صاحب نے مزید بتایا کہ مشن نے مغربی افریقہ میں ۱۵۰ کے قریب تعلیمی ادارے قائم کئے ہیں۔ اور چلا رہا ہے۔ اِن اداروں میں اساتذہ کی تربیت کا ایک کالج اور گھانا میں مبلّغین کی تربیت کا ایک کالج بھی شامل ہیں ۔

انہوں نے کہا کہ حفظانِ صحت کے میدان میں یہ مشن جُملہ سہولتیں فراہم کرنے والے ۱۹ ہسپتال بھی چلا رہا ہے جو اس وقت گھانا ، سیرالیون گیمبیا اور نائجیریا میں بطورِ وقف کام کر رہے ہیں۔

انہوں نے اُس اعلیٰ سطح کے تعاون کے لئے لائبیرین حکومت کا شکریہ ادا کیا، جو وہ مشن کے ساتھ اس وقت سے کر رہی ہے جبکہ ۲۵ برس قبل یہ مشن یہاں بنایا گیا تھا۔ انہوں نے حکومت کا اس بناء پر بھی شکریہ ادا کیا کہ اُس نے ملک میں ایک کلینک کھولنے اور اسے چلانے کی اجازت دی۔

اس تقریب میں بعض نمایاں مذہبی و سماجی شخصیتوں نے شرکت کی۔ جن میں احمدیہ مُسلم مشن لائبیریا کے صدر الحاجی فطائی آکانی اُدو دو تولا اور لائبیریا کی انڈین ایسوسی ایشن کے صدر جناب جی۔ ایس۔ گل شامل ہیں۔

خانہ خدا کی تعمیرِ نَو

۲۴۔ جنوری ۱۹۸۴ء میں منروویا میں خانہ خدا کی تعمیرِ نَو کا کام شروع کیا گیا جو مئی ۱۹۸۴ء کے آخر میں مکمل ہُوا اور اس کا افتتاح یکم جون کو رمضان المبارک کی پہلی نمازِ تراویح سے کیا گیا۔ اس مبارک گھر پر تیس ہزار ڈالر سے زیادہ رقم خرچ ہوئی جو مقامی طور پر مہیّا کی گئی۔[1]

لائبیریا مشن کا اہم ترین واقعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی تشریف آوری

۲۵۔ لائبیریا مشن کی تاریخ میں سب سے اہم واقعہ، جسے سنگِ میل کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہو گا۔ سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس مُلک میں تشریف آوری ہے۔ حضور اپنے مشہورِ عالم دورۂ افریقہ ۱۹۷۰ء کے دوران ۲۹ اپریل ۱۹۷۰ء کو ۲ بجے بعد دوپہر منروویا میں ورود فرما ہوئے۔ رابرٹس فیلڈ کے فضائی مستقر پر جماعتِ احمدیہ لائبیریا کے مخلص اور فدائی احباب کے علاوہ حکومت کے اعلیٰ افسران۔ لائبیریا کے مُسلم زعماء اور دیگر معززین کے علاوہ خود صدرِ مملکت ٹب مین کے ذاتی نمائندہ نے بھی حضور کا نہایت پُرخلوص اور پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ جس کے رُوح پرور مناظر ٹیلیویژن پر بھی دکھائے گئے۔ اس طرح اہلِ لائبیریا کو حضور کی زیارت کا بھی موقع ملا اور ملک کے کونے کونے میں اسلام کا بھی غیر معمولی چرچا ہُوا۔ ان ایّام میں جبکہ حضور نے اس سرزمین کو برکت بخشی جناب امین اللہ خانصاحب سالک مبلغ لائبیریا

---

[1] مکتوب مولوی عبدالشکور صاحب مبلغ لائبیریا بنام مؤلف مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۴ء۔

کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

حضور یکم مئی ۱۹۷۰ء کو لائبیریا سے بذریعہ طیارہ گیمبیا کے لئے روانہ ہوئے۔ حضور نے اپنے مختصر قیام کے دوران پہلے ہی روز مملکت کے صدر ولیم ایس وی ٹب مین سے ملاقات فرمائی اور جماعت احمدیہ لائبیریا کی طرف سے حضور کے اعزاز میں وسیع پیمانے پر عشائیہ کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں شہر کے معززین خاصی تعداد میں شامل ہوئے اور حضور سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ اگلے دن ۳۰ راپریل کو بوقت سہ پہر ایک پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا۔ جس میں اسلام اور احمدیت کے درخشندہ مستقبل پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ ازاں بعد حضور کے اعزاز میں صدر مملکت مسٹر ولیم ٹب مین کی طرف سے "ایگزیکیٹو مینشن" میں وسیع پیمانے پر پُرتکلف عشائیے کا اہتمام ہوا۔ جس میں وزرائے مملکت، کلیسیا کے بشپ، بیرونی ممالک کے سفارتی نمائندوں اور دیگر نامور معززین نے شرکت کی۔ اس موقع پر صدر ٹب مین نے استقبالیہ ایڈریس پیش کرتے ہوئے اس امر کا خاص طور پر ذکر فرمایا کہ حضرت امام جماعت احمدیہ کا لائبیریا میں ورودِ مسعود ہمارے لئے بہت عزّت افزائی کا موجب ہے۔ حضور نے جواباً صدرِ مملکت اور اہلِ لائبیریا کو دعاؤں سے نوازا کہ اللہ تعالیٰ انہیں خوشیوں اور مسرّتوں سے سدا مالا مال رکھے اور اہلِ ملک کی خوشحالی میں اضافہ ہوتا رہے۔[1]

پریذیڈنٹ ٹب مین نے اس سرکاری ضیافت کے موقع پر یہ اعلان بھی کیا کہ وہ احمدیہ مُسلم مشن لائبیریا کو ایک سو پچاس ایکڑ زمین دے رہے ہیں تا حضرت امام جماعت احمدیّہ کے ارشاد کے مطابق جماعتِ احمدیہ سکول اور ہسپتال تعمیر کر سکے۔ یہ زمین منروویا سے سو میل دُور ساتوئے SANOYEA میں حاصل ہوئی۔ جس پر پہلے مسلم ہائی سکول کی عمارت تعمیر کی گئی جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے۔

---

[1] الفضل ۳ و ۵ رمئی ۱۹۷۰ء

فصل سوم

لائبیریا مشن کی عظیم الشان خدمات سے متعلق تاثرات

(۱) شروع ۱۹۶۴ء میں مشرقی افریقہ کے ایک مسلمان لیڈر حاجی علی سینڈا ALI SENADA چند روز کے دورہ پر منرو ویا آئے۔ انہوں نے وہاں پہنچنے کے ساتھ ہی ایک پریس کانفرنس بلائی۔ پریس کانفرنس میں انہوں نے بتایا کہ ان کی پارٹی مشرقی افریقہ میں مسلمانوں کی بہبودی کی خاطر قائم ہوئی ہے۔ انہوں نے اس وقت تک مختلف ممالک سے ساٹھ سے زیادہ وظائف حاصل کئے ہیں۔ اور اب مسلمان طلباء کو ان ممالک میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے بھیجا جا رہا ہے مشرقی افریقہ میں مسلمانوں کی حالت بہت پست ہے۔ اسمبلی میں ان کی کوئی نمائندگی نہیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ لائبیریا کی حکومت نے ان کو پانچ وظائف دیئے ہیں۔ پریس کانفرنس کے دوران ایک صحافی نے پوچھا کہ آپ کے ملک میں احمدیہ مشن موجود ہے۔ اس کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے۔ حاجی سینڈا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ میں احمدیت کے شدید ترین مخالفین میں سے تھا۔ لیکن جب سے میں نے دنیا کے مختلف ممالک کا دورہ کیا ہے۔ اور متعدد مقامات پر احمدیہ جماعت کے کام کو دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ صرف یہی ایک جماعت ہے جو صحیح معنوں میں اسلام کی خدمت کر رہی ہے"۔[1]

(۲) مسلم کانگرس آف لائبیریا کے پریذیڈنٹ اپریل ۱۹۶۶ء کو عیدالاضحیہ کے روز ایک دوست حاجی سانکو بابو صاحب کے ہاں ایک عشائیہ میں دوسرے معززین کے ساتھ مدعو تھے۔ اس موقع پر آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا "احمدیہ مشن عرصہ سے ہمارے ہاں موجود ہے۔ ہم نے ان کے مبلغین کی مساعی کا بغور مطالعہ کیا ہے اور ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ احمدی حقیقی مسلمان ہیں اور ان کے دلوں میں اسلام کی خدمت کا بے پناہ جذبہ موجود ہے .... احمدی مبلغین کی آمد سے قبل لائبیریا میں مسلمانوں

---

[1] الفضل ۴ ستمبر ۱۹۶۴ء صفحہ ۳۔

کی کوئی آواز نہ تھی لیکن اب حکومت میں مسلمانوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ان کے حقوق کی نگہبانی کی جاتی ہے۔"[1]

(۳)۔ لبنان کے نامور عالم رئیس الجمعیۃ الخیریہ الشیخ محمد عدرہ نے احمدیہ مسلم مشن لائبیریا کی اسلامی سرگرمیوں سے متأثر ہو کر مبلغ لائبیریا چوہدری رشید الدین صاحب کو حسب ذیل سندِ خوشنودی عطا کی:۔

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

اِنَّ الْجَمْعِيَّةَ الْخَيْرِيَّةَ لِلتَّعْلِيْمِ وَالْاِسْعَافِ بِبَيْرُوْتَ قَرَّرَتِ الْهَيْئَةُ الْاِدَارِيَّةُ اِسْنَادَ مَنْصَبِ مُسْتَشَارٍ شَرَفٍ لِلْجَمْعِيَّةِ لِلسَّيِّدِ رَشِيْدِ الدِّيْنِ نَظْرًا لِدَعْوَتِكُمُ الْاِسْلَامِيَّةِ فِيْ بِلَادِ اِفْرِيْقِيَا وَغَيْرِهَا مِنَ الْبِلَادِ الْاِسْلَامِيَّةِ وَالْعَرَبِيَّةِ وَتَفَضَّلُوْا بِقَبُوْلِ الْاِحْتِرَامِ   اَلرَّئِيْسُ

اَلشَّيْخ مُحَمَّد عَدْرَه — فی ۱۹۷۵/۶/۲۳ء

ترجمہ:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الجمعیۃ الخیریہ للتعلیم والاسعاف، بیروت کی مجلس عاملہ نے اس بات کا ریزولیشن پاس کیا ہے کہ مکرم رشید الدین صاحب کو اُن کی افریقہ اور دیگر ممالکِ اسلامیہ اور عربیہ میں تبلیغِ اسلام کے سلسلہ میں خدمات کی بناء پر جمعیت کے اعزازی مشیر کا عہدہ پیش کیا جائے۔ براہ مہربانی قبول فرمائیں۔   الرئیس۔ الشیخ محمد عدرہ

(۴)۔ لبنان کے مشہور قاری اور واعظ الشیخ لطفی عامر عثمان صاحب نے حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی خدمت میں حسب ذیل مکتوب لکھا:۔

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْاَخُ الْكَرِيْمُ السَّيِّدُ نَاصِر اَحْمَد رَئِيْسُ الْحَرَكَةِ الْاِسْلَامِيَّةِ الْاَحْمَدِيَّةِ

---

[1] الفضل ۳ ستمبر ۱۹۶۶ء صفحہ ۳

رَبْوَه. بَاكِسْتَان. أُحَيِّيكُمْ بِتَحِيَّةِ الْإِسْلَامِ. سَلَامُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهُ وَ بَرَكَاتُهُ. وَ بَعْدُ لَقَدْ سَنَحَتْ لِيَ الْفُرْصَةُ وَ زُرْتُ دَوْلَةً مِنْ دُوَلِ غَرْبِ إِفْرِيْقِيَا وَ هِيَ لَائْبِيرْيَا. وَ اَثْنَاءَ زِيَارَتِي اِلْتَقَيْتُ بِجَمَاعَةِ الْأَحْمَدِيَّةِ وَ تَكَرَّرَ اللِّقَاءُ وَ وَقَفْتُ عَلَى مُدَى تَعَلُّقِهِمْ بِالْإِسْلَامِ وَ تَعَالِيْمِهِ مِنْ حَيْثُ الْهَيْئَةِ وَ التَّطْبِيْقِ مِمَّا بَعَثَ فِي نَفْسِي الْأَمْنَ وَ الطَّمَانِيَّةَ بِمَوْقِفِنَا اَنَّ اللهَ حَافِظُ دِيْنِهِ فِي كُلِّ زَمَانٍ وَ مَكَانٍ وَ كَيْفَ لَا وَ هُوَ يَقُوْلُ فِي مُحْكَمِ التَّنْزِيْلِ "إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ".

هٰذَا وَ قَدْ مَنَحَنِي رَئِيْسُ الْجَمَاعَةِ الْاَخُ رَشِيْدُ الدِّيْنِ بَعْضَ كُتُبِ وَ رِسَالَاتِ الْجَمَاعَةِ فَقَرَأْتُهَا مَرَّةً وَ مَرَّةً وَ كُلَّمَا اِنْتَهَيْتُ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ اَعُوْدُ وَ اُعَاوِدُ قِرَاءَتَهُ مَرَّةً اُخْرٰى حَتَّى اَشْبَعَ وَ هِيَ مِنْ هٰذَا النَّبْعِ الصَّافِي الَّذِيْ يَبْعَثُ فِي النَّفْسِ الطَّمَانِيَّةَ وَ يَشِعُّ النُّوْرَ فِي رُوْحِي الَّتِيْ اَظْلَمَهَا تَيَّارُ التَّخَبُّطِ وَ التَّشَاحُنِ وَ التَّبَاغُضِ وَ التَّفْرِقَةِ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَلَا جَمَاعَتِكُمْ وَ زَادَ اِعْجَابِيْ اَكْثَرَ وَ اَكْثَرَ كِتَابُ "فَلْسَفَةِ الْاُصُوْلِ الْإِسْلَامِيَّةِ" لِخَاتَمِ الْخُلَفَاءِ وَ الْمُجَدِّدِيْنَ حَضْرَةِ اَحْمَدَ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ. وَ هٰذَا الْكِتَابُ عَلٰى حَدَاثَةِ حُجَّةٍ وَ قِلَّةِ صَفَحَاتِهِ لَهُوَ مَجْمَعٌ عِلْمِيٌّ كُلُّ كَلِمَةٍ مِنْهُ تَزِنُ اَلْفَ كَلِمَةٍ مِنْ كَلِمَاتِ غَيْرِهِ.

وَ اِنَّهُ يُسْعِدُنِي كَمَا وَ يُشَرِّفُنِيْ اَنْ اَكْتُبَ لَكُمْ لِاُعَبِّرَ لَكُمْ عَنْ شُعُوْرِيْ نَحْوَ جَمَاعَتِكُمْ وَ نَشَرَاتِ جَمَاعَتِكُمْ وَ كُتُبِ جَمَاعَتِكُمْ شُعُوْرًا بِالْفَخْرِ وَ الْاِرْتِيَاحِ.... كَمَا وَ يُشَرِّفُنِيْ اَنْ تَحِيْنَ لِيَ الْفُرْصَةُ لِاَزُوْرَ جَمَاعَتَكُمْ فِي بَاكِسْتَانَ خَاصَّةً وَ كُلَّ اَرْجَاءِ الدُّنْيَا عَامَّةً اَضْرَعُ اِلَى اللهِ الْعَلِيِّ الْقَدِيْرِ اَنْ يَمُدَّ فِي عُمْرِكُمْ وَ يُوَفِّقَكُمْ لِلْمَسِيْرَةِ عَلٰى طَرِيْقَةِ الْهُدٰى وَ التُّقٰى وَ النَّقٰى وَ يَجْعَلَ صَلَاحَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى يَدَيْكُمْ.

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ

اخوكم - محمد لطفي عامر عثمان

شارع محي الدين الخياط- بناية ابراهيم عيناني

الملا - بيروت لبنان .

ترجمہ :- بخدمت برادر محترم جناب ناصر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ اسلامیہ ربوہ پاکستان۔
مَیں آپ کی خدمت میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' کا اسلامی تحفہ پیش کرتا ہوں۔ بعد ازاں گذارش ہے کہ مجھے مغربی افریقہ کے مُلک لائبیریا جانے کا موقع ملا۔ یہاں قیام کے دوران جماعت احمدیہ کے احباب سے ملنے کا اتفاق ہُوا۔ پھر بار بار اُن سے ملاقات ہوتی رہی۔ اس طرح مجھے اسلام کے ساتھ اُن کی وابستگی اور تعلق کی پختگی کا علم ہُوا اور بحیثیت جماعت اسلام کی تعلیم پر اُن کے عمل کا اندازہ ہُوا۔ اس بات نے میرے دل میں ہمارے اس موقف کے بارہ میں امن و اطمینان پیدا کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانے اور ہر مُلک میں اپنے دین کا خود محافظ ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ وہ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ۔

اس بات کے سمجھ لینے کے بعد احمدیہ مشن کے انچارج برادرم رشید الدین صاحب نے مجھے جماعت کی بعض کُتب اور لٹریچر دیا جنہیں مَیں نے بار بار پڑھا جب بھی مَیں کسی کتاب کے مطالعہ سے فارغ ہوتا تو دوبارہ اور سہ بارہ اُسے پڑھتا حتّٰی کہ مَیں اُس کے مطالعہ سے خوب سیر ہو جاتا۔ یہ کُتب و رسائل اُسی چشمۂ صافی سے صادر ہوئے ہیں جو دل میں ٹھنڈک و اطمینان پیدا کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے باہمی تفرقہ، دشمنی، کینہ، بُغض اور گمراہی کی لہروں نے میری رُوح کو تاریک کر دیا تھا۔ ان کُتب نے اپنی نورانی شعاعوں سے اُسے روشن اور منوّر کر دیا ہے۔ مَیں نے یہ بھی دیکھا کہ آپ کی جماعت ان خرابیوں سے پاک ہے۔ خاتم الخلفاء والمجددین حضرت احمد مسیح موعود کی کتاب اسلامی اصول کی فلاسفی نے میری پسندیدگی کے جذبات کو عروج پر پہنچا دیا۔ یہ کتاب اپنے دلائل کی جدّت کے ساتھ ساتھ بہت کم صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ایک علمی خزانہ ہے جس کا ہر ایک لفظ دوسرے لوگوں کے ہزار لفظ کے برابر ہے۔

اس اَمر کو مَیں اپنی خوش قسمتی اور عزّت و شرف کا موجب سمجھتا ہوں کہ مَیں آپ کی خدمت میں اس غرض سے خط لکھ رہا ہوں کہ مَیں جماعت احمدیہ اور اس کے لٹریچر کے متعلق اپنے اِن جذبات کا اظہار

کر سکوں جن پر مجھے پورا فخر اور کُلی اطمینان ہے۔ ایسے ہی یہ اَمر بھی میری خوش بختی اور عزت افزائی کا باعث ہو گا کہ مجھے خاص طور پر پاکستان اور عام طور پر دیگر ممالک میں آپ کی جماعت کو دیکھنے کا موقع ملے۔

مَیں اللہ تعالیٰ کی مقتدر ہستی کے حضور عاجزانہ دُعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کی عمر میں برکت دے اور آپ کو ہدایت، تقویٰ اور طہارت کے راستوں پر بڑھاتا چلا جائے۔ اور اس اُمّت کی ہدایت اور بھلائی کا سامان آپ کے ہاتھوں سرانجام پائے۔ والسلام

محمد لُطفی عامر عثمان

(۵)۔ لائبیریا میں اپنا عرصہ قیام پُورا کرنے کے بعد جب چوہدری رشید الدین صاحب واپس پاکستان آ رہے تھے تو لائبیریا کے سب سے بڑے اخبار **THE LIBERIAN STAR** نے آپ کی روانگی کا ذکر کیا اور آپ کی خدمات کو سراہتے ہوئے لکھا:-

RASHID UDDIN SAYS GOODBYE

After an unflinching and dedicated service to the upliftment of the Ahmadiyya Mission in Liberia Mr. Rashid Uddin the amiable and indefatigable head of the Mission is saying goodbye.

Maulvi Uddin is recalled to Pakistan for another assignment in continuation of his sacred duty to Allah.

Speaking to the STAR the Ahmadiyya Bishop whose beautiful contributions to the achievement of the aims and objectives of the Mission include the establishment of schools in Sonoyea Bong County and Monrovia said that eventhough he had to answer to the call of duty he would miss his mumerous friends and the warm hospitality of the people of Liberia not leaving out the concrete co-operation he enjoyed from them to make his mission to Liberia a successful one.

Mr. Uddin's efforts in the spreading the word· of Islam through the local news media would also not be forgotten; and his contributions towards the educational development of Liberia were so excellent that they won him a commendation from the Minister of Education Dr. Advertus A. Hoff Jr.

In collaboration with his conviction that religion best be taught to our ammoral generation of to day through classroom lectures, the Pakistani Missionary targeted his period of assignment on the provision of educational facilities for the Liberian people, who are ardently in need of Islamic religious education.

Therefore, under the directive of the Supreme Head of the Ahmadiyya Movement, Hazrat Mirza Nasir Ahmad of Pakistan; he wasted no time in establishing a modern high school in Sanoyea Bong County; updating two elementary schools in Largo Cape Mount County and Monrovia.

In community service he spearheaded the Pakistani Forum of Liberia for two years during the encubency of Ambassador S.A. Moid during which time he again used his brilliant officiating ideas to make the Forum an organization of high repute.

He will be severaly missed but his contributions a living Testimony of dedication and devotion will remain.

ترجمہ:۔ احمدیہ مُسلم مشن کی ترقی اور بہبودی کے لئے مخلصانہ خدمات بجا لانے کے بعد انتھک اور دلکش شخصیت کے مالک مبلغ انچارج مولوی رشید الدین صاحب اَب ہمیں الوداع کہنے والے ہیں۔ انہیں پاکستان واپس بلایا گیا ہے اور وہ خدمتِ دین کے تسلسل میں وہاں اپنی نئی ذمہ داری سرانجام دیں گے۔ یہاں قیام کے دوران احمدیہ مبلغ نے مشن کے اغراض ومقاصد کے حصول میں دیگر کامیابیوں کے علاوہ سانوئے اور منروویا میں سکولوں کے قیام کا شاندار کارنامہ بھی سرانجام دیا۔ تبلیغِ اسلام کے سلسلہ میں مولوی رشید الدین صاحب کی وہ جدوجہد جو وہ قومی ذرائع ابلاغ کے واسطے کرتے رہے فراموش نہیں کی جا سکے گی۔ اور لائبیریا کی تعلیمی ترقی میں تو آپ کی خدمات ایسی عُمدہ ہیں کہ خود وزیرِ تعلیم جناب ڈاکٹر ADVERTUS A. HOFF نے آپ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

اپنے اس یقین کی بناء پر کہ ہمارے آج کے بگڑے ہوئے بچّوں کو مذہبی تعلیم سکول کے کمروں میں

([1] The Liberian Star Friday, January 21, 1977)

بٹھا کر بہتر طور پر دی جا سکتی ہے ۔ پاکستانی مبلغ نے اپنے عرصہ قیام میں لائبیرین لوگوں کے لئے جنہیں اسلامی تعلیم حاصل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ تعلیمی سہولتیں مہیّا کرنے پر توجہ مرکوز رکھی ۔ اور امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا ناصر احمد کے ارشادات کے مطابق بہت جلد سانوئے SANOYEA کے مقام پر جدید طرز کا ایک ہائی سکول تعمیر کرنے کے علاوہ منروویا اور لاگو LARGO میں واقع دو پرائمری سکولوں کی حالت بہتر بنا دی

ملّی خدمات کے سلسلہ میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ سفیرِ پاکستان جناب ایس اے معید کے وقت میں آپ نے دو سال تک " پاکستان فورم آف لائبیریا " کی قیادت کی ۔ اس عرصہ میں آپ کی تنظیمی صلاحیتوں کی وجہ سے فورم کو بہت شہرت حاصل ہوئی ۔

ان شاندار خدمات کی وجہ سے جو آپ کے اخلاص اور وفا کی زندہ شہادت ہیں، آپ کی یاد ہمیشہ قائم رہے گی ۔

(۶) ۔ عزّت مآب ڈاکٹر ولیم آر ٹالبرٹ (صدر جمہوریہ لائبیریا و تنظیم اتحاد افریقہ) نے ۲۸ جنوری ۱۹۸۰ء کو مولوی عطاء الکریم صاحب شاہد مع جماعت لائبیریا کے چھ رکنی وفد سے ملاقات کی ۔

مولوی صاحب موصوف نے بتایا کہ وہ تین سالہ قیام کے بعد واپس مرکز میں جا رہے ہیں ۔ اس پر صدر مملکت نے اپنے قلبی تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے نئے مشن کے امیر و مبلغ انچارج کے لئے یہ پیغام دیا کہ :۔

" احمدیہ مشن خدمتِ دین اور خدمتِ عوام کو حسب معمول جاری اور اپنی روایات کے پرچم کو سر بلند رکھے "[1]

---

[1] الفضل ۳ ؍ مارچ ۱۹۸۰ء صہ ۳ ۔

چوتھا باب

تبلیغ احمدیت کی خصوصی تحریک سے لیکر احمدیہ مشن سکنڈے نیویا کے قیام تک

خلافتِ ثانیہ کا بیالیسواں سال (۱۹۵۶ء)

فصل اوّل

تبلیغِ احمدیت کی خصوصی تحریک ۱۹۵۶ء کے تاریخی واقعات کا آغاز سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کے سفرِ لاہور سے ہوتا ہے۔ حضور ۵ رجنوری کو لاہور تشریف لے گئے اور آٹھ جنوری کو واپس مرکزِ احمدیت میں تشریف لائے۔ لاہور میں تین روز قیام کے دوران حضور نے ۶رجنوری ۱۹۵۶ء کو رتن باغ میں ایک اہم خطبہ ارشاد فرمایا جس میں جماعتِ احمدیہ لاہور کو لاہور کی خصوصی اہمیّت کے پیشِ نظر فریضۂ تبلیغ کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی چنانچہ ارشاد فرمایا:-

"دنیا میں رہنے کے لئے ایک دُوسرے سے بھائی چارہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ بھائی چارہ سنجیدگی سے ہونا چاہیئے۔ اگر کسی سے صرف ہنسی مذاق کر لیا جائے اور جب وہ جُدا ہو تو اس کا خیال دل سے نکال دیا جائے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ اگر اپنے دوستوں اور ملنے جلنے والوں سے سنجیدہ باتیں کی جائیں اور اُن کے اندر صداقت معلوم کرنے اور اس کے غور اور فکر کرنے کی

لگن پیدا کی جائے تو خود بخود ان کے اندر یہ خواہش پیدا ہوگی کہ وہ تمہاری باتیں سُنیں اور جب کبھی تمہارا مبلغ یا امام یہاں آئے تو اس سے بھی ملاقات کریں اور اس کی باتیں سُنیں۔ پس یہاں کے احباب کو اپنی اس ذمّہ واری کو نہیں بھُلانا چاہیئے ۔ لاہور ایک اہم جگہ ہے اور اب اسے اور بھی زیادہ اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ کیونکہ مغربی پاکستان کے ایک یونٹ بن جانے پر یہ اس کا دارالخلافہ ہو گیا ہے۔ اس وقت پاکستان میں کراچی سے اُتر کر لاہور اور ڈھاکہ کو جو پوزیشن حاصل ہے وہ کسی اور شہر کو حاصل نہیں۔ اس لئے یہاں کی جماعت کے جو ذمّہ دار لوگ ہیں۔ انہیں خصوصیت سے ان امور کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ دُنیا میں انسان کی زندگی محدود ایّام کی ہے۔ اگر اس کو بھی ضائع کر دیا جائے تو دُنیا میں انسان نے دوبارہ تو نہیں آنا۔ موت کے آنے تک اس نے جو کچھ کر لیا سو کر لیا۔ اس کے بعد اعمال کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے اس لئے انسان زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے اور اس مختصر وقت کو کسی صورت میں ضائع نہ کرے۔ پس یہاں کے تمام احباب کو چاہیئے کہ وہ اس امر کی طرف توجہ کریں اور اپنے دوستوں کے ساتھ سنجیدگی کے ساتھ باتیں کیا کریں اور اس طرز سے باتیں کیا کریں کہ اُن میں سچائی معلوم کرنے کی لگن پیدا ہو جائے جب ان میں سچائی معلوم کرنے کی لگن پیدا ہو جائے گی تو جہاں بھی انہیں سچائی نظر آئے گی وہ اسے قبول کر لیں گے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ انسان کے اندر لگن پیدا ہو جائے کیونکہ جب کسی کے اندر لگن پیدا ہو جاتی ہے تو وہ کسی کے روکنے کی وجہ سے رُکتا نہیں بلکہ وہ تحقیقِ حق کے لئے دوڑتا ہے اور خود اس کے متعلق سوالات کرتا ہے ۔ دیکھو مدینہ کے لوگ مکّہ آتے تھے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم بعض دفعہ انہیں ملنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے اُن میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن پر آپ کی باتوں کا اثر ہُوا اور انہوں نے واپس جا کر اپنے شہر والوں سے ان باتوں کا ذکر کیا۔ چنانچہ اگلے سال اور زیادہ تعداد میں مدینہ کے لوگ مکّہ آئے وہ مکّہ کی گلیوں میں پھرتے رہے۔ مکّہ والوں نے انہیں دھوکا میں ڈالنا چاہا اور حقیقت پر کئی پردے ڈالے لیکن آخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو تلاش کر ہی لیا۔ آپ نے ان سے باتیں کیں اور ان باتوں کے نتیجہ میں مدینہ والوں نے دین کو قبول کر لیا لیکن پہلی دفعہ یہی فیصلہ ہُوا تھا کہ شہر سے باہر نکل کر کسی علیحدہ جگہ ملاقات کی جائے کیونکہ وہ لوگ ڈرتے تھے کہ کہیں مکّہ والے ان کی مخالفت نہ کریں لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے باتیں کیں اور ان پر حق کھُل گیا تو انہوں نے بلند آواز سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اتنی بلند آواز سے نعرۂ تکبیر کہا ہے کہ ممکن ہے مکّہ والوں کو پتہ لگ جائے کہ تم کس نیت سے یہاں آئے ہو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ جب تک ہمیں حقیقت کا صحیح طور پر پتہ نہیں تھا۔ اس وقت تک ہم بھی اسے چھپانے کی کوشش کرتے تھے لیکن اب جب کہ حقیقت ہم پر واضح ہوگئی ہے ہم اُسے چھپا نہیں سکتے۔

پس جب انسان کے اندر صداقت کے معلوم کرنے کی لگن پیدا ہو جاتی ہے تو وہ آپ ہی آپ صداقت معلوم کرتا رہتا ہے مجھے یاد ہے کہ نواب محمد دین صاحب مرحوم نے جب بیعت کی تو اس وقت وہ ریاست مالیرکوٹلہ میں ملازم تھے اور کونسل آف سٹیٹ کے ممبر تھے۔ بیعت کے وقت آپ نے کہا مَیں یہاں سے ریٹائر ہو جاؤں تو مجھے ملازمت کے لئے کسی اور ریاست میں جانا پڑے گا۔ اس لئے آپ مجھے ابھی اپنی بیعت مخفی رکھنے کی اجازت دیں۔ چنانچہ مَیں نے انہیں بیعت کو مخفی رکھنے کی اجازت دے دی۔ بیعت کے بعد وہ شملہ چلے گئے۔ مجھے بھی ان دنوں چند دنوں کے لئے تبدیلیٔ آب و ہوا کی خاطر شملہ جانے کا موقع ملا نواب صاحب نے مجھ سے کہا آپ روز روز کہاں شملہ آتے ہیں۔ مَیں اور تو کوئی خدمت نہیں کر سکتا۔ ہاں اتنا کر سکتا ہوں کہ بڑے بڑے لوگوں کو چائے پر بُلا کر آپ کا ان سے تعارف کرا دوں۔ چنانچہ انہوں نے ایک دعوت کا انتظام کیا مَیں بھی وہاں چلا گیا۔ انہوں نے بڑے بڑے آدمی وہاں بلائے ہوئے تھے۔ مَیں اس انتظار میں تھا کہ کوئی اعتراض کرے تو مَیں اس کا جواب دُوں کہ نواب صاحب کھڑے ہوگئے اور انہوں نے حاضرین کا شکریہ ادا کرنے کے بعد اس طرح بات شروع کی کہ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ امام جماعت احمدیہ یہاں تشریف لائے ہیں جو شخص کسی قوم کا لیڈر ہوتا ہے ہمیں اس کا احترام کرنا چاہیئے وہ ہمیں دین کی باتیں سنائیں گے خواہ ہم مانیں یا نہ مانیں۔ ان سے ہمیں فائدہ پہنچے گا۔ اس کے بعد وہ تقریر کرتے ہوئے یکدم جوش میں آگئے اور کہنے لگے اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو مبعوث کیا ہے اور اس نے دعویٰ کیا ہے کہ مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں۔ یہ دعویٰ کوئی معمولی دعویٰ نہیں۔ اگر وہ اپنے اس دعویٰ میں سچّا ہے اور ہم نے اسے قبول نہ کیا تو لازماً ہم خدا تعالیٰ کے مجرم ہوں گے اور اس کا عذاب ہم پر آئے گا۔ اس لئے آپ لوگوں کو سنجیدگی سے اس کے دعویٰ پر غور کرنا چاہیئے۔ جب نواب صاحب اپنی تقریر ختم کرکے بیٹھ گئے تو مَیں نے ان سے کہا کہ آپ نے تو اپنی بیعت کو مخفی رکھنے کی اجازت

لی تھی اور مَیں نے آپ کو اجازت دے دی تھی لیکن اس وقت آپ نے خود ہی اسے ظاہر کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا مجھے تقریر کرتے کرتے جوش آگیا تھا۔ اس لئے مَیں ضبط نہیں کر سکا۔ غرض دوستوں کو چاہیئے کہ وہ تبلیغ کی طرف توجہ کریں۔ اور دوسروں تک سنجیدگی سے اپنے خیالات پہنچائیں۔ مجھے یاد ہے کہ پہلے پہلے جب مَیں لاہور آیا کرتا تھا تو گمٹی والی مسجد میں نماز ہوتی تھی۔ اس وقت اگلی صف میں جتنے دوست بیٹھتے ہیں اس وقت لاہور میں قریباً اتنے ہی احمدی ہوتے تھے۔ لیکن اب جمعہ کی نماز میں بعض دفعہ یہاں پندرہ پندرہ سو دوست جمع ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ان کی تعداد اس سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ ممکن ہے آج بھی اس قدر لوگ موجود ہوں لیکن کھلی جگہ ہونے کی وجہ سے وہ زیادہ معلوم نہ ہوتے ہوں۔ بہر حال جمعہ کی نماز میں اڑھائی اڑھائی سو کی تعداد میں سائیکل ہی ہوتے ہیں۔ ابھی مجھے کسی نے بتایا ہے کہ پچھلے جمعہ کے موقع پر بارہ موٹریں اور ایک بڑی تعداد میں سائیکلیں ہی سائیکلیں جمع ہو گئی تھیں۔ غرض جب گمٹی والی مسجد میں نماز ہوتی تھی اس وقت جماعت کی تعداد بہت تھوڑی تھی لیکن اَب اللہ تعالیٰ نے اس کی تعداد بہت بڑھا دی ہے۔ اَب موجودہ جماعت کو خیال کرنا چاہیئے کہ اس وقت پچاس ساٹھ احمدیوں نے اپنی زندگیوں کو سدھارا اور دوسروں تک اپنے خیالات کو سنجیدگی سے پہنچایا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ صرف جمعہ کی نماز میں آنے والے احمدیوں کی تعداد ۵۰ سے بڑھ کر ۱۵۰۰ تک پہنچ گئی۔ اگر تم بھی ان لوگوں کی طرح اپنی زندگیوں کو سدھارتے اور اپنے خیالات سنجیدگی سے دوسروں تک پہنچاتے تو تم پندرہ سو سے پینتالیس ہزار (۴۵٫۰۰۰) بن جاتے۔ لاہور کے شہر کو اللہ تعالیٰ نے احمدیت کے ابتدائی زمانہ سے ہی تبلیغ کا مرکز بنایا ہے۔ مَیں ابھی بچہ ہی تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام لاہور تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ یہاں تشریف لائے۔ مَیں بھی ساتھ تھا۔ مسجد وزیر خاں کے قریب ایک دوست کے ہاں آپ کی دعوت تھی۔ میری عمر اس وقت بہت چھوٹی تھی۔ صرف سیر کی وجہ سے مَیں ساتھ آگیا تھا۔ دعوت سے فارغ ہو کر جب ہم باہر نکلے تو دہلی دروازہ سے نکلتے وقت اس زمانہ میں دائیں طرف ایک پیپل کا درخت تھا اس درخت کے پاس ہجوم بہت زیادہ تھا۔ ہمیں دیکھ کر لوگوں نے گالیاں دینی شروع کر دیں۔ اور بہت شور بلند کیا۔ جب ہم پیپل کے پاس سے گزرے تو اس وقت جو لوگ جمع تھے اُن میں سے کسی نے کہا کہ تم یہ کہو کہ ہائے ہائے گویا مرزا صاحب فوت ہو گئے ہیں۔

مَیں بہت حیران تھا کہ لوگ اتنا شور کیوں کرتے ہیں اور ہمیں کیوں گالیاں دیتے ہیں۔ مجھے یہ نظارہ خوب یاد ہے کہ اس وقت ایک شخص جو مولوی طرز کا معلوم ہوتا تھا اور ٹُنڈا تھا اور اپنا دُوسرا ہاتھ ٹنڈ پر مار کر ہائے ہائے کی آواز بلند کر رہا تھا۔ بچپن کی وجہ سے مجھے یہ عجیب تماشا معلوم ہوتا تھا۔ اور مَیں اسے شوق سے دیکھتا تھا۔ لیکن بعد میں کسی نے بتایا کہ یہ ہجوم حضرت صاحب کی مخالفت کی وجہ سے جمع ہو گیا تھا۔ اور اپنی اس مخالفت کی وجہ سے آپ کو گالیاں دے رہا تھا گویا کسی وقت وہ زمانہ تھا کہ یہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تشریف لایا کرتے تو آپ کو گالیاں دینے کے لئے لوگ راستوں پر جمع ہو جاتے تھے لیکن اس وقت احمدیوں کا ایمان تازہ تھا۔ ان میں اخلاص اور جوش پایا جاتا تھا وہ سچّے دل سے باہر نکلے اور انہوں نے تبلیغ کے رستہ میں سچّا جذبہ دکھایا اور خدا تعالیٰ نے بھی ان کی کوششوں میں برکت دی اور ان کی تعداد کو ہزاروں تک پہنچا دیا۔ نیلا گنبد کو ہی لے لو۔ اس وقت اس علاقہ میں بہت سے احمدی آباد ہیں لیکن کسی زمانہ میں مستری محمد موسیٰ صاحب اکیلے آئے تھے۔ اَب اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں ہی اتنی برکت دی ہے کہ ان کی تعداد پچاس سے زیادہ ہے اور پھر انہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کر لی ہے۔ اس طرح منشی محبوب عالم اُن کے کلرک تھے ان کا خاندان بھی احمدی ہو گیا۔ اَب خدا تعالےٰ کے فضل سے اِن دونوں کی اولاد اتنی ہے کہ اس کی تعداد لاہور کی پُرانی جماعت کی تعداد سے زیادہ ہے تو یاد رکھو کہ نہ صرف اللہ تعالیٰ مومنوں کی کوششوں کو ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ وہ ان کی اولادوں کو بھی بڑھاتا ہے۔ بس تم اپنے آپ کو سلسلہ کے لئے مفید وجود بناؤ اور ایسا مفید وجود بناؤ کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دوستوں رشتہ داروں اور ملنے والوں کو ایک سے ہزار کر دے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دُعا فرمائی تھی۔ "اِک سے ہزار ہوویں"۔ یہ دُعا آپ کی صرف جسمانی اولاد کے متعلق نہیں ہو سکتی کیونکہ جسمانی اولاد ایک سے ہزار بہت کم ہوتی ہے ایک سے ہزار روحانی اولاد ہوتی ہے۔ سو یہ دُعا تمہارے لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے کہ تم ایک سے ہزار ہو جاؤ لیکن جس طرح لاہور کی جماعت کے سرکردہ احباب کام کر رہے ہیں اس کے نتیجہ میں تو وہ ایک سے دو بھی نہیں ہو سکتے اگر تم ایک سے ہزار ہوتے تو اس وقت لاہور میں جماعت احمدیہ کی تعداد پندرہ لاکھ ہوتی۔ الخ"[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۸، جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ تا ۵۔

حضرت مصلح موعودؓ کا جامعۃ المبشرین میں پُرمعارف خطاب

۱۴ر جنوری ۱۹۵۶ء کو جامعۃ المبشرین کی طرف سے مجاہدِ بلادِ عربیہ مولانا محمد شریف صاحب کے اعزاز میں ایک استقبالیہ تقریب منعقد ہوئی۔

اس بابرکت تقریب میں چودھری محمد ظفراللہ خانصاحب اور بعض دیگر بزرگانِ سلسلہ کے علاوہ سیّدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے بھی شرکت فرمائی۔ اور نہایت پُرمعارف خطاب سے نوازا اور دورانِ خطاب مولانا محمد شریف صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ :۔

"انہوں نے اپنے وطن گھربار اور عزیز و اقارب سے یہ طویل جدائی خدمتِ دین کیلئے برداشت کی جو حالات اُن کو پیش آئے ہیں اُن میں سے گذرنے کے لئے ہر ایک کو تیار رہنا چاہیئے۔ کیونکہ ان چیزوں سے جدائی اختیار کئے بغیر دُنیا میں دین کی اشاعت نہیں ہوسکتی۔ اس موقع پر حضور نے اپنا ایک رؤیا بیان کرتے ہوئے بتایا کہ جو قوم دُنیا میں باہر نکلنے اور نو آبادیاں قائم کرنے کا شدید اشتیاق رکھتی ہیں وہ کبھی تباہ نہیں ہوتی۔ حضور نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک ہم میں یہ سپرٹ قائم رہے گی کہ ہم خدمتِ دین کی اپنے وطنوں کو خیرباد کہنے میں رضا بالقضا کا نمونہ دکھائیں اور تبلیغِ اسلام کا فریضہ ادا کرکے دُنیا میں رُوحانی نو آبادیاں قائم کرتے چلے جائیں اس وقت تک خدا کی تائید و نصرت اور اس کی حفاظت ہمارے شاملِ حال رہے گی اور ہم دُنیا میں ترقی کرتے چلے جائیں گے۔

حضور نے خطاب جاری رکھتے ہوئے فرمایا دُنیا میں جتنی بھی فاتح قومیں گذری ہیں انہوں نے پہلے اپنے وطنوں کو چھوڑا اس کے بعد ہی انہیں فتوحات نصیب ہوئیں۔ عربوں نے اپنے وطن کو چھوڑا۔ ترکوں نے چھوڑا۔ یہودیوں نے چھوڑا۔ آرین نسل کے لوگوں نے چھوڑا اور وہ دور دور ملکوں میں پھیل گئے۔ اگر وہ اپنے وطنوں کو نہ چھوڑتے تو انہیں فتوحات نصیب نہ ہوتیں اور وہ نئے نئے ملکوں کے وارث نہ بنتے۔ پس اگر ہمیں بھی خدا کے دین کی اشاعت کے لئے اپنے وطن چھوڑنے پڑیں تو اس میں کوئی بڑی بات نہیں۔

اس موقع پر حضور نے جامعۃ المبشرین کے طلبہ کو خصوصیت سے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ایک ہجرت قومی ہوتی ہے اور ایک ہجرت فردی ہوتی ہے۔ حکیم فضل الرحمٰن صاحب مرحوم، مولوی محمد شریف صاحب

مولوی جلال الدین شمس صاحب اور اسی طرح ہمارے دُوسرے مبلغوں نے اپنے وطن سے دس دس پندرہ سال مہجوری اختیار کر کے دوسرے ممالک میں دین کی خدمت کا جو فریضہ ادا کیا وہ فردی ہجرت کا ہی ایک نمونہ ہے۔ اِن سب کی مثالیں تمہارے سامنے ہیں اِن قربانیوں کے تسلسل کو قائم رکھنا تمہارا کام ہے۔ اگر قربانیوں کا یہ تسلسل جاری رہے تو پھر فکر کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ایسی قوم کبھی ضائع نہیں ہو سکتی جو قوم قربانیوں کے تسلسل کو جاری رکھتی ہے یعنی اس میں قربانیوں کا سلسلہ ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتا چلا جاتا ہے تو پھر اس قوم کا ہر فرد بجائے خود ایک اُمّت کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور اس کو ایک طرح سے دائمی زندگی حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ افراد مر سکتے ہیں۔ اُمتیں نہیں مرتیں۔ انہیں معنوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا ہے اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً کہ ابراہیم ایک اُمّت تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابراہیمؑ کا نام آج تک زندہ ہے اور ہم ان کے نام پر درود بھیجتے چلے آرہے ہیں۔ اس لئے مَیں نے وقف کی تحریک کے متعلق تمہیں کہا تھا کہ تم خدمتِ دین کے لئے زندگیاں وقف کرنے کی تحریک کو اپنی نسلوں میں جاری رکھو اور اس بات کا عزم کرو کہ تمہارے خاندانوں میں یہ تحریک چلتی چلی جائے گی۔ اور ہر نسل میں ہر خاندان کا کوئی نہ کوئی فرد خدمتِ دین کے لئے ضرور آگے آتا رہے گا۔ اس طرح تم میں سے ہر شخص ایک اُمّت کی شکل اختیار کرے گا۔ اور اس کا نام چلتا چلا جائے گا۔ کیونکہ اُمّت کی عمر کو دائمی قسم کی زندگی ملتی ہے۔ پس یہ عہد کر لو کہ تم اپنے اندر ہی نہیں بلکہ اپنی نسلوں میں بھی اس رُوح کو زندہ رکھو گے اللہ تعالیٰ نے جہاں حضرت ابراہیمؑ کو ان کی قربانی کی وجہ سے اُمّت قرار دیا ہے۔ وہاں ساتھ ہی ہم کو ان کی پیروی کرتے ہوئے اسی اسوہ پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے جیسا کہ فرمایا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى۔

تقریر کے آخر میں حضور نے فرمایا اسی طرح جہاں تم خود اپنے وطنوں کو خیر باد کہو وہاں باہر جا کر رُوحانی نو آبادی قائم کرنے کے اشتیاق کا پُورا پُورا مظاہرہ کرو جہاں تمہارا اپنا وجود ایک اُمّت کی طرح ہو وہاں تم ایک دو کو نہیں بلکہ اُمّت کی اُمّت کو اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل کرو۔ باہر جا کر ایک یا دو کو احمدی بنانا کافی نہیں ہے۔ بلکہ چاہیئے کہ کروڑوں کروڑ انسان اور مُلک کے مُلک تمہارے ذریعہ قبولِ حق کی سعادت حاصل کریں۔

حضور نے فرمایا پس تم میں سے ہر شخص کی یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ وہ ایک اُمّت بن جائے وہ خود بھی خدمتِ دین کی رُوح کو زندہ رکھے اور اپنی نسلوں کو بھی اس کے لئے تیار کرے تا دین کے ایسے خادموں کی ایک اُمّت کے بعد دوسری اُمّت پیدا ہوتی چلی جائے یہاں تک کہ وہ زمانہ آجائے کہ دُنیا میں ہر طرف اسلام ہی اسلام ہو اگر اس عزم کے ساتھ تم دین کی خدمت کرو گے اور کرتے چلے جاؤ گے تو خدا یقیناً تمہاری مدد کرے گا اور کامیابی ضرور تمہارے قدم چومے گی۔ اس پُر اثر خطاب کے بعد حضور نے اجتماعی دُعا کرائی اور یہ بابرکت تقریب اختتام پذیر ہوئی[1]

احباب جماعت کے لئے ضروری اعلان

سیّدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے سلسلہ احمدیہ کے مرکزی اداروں کو پہلے سے زیادہ فعّال بنانے کے لئے جنوری ۱۹۵۶ء میں ایک اہم اصلاحی قدم یہ اٹھایا کہ احباب جماعت کو ہدایت فرمائی کہ وہ اِن اداروں کی عملی نگرانی کے لئے خطوط کا سلسلہ جاری کریں۔ اس تعلق میں الفضل ۲۰ جنوری ۱۹۵۶ء کے صفحہ ۱ پر حضور کے قلمِ مبارک سے حسبِ ذیل اعلان شائع ہوا جس سے ان اداروں اور جماعت دونوں میں ایک نئی حرکت اور بیداری پیدا ہوگئی۔

"صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے اداروں کے کام کی رفتار کو تیز کرنے کے لئے فیصلہ کیا جاتا ہے کہ احباب جماعت اِن اداروں کی عملی نگرانی کے لئے خطوط کا سلسلہ جاری کریں۔

ایسے تمام خطوط میں نظارتوں اور وکالتوں کو اِن کے فرائض کی طرف توجہ دلائی جائے اور اگر وہ اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں سُستی کرتی ہوں یا خلیفہ وقت اور مجلس شوریٰ کے فیصلہ جات پر عمل نہ کرتی ہوں تو انہیں اس طرف توجہ دلائی جائے۔ تاہم ایسے تمام خطوط پرائیویٹ سیکرٹری کے نام بھجوائے جایا کریں جو وقتاً فوقتاً الفضل میں بھی چھپتے رہیں گے۔ لیکن چونکہ ایسی کوئی چیز شائع نہیں کی جاسکتی جس سے فتنہ پیدا ہو اس لئے دفتر کو اختیار ہوگا کہ جس حصّہ کو چاہے کاٹ دے۔

اگر اس مضمون کے متعلق پھر بھی کارروائی نہ ہو تو صحیح طریق یہ ہوگا کہ مجلس شوریٰ میں اس جماعت کا جو نمائندہ ہو وہ اسے توجہ دلائے کہ وہ مجلس شوریٰ میں مناسب رنگ میں سوال کرے۔ بہرحال

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۷ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۸

اصلاح تو کی جائے مگر فساد کا وہ عام طریقہ جو دوسری مجالس میں سوال و جواب کے رنگ میں اختیار کیا جاتا ہے۔ اس کی اجازت نہ ہوگی۔"[1]

امریکن قوم سے متعلق ایک پُرشوکت بیان

شروع جنوری ۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے کہ حضور کی خدمت میں یہ اطلاع پہنچی کہ سندھ کے بعض احمدیوں کو ریل میں سفر کرتے ہوئے بعض آدمی جنہوں نے اُن پر متعدد سوالات کئے۔ جن کی وجہ سے انہیں وہم ہوا کہ وہ سی آئی ڈی کے آدمی ہیں۔ حضورؓ نے ۲۰ جنوری ۱۹۵۶ء کے خطبہ جمعہ میں اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ:-

"جہاں تک گورنمنٹ کی مدد کا سوال ہے اخبارات میں پاکستان کے بعض وزراء کی تقریریں چھپی ہیں کہ حکومت امریکہ نے حکومتِ پاکستان کو اتنی مدد دی ہے۔ ہمیں مدد دینے کے متعلق نہ تو کبھی گورنمنٹ نے اعلان کیا ہے اور نہ گورنمنٹ کے رسل و رسائل کے ذرائع نے کبھی اعلان کیا ہے کہ گورنمنٹ نے اس قدر مدد احمدیوں کو دی ہے۔ لیکن جہاں تک پاکستان کو مدد ملنے کا سوال ہے۔ اس کے متعلق خود پاکستان کے وزراء نے اعلانات کئے ہیں جو اخبارات میں بھی چھپ چکے ہیں بلکہ گورنر جنرل نے بھی کہا ہے کہ حکومتِ امریکہ نے حکومتِ پاکستان کو اس قدر مدد دی ہے۔ پس جہاں تک گورنمنٹ امریکہ کا تعلق ہے وہ ہم سے ایسی ہی جدا ہے جیسے دوسرے ممالک کی غیر مسلم حکومتیں جدا ہیں اور جہاں تک امریکن لوگوں کا سوال ہے اُن کی اکثریت اب بھی عیسائی ہے مگر اَب خدا تعالیٰ کے فضل سے ان میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو چکی ہے جو اسلام لے آئی ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس کے اندر اسلام کی خدمت کا بڑا جوش پایا جاتا ہے اور ہم اُمید رکھتے ہیں کہ ترقی کرتے کرتے جب اس کی تعداد ایک خاص حد تک پہنچ جائے گی تو ہزاروں اور لاکھوں ڈالر کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا بلکہ ان کا چندہ اربوں تک پہنچ جائے گا جیسا کہ مَیں نے ابھی بتایا ہے امریکہ کے انچارج مبلغ خلیل احمد صاحب ناصر نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ ہماری جماعت کا چندہ چالیس ہزار ڈالر سالانہ تک پہنچ گیا ہے۔ یہ رقم بہت بڑی ہے لیکن ہم

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱

اسے کچھ بھی نہیں سمجھتے بلکہ ہم تو امید رکھتے ہیں کہ وہاں کے مبلغ ہمیں یہ اطلاع دیں گے کہ امریکہ کی جماعت کا چندہ چالیس ہزار ڈالر سالانہ نہیں چالیس لاکھ ڈالر سالانہ نہیں، چالیس کروڑ ڈالر سالانہ نہیں، چالیس ارب ڈالر سالانہ نہیں بلکہ چالیس کھرب سالانہ ہے۔ یعنی پاکستان کی موجودہ سالانہ آمد سے بھی دس ہزار گنا زیادہ ہے۔ اس وقت ہم سمجھیں گے امریکہ آج اسلام کے قریب ہُوا ہے۔ جب امریکہ اپنا کلیجہ نکال کر محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش کردے گا۔ تب ہم سمجھیں گے کہ امریکہ آج اسلام لایا ہے تھوڑے بہت روپے کو ہم کچھ نہیں سمجھتے۔ یہ روپیہ کیا ہے۔ امریکہ کے لحاظ سے تو یہ اس کے ہاتھ کی میل ہے بلکہ اس کے ہاتھ کی میل بھی نہیں۔ جس دن امریکہ اربوں ارب روپیہ بطور چندہ اسلام کی اشاعت کے لئے دے گا۔ جس دن امریکہ میں لاکھوں مسجدیں بن جائیں گی۔ جس دن امریکہ میں لاکھوں میناروں پر اذان دی جائے گی۔ جس دن امریکہ میں لاکھوں امام مساجد میں پانچ وقت کی نماز پڑھایا کریں گے۔ اس دن ہم سمجھیں گے کہ آج امریکہ اپنی جگہ سے ہلا ہے۔

پس دوستوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر ان پر کوئی شخص اس قسم کا سوال کرے تو اسے ہنس کر یہ جواب دیا کریں کہ میاں تم کون ہو پوچھنے والے یہ تو ایسی بات ہے جس کا گورنمنٹ کو بھی علم ہے۔ سارے منی آڈر اس کی معرفت آتے ہیں اور بینکوں پر اس کا تسلّط ہے۔ معلوم ہوتا ہے تمہیں کوئی دھوکا لگ گیا ہے یا تم سے کسی افسر نے مذاق کیا ہے کہ احمدیوں کو امریکہ سے امداد ملتی ہے ورنہ اسے کیا ضرورت تھی کہ وہ یہ بات تمہارے ذریعہ دریافت کرتا۔ وہ تو بڑی آسانی سے ڈاک خانوں سے اس بات کے متعلق معلومات حاصل کرسکتا تھا یا بینکوں سے اس بات کا علم لے سکتا تھا۔ بھلا گورنمنٹ سے یہ باتیں چھُپ سکتی ہیں۔ ڈاک کا محکمہ گورنمنٹ کے ماتحت ہے اس لئے ڈاک خانوں کی معرفت جو روپیہ ملتا ہے گورنمنٹ کے افسران کو اس کا علم ہوتا ہے۔ ہاں بعض اوقات گورنمنٹیں مصلحتاً کہہ دیا کرتی ہیں کہ ہمیں فلاں بات کے متعلق پتہ نہیں۔ حالانکہ انہیں اس کا علم ہوتا ہے۔ پس ایسی باتیں بعض لوگ برسبیل تذکرہ کردیا کرتے ہیں۔ اس لئے یہ خیال کرلینا کہ ایسی باتیں کرنے والا ضرور گورنمنٹ کا جاسوس ہے فضول بات ہے۔ اگر کوئی شخص اس قسم کی باتیں کرتا ہے تو مومن کو چاہیئے کہ بجائے اس کے وہ وہم کرے وہ گورنمنٹ کا آدمی ہے وہ خدا تعالیٰ سے استغفار کرے۔ ہاں اگر وہ مرکز کو خبر دے دیتا

ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ دراصل یہ باتیں ایسی ہیں کہ اِن کے لئے گورنمنٹ کو سی۔آئی۔ ڈی مقرر کرنے کی ضرورت نہیں اگر کسی کو کسی بیرونی مُلک کی معرفت روپیہ آتا ہے تو حکومت کو اس کا علم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ روپیہ اسی کے محکمہ کے ذریعہ آتا ہے پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اس وقت دُنیا کی سب سے زیادہ عقلمند قوم امریکہ ہے اور اس کا حکومتی مذہب عیسائیت ہے اَب وہ کون پاگل حکومت ہوگی جو اپنے مذہب کے خلاف دوسروں کو روپیہ دے۔ ہم تو حکومتِ امریکہ کے مذہب عیسائیت کے خلاف لڑتے ہیں اور ان کے عقائد کو باطل قرار دیتے ہیں۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ جیسے حضرت مسیح علیہ السلام کو یہود نے کہا تمہیں "بعل" سکھاتا ہے۔ (بعل ایک بُت کا نام تھا جس سے یہودی لوگ عقیدت رکھتے تھے۔) تو مسیح علیہ السلام نے جواب دیا کہ اے نادانو! مَیں بعل کے خلاف تعلیم دیتا ہوں پھر وہ مجھے اپنے خلاف باتیں کیوں سکھاتا ہے کیا کوئی دوسرے کو اپنے مذہب کے خلاف باتیں سکھاتا ہے پھر تم میرے متعلق یہ خیال کیسے کر سکتے ہو کہ بعل مجھے سکھاتا ہے جب کہ مَیں اس کے خلاف تعلیم دیتا ہوں اَب دیکھو یہ کتنی موٹی دلیل ہے۔ اسی طرح ہم بھی کہتے ہیں مگر کیا امریکہ کی عقل ماری گئی ہے کہ وہ ہمیں روپیہ دے حالانکہ ہم اس کے مذہب کے خلاف تبلیغ کر رہے ہیں اور وہ دن دُور نہیں جب ہم اس کے مذہب کو توڑ کر رکھ دیں گے وہ دن دُور نہیں جب احمدیت کے ذریعہ امریکہ میں عیسائیت پاش پاش ہو جائے گی اور اسلام قائم ہو جائے گا۔ وہ دن دُور نہیں جب مسیح کو امریکہ کے تخت سے اُتار دیا جائے گا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو تخت پر بٹھا دیا جائے گا۔ جب وہ زمانہ آجائے گا حکومتِ امریکہ بے شک ہمیں امداد دے گی اور نہ صرف ہمیں حکومتِ امریکہ امداد دے گی بلکہ وہ ہمارے آگے ہاتھ جوڑے گی کہ خدا کے لئے ہم سے مدد لو اور ہمیں ثواب سے محروم نہ رکھو مگر آج وہ ہمیں مدد نہیں دے سکتی۔"[1]

مبلغینِ اسلام کے اعزاز میں ایک خصوصی تقریب

۲۳ر جنوری ۱۹۵۶ء کو وکالت تبشیر کی طرف سے ایک خصوصی تقریب منعقد کی گئی جس میں مبلغ فلسطین مکرم مولانا محمد شریف صاحب اور مبلغ انڈونیشیا مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب

[1] روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۸ر فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳، ۴۔

کو اُن کی مراجعت پر خوش آمدید کہا گیا اور مکرم سید کمال یوسف صاحب کو جو اعلائے کلمۃ الحق کے سلسلہ میں سکنڈے نیویا جا رہے تھے، الوداعی ایڈریس پیش کیا گیا۔ اس تقریب میں دیگر بزرگانِ سلسلہ کے علاوہ حضرت مصلح موعودؓ اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی شرکت فرمائی۔ استقبال و الوداع کے مشترکہ ایڈریس کے بعد جو مکرم نائب وکیل التبشیر بشارت احمد بشیر صاحب نے پڑھا۔ حضور نے مبلغینِ اسلام کو نہایت قیمتی ہدایات سے نوازا۔ اس ضمن میں حضور نے قرآن مجید کے روسی اور فرانسیسی تراجم جلد شائع کرنے کی اہمیت پر زور دینے کے علاوہ یورپ کے نومسلموں کی صحیح معنوں میں تربیت کرنے اور ان میں قربانی کی رُوح اور خدمتِ دین کا جذبہ ابھارنے کی طرف توجہ دلائی نیز فرمایا کہ ہمارے مبلغین کی یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ بیرونی ممالک میں ان کے ذریعہ جو لوگ اسلام قبول کریں وہ محض نام کے ہی مسلمان نہ ہوں بلکہ وہ اسلام کا درد رکھنے والے اور جماعتی چندوں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے والے ہوں۔ جب تک اُن میں بھی قربانی کی رُوح ترقی نہیں کرے گی اس وقت تک نہ خود ان کی اپنی زندگیوں میں حقیقی رُوحانی انقلاب رُونما ہو گا۔ اور نہ وہ تبلیغِ اسلام کو وسیع سے وسیع تر کرنے میں ممد ثابت ہو سکیں گے[1]

فصل دوم

کتب حضرت مسیح موعودؑ کے پڑھنے اور حضورؑ کے مقدس تبرکات کی حفاظت کے لئے تحریک

حضرت مصلح موعودؓ نے خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۰ جنوری ۱۹۵۶ء کے ذریعہ پُرزور تحریک فرمائی کہ احمدیوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابیں بغور پڑھنی چاہئیں۔ نیز صدر انجمن احمدیہ کو ہدایت فرمائی کہ وہ حضورؑ کے کپڑوں کو آئندہ

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱، ۸۔

نسلوں کیلئے محفوظ کرنے کا اہتمام کرے۔ اس کے علاوہ اس خیال کا بھی اظہار فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تاریخی انگوٹھی جماعت کو دے دُوں۔ اس کے لئے حضورؓ نے یہ تجویز بھی فرمائی کہ "اس انگوٹھی کا کاغذ پر عکس لے لیا جائے اور اسے زیادہ تعداد میں چھپوا لیا جائے پھر نگینہ والی انگوٹھیاں تیار کی جائیں۔ لیکن نگینہ لگانے سے پہلے گڑھے میں اس عکس کو دبا دیا جائے۔ اس طرح ان انگوٹھیوں کا حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی انگوٹھی سے براہِ راست تعلق ہو جائے گا۔ گویا اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ نگ بھی ہو گا اور وہ عکس بھی نگ کے نیچے دبایا ہؤا ہو گا۔ پھر اس قسم کی انگوٹھیاں مختلف ممالک میں بھیج دی جائیں۔ مثلاً ایک انگوٹھی امریکہ میں رہے۔ ایک انگلینڈ میں رہے۔ ایک سوئٹزرلینڈ میں رہے۔ اسی طرح ایک ایک انگوٹھی دوسرے ممالک میں بھیج دی جائے تا اس طرح ہر مُلک میں حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا تبرک محفوظ رہے۔"[1]

حضرت مصلح موعودؓ کی قیمتی نصائح مُسلمان طلباء کو

۲۹ر جنوری ۱۹۵۶ء کو گورنمنٹ کالج لائل پور (فیصل آباد) کے بعض طلباء (مرکزِ احمدیت دیکھنے کے لئے) ربوہ میں آئے۔ طلباء نے مرکزی دفاتر، خلافت لائبریری اور تعلیمی ادارے بھی دیکھے اور حضرت مصلح موعودؓ کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا۔ حضورؓ نے تمام طلباء کو شرفِ مصافحہ بخشا اور ان کی درخواست پر انہیں اپنے قیمتی نصائح سے بھی مستفید فرمایا۔ اس موقع پر حضورؓ نے جو تقریر فرمائی اس کا ایک اہم حِصّہ درج ذیل ہے:۔

"اس زمانہ میں ایک مسلمان کے لئے سب سے بڑی نصیحت یہی ہوسکتی ہے کہ وہ دین کو دُنیا پر مقدّم کرے۔ اس وقت ہر شخص اپنے اپنے کام میں لگا ہؤا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے لائے ہوئے دین کی طرف بہت کم لوگوں کو توجہ ہے۔ سلسلہ احمدیہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ ع

ہر کسے در کارِ خود بادینِ احمد کار نیست

یعنی دنیا میں ہر شخص اپنے اپنے کام میں مصروف ہے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے لائے ہوئے دین

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۷ر فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۵۔

کی طرف کسی کو توجہ نہیں۔ اس دُنیا میں دُنیا کی محبت اس قدر بڑھ گئی ہے کہ دُنیا میں سوائے اس کے اور کوئی چیز ہی نظر نہیں آتی۔ اگر انسان کی طبیعت ترقی کی طرف مائل ہوتی ہے تو وہ صرف یہی سوچتا ہے کہ وہ کوئی نوکری کرلے، اپنی تجارت کو بڑھالے، یا زراعت میں ترقی کرلے، لیکن وہ کبھی نہیں سوچتا کہ وہ کوشش کرے کہ اس کے دل میں خدا تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبت ترقی کرجائے۔

اس وقت ہمارے مُلک میں محض رسم کے طور پر یہ جوش پیدا ہوچکا ہے کہ مُلک میں اسلامی حکومت قائم ہونی چاہئیے۔ حالانکہ سب سے بڑا مُلک انسان کا اپنا قلب اور اس کا دماغ ہے۔ مگر ان میں اسلامی حکومت قائم نہیں کی جاتی۔ گویا باہر تو ہم اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر دل اور دماغ میں اسلامی حکومت قائم کرنے کی طرف ہماری توجہ نہیں۔ ہم یہ تو چاہتے ہیں کہ کراچی میں اسلامی حکومت قائم ہوجائے۔ ہم یہ تو چاہتے ہیں کہ سابق پنجاب میں اسلامی حکومت قائم ہوجائے۔ ہم یہ تو چاہتے ہیں کہ سابق سرحد میں اسلامی حکومت قائم ہوجائے۔ ہم یہ تو چاہتے ہیں کہ سابق بلوچستان میں اسلامی حکومت قائم ہوجائے۔ ہم یہ تو چاہتے ہیں کہ ایسٹ پاکستان میں اسلامی حکومت قائم ہوجائے لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمارے دل و دماغ میں بھی کہ جس پر ہمارا اپنا قبضہ ہے۔ اسلامی حکومت قائم ہو کیونکہ اگر ہم یہ کہیں کہ ہمیں اپنے دل و دماغ میں اسلامی حکومت قائم کرنی چاہیئے۔ اور پھر باوجود اس کے کہ ایسا کرنا ہمارے امکان میں بھی ہے۔ ہم اس میں کامیاب نہ ہوں تو دوسرا شخص اعتراض کرے گا کہ اسے مُلک میں تو اسلامی حکومت قائم کرنے کا فکر ہے۔ لیکن ابھی تک یہ اپنے دل اور دماغ میں بھی اسلامی حکومت قائم نہیں کرسکا۔ اس اعتراض سے بچنے کے لئے اپنے دل و دماغ کو چھوڑ کر مُلک میں اسلامی حکومت کے قیام کا شور مچایا جارہا ہے۔ اگر ہم باہر نکل کر دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ کوئی شخص تاجر ہے، کوئی زمیندار، کوئی صنعت کار ہے، کوئی پروفیسر ہے، کوئی طالب علم ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں " كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ "۔ یعنی تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور جو شخص بھی اس کے تابع ہے اس کے متعلق اس سے سوال کیا جائے گا کہ آیا اُس نے اُسے اسلام کی تعلیم پر چلایا ہے یا نہیں؟ مثلاً باپ ہے۔ قیامت کے دن اس سے سوال کیا

جائے گا کہ آیا اُس نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو اسلام کی تعلیم پر چلایا ہے یا نہیں۔ خاوند ہے اس سے بیوی کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ افسر ہے اس سے ماتحتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ دوست ہے اس سے اس کے دوستوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں جوں جوں تعلیم کا رواج بڑھ رہا ہے دین کی طرف رغبت کم ہو رہی ہے۔ تعلیم کو رواج دینا تو ضروری امر تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کو مسلمانوں پر واجب قرار دیا ہے مثلاً آپؐ نے فرمایا ہے کہ اگر تمہیں چین میں بھی علم سیکھنے کے لئے جانا پڑے تو جاؤ۔

اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے تعلیم کو اس قدر ضروری قرار دیا ہے تو ہمیں چاہیئے تھا کہ اس قدر ضروری چیز کو اس طرح ضبط میں لاتے کہ ہمارے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ دین کے بھی خادم ہوتے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ جب بچے ہوش سنبھالتے ہیں تو وہ فلمی گانے تو یاد کر لیتے ہیں۔ لیکن اگر انہیں کہا جائے کہ قرآن کی کوئی سورۃ سناؤ تو وہ انہیں یاد نہیں ہوگی۔ مگر اس کے باوجود لوگ اسلامی حکومت کا قیام چاہتے ہیں۔ گویا وہ زور تو اس بات پر لگاتے ہیں کہ کسی طرح شیطانی حکومت کا قیام ہو۔ لیکن مُنہ سے اسلامی حکومت کے قیام کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ دُنیا میں جو کچھ کسی کے پاس ہوتا ہے۔ وہی دوسرے کو دیتا ہے۔ میرے پاس فلمی گانے تو ہیں نہیں۔ مَیں ایک مذہبی آدمی ہوں میرے پاس صرف قرآن اور حدیث ہے۔ اس لئے میری نصیحت یہی ہے کہ اپنی مصروفیات میں سے کچھ وقت نکال کر قرآن کریم اور حدیث کے مطالعہ میں بھی صرف کرو۔ اگر میری اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے آپ روزانہ کچھ وقت قرآن کریم اور احادیث کے مطالعہ میں لگائیں گے اور اس کے احکام پر عمل کریں گے تو آپ لوگوں کے گھروں میں خود بخود اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ اور جب آپ لوگوں کے گھروں میں اسلامی حکومت کا قیام ہو جائے گا تو ملک میں اسلامی حکومت کے قیام کے لئے آپ کو زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ایک دفعہ مَیں کراچی گیا تو وہاں ایک موقع پر مجھ سے کہا گیا کہ مَیں اسلامی حکومت کے قیام کے متعلق اپنا نظریہ بیان کروں۔ اس وقت مَیں نے یہی کہا تھا کہ جب مَیں مسلمان ہوں تو مَیں اسلامی حکومت کیوں نہ مانگوں گا۔ اگر مَیں اسلامی حکومت نہ چاہتا تو ہجرت کر کے پاکستان کیوں آتا۔ میرا پاکستان میں آنا ہی بتاتا ہے کہ مَیں اسلامی حکومت کے قیام کا خواہش مند تھا۔ لیکن کیا اسلامی حکومت میرے بنانے سے بنتی ہے دُنیا میں ہم کوئی عمارت بناتے ہیں۔

تو اس کے کمرے آسمان سے گھڑے گھڑائے نہیں آجاتے بلکہ ہم اینٹیں لیتے ہیں۔ اور انہیں خاص طریق سے نیچے اوپر رکھ دیتے ہیں۔ جس سے ایک شکل بن جاتی ہے۔ اور ہم کہتے ہیں یہ برآمدہ ہے۔ پھر ہم اینٹوں کو ایک اور طریق سے نیچے اوپر رکھتے ہیں۔ جس سے ایک اور شکل بن جاتی ہے اور ہم کہتے ہیں یہ کمرہ ہے۔ اسی طرح ہم کونے پر ایک کمرہ بناتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ یہ بیٹھک ہے۔ ایک کمرہ بناتے ہیں اس میں کچھ طاقچے لگا دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں یہ غسل خانہ ہے۔ پھر اگر ہم عمارت پر کچّی اینٹیں لگاتے ہیں تو مکان کچّا بنتا ہے۔ اگر پکّی اینٹیں لگاتے ہیں تو مکان پکّا بنتا ہے۔ حکومت بھی ایک عمارت ہے جس کی اینٹیں افراد ہیں۔ حکومت کی عمارت افراد کے ساتھ ہی بنتی ہے۔ کیا تم نے کبھی جنگلوں اور صحراؤں میں بھی کوئی حکومت دیکھی ہے۔ حکومت شہروں میں ہوتی ہے۔ اس لئے حکومت نام ہے مجموعہ افراد کا۔ جب افراد مل جل کر کام کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں یہاں حکومت قائم ہے۔ اور اگر تمام افراد مسلمان ہوں تو ان سے بنی ہوئی حکومت غیر مسلم کیسے ہو سکتی ہے۔ مسلمان افراد سے جو حکومت بنے گی کوئی اسے غیر مسلم بنانے کے لئے کتنا زور لگائے کہ اس عمارت کو کچّی عمارت ثابت کرے وہ پکّی عمارت ہی کہلائے گی۔ اسی طرح کچّی اینٹوں سے جو عمارت بنے گی کوئی کتنا زور لگائے کہ اسے پکّی عمارت ثابت کرے وہ کچّی عمارت ہی کہلائے گی۔ اسی طرح اگر افراد مسلمان ہوں گے تو ان سے جو حکومت بنے گی چاہے اس کا نام کچھ رکھ لو وہ بہرحال اسلامی حکومت ہی ہوگی۔ جب حکومت کے بنانے والے لا الٰہ الاّ اللہ کہنے والے ہوں گے تو وہ حکومت غیر اسلامی کس طرح ہو سکتی ہے۔ پس اسلامی حکومت کا قائم کرنا ہمارے اپنے اختیار میں ہے۔ اسلامی حکومت کسی اور کے بنانے سے نہیں بنتی۔ اگر ہم خود مسلمان بن جائیں گے تو حکومت بھی اسلامی بن جائے گی۔ ہندوستان میں دیکھ لو وہ مونہہ سے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے غیر دینی حکومت بنائی ہے۔ لیکن ہے وہ ہندو حکومت۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ اگر ان کے کہنے کے مطابق واقعی لادینی حکومت ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہندوستان کے کسی حصہ میں جب بھی مارے جاتے ہیں تو مسلمان ہی مارے جاتے ہیں۔ کیا تم نے کبھی پڑھا ہے کہ بہار اور بنگال میں فسادات ہوئے اور اتنے ہندو اور سکھ مارے گئے۔ تم جب بھی پڑھوگے کہ ہندوستان میں فلاں جگہ فسادات کے نتیجہ میں کچھ لوگ مارے گئے۔ تو وہ لازماً مسلمان ہی ہوں گے۔ غرض چاہے وہ اُسے لادینی حکومت ہی کہیں لیکن چونکہ وہاں ہندوؤں کی کثرت ہے۔ اس لئے

ان کی وجہ سے جو حکومت بنی ہے وہ ہندو حکومت ہی ہے۔ اسی طرح اگر ہم بھی حقیقی مسلمان بن جائیں تو چونکہ یہاں ہماری اکثریت ہے۔ اس لئے چاہے کوئی کتنا زور لگا لے یہاں اسلامی حکومت ہی بنے گی۔ پس اگر سب افراد صحیح معنوں میں مسلمان ہوں تو ان سے بنی ہوئی حکومت بہرحال اسلامی ہوگی چاہے اس کا کوئی نام رکھ لیا جائے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اسلامی کہلانے سے ہندو چڑتے ہیں۔ حالانکہ چاہے وہ اپنی حکومت کو لادینی کہتے ہیں۔ لیکن ہے وہ بھی دینی۔ اگر وہ لادینی حکومت ہوتی تو جیسا کہ میں نے بتایا ہے، ہر دفعہ فسادات میں مسلمان ہی کیوں مارے جاتے؟ کبھی نہ کبھی یہ خبر بھی آتی کہ فلاں جگہ اتنے ہندو مارے گئے ہیں۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا۔ لیکن وہ کہتے یہی ہیں کہ ہماری حکومت لادینی ہے۔ لیکن چونکہ وہاں ہندوؤں کی اکثریت پائی جاتی ہے۔ اس لئے اس اکثریت کی وجہ سے ملک میں جو حکومت قائم ہوئی ہے وہ ہندو حکومت ہی ہے۔ اس لئے جو ابتلا بھی آتا ہے مسلمان پر ہی آتا ہے۔

بہرحال اسلامی حکومت کے قیام کا اصل طریق یہ ہے کہ پاکستانی مسلمان دل سے مسلمان ہو جائیں۔ اس کے نتیجہ میں جو حکومت قائم ہوگی اسے آپ کوئی نام دے دیں وہ یقیناً اسلامی حکومت ہوگی کیونکہ اس کے بنانے والے مسلمان ہوں گے۔ اور مسلمان جس حکومت کو بنائیں گے وہ کسی صورت میں غیر اسلامی نہیں ہو سکتی۔[۱]

ایک بہائی بیرسٹر کا بے بنیاد پراپیگنڈا اور حضرت مصلح موعودؓ کا حقیقت افروز جواب

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں کراچی سے ایک دوست نے رپورٹ بھجوائی کہ یہاں بہائیوں کا ایک جلسہ ہوا ہے جس میں ایک بہائی بیرسٹر نے چودھری محمد علی صاحب وزیر اعظم پاکستان سے اپنی ایک ملاقات کا ذکر کیا اور کہا کہ میں نے اُن سے کہا کہ آپ نے جو کانسٹی ٹیوشن[۲] CONSTITUTION بنائی وہ اسلامی نہیں کیونکہ اسلام تو فیل ہو چکا ہے۔ ہاں آپ نے بہائی تعلیم کا خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ اس پر چودھری محمد علی صاحب نے کہا کہ

---

[۱] روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۱۰؍ اکتوبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۳، ۴ مسلمان طلباء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی قیمتی نصائح۔ فرمودہ ۲۹؍ جنوری ۱۹۵۶ء۔ [۲] آئین۔

ہم نے تو اسلامی دستور بنانے کی کوشش کی تھی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ہم اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۰ر فروری ۱۹۵۶ء کے خطبہ جمعہ میں اس واقعہ کا ذکر فرمایا اور نہایت پُرشوکت انداز میں بہائی پروپیگنڈا کی تردید کی اور ثابت کیا کہ قرآنِ مجید کبھی فیل نہیں ہو سکتا اور بہائیوں کو چیلنج کیا کہ وہ چند ایسے احکام پیش کر دکھائیں جو ناقابلِ عمل ہوں۔ اور بہائیت کی کوئی مفید اور اعلیٰ تعلیم بتائیں جو پہلے سے کمال جامعیت کے ساتھ قرآنِ مجید میں موجود نہ ہو۔ چنانچہ فرمایا:۔

"چونکہ مَیں چوہدری محمد علی صاحب وزیر اعظم پاکستان کو بچپن سے جانتا ہوں اور ان کے کیرکٹر سے پوری طرح واقف ہوں اس لئے مَیں یہ اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جہاں تک قرآن کریم اور اسلام کا سوال ہے وہ ایک نہایت پُرجوش اور اخلاص رکھنے والے شخص ہیں۔ اس لئے مَیں ان کے متعلق یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں کہ قرآن کریم فیل ہو چکا ہے۔ اس لئے ہمیں اسلامی دستور بنانے کے سلسلے میں اس سے راہ نمائی حاصل نہیں ہوئی اور ہم نے بہائیت کی تعلیم کا خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ اگر کوئی ان کے متعلق یہ بات کہتا ہے۔ تو مَیں اس سے کہوں گا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ قرآنِ کریم کہتا ہے کہ اگر تم سے کوئی شخص کسی کے ذاتی کیرکٹر کے خلاف کوئی بات کہے تو تم اس کا فوراً انکار کر دو۔ اور یہ بات چونکہ چوہدری محمد علی صاحب کے کیرکٹر کے خلاف ہے اس لئے مَیں کہوں گا کہ یہ بالکل جھوٹ ہے جہاں تک قرآن کریم کے فیل ہو جانے کا سوال ہے۔ اگر قرآن کریم فیل ہو گیا ہوتا تو پاکستانی لیڈر اسلامی دستور بنانے کی کیوں کوشش کرتے۔ ہاں جواب کا آخری حصّہ ایسا ہے کہ اس کے متعلق خیال کیا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے چوہدری محمد علی صاحب نے بات ٹالنے کے لئے کہہ دیا ہو کہ ہم جس حد تک کام کر سکے ہیں اسے قوم کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اس سے زیادہ ہم کیا کر سکتے تھے۔ پھر یہ کہنا بھی بالکل غلط ہے کہ اسلامی دستور کا جو خاکہ پیش کیا گیا ہے وہ بہائیت کی تعلیم کا نچوڑ ہے۔ بہائیت کی ایک تعلیم یہ ہے کہ ساری دُنیا کی ایک زبان ہونی چاہیئے مگر عجیب بات یہ ہے کہ بہاء اللہ کے دعویٰ سے پہلے ایک زبان جاری کرنے کی تحریک پیدا ہو چکی تھی۔ اور اس وقت اسپرانٹو SPRANTO زبان بنائی گئی تھی جس کے متعلق تجویز کیا گیا تھا کہ اسے ہر ملک میں پھیلایا جائے۔ بہاء اللہ نے اس تحریک سے متأثر ہو کر اپنی کتابوں میں یہ لکھ دیا ہے کہ ساری دُنیا میں ایک ہی زبان ہونی چاہیئے

اور بہائی اس پر بڑا فخر کرتے ہیں کہ دیکھو بہاء اللہ نے ساری دُنیا میں ایک زبان جاری کرنے کی تحریک کی تھی۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ ایک زبان کے رواج کا خیال بہاء اللہ سے پہلے ہی موجود تھا۔ اور اسی خیال سے متاثر ہو کر بہاء اللہ نے اپنی کتابوں میں شامل کر لیا۔ مگر اَب پاکستان کے دستور کو دیکھو تو اس میں بنگالی اور اردو دونوں کو سرکاری زبانیں قرار دے دیا گیا ہے۔ پھر یہ بہائیت کا نچوڑ کیسے ہو گیا۔ بہائیت تو یہ کہتی ہے کہ ساری دُنیا میں ایک ہی زبان ہونی چاہیئے اور یہاں صرف پاکستان کے مُلک میں دو سرکاری زبانیں قرار دے دی گئی ہیں۔ اَب جس دستور میں دو زبانیں سرکاری قرار دے دی گئی ہوں وہ بہائیت کی تعلیم کا نچوڑ کیسے ہُوا۔ اس طرح اور بہت سی باتیں ہیں جو بہائیت کی تعلیم کے خلاف ہیں۔ پس اسلام فیل کہاں ہُوا۔ ہم تو بہائیوں سے آج تک یہ پوچھتے رہے ہیں کہ وہ بتائیں اسلام کہاں فیل ہُوا ہے۔ مگر وہ اَب تک اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے ۱۹۲۴ء میں جب مَیں انگلستان گیا تو وہاں میرے پاس ایک امریکن بنکر آیا جو بہائی تھا۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی کے علاوہ دو عورتیں اور بھی تھیں۔ جن میں ایک انگریز تھی۔ اور دوسری ایرانی۔ انگریز بہائی عورت بہت متعصّب تھی۔ اس نے مجھے کہا کہ آپ بہائی کیوں نہیں ہو جاتے۔ مَیں نے اسے جواب دیا کہ جب کوئی انسان کسی خاص منزل پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے لئے اس منزل سے آگے جانے کے لئے کوئی وجہ ہونی چاہیئے۔ مَیں نے قرآن کریم کا بغور مطالعہ کیا ہے اور مَیں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ سچّا ہے اور جب مجھ پر یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ قرآن کریم سچّا ہے اور قیامت تک اس کی تعلیم جاری رہے گی تو مجھے اسے چھوڑ کر کسی اور طرف جانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ کہنے لگی جب پہلی تمام تعلیمیں بدل چکی ہیں تو قرآن کریم کیوں نہیں بدل سکتا۔ مَیں نے اسے کہا کہ محض اس خیال سے کہ پہلی تمام تعلیمیں بدل چکی ہیں، قرآن کریم کے متعلق بھی یہ بات مان لینا کہ وہ بدل سکتا ہے درست نہیں۔ ہمیں حقیقت پر بحث کرنی چاہیئے۔ اس کے بعد اگر ہم کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں تو اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ آپ اسلام کی پندرہ بیس باتیں مجھے ایسی بتا دیں جن پر اَب عمل کرنا ناممکن ہو یا بہائیت کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم میں سے پندرہ بیس باتیں ایسی پیش کریں جو قرآن کریم میں موجود نہ ہوں۔ اگر آپ ایسا کریں تو مَیں بہائیت کی تعلیم کو مان لُوں گا۔ ورنہ اسے چھوڑ کر کسی اور تعلیم کے ماننے کی ضرورت ہی کیا ہے وہ کہنے لگی بہائیت کہتی ہے جھوٹ نہ بولو۔ مَیں نے کہا دُنیا کا کون سا مذہب ہے جو کہتا

ہے جھوٹ بولو۔ ہر مذہب یہی کہتا ہے کہ سچ بولو اور یہی قرآنِ کریم نے کہا ہے۔ پھر اس نے کہا بہاء اللہ نے کہا ہے کہ عورتوں کے لئے تعلیم ضروری ہے۔ مَیں نے کہا یہ تعلیم بھی قرآن کریم میں موجود ہے مثلاً قرآن کریم کہتا ہے کہ عورتیں بھی جنت میں جائیں گی اور جنت میں وہ اس وقت جا سکتی ہیں جب وہ نمازیں پڑھیں گی، روزے رکھیں گی، زکوٰۃ دیں گی، حج کریں گی اور یہ کام بغیر تعلیم کے کیسے ہو سکتے ہیں۔ اگر انہیں یہ پتہ ہی نہیں ہوگا کہ قرآن کریم کیا کہتا ہے۔ عبادات کیا ہیں۔ اخلاقِ فاضلہ کیا ہیں تو وہ جنّت میں کیسے جائیں گی۔ اور یہ تمام باتیں تعلیم کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اس پر اس عورت نے کہا دیکھئے بہائیت کہتی ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں نہیں کرنی چاہئیں۔ لیکن قرآن کریم تعدد ازدواج کی تعلیم دیتا ہے جو بہت بڑا ظلم ہے۔ مَیں نے کہا کہ یہ بحث کہ ایک بیوی پر کفایت کرنا بہتر ہے یا ضرورت کے وقت ایک سے زیادہ بیویاں کرنا مناسب ہے بہت لمبی ہے۔ میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر ایک سے زیادہ شادیاں کرنا ظلم ہے تو خود بہاء اللہ نے ایک سے زائد بیویاں کیوں رکھیں۔ اس عورت نے کہا کہ قرآنِ کریم تو چار بیویوں کی اجازت دیتا ہے۔ میں نے کہا اصل اعتراض ایک سے زائد بیویاں کرنے پر ہے۔ تین یا چار بیویاں کرنے پر نہیں۔ اگر اصل اعتراض ایک سے زائد بیویاں کرنے پر ہے تو جس طرح یہ اعتراض چار بیویوں پر وارد ہوتا ہے اسی طرح دو اور تین پر بھی وارد ہوتا ہے۔ اس پر اس انگریز عورت نے ایرانی عورت سے دریافت کیا کہ بہاء اللہ کی کتب میں اس کے متعلق کیا لکھا ہے؟۔ پہلے تو اُس نے حقیقت بیان کرنے سے گریز کیا لیکن بعد میں اصرار کرنے پر بتایا کہ یہ درست ہے کہ بہاء اللہ کی ایک سے زائد بیویاں تھیں مگر ساتھ ہی کہنے لگی کہ بہاء اللہ نے کہا تھا کہ میری تعلیم کی تشریح عباس کرے گا وہی درست ہوگی۔ اور عباس نے یہی کہا ہے کہ مَرد ایک سے زائد بیویاں نہ کرے۔ مَیں نے کہا جب بہاء اللہ نے عملی طور پر تعدد ازدواج کو تسلیم کیا ہے۔ اور اس نے خود ایک سے زیادہ بیویاں کی ہیں تو اَب کون شخص یہ بات مان سکتا ہے کہ بہائیت کی تعلیم یہ ہے کہ مَرد ایک سے زیادہ بیویاں نہ کرے آخر وہ کہنے لگی اصل بات یہ ہے کہ اس نے دوسری شادی دعویٰ سے پہلے کی تھی۔ دعویٰ کے بعد اس نے کوئی شادی نہیں کی۔ مَیں نے کہا بہائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ امام کو بچپن سے ہی غیب کا علم حاصل ہوتا ہے اس عقیدہ کے ماتحت جب بہاء اللہ کو بچپن ہی سے پتہ تھا کہ تعدد ازدواج ناجائز ہو جائے گا تو اس نے ایک سے زائد بیویاں کیوں کیں۔ اس پر وہ پھر گھبرا گئی اور مختلف بہانے

بنا کر اس نے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی لیکن جب مَیں نے مجبور کیا تو اُس نے کہا دعویٰ کے بعد بہاء اللہ نے اپنی ایک بیوی کو بہن قرار دے دیا تھا۔ مَیں نے کہا کہ جب اسے بچپن سے غیب کا علم تھا اور وہ جانتا تھا کہ یہ چیز ناجائز ہونے والی ہے تو اُس نے یہ کھیل کھیلا کیوں۔ آخر اس تماشا کی ضرورت کیا تھی۔ پھر تمہارا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ اس نے اپنی ایک بیوی کو بہن قرار دے دیا تھا کیونکہ اگر اس نے اپنی ایک بیوی کو بہن قرار دے دیا تھا تو اس بہن کے ہاں بہاء اللہ سے اولاد کیوں ہوئی۔ محمد علی جو بہاء اللہ کا دوسرا نائب تھا، اس کی دوسری بیوی ہی سے تھا۔ مَیں نے کہا تم محمد علی ہی سے پوچھ لو کیا وہ دوسری بیوی سے نہیں۔ اس وقت وہ زندہ تھا۔ اور مَیں نے اس عورت کو بتایا تھا کہ مَیں انگلستان آتا ہوا اسے مل کر آیا ہوں۔ اس پر اس عورت نے کہا ہاں آپ کی بات درست ہے کہ محمد علی دوسری بیوی سے ہی پیدا ہوا تھا۔ اور دعویٰ کے بعد پیدا ہوا تھا لیکن پھر بھی یہ بات قابلِ اعتراض نہیں کیونکہ وہ دُوسری بیوی سے شادی دعویٰ سے قبل کر چکے تھے۔ مَیں نے کہا اگر دعویٰ کے بعد بھی اس کے ہاں اولاد ہوئی ہے تو وہ بہن تو نہ ہوئی۔ امریکن عورت زیادہ معقول تھی میری اس گفتگو پر وہ کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی کہ اگر یہ بات ہے تو پھر مَیں مسلمان ہوں۔ بہائی نہیں ہوں۔ غرض قرآن کریم کے متعلق یہ کہنا کہ وہ فیل ہو گیا ہے ایک بالکل جھوٹا دعویٰ ہے۔ ان کا یہ دعویٰ تب سچا سمجھا جا سکتا تھا جب بہائی لوگ اس میں سے پندرہ بیس باتیں ایسی نکال کر پیش کرتے جن پر عمل نہ ہو سکتا یا بہائیت کی تعلیم میں سے پندرہ بیس باتیں ایسی دکھاتے جو قرآن کریم میں موجود نہ ہوتیں۔ اور اس کی تعلیم سے بہتر ہوتیں۔ یا بہاء اللہ کے دعویٰ کے بعد کوئی حکومت ایسی قائم ہوتی جو بہائیت کی تعلیم پر عمل کرتی مگر حالت یہ ہے کہ جس قرآن کے متعلق بہائی لوگ کہتے ہیں کہ وہ فیل ہو چکا ہے اس کی تعلیم پر عمل کرنے والوں کو تو چند سال کے بعد ہی حکومت مل گئی تھی اور پھر انہوں نے سینکڑوں سال تک دنیا پر حکمرانی کی اور بہائیوں کو ابھی تک اتنی توفیق بھی نہیں ملی کہ وہ اپنا بیت العدل ہی بنا سکیں۔ جس طرح ہمارے ہاں بیت المال ہے۔ بہائیوں کے ہاں بیت العدل ہوتا ہے۔ انہوں نے مقامی طور پر تو بیت العدل بنایا ہے لیکن وہ ابھی تک عالمی بیت العدل کا قیام عمل میں نہیں لا سکے اور اب وہ علی الاعلان اس بات کا اظہار کرتے رہتے ہیں کہ ان کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ ابھی تک عالمی بیت العدل نہیں بنا سکے۔ پھر قرآن کریم کہاں فیل ہوا۔ قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرنے والوں

نے نہ تو صرف ماضی میں سینکڑوں سال تک حکومت کی ہے بلکہ اب بھی پاکستان نے اسلامی دستور مرتب کرلیا ہے۔ پس قرآن کریم نہ فیل ہوا ہے نہ آئندہ کبھی فیل ہو گا۔ بلکہ یہ قیامت تک فیل نہیں ہوگا۔ زمین بدل سکتی ہے آسمان بدل سکتا ہے۔ ایک قوم کی جگہ دوسری قوم آسکتی ہے۔ ایک حکومت مٹے تو اس کی جگہ دوسری حکومت آسکتی ہے۔ زبانیں مٹ سکتی ہیں لیکن قرآن کریم کبھی فیل نہیں ہو سکتا۔ یہ خدا تعالیٰ کا نازل کردہ قانون ہے جو ہمیشہ قائم رہے گا اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ فیل ہوگیا ہے وہ جھوٹ بولتا ہے اور ہم اب بھی اسے چیلنج کرتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کے چند ایسے احکام پیش کرے جو ناقابلِ عمل ہوں یا وہ کچھ باتیں ایسی پیش کرے جو نہایت مفید اور اعلیٰ درجہ کی تعلیمات پرمشتمل ہوں اور بہائیت میں ہوں، قرآن کریم میں نہ ہوں۔"[1]

حضرت مصلح موعودؓ کا پیغام جماعت احمدیہ ڈیرہ غازیخان کے نام

جماعت احمدیہ ضلع ڈیرہ غازیخان کا سالانہ جلسہ ۱۶-۱۷-۱۸ر فروری ۱۹۵۶ء کو منعقد ہوا۔ اس موقع پر سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا حسبِ ذیل رُوح پرور پیغام مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر امیر جماعت نے افتتاحی اجلاس میں بھی پڑھ کر سنایا اور جلسے کے دوسرے ایّام میں بھی ہر روز یہ مبارک پیغام تقاریر شروع ہونے سے قبل پڑھا جاتا رہا۔ یہ پیغام حضور انور نے فیض محمد خانصاحب گورنمنٹ کالج ڈیرہ غازیخان کی درخواست پر رقم فرمایا تھا۔ جس نے سامعین کے قلب و دماغ پر نہایت گہرا اثر ڈالا اور ان کے اندر اخلاص اور ایمان کی ایک نئی رُوح پھونکنے کا موجب بنا:۔

"ایک طالب علم نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ مَیں ڈیرہ غازیخان کے جلسہ کے لئے کوئی پیغام بھیجوں۔ کیونکہ اس نیک خواہش کو ٹھکرانا تقویٰ کے خلاف ہے۔ میں مندرجہ ذیل پیغام اس جلسہ کے لئے بھجواتا ہوں۔"

"اے حاضرینِ جلسہ! سب سے پہلے تو مَیں آپ کو وہ پیغام پہنچاتا ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حکم کے ساتھ پہنچایا اور ہمیں پہنچانے کا حکم

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۶ر فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۴، ۵۔

دیا یعنی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ ۔ اللہ تعالیٰ کی سلامتیاں آپ پر نازل ہوں اور اس کی رحمتوں اور برکتوں کی آپ پر بارش ہو۔ آپ لوگ ڈیرہ غازیخان کے رہنے والے ہیں یعنی ایسے شہر کے جس کے رہنے والا غازی بھی ہے اور خان بھی۔ یعنی ایک طرف تو بڑا بہادر بھی ہے اور دوسری طرف اس کی بہادری اس کے اپنے نفس کے لئے خرچ نہیں ہوتی۔ بلکہ خدا تعالیٰ کے لئے خرچ ہوتی ہے اور وہ غازی ہے۔ سو سب سے بہترین پیغام وہی ہے جو آپ کا ضلع یا آپ کا شہر دے رہا ہے۔ مَیں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ میں سے ہر شخص خان بھی بنے اور غازی بھی بنے مگر دنیوی غازی نہ بنے۔ لٹھ لے کر اپنے ہمسایوں کے گرد نہ پھرتا رہے۔ بلکہ قرآنی حکم کے مطابق کہ جَاھِدْھُمْ بِہٖ جِھَادًا کَبِیْرًا (الفرقان: ۵۳) قرآن کے ذریعہ ساری دُنیا سے عمل کروائے تاکہ آپ کا ضلع سچے معنوں میں ڈیرہ غازی خان ہوجائے آمین[1]۔"

طلباء تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ سے حضرت مصلح موعود کا خطاب

۱۸ فروری ۱۹۵۶ء کو تعلیم الاسلام ہائی سکول میں طلباء جماعت دہم کے لئے ایک الوداعی دعوتِ عصرانہ کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس تقریب میں حضرت مصلح موعودؓ نے بھی شرکت فرمائی اور طلباء اور اساتذہ کو اپنی زرّیں ہدایات سے بھی نوازا۔ چنانچہ فرمایا:۔

"اگر ہمارے تعلیمی اداروں میں درسِ تعلیم کے ساتھ ساتھ مختلف دستکاریوں کے سکھانے کا بھی انتظام ہو تو اس سے یقیناً یہ رجحان ترقی کر سکتا ہے۔ مثلاً ہمارے اس اسکول میں لوہارا ترکھانا کام سکھایا جائے تو ہمارے بہت سے بچے سکول سے فارغ ہوکر ان لائنوں میں ترقی کر سکیں گے۔ اسی طرح اگر ایک زمیندارہ کلاس اس میں ہو جس میں بتایا جائے کہ کون سے وقت کونسی فصل اچھی ہوتی ہے۔ مختلف فصلوں کے ہل چلانے اور پانی دینے کا کیا طریق ہے

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲؍ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۳۔

اچھا بیج استعمال کرنے اور مناسب موقع پر کھاد دینے سے پیداوار میں کتنا اضافہ ہوجاتا ہے اس طرح کی ابتدائی باتیں اگر زمیندار بچوں کو سکول میں ہی بتادی جائیں تو اس سے یقیناً وہ بڑے ہوکر بہت فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اور جماعت کے زمینداروں کی پیداوار کہیں سے کہیں پہنچ سکتی ہے۔

زرعی ترقی کی اہمیت

حضورؓ نے یورپ کے مختلف ممالک کی فی ایکڑ پیداوار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ہمارے احمدی زمیندار محنت سے کام کریں اور زرعی ترقی کے لئے نئے نئے تجربات سے فائدہ اُٹھائیں تو ان کی آمدنیاں کئی گُنا بڑھ سکتی ہیں اور اگر وہ اپنی پیداوار کا معیار یورپ کی کم سے کم پیداوار تک بھی لے جائیں تو جماعت کا چندہ بآسانی ساڑھے تین کروڑ تک پہنچ سکتا ہے اور ہم ایک اسکول چھوڑ کئی مزید اسکول اور کالج قائم کرسکتے ہیں۔

حضور نے فرمایا ہماری جماعت کے کام دو حصّوں میں منقسم ہیں۔ ایک کام ہے اپنی آمدنیوں کو زیادہ سے زیادہ بڑھانا۔ یہ کام ہماری ذاتی ہمّت اور سعی سے تعلق رکھتا ہے اور موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ جماعت نے پوری ہمّت سے یہ کام نہیں کیا اور اس میں ترقی کی ابھی کافی گنجائش ہے دوسرا کام ہے دین کی خدمت کے لئے چندہ دینا۔ یہ کام دل سے تعلّق رکھتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور اس کام میں اللہ تعالےٰ نے ہمیں نمایاں کامیابی عطا فرمائی ہے۔ پس جو کام ہمارے اختیار میں تھا اس کے کرنے میں ہم نے کوتاہی کی ہے لیکن جو کام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں تھا وہ اُس نے کردیا ہے اور ایسے رنگ میں کردیا ہے کہ دنیا ہماری جماعت کی مالی قربانی کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ ہمارے پاکستان کے احمدی جس طرح پیٹ کاٹ کاٹ کر دین کے لئے چندہ دیتے ہیں اس کی فی الواقع کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ حالانکہ یورپ کے مقابلے میں ان کی آمدنیاں بہت محدود ہیں۔ اگر پاکستان کا معیارِ زندگی بھی یورپ اور امریکہ جتنا بلند ہو اور پاکستانی احمدی اپنی موجودہ شرح کے مطابق ہی چندہ دیں۔ تو بھی ہمارا چندہ اللہ تعالےٰ کے فضل سے پورے پاکستان کی موجودہ سالانہ آمدنی کے لگ بھگ پہنچ سکتا ہے اور ہم تعلیمی اور رفاہی کاموں میں بیسیوں گُنا زیادہ حصّہ لے سکتے ہیں۔

حضور نے فرمایا ہمارے نوجوانوں میں بی اے۔ ایم اے کرنے کا بہت شوق ہے وہ خواہ فیل ہی ہوتے رہیں پھر بھی کالج میں جانے کے بہت شوقین ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں ٹیکنیکل لائنوں کی طرف جانے کو پسند نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ ان لائنوں میں ملازمتوں کی نسبت ترقی کرنے اور روپیہ کمانے کے بہت زیادہ امکانات ہیں۔ حضور نے کئی ایک مثالیں دیتے ہوئے واضح فرمایا کہ کس طرح بعض دستکاروں نے نہایت معمولی اور محدود پیمانے پر کام شروع کیا اور پھر ترقی کرتے ہوئے کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔

حضور نے فرمایا پس دو باتیں ایسی ہیں جنہیں اگر ہمارے سکولوں میں رائج کیا جائے تو ہماری آئندہ نسلوں میں ملازمتوں کی طرف جانے اور دستکاریوں سے نفرت کا رجحان بدلا جا سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ دستکاری کا کوئی کام ضرور سکھایا جائے مثلاً لوہار کا کام ہے یا زمیندارہ کا کام ہے۔ جس کے لئے سکول سے ملحق ایک چھوٹا سا قطعہ زرعی فارم کے طور پر مخصوص کیا جا سکتا ہے جس میں عملی طور پر زراعتی ترقی کی ابتدائی باتیں سکھائی جائیں گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسکول کے ہر بچے کو کمپونڈری کا کچھ کام سکھایا جائے۔ اس کے لئے اگر ہفتے میں صرف دو گھنٹے بھی مخصوص کر دیئے جائیں تو بھی بچے اپنی تعلیم میں حرج کئے بغیر معمولی علاج معالجہ کرنے پر قادر ہو جائیں گے اور یہ چیز ایسی ہے کہ جس کی از حد ضرورت ہے۔ ملک میں ڈاکٹروں کی بہت کمی ہے اس لئے کمپونڈری کا کام کرنے والے ملک کی بڑی خدمت کر سکتے ہیں۔ اور ہزاروں بلکہ لاکھوں کما سکتے ہیں۔ اور عملاً کما بھی رہے ہیں۔ پس میرے نزدیک یہ دو باتیں ایسی ہیں جو اگر ہمارے سکولوں میں رائج ہو جائیں تو ان سے موجودہ ذہنیت کو بدلا جا سکتا ہے۔ اور نوجوانوں کے قلوب میں مختلف ہنروں اور پیشوں کو سیکھنے کا شوق اور ولولہ پیدا کیا جا سکتا ہے جس کی بدولت عملی زندگی میں ان کے لئے آمدنی پیدا کرنے اور معیارِ زندگی کو بلند کرنے کے لئے نئے نئے راستے کھلیں گے اور اس طرح جماعت کی مالی حالت بھی زیادہ مستحکم ہو سکے گی اور جماعت اسلام کی ترقی اور دین کی خدمت کے سلسلے میں اپنی سعی کو تیز سے تیز تر کر سکے گی۔[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۳ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳، ۴۔

فضلِ عمر ہسپتال اور دفتر مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا سنگِ بنیاد

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۰؍فروری ۱۹۵۶ء کو یوم مصلح موعود کی مبارک تقریب کے موقع پر فضلِ عمر ہسپتال اور دفتر مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا سنگِ بنیاد اپنے دستِ مبارک سے رکھا۔ حضور انور نمازِ عصر کے بعد ۴½ بجے کے قریب ہسپتال کی مجوزہ عمارت کے مقام پر بذریعہ کار تشریف لے گئے۔ صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب اور عملہ ہسپتال کے دیگر ارکان نے استقبال کیا۔ حضورؓ نے تین اینٹیں بنیاد میں رکھیں۔ درمیانی اینٹ جو قادیان دارالامان سے آئی تھی سب سے پہلے اُسی کو حضورؓ نے بنیاد میں رکھا۔ جونہی حضورؓ نے یہ پہلی مبارک اینٹ سنگِ بنیاد کے طور پر رکھی، ایک بکرا بطور صدقہ ذبح کیا گیا۔ جس کے بعد حضورؓ نے ایک پُرسوز اجتماعی دُعا کرائی۔ بعد ازاں حضورؓ اُس جگہ تشریف لے گئے جو مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے صدر دفتر کی تعمیر کے لئے مخصوص کی گئی تھی۔ یہاں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؓ نائب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ۔ خالدِ احمدیت مولانا ابوالعطاء صاحب قائد عمومی اور مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب قائد مال نے حضور کا استقبال کیا۔ موٹر کار سے اُترنے کے بعد حضور نائب صدر اور قائد عمومی کے ہمراہ اُس جگہ تشریف لائے جہاں سنگِ بنیاد رکھنا مقصود تھا۔ حضور نے اپنے دستِ مبارک سے پانچ اینٹیں رکھیں اور پھر ایک کرسی پر رونق افروز ہوگئے۔ تاکہ وہ تمام احباب بھی پہنچ جائیں جو فضلِ عمر ہسپتال کا سنگِ بنیاد رکھنے کی تقریب میں شریک ہوئے تھے۔ یہ مخلصین اگرچہ اس دُوسری تقریب میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے دیوانہ وار دوڑے چلے آرہے تھے۔ تاہم حضور نے اجتماعی دُعا کرانے سے پہلے کچھ دیر انتظار فرمایا۔ اس دوران میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؓ نے مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے دفتر کا نقشہ حضور انور کی خدمت میں پیش کیا۔ حضورؓ نے نقشہ ملاحظہ فرمایا اور ضروری ہدایات دینے کے بعد دوبارہ سنگِ بنیاد کی جگہ پر تشریف لائے اور پُرسوز اجتماعی دُعا کرائی۔

ان ہر دو مبارک تقاریب میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ، ربوہ میں مقیم اصحاب حضرت مسیح موعودؑ، صدر انجمن احمدیہ کے ناظر صاحبان، تحریک جدید کے وکلاء حضرات اور اہلِ ربوہ نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ۲۳؍فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱، ۵۔

دفتر انصار اللہ مرکزیہ کی عمارت کی تکمیل

ان افتتاحی تقاریب کے چند روز بعد حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نائب صدر انصار اللہ مرکزیہ نے روزنامہ الفضل ۲ مارچ ۱۹۵۶ء کے پرچہ میں دفتر مرکزیہ انصار اللہ مرکزیہ کی تکمیل کے لئے مخلصین جماعت کو پُر زور تحریک فرمائی کہ لاکھوں کی جماعت میں سے ہمیں صرف دو سو ایسے مخیّر دوستوں کی ضرورت ہے۔ جو ایک ایک سو روپیہ بطور عطیہ دینے کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ آپ نے تحریر فرمایا کہ:-

"مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے دفتر کا سنگِ بنیاد ۲۰ فروری کو یوم مصلح موعود کی مبارک تقریب پر سیدنا حضرت مصلح موعود کے مقدس ہاتھوں سے ربوہ کی سرزمین میں رکھ دیا گیا۔ یہ پہلا مبارک قدم ہے جو انصار اللہ کے سرگرم اراکین نے اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی نصرت و تائید پر کامل یقین رکھتے ہوئے اس کے حضور عاجزانہ دعاؤں اور التجاؤں کے ساتھ اٹھایا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ انصار اللہ جو اپنے عزائم کی پختگی اور اپنے ارادوں کی بلندی میں نوجوانوں کے راہنما اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے ایک آدم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اپنی پوری توجہ کے ساتھ اس عمارت کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہر قسم کی قربانی سے کام لیتے ہوئے آگے بڑھیں گے اور اپنی فعّال حیثیت کا ایک نمایاں ثبوت لوگوں کے سامنے پیش کر دیں گے۔ مجلس انصار اللہ کے گذشتہ سالانہ اجتماع میں تمام نمائندگان نے متفقہ مشورہ کے ساتھ دفتر کی عمارت کو مکمل کرنے کے لئے ایک روپیہ چندہ ہر ممبر کے لئے لازمی قرار دیا تھا۔ تمام مجالس ہائے انصار اللہ کا اوّلین فرض ہے کہ وہ اس چندہ کی ادائیگی میں بغیر کسی پس و پیش کے فوری طور پر حصہ لیں اور ایک مہینہ کے اندر اندر اپنے ہر فرد سے اس چندہ کو وصول کر کے دفتر مرکزیہ کو اطلاع دیں مگر ظاہر ہے کہ ایک روپیہ سے اس عمارت کے اخراجات پورے نہیں ہو سکتے۔ اور اگر اس قلیل رقم پر اکتفا کی جائے تو یہ عمارت کہیں برسوں میں پایۂ تکمیل تک پہنچے گی اور اتنی مدت تک انتظار نہیں کیا جا سکتا۔ سو اس کے لئے میں دو سو ایسے مخلصین کو پکارتا ہوں جو اس عمارت کی تکمیل کے لئے صرف ایک ایک سو روپیہ بطور عطیہ پیش کریں اور بغیر کسی التواء کے فوری طور پر پیش کریں۔ مغربی پاکستان میں اس وقت دس ڈویژن ہیں اور ہر ڈویژن متعدد اضلاع

پر مشتمل ہے۔ اگر ہر ڈویژن میں سے بیس ایسے فدائی کھڑے ہو جائیں جو ایک ایک سو روپیہ دینے کے لئے تیار ہوں تو چند دنوں میں ہی یہ رقم بڑی آسانی کے ساتھ پوری ہو سکتی ہے۔ میں پشاور، راولپنڈی، جہلم، گجرات، لاہور، سیالکوٹ، ملتان، منٹگمری[1]، لائل پور[2]، حیدرآباد کوئٹہ اور کراچی کے انصار کو خصوصیت کے ساتھ مخاطب کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ وہ میری اس آواز پر اپنی شاندار روایات کے مطابق لبیک کہیں گے اور اس عمارت کو اتنی سُرعت کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچا دیں گے کہ دوسروں کے لئے ان کا یہ نمونہ مشعلِ راہ کی حیثیت رکھے گا۔

یاد رکھیں کہ زمانہ بڑی سُرعت کے ساتھ ترقی کی طرف گامزن ہے۔ اس دَور میں سُست گام کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ زندہ جماعتوں کے افراد اپنی قومی خصوصیات کو برقرار رکھنے کے لئے انتہائی جدّوجہد سے کام لیا کرتے ہیں۔ آخر اپنے منتہیٰ کو حاصل کر کے رہتے ہیں۔ انصاراللہ کا مرکزی دفتر تمام انصاراللہ کے لئے ایک دماغ کی حیثیت رکھتا ہے جس طرح انسانی جسم اسی وقت تک مفید اور کار آمد ..... کام کر سکتا ہے۔ جب تک اس کا دماغ کے ساتھ اتصال رہتا ہے۔ اس طرح انصاراللہ بھی عملی رنگ میں اس وقت تک ایک زندہ اور کار آمد وجود رہیں گے۔ جب تک ان کا اپنے مرکز کے ساتھ تعلق رہے گا۔

پس مرکزی دفتر کی عمارت کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا خود انصاراللہ کے قیام کے لئے بھی ضروری ہے۔ یہ درست ہے کہ ہم نے گذشتہ عرصہ میں اپنے وقت کا کچھ ضیاع بھی کیا ہے۔ اور ہم نے اپنے قیمتی اوقات سے صحیح رنگ میں فائدہ نہیں اُٹھایا مگر بیداری کا تقاضا ہے کہ اَب ہم اپنے قدم کو ایسا تیز تر کر دیں کہ نہ صرف گذشتہ کوتاہیوں کا پُورے طور پر ازالہ ہو جائے۔ بلکہ آئندہ قومی دوڑ میں انصاراللہ کی جد وجہد ایک امتیازی حق حاصل کرے۔

مَیں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ وہ کون سے مخلص دوست ہیں جو اس غرض کے لئے صرف ایک ایک سو روپیہ دینے کے لئے تیار ہوں۔ مَیں ایسے مخلصین کو آواز دیتا ہوں مَیں ہی نہیں

---

[1] ساہیوال۔ [2] فیصل آباد۔

انصاراللہ کا دفتر مرکزیہ ربوہ سے انہیں آواز دے رہا ہے کہ آؤ اور میری بنیادوں کو اونچا کرو۔ آؤ اور مجھے اپنے ہمعصروں میں سرخرو ہونے کا موقع دو۔ اے ابراہیم ثانی کے پرندو! تمہارا نشیمن تیار ہو رہا ہے۔ اس نشیمن کے لئے تنکے مہیا کرنا تمہارا کام ہے۔ تمہیں خدا نے قربانی اور ایثار کی دولت سے نوازا ہے۔ تمہیں اس نے اپنے لازوال حسن سے حصّہ دیا ہے۔ تمہیں اُس نے رُوحانی جلال اور جمال عطا کیا ہے۔ تم دنیا کی نگاہوں میں حقیر ہو لیکن خدائے قادر و برتر کی نگاہ میں تم بادشاہوں سے بھی زیادہ معزز ہو۔ میں تم سے ایک حقیر قربانی کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ میں تمہارے جواب کا منتظر ہوں کہ تم میری اس آواز کا کب جواب دو گے؟"[1]

مخلصینِ جماعت نے اس اپیل کا بھی نہایت مخلصانہ جواب دیا۔ جس کے نتیجہ میں خدا کے فضل سے نہ صرف دفاتر اور ہال کی تکمیل ہوگئی بلکہ کارکنوں کے لئے دو کوارٹر بھی تعمیر ہو گئے۔ اور بعد ازاں ایک ٹیوب ویل بھی نصب کر دیا گیا۔ یہ مرکزِ احمدیت ربوہ کی خوبصورت اور یادگار عمارت جو حضرت خواجہ عبیداللہ صاحب اوورسیئر[2] کی نگرانی میں تکمیل کو پہنچی۔ قبلہ رُخ اور پانچ کمروں اور ایک ہال پر مشتمل ہے۔ دفتر کا صدر دروازہ مغربی ہے۔ جس کے دونوں جانب اُن مخلصینِ جماعت اور مجالس انصاراللہ کے نام کندہ ہیں جنہوں نے خلوص و ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے دفتر کی تعمیر کے لئے سو سو روپے یا اس سے زائد رقم عطیۃً پیش کی۔

فصل سوم

سپین میں تبلیغ پر پابندی اور حضرت مصلح موعودؓ

مجاہدِ سپین مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر دس سال سے نہایت پُرامن طریق پر سپین میں تبلیغ دینِ حق کا فریضہ بجا لا رہے تھے کہ اچانک اس سال کے شروع میں پادریوں کی

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲؍ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۵۔

[2] تاریخ انصاراللہ صفحہ ۱۰۴ از پروفیسر حبیب اللہ خانصاحب قائد تعلیم ناشر مجلس انصاراللہ مرکزیہ ربوہ اکتوبر ۱۹۷۸ء۔

انگیخت پر ہسپانوی حکومت نے اس پر پابندی نافذ کر دی اور سفارت خانہ پاکستان کے ذریعہ سے انہیں ۲۶ر مارچ ۱۹۵۶ء کو حسب ذیل مراسلہ بھی بھجوا دیا :-

EMBASSY OF PAKISTAN
MADRID

No. EPM/S-33/56.
6th March 1956.

Dear Mr. Zafar,

Reference our conversation on the morning of Monday the 5th March 1956, I am desired to state that the Government of Spain have represented to this Embassy that they take strong exception to your proselytising activities which, we have been told, are a violation of the Constitution of Spain. You are requested, therefore, not to do anything which may give cause to the Government of Spain to charge you with a violation of their Constitution.

Yours sincerely,

Sd/-
(Afzal Iqbal)
Charge d' Affairs.

Karam Elahi Zafar Esq.,
Lista 58, 40
MADRID.

(ترجمہ) سفارت خانہ پاکستان

۶ر مارچ ۱۹۵۶ء

نمبر ای پی ایم / ایس ۵۶/۳۳

ڈیر مسٹر ظفر

۵ر مارچ ۱۹۵۶ء بروز پیر کی صبح کو ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو کے حوالے سے میں آپ سے یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ حکومت سپین نے سفارت خانہ پاکستان کو مطلع کیا ہے کہ اس نے آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کا سختی سے نوٹس لیا ہے اور جیسا کہ ہمیں بتایا گیا ہے یہ سپین کے آئین کی خلاف ورزی کے مترادف ہے ۔

اس لئے آپ سے درخواست کی جاتی ہے کہ آپ ایسی کسی کارروائی سے احتراز کریں کہ حکومتِ سپین اپنے آئین کی خلاف ورزی کا الزام آپ پر لگائے ۔ آپ کا مخلص

افضل اقبال ۔ ناظم الامور

مکرم ظفر صاحب نے ہسپانوی وزیرِ خارجہ کو ایک خط لکھا کہ میں دس سال سے سپین میں مقیم ہوں۔ اَب تک میرے خلاف کوئی شکایت نہیں پیدا ہوئی۔ اب حکومت میری سرگرمیوں کو کیوں ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے ؟ ہسپانوی حکومت سرکاری طور پر کیتھولک گورنمنٹ ہے اس کا دعویٰ ہے کہ یہ مذہب سچّا ہے جو خدا تعالیٰ سے قائم کرنے کا ذریعہ اور اعلیٰ اخلاق کا حامل ہے۔ میری تبلیغ کا مقصد بھی محض اعلیٰ اخلاق کا قیام اور بنی نوع انسان کا خدا تعالیٰ سے حقیقی تعلق قائم کرنا ہے۔ نیز آپ نے اس بات پر زور دیا کہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم ہرگز ملک سپین کے لئے کسی قسم کا خطرہ نہیں بلکہ اس سرزمین کی حقیقی فلاح و بہبود کا خواہش مند ہے۔ خط کا جواب ملا کہ وزیرِ خارجہ صاحب نے آپ کے خط کا اچھا اثر لیا ہے۔ دراصل ساری شرارت پادریوں کی ہے کہ انہوں نے پولیس والوں اور حکام کو انگیخت کی ہے[1]

حضرت مصلح موعودؓ اس اطلاع پر بہت متشوّش ہوئے اور حضورؓ نے ۲۰ / اپریل ۱۹۵۶ء کو حکومت پاکستان اور دوسری مسلم حکومتوں کو توجہ دلائی کہ وہ اس افسوسناک اقدام کے خلاف احتجاج کریں۔ نیز فرمایا :۔

" ایک دفعہ پہلے بھی پانچ سات نوجوان ہمارے مبلغ کے پاس بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ سی آئی ڈی کے کچھ آدمی وہاں آگئے اور انہوں نے کہا کہ تم حکومت کے باغی ہو۔ کیونکہ حکومت کا مذہب رومن کیتھولک ہے۔ اور ہم نے سُنا ہے تم مسلمان ہو گئے ہو۔ ان نوجوانوں نے کہا کہ ہم حکومت کے تم سے بھی زیادہ وفادار ہیں لیکن اس اَمر کا مذہب کے ساتھ کیا تعلق ہے انہوں نے کہا دراصل پادریوں نے حکومت کے پاس ایک شکایت کی ہے۔ کہ یہاں اسلام کی تبلیغ کی جاتی ہے اور گورنمنٹ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم تمہاری نگرانی کریں۔ انہوں نے کہا کہ تم ہمیں دوسرے

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۸ / جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ ۔

کی باتیں سُننے سے نہیں روک سکتے۔ اگر ہمارا دل چاہا تو ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ لیکن تمہیں کوئی اختیار نہیں کہ تم دوسروں پر جبر سے کام لو۔ اس وقت سے یہ مخالفت کا سلسلہ جاری تھا جو آخر اس نوٹس کی شکل میں ظاہر ہُوا۔ بہرحال یہ ایک نہایت ہی افسوسناک امر ہے کہ بعض عیسائی ممالک میں اب اسلام کی تبلیغ پر پابندیاں عائد کی جا رہی ہیں۔ پہلے عیسائی ممالک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے خلاف رات اور دن جھُوٹ بولتے رہتے تھے۔ ہم نے ان افتراؤں کا جواب دینے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی حقیقی شان دُنیا پر ظاہر کرنے کے لئے اپنے مبلغ بھیجے تو اب اِن مبلغوں کی آواز کو قانون کے زور سے دبانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔۔ ۔۔۔ دیکھو سویز کے معاملہ میں مصر کی حکومت ڈٹ گئی اور آخر اس نے روس کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اگر سویز کے معاملہ میں مصر ڈٹ سکتا ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے نام کی بلندی کے لئے اگر پاکستان کی حکومت ڈٹ جائے تو کیا وہ دوسری اسلامی حکومتوں کو اپنے ساتھ نہیں ملا سکتی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لئے اتنی غیرت بھی نہیں دکھا سکتیں ...... اگر مسلمان حکومتیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لئے سویز جتنی غیرت بھی دکھائیں تو سارے جھگڑے ختم ہو جائیں اور اسلام کی تبلیغ کے لئے راستے کھُل جائیں اور جب اسلام کی تبلیغ کے رستے کھُل گئے تو یقیناً سارا یورپ اور امریکہ ایک دن مسلمان ہو جائے گا۔"[1]

مشرقی پاکستان پریس کی طرف سے زبردست احتجاج

حضورؓ کے اس خطبہ پر مشرقی پاکستان کے پریس نے زبردست احتجاج کیا۔

(۱)۔ چنانچہ ڈھاکہ کے اخبار "آزاد" نے ۲۶ جون ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں حسب ذیل ادارتی نوٹ سپردِ قلم کیا:-

"ہر ایک مُلک میں ہر ایک مذہب کو اپنی اشاعت کا کم و بیش موقع ملتا ہے اور یہی بین الاقوامی مسلّم اصول ہے۔ لہٰذا اسپین کی حکومت کا اس بنیادی حق کو چھیننا ایک ایسا امر ہے کہ جس پر جماعتِ احمدیہ کے ممبران بے چین ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اور اس معاملہ میں دوسرے

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۵ مئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۲، ۳۔

مذاہب کے مشنری اور تمام روا داری برتنے والے اور بین الاقوامی انسانی حقوق کی حفاظت کے خواہاں اصحاب بھی جماعت احمدیہ کی ہمنوائی کریں گے۔

حکومت سپین کا قابلِ نفرت حکم ہمارے سامنے پرانے زمانہ کے ایسابیلا ISABELA اور فرڈیننڈ FERDINAND کی حکومت کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ نیز ہمیں سپین میں عرب تمدن کے سنہری زمانہ اور طارق و موسیٰ بن نصیر کی بے نظیر جرأت بھی یاد دلاتا ہے۔ درحقیقت عربوں نے ہی سپین کی تاریخ کو بنایا تھا۔ انہوں نے اپنے زمانہ میں عمارت سازی، انڈسٹری۔ علم موسیقی۔ ادب اور علوم و فنون کو ترقی دی تھی۔ مگر وقتی طور پر عربوں کی یہ جلائی ہوئی شمعیں ناموافق حالات کی وجہ سے بجھا دی گئیں مگر کچھ عرصہ بعد وہی یورپ کے ظلمت کدوں میں روشن ہوگئیں۔ اسی کو تاریخ میں یورپ کی نئی زندگی RENAISSANCE کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ایک وقت تھا کہ سپین سے عرب حکومت کو اور مسلمانوں کو بزور شمشیر نکال دیا گیا۔ مگر ایسا کرنے والوں نے اسلام کو سپین سے نکال کر عربوں سے زیادہ خود یورپ کے تمدّن کو نقصان پہنچایا۔ اسی وجہ سے مشہور عیسائی مورخ لین پول لکھتا ہے کہ :

"اس طرح سے سپین والوں نے اس عرب ہنس کو قتل کر دیا جو روزانہ ایک سنہری انڈا دیا کرتا تھا۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کا تمدّن پانچ سو سال پیچھے پڑ گیا۔"

مندرجہ بالا تمام حقائق سپین کے موجودہ مدبرین تسلیم کرتے ہیں اور آج کل جنرل فرانکو سپین کی اس پرانی غلطی کا ازالہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ حقیقت اِن کی مساعی سے آشکار ہو رہی ہے چنانچہ انہوں نے مسلم ممالک میں اپنے تمدنی مشنری بھجوا کر اور افریقہ میں اپنے مقبوضہ مسلم علاقہ کی آزادی کا اعلان کر کے اس بات کا واضح ثبوت فراہم کیا ہے۔ آجکل سپین میں یہ مقولہ مشہور ہے کہ پیرانیز پہاڑ سے ہی افریقہ شروع ہو جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ سپین اور افریقہ میں گہرا تمدنی تعلق ہے۔

ماضی اور حال کے ان مختلف حقائق و واقعات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آج سپین گورنمنٹ کا یہ حکم خاص طور پر اسلامی دنیا کے لئے حیران کن اور انتہائی تکلیف دہ ہے۔ اور طبعًا دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ سپین اور اسلامی دنیا کی دوستی اور تعلقات کیا صرف

ایک کھوکھلی نمائش ہے۔ اور کیا آج بھی سپین میں پرانے زمانے کی طرح اسلام کے متعلق بغض موجود ہے۔

اگر ان حقائق کو نظر انداز کر دیا جائے تو پھر بھی مذہب کی تبلیغ ہر ایک انسان کا بنیادی حق ہے جس کو حکومتِ سپین نے اپنے حکم کے ذریعہ سے ختم کرنا چاہا ہے۔ اس کے متعلق حکومتِ پاکستان کو غور و فکر کرنا چاہیئے اور اس کے جواب میں اسے سفارتی کارروائی اور حکومتی خط و کتابت کے علاوہ حکومت کو اپنے ملک میں دوسرے مذاہب کے مبلغین کے بارے میں بھی نئے سرے سے اصول وضع کرنے چاہئیں۔ اس ضمن میں ہماری ہمسایہ حکومت بھارت کا رویّہ بھی قابلِ غور ہے۔ نہ معلوم اس سلسلہ میں ہماری حکومت نے کچھ غور و غوض کیا ہے یا نہیں۔[1]

(۲) مشہور اخبار "اتفاق" نے ۲۹ رجون ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"حکومت فرانکو نے حال ہی میں سپین میں صرف عیسائیت کے STATE RELIGION ہونے کا اعلان کیا ہے۔ اور دوسرے ہر مذہب کی تبلیغ پر پابندی عائد کر دی ہے۔ اسی وجہ سے میڈرڈ میں مقیم مبلغِ اسلام کو سپین سے چلے جانے کا حکم جاری کیا گیا ہے۔

حکومتِ سپین کا یہ فعل بین الاقوامی حقوقِ انسانیت پر ایک کاری ضرب ہے اور تمام عالمِ اسلام کے لئے خصوصاً انتہائی طور پر تکلیف دِہ ہے۔ سپین ایک زمانہ میں یورپ میں اسلامی تمدّن کا مرکز تھا۔ اور یہاں پر فلسفہ ادب۔ علوم و فنون، اور علم صنعت و حرفت نے اس حد تک ترقی کر لی تھی کہ بعد میں یہی چیز یورپ کی نئی زندگی کا باعث بنی۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ دراصل سپین میں عربوں کے ذہنی ارتقا نے ہی موجودہ ماڈرن یورپ کو جنم دیا۔ پھر بین الاقوامی اصول کے رُو سے مذہبی آزادی کا حق ہر اک کے لئے تسلیم کیا گیا ہے۔ سپین کی موجودہ حکومت عالمِ اسلام کے ساتھ گہرے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کی خواہاں ہے۔ لیکن اگر اس نے ایسا رویہ اختیار کیا جو کہ عالمِ اسلام کو تکلیف دینے والا ہو تو اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوگا کہ یہ محض ایک نمائشی خواہش ہے۔ حکومت کا یہ حکم پرانے زمانے کے ایسابیلا ISABELA اور فرڈی نینڈ

---

[1] (ترجمہ از بنگلہ) روزنامہ الفضل ربوہ ۴ رجولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۳

FERDINAND کے بغض و تعصّب سے کم نہیں ہے۔ حکومت فرانکو نے مذہبی آزادی کو ختم کرنے کے لئے جو حکم جاری کیا ہے اس پر حکومتِ پاکستان کو بیدار ہونا چاہیئے اور ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ فوری طور پر سیاسی گفت و شنید سے اس اہم معاملہ کو طے کرے۔ (اتفاق ڈھاکہ ۲۹؍جون ۱۹۵۶ء)[1]

(۳)۔ جریدہ "ملّت" نے لکھا:۔

"ایک خبر سے معلوم ہوا ہے کہ حکومتِ سپین نے اپنے ملک سے مبلغ اسلام کو نکل جانے کا حکم دیا ہے کہا جاتا ہے کہ یہ حکم پاکستانی سفارت خانہ کے ذریعہ دیا گیا ہے۔ یہ امر انتہائی تکلیف دہ ہے۔ مذہبی تبلیغ کی آزادی کا ہر ملک میں ہونا نہایت ضروری ہے۔ پاکستان میں عیسائی مبلغین عیسائیت کی تبلیغ آزادی کے ساتھ بلا روک ٹوک کر رہے ہیں۔ ہمیں یہ امید ہے کہ ہماری حکومت اس حکم کے ازالہ کے لئے مناسب کارروائی فرمائے گی۔" (ملّت ڈھاکہ ۲۹؍جون ۱۹۵۶ء)[2]

فصل چہارم

وقفِ زندگی سے متعلّق تجاویز اور حضرت مصلح موعودؓ کا اظہار رائے

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے سفر یورپ (۱۹۵۵ء) سے واپسی کے بعد اپنے متعدد خطبات میں تحریک وقفِ زندگی پر زور دیا اور ۱۰؍فروری ۱۹۵۶ء کو یہاں تک فرمایا کہ:۔

"اگر دنیاوی حکومتوں نے اپنی ضروریات کے وقت جبری بھرتی کا قانون جائز رکھا ہے تو ہم اپنے نوجوانوں کو وقف کے لئے کیوں مجبور نہیں کر سکتے۔"[3]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۶؍جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۵۔ [2] ایضاً

[3] روزنامہ الفضل ۲۶؍فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۳،۴۔

اس خطبہ پر بعض احمدیوں کی طرف سے تجاویز موصول ہوئیں۔ حضور نے ۹ مارچ ۱۹۵۶ء کے خطبہ جمعہ میں ان تجاویز کا ذکر کر کے ہدایت فرمائی کہ والدین خصوصاً عورتیں بچپن ہی سے اولاد کی صحیح تربیت کریں۔ جماعت میں واقفین کا اعزاز قائم کیا جائے اور واقفین انتظامی قابلیت پیدا کرنے کے علاوہ کوئی ایک فن بھی سیکھیں۔ اس سلسلہ میں حضور نے مزید ارشاد فرمایا:۔

''اصل بات یہ ہے کہ جس شخص کی قسمت میں یہ لکھا ہو کہ وہ دین کی خدمت کرے گا اسے اس کی توفیق مل جاتی ہے اور اگر اس خدمت میں اس کی جان بھی چلی جائے تو وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ اسلامی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگِ حنین کے موقع پر جب ہزاروں تیراندازوں نے تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی تو مسلمانوں کی سواریاں بدک کر میدانِ جنگ میں سے بھاگ پڑیں۔ درحقیقت اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب اسلامی لشکر روانہ ہوا تو مکہ والوں نے خواہش کی کہ چونکہ ہم حدیث العہد ہیں اور اس سے قبل کسی لڑائی میں شامل نہیں ہوئے۔ اس لئے اس موقعہ پر ہمیں بھی قربانی پیش کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اجازت دے دی اور دو ہزار نومسلم بھی اسلامی لشکر کے ساتھ چل پڑے یہ لوگ کفار کے اچانک اور دو طرفہ حملہ کی برداشت نہ کر سکے اور واپس مکہ کی طرف بھاگے صحابہؓ گو اس قسم کی تکلیف اٹھانے کے عادی تھے۔ مگر جب دو ہزار گھوڑے اور اونٹ ان کی صفوں میں سے بے تحاشا بھاگتے ہوئے نکلے تو ان کے گھوڑے اور اونٹ بھی ڈر گئے۔ اور سارے کا سارا لشکر بے تحاشا پیچھے کی طرف دوڑ پڑا یہاں تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد صرف بارہ صحابی رہ گئے اور تین اطراف سے قریباً چار ہزار تیرانداز تیر برسا رہے تھے۔ ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ ہماری سواریاں اس قدر ڈر گئی تھیں کہ ہمارے ہاتھ باگیں موڑتے موڑتے زخمی ہو گئے۔ لیکن اونٹ اور گھوڑے واپس مڑنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ بعض دفعہ ہم باگیں اس زور سے کھینچتے تھے کہ اونٹ یا گھوڑے کا سر اس کی پیٹھ کو لگ جاتا۔ مگر جب ہم اسے پیچھے کی طرف موڑتے تو وہ بجائے پیچھے مڑنے کے اور بھی تیزی کے ساتھ آگے کی طرف بھاگ پڑتا اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو بلایا اور اُن سے فرمایا عباس بلند آواز

سے کہو کہ اے وہ لوگو جنہوں نے حدیبیہ کے موقع پر بیعتِ رضوان کی تھی اور اے وہ لوگو جو سورۃ بقرہ کے زمانہ کے مسلمان ہو۔ خدا تعالیٰ کا رسول تمہیں بُلاتا ہے حضرت عباسؓ نے جب یہ آواز دی تو وہ صحابی کہتے ہیں کہ ہمیں یوں محسوس ہُوا کہ گویا ہم مر چکے ہیں قیامت کا دن آگیا ہے اور اسرافیل بگل بجا کر ہمیں بُلا رہا ہے۔ تب ہم میں سے جو اپنی سواریاں موڑ سکے انہوں نے اپنی سواریاں موڑ لیں اور جو سواریاں موڑ نہ سکے انہوں نے تلواروں سے اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کی گردنیں کاٹ دیں۔ اور خود دوڑتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ کہتے ہوئے چل پڑے کہ لبّیک یارسول اللہ لبّیک یارسول اللہ۔ اے رسول اللہ ہم حاضر ہیں۔ اے رسول اللہ ہم حاضر ہیں اور چند منٹ میں ہزاروں کا لشکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد جمع ہو گیا۔ دیکھو صحابہؓ میں کس قدر جوش اور ایمان پایا جاتا تھا کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس آواز پر کہ خدا تعالیٰ کا رسولؐ تمہیں بلاتا ہے۔ اپنی سواریوں کی گردنیں کاٹ دیں اور دوڑتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے اور انہوں نے کہا یارسول اللہ ہم اسلام کی خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ پس جن لوگوں کی قسمت میں دین کی خدمت کرنا ہوتا ہے وہ خود بخود اس کے لئے آگے آجاتے ہیں لیکن جن لوگوں کی قسمت میں نیکی نہیں انہیں نہ میرے خطبات کام دے سکتے ہیں نہ دوسروں کی مثالیں انہیں کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں انہیں دین کی خدمت کے لئے آگے لاسکتی ہیں اور نہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتیں انہیں اس طرف کوئی توجہ دلا سکتی ہیں وہ ازلی محروم ہیں۔ ان کو برکت کون دے۔ برکت اسی کو ملے گی جس کی قسمت میں وہ پہلے سے لکھی ہوئی ہے۔ ایک لطیفہ مشہور ہے کہ مرزا غالب کو آم بہت پسند تھے۔ ایک دن وہ بادشاہ کو ملنے گئے وہ انہیں اپنے باغ میں لے گیا۔ پرانے زمانے میں درباریوں کو یہ ادب سکھایا جاتا تھا کہ وہ ہمیشہ بادشاہ کی طرف اپنا منہ رکھا کریں لیکن مرزا غالب بار بار آموں کی طرف دیکھتے بادشاہ نے کہا مرزا غالب یہ کیا بات ہے کہ تم بار بار ادھر کیوں دیکھتے ہو۔ انہوں نے کہا حضور میں نے سُنا ہُوا ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی بندے کو اس دُنیا میں بھیجتا ہے تو رزق پر اس کا نام لکھ دیتا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں شائد کسی آم پر میرا یا میرے باپ دادا کا بھی نام لکھا ہُوا ہو۔ بادشاہ ہنس پڑا اور اُس نے اپنے نوکر کو حکم دیا کہ وہ مرزا غالب کے گھر

آم دے آئے۔ پس جس کی قسمت میں خدا تعالیٰ نے دین کی خدمت لکھی ہے اس کے رستہ میں خواہ دس میل تک زہریلے سانپ ہوں وہ انہیں کچلتا ہؤا آگے آجائے گا اور خواہ ننگی تلواریں کھڑی ہوں اور اس بات کا خوف ہو کہ اگر وہ آگے بڑھا تو اس کی گردن کٹ جائے گی۔ تب بھی وہ دین کی خدمت کے لئے آجائے گا بلکہ دین کی خدمت تو بڑی چیز ہے ہم دیکھتے ہیں کہ باطل کے ساتھ محبت رکھنے والے بھی کسی مصیبت کی پرواہ نہیں کرتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی بات ہے کہ ایک مراثی کا لڑکا سل کی مرض میں مبتلا ہو گیا۔ اس کی ماں اسے علاج کے لئے قادیان لائی وہ لڑکا عیسائی ہو چکا تھا اور اس کی والدہ کی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح دوبارہ اسلام قبول کرے۔ اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی کہ آپ نہ صرف اس کا علاج کریں بلکہ اسے تبلیغ بھی کریں تاکہ یہ دوبارہ اسلام میں داخل ہو جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے بہت سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھا۔ آخر ایک رات بیماری کی حالت میں ہی وہ بٹالہ کی طرف بھاگ نکلا تاکہ وہاں عیسائیوں کے مرکز میں چلا جائے۔ اس کی ماں کی آنکھ کھل گئی۔ اور اس نے چارپائی خالی دیکھی تو وہ رات کے اندھیرے میں اکیلی بٹالہ کی طرف دوڑ پڑی اور کئی میل کے فاصلے سے اسے پکڑ کر لے آئی۔ پھر وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی وہ روتی ہوئی کہنے لگی حضور میرا یہ اکلوتا بیٹا ہے اگر یہ مر جائے تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں لیکن میری صرف اتنی خواہش ہے جس طرح بھی ہو یہ مرنے سے پہلے دوبارہ کلمہ پڑھ لے اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے اخلاص کو دیکھ کر یہ فضل کیا کہ دو تین دن کے بعد اس نے اسلام قبول کر لیا اور پھر وہ فوت ہو گیا۔ پس اگر باطل کے ساتھ محبت کرنے والے بھی بڑی بڑی قربانیاں کر سکتے ہیں تو دین کے ساتھ سچی محبت رکھنے والے کسی قسم کی قربانی سے کس طرح دریغ کر سکتے ہیں۔ بہرحال دوستوں نے جو باتیں لکھی ہیں ان میں سے بعض بہت اچھی ہیں مثلاً یہ کہ واقفین کو کوئی نہ کوئی پیشہ سکھانا چاہیئے اور پھر یہ کہ جماعت کے دوستوں کو چاہیئے کہ وہ واقفین کا اعزاز کریں جیسا کہ میں نے بتایا ہے خود واقفین کے اندر انتظامی قابلیت ہونی چاہیئے۔ اگر ان میں انتظامی قابلیت ہوگی تو انہیں مرکز میں ذمہ داری کے عہدے مل سکیں گے۔ انگریزی دانوں سے ہماری کوئی دوستی نہیں اور نہ عربی دانوں سے کوئی دشمنی ہے اگر واقفین انتظامی قابلیت پیدا کر لیں تو درحقیقت مرکز کے سارے اہم عہدے انہی کے لئے ہیں

اور وہی اس کے اصل حقدار ہیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ لوگ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ آپ کو سچا ایمان بخشے۔ آپ کے اندر دین کی خدمت کی خواہش پیدا کرے تا آپ اپنی جان اور مال سب کچھ اپنے خدا کے سامنے پیش کر دیں اور جب مریں تو ایسی حالت میں مریں کہ آپ کے دلوں میں یہ حسرت نہ ہو۔ کاش ہم دین کی خدمت کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیوں کو دُور فرمائے اور ہماری خدمات کو قبول کرے اور حضرت ابوبکرؓ کی طرح ہمیں اس بات کی توفیق دے کہ تھوڑا یا بہت جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے وہ ہم اس کی راہ میں قربان کر دیں[1]"

قادیان کے لئے تحریکِ وقفِ زندگی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے پچھلے سال (۱۹۵۵ء) میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان اور تحریکِ جدید کے کام سنبھالنے کے لئے نوجوانانِ پاکستان کو زندگی وقف کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اَب اس سال حضورؓ نے اسی نوعیت کی تحریک بھارتی احمدیوں کے لئے بھی کی اور ۱۰؍ مارچ ۱۹۵۶ء کو "ضروری اعلان" کے نام سے حسب ذیل فرمان جاری فرمایا جو روزنامہ الفضل ۱۰؍ مارچ ۱۹۵۶ء کے صفحہ اوّل پر اشاعت پذیر ہُوا:۔

"قادیان میں کارکنان کی سخت ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہندوستان میں پیدا کیا۔ اس لئے یہ ہندوستانیوں کا حق ہے کہ وہ سلسلہ کے کاموں کے لئے قربانیاں کریں۔ اس لئے تمام جماعتوں کی اطلاع کے لئے لکھا جاتا ہے کہ اوّل ڈاکٹر۔ دوم گریجوایٹ، سوم میٹرک پاس اگر اپنی زندگیاں ساری عمر کے لئے نہیں تو دس دس سال کے لئے وقف کریں تاکہ ان کو قادیان میں رکھ کر دینی تعلیم دلائی جائے اور پھر سلسلہ کے کاموں پر لگایا جائے۔ خاکسار مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ۱۰/۳/۵۶"

اہم خطبہ شادی و بیاہ کے متعلق

حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۶؍ مارچ ۱۹۵۶ء کو ایک رؤیا کی بناء پر لاہور میں دینِ حق کے عائلی نظام کے بارے میں ایک اہم خطبہ ارشاد فرمایا جس میں نہایت مؤثر پیرایہ میں تلقین فرمائی کہ

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۵؍ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۶، ۷۔

شادی کی بنیاد اخلاق، نیکی اور تقویٰ پر قائم ہونی چاہیئے۔ تا جو اولاد پیدا ہو وہ بھی نیک، متقی اور اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے والی ہو۔ چنانچہ فرمایا:۔

"درحقیقت شادی بیاہ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہتے ہیں کہ کوئی بڈھا ایک ایسا درخت لگا رہا تھا جو کئی سال کے بعد پھل دیتا تھا۔ اتفاقاً وہاں سے اس مُلک کا بادشاہ گذرا اس نے جب بڈھے کو ایک ایسا درخت لگاتے دیکھا جس کا پھل کئی سال کے بعد پیدا ہوتا تھا۔ تو وہ اسے کہنے لگا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو۔ تمہاری عمر اسّی نوّے سال کی ہو گئی ہے اور تم ایسا درخت لگا رہے ہو جو کئی سال کے بعد پھل دیتا ہے کیا تمہیں یہ اُمید ہے کہ اس کا پھل کھاؤ گے وہ کہنے لگا بادشاہ سلامت اگر ہمارے باپ دادا بھی یہی خیال کرتے اور وہ اپنی زندگیوں میں پھلدار درخت لگا کر نہ جاتے تو آج ہم کہاں سے پھل کھاتے۔ انہوں نے درخت لگائے اور ہم نے ان کا پھل کھایا۔ آج ہم درخت لگائیں گے تو ہمارے پوتے پڑپوتے ان کا پھل کھائیں گے۔ بادشاہ کو اس کی بات بڑی پسند آئی اور اس نے کہا زہ یعنی تُو نے کیا ہی اچھی بات کہی ہے اور بادشاہ کا یہ حکم تھا کہ جب مَیں کسی بات سے خوش ہو کر زہ کہہ دُوں تو فوراً اسے تین ہزار روپیہ انعام دے دیا جایا کرے۔ بادشاہ نے خوش ہو کر زہ کہا تو وزیر نے فوراً تین ہزار روپے کی تھیلی اس بڈھے کے سامنے رکھ دی۔ وہ روپوں کی تھیلی اپنے ہاتھ میں لے کر کہنے لگا بادشاہ سلامت لوگ درخت لگاتے ہیں تو کئی کئی سال کے بعد انہیں اس کا پھل کھانا نصیب ہوتا ہے مگر مجھے دیکھئے کہ مَیں نے درخت لگاتے لگاتے اس کا پھل کھا لیا۔ بادشاہ پھر اس کی بات سے خوش ہُوا اور کہنے لگا زہ۔ اس پر وزیر نے جھٹ ایک دُوسری تھیلی اس کے سامنے رکھ دی۔ یہ دیکھ کر بڈھا کہنے لگا حضور آپ تو کہہ رہے تھے کہ تُو مر جائے گا۔ اور اس درخت کا پھل نہیں کھا سکے گا۔ مگر دیکھئے لوگ تو کہیں سال میں ایک دفعہ درخت کا پھل کھاتے ہیں اور مَیں نے اس درخت کے لگاتے لگاتے دو دفعہ اس کا پھل کھا لیا۔ بادشاہ پھر اس کی بات سے خوش ہُوا اور کہنے لگا زہ۔ اس پر وزیر نے فوراً ایک تیسری تھیلی اس کے سامنے رکھ دی۔ اس کے بعد وزیر کہنے لگا بادشاہ سلامت یہاں سے چلئے ورنہ اس بڈھے نے تو ہمیں لُوٹ لینا ہے۔ یہی مثال شادی بیاہ کی ہے جو شخص شادی بیاہ کرتا اور پھر اپنی اولاد کی اعلیٰ تربیت کرتا ہے وہ دنیا میں

نیکی اور تقویٰ کی بنیاد رکھتا ہے۔ اس کے متعلق یہ کہنا کہ اس نے بہیمیت اور بد اخلاقی کی بناء پر ان تعلقات کو قائم کیا ہے۔ بہت بڑی نادانی اور حماقت ہے دُنیا میں جتنے اولیاء اللہ گذرے ہیں انہی تعلقات کے نتیجہ میں پیدا ہوئے جتنے موجد اور سائنسدان گذرے ہیں سب انہی تعلقات کے نتیجہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ مثلاً نیوٹن کو ہی لے لو۔ اگر اس کے ماں باپ آپس میں نہ ملتے تو نیوٹن کس طرح پیدا ہوتا۔ پھر جب ان کے تعلقات کے نتیجہ میں نیوٹن جیسا انسان پیدا ہو گیا تو ان تعلقات کی بناء بہیمیت پر کس طرح ہوئی۔ اسی طرح دُنیا میں جتنے بڑے بڑے جرنیل گذرے ہیں سب انہی تعلقات کے نتیجہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ نپولین کو لے لو ہٹلر کو لے لو۔ اگر ان کے ماں باپ بھی یہی کہتے کہ ہم ان تعلقات کو اختیار نہیں کر سکتے کیونکہ ان کی بنیاد بہیمیت پر ہے تو نپولین اور ہٹلر کہاں سے پیدا ہوتے۔ اس طرح جتنے بڑے بڑے ائمہ گذرے ہیں سب انہی تعلقات کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ۔ حضرت امام شافعیؒ۔ حضرت امام مالکؒ۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور صوفیاء میں سے سیّد عبد القادر صاحب جیلانی، شہاب الدین صاحب سہروردی۔ بہاء الدین صاحب نقشبندی، معین الدین صاحب چشتی۔ محی الدین صاحب ابن عربی۔ حضرت جنید بغدادی۔ ان تمام بزرگوں کے ماں باپ بھی اگر یہی خیال کر لیتے تو یہ پاک لوگ جنہوں نے دُنیا میں ایک رُوحانی انقلاب پیدا کیا ہے۔ کس طرح ظاہر ہوتے۔ درحقیقت تمام مدار نیت پر ہوتا ہے۔ اگر بہیمیت کی نیت سے کوئی شخص ان تعلقات کو قائم کرتا ہے تو وہ انسانیت کی توہین کرتا ہے اور اگر اخلاق اور تقویٰ اللہ پر بنیاد رکھتا ہے تو وہ اخلاق اور تقویٰ اللہ کو قائم کرنے والا ہوتا ہے[۱]۔"

---

[۱] روزنامہ الفضل ربوہ یکم اپریل ۱۹۵۶ء صفحہ ۴۔

فصل پنجم

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قیام پر جماعتِ احمدیہ پاکستان کا جشنِ مسرت

۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کا دن پاکستان کی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس روز "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کا وجود عمل میں آیا اور نئے دستور کے تحت میجر جنرل سکندر مرزا نے پہلے صدر جمہوریہ کی حیثیت سے حلف اُٹھا کر اپنے عہدے کا چارج سنبھالا۔ اس تقریب پر پُورے مُلک میں خوشی و مسرّت کی لہر دَوڑ گئی تھی۔ اور جماعت احمدیہ پاکستان نے بھی جوش و خروش کے ساتھ جشنِ مسرّت منایا۔ اس روز ربوہ میں جماعت کے مرکزی دفاتر پر پاکستانی پرچم لہرائے گئے۔ متعدد کھیلوں، ضیافتوں اور جلسہ عام کے انعقاد کے علاوہ استحکامِ پاکستان کے لئے دُعائیں کی گئیں۔ غرباء کو کھانا کھلایا گیا۔ بچوں میں مٹھائی تقسیم کی گئی اور رات کو چراغاں کیا گیا۔ ربوہ میں رات گئے تک خوب چہل پہل اور رونق رہی۔ ناظر صاحب امورِ خارجہ نے جماعت احمدیہ کی طرف سے صدر مملکت میجر جنرل سکندر مرزا، عزّت مآب وزیرِ اعظم جناب چوہدری محمد علی صاحب۔ وزیرِ داخلہ جناب عبدالستار صاحب گورنر مغربی پاکستان جناب مشتاق احمد صاحب گورمانی اور وزیرِ اعلیٰ پنجاب ڈاکٹر خانصاحب کی خدمت میں مبارک باد کے برقی پیغام ارسال کئے۔ جماعتِ احمدیہ انگلستان کی طرف سے بھی صدر مملکت اور وزیرِ اعظم کے نام مبارکباد کے تار ارسال کئے گئے۔[1]

یہ دن ملک اور جماعت احمدیہ پاکستان کے لئے دوہری خوشی کا دن تھا۔ کیونکہ اس دن جمعہ کا مبارک دن تھا۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اس دن کی خصوصیت کے پیشِ نظر اپنے یادگار خطبہ جمعہ میں خاص طور پر دستورِ پاکستان کے نفاذ پر دِلی مسرّت کا اظہار کیا اور اہلِ پاکستان اور

---

[1] روزنامہ الفضل ۲۵، ۲۶ مارچ ۱۹۵۶ء صا۔

خصوصاً جماعتِ احمدیہ کو انکی ذمّہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:۔
"آج کا دن حکومتِ پاکستان نے ملک کی کانسٹی ٹیوشن بننے پر خوشی منانے کے لئے مقرر کیا ہے اور اس میں کیا شُبہ ہے کہ یہ خوشی کا دن ہے۔ ۱۹۴۷ء میں مَیں نے جو لیکچر دیئے تھے۔ اُن میں مَیں نے یہ بیان کیا تھا کہ مسلمان جو بھی آئین بنائیں وہ اسلامی ہی ہوگا۔ آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک سچا مسلمان کوئی آئین بنائے اور وہ غیر اسلامی ہو۔ مسلم کے معنے فرمانبردار کے ہیں۔ مُسلم کے معنے ہی خدا اور اس کے رسول کے ماننے والے کے ہیں۔ اگر کوئی شخص خدا اور اس کے رسول کو ماننے والا ہے اور سچّے طور پر ان کا فرمانبردار ہے تو وہ ایسا قانون بنائے گا ہی کیوں جو غیر اسلامی ہوگا۔ پس ایسی اسمبلی جو سچّے مسلمانوں پر مشتمل ہو غیر اسلامی دستور بنا ہی نہیں سکتی۔ ہماری کانسٹی ٹیوشن تو پہلے سے ہی قرآن کریم میں موجود ہے اور اس کی توضیح اور تشریح کے لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی احادیث موجود ہیں لیکن اس پر غیر مسلموں کو تسلّی نہیں تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ قرآن کریم میں کانسٹی ٹیوشن کے لئے پُورا مسالہ موجود نہیں۔ دوسرے ہر قاضی اور ہر افسر قرآن کریم سے صحیح بات نہیں نکال سکتا۔ اس لئے ضروری تھا کہ پورے طور پر غور کر کے قانون کو ایک معیّن شکل دے دی جاتی تاکہ جو لوگ قرآن کریم پر غور نہیں کر سکتے وہ اس سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ پھر دوسرے ممالک کے مقابل پر بھی پاکستان کا آئین تیار ہونا نہایت ضروری تھا سو خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ قریباً نو سال میں ہمارا دستور تیار ہو گیا۔ اگر دستور کے بننے میں مزید دیر ہوتی تو بہت سی خرابیاں پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ مُلک میں عام طور پر مایوسی پیدا ہو گئی تھی۔ اور لوگ سمجھتے تھے کہ ہمارے لیڈر اس اہم مسئلے پر بھی سَر جوڑ کر بیٹھنے اور غور و فکر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے سو آج جب کہ دستور بن کر قوم کے سامنے آگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیڈروں کو پبلک کے عائد کردہ الزامات سے بچا لیا ہے۔ باقی لوگ اس آئین پر اعتراضات کرتے ہیں اور کہتے ہیں اس میں فلاں غلطی ہے فلاں نقص ہے۔ انہیں بھی یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ دستور بہرحال انسانوں کا بنایا ہؤا ہے اور انسانوں کے بنائے ہوئے دستور میں غلطیوں کا احتمال ہو سکتا ہے۔ اس لئے دستور میں کوئی غلطیاں رہ بھی گئی ہوں تو ان کی بعد میں اصلاح ہوتی رہے گی۔ ہمیں ان چند غلطیوں کی وجہ سے سارے دستور پر اعتراض نہیں کرنا چاہیئے۔ قرآن کریم ہمارے سامنے ہے

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی احادیث ہمارے پاس موجود ہیں۔ اگر کسی معاملہ میں ہمیں محسوس ہو کہ ہم نے اس بارہ میں صحیح قدم نہیں اٹھایا تو اسے ہر وقت بدلا جاسکتا ہے۔ حضرت علیؓ کو دیکھ لو۔ آپ فرماتے تھے کہ جب مسح کے احکام نازل ہوئے تو مَیں تردّد میں پڑ گیا۔ مَیں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے پاؤں کے اوپر مسح کرنے کا حکم دیا ہے حالانکہ مٹی تو پاؤں کے نچلے حصّے کو لگتی ہے۔ لیکن پھر مَیں نے سمجھا کہ جب خدا تعالیٰ نے اوپر مسح کرنے کا حُکم دیا ہے تو یہی درست ہے۔ میرا خیال درست نہیں۔

پس خدا تعالیٰ کے مقابلے میں انسانی عقل کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ بڑے بڑے برگزیدہ لوگوں کی عقلیں بھی اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے۔ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم دی ہے کہ ہر وقت یہی دُعا کرو کہ اے اللہ میرے علم کو بڑھا گویا ایک ایسا شخص جو علم کی انتہا کو پہنچا ہُوا تھا۔ جسے فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى کا مقام حاصل تھا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم نے اسے وہ علم دیا ہے جو کسی اور کو نہیں دیا۔ اسے بھی رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا کی دُعا سکھائی گئی۔ پس خدا خدا ہی ہے اور بندہ بندہ ہی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم باوجود اس کے کہ افضل الرسل اور خاتم النبیّین تھے پھر بھی علم حاصل کرنے کے محتاج نہ ہوتے تو خدا تعالیٰ آپؐ پر قرآن کریم کیوں نازل کرتا۔ یہی فرما دیتا کہ تم خود ہی غور کرکے انسانوں کے لئے ایک لائحہ عمل بنادو۔ لیکن خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا بلکہ خود قرآن کریم نازل کیا اور بسم اللہ کی ب سے لے کر والناس کی س تک ایک مفصّل کتاب نازل کردی۔ پس جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جیسا انسان بھی یہ دُعا کرتا رہتا تھا کہ الٰہی میرا علم بڑھا تو پاکستان کی کانسٹی ٹیوشن پر یہ شور مچانا کہ چونکہ اس میں بعض غلطیاں رہ گئی ہیں اس لئے یہ قابلِ قبول نہیں۔ کونسی معقول بات ہے۔ یہ کانسٹی ٹیوشن خدا تعالیٰ کی تیار کردہ نہیں بلکہ انسانوں کی بنائی ہوئی ہے اور انسانوں کے کاموں میں بہرحال غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ اس لئے اس پر جھگڑنا اور شور مچانا بے معنیٰ بات ہے۔

مَیں اس موقع پر ایک بات اپنی جماعت سے بھی کہنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ التّین میں فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو اعلیٰ درجہ کی قوتیں دے کر دُنیا میں بھیجا ہے لیکن بعض دفعہ اس میں

ایسا بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ جہنّم کے سب سے نچلے حصّہ میں گر جاتا ہے۔ یہی حال قوموں کا ہوتا ہے۔ بعض اوقات جب قوموں پر غلامی کا دَور ہوتا ہے تو وہ کہتی ہیں کہ کاش ہمیں آزادی حاصل ہوتی تو ہم ملک کی خاطر کوئی اہم کام کرتیں۔ لیکن جب انہیں آزادی ملتی ہے اور انہیں طاقت اور دولت میسّر آجاتی ہے تو اُن کے اخلاق خراب ہوجاتے ہیں وہ اپنوں اور ہمسایہ قوموں کا جانی اور مالی نقصان کرنے لگ جاتی ہیں۔ اور قتل و غارت کو اپنا شیوہ بنا لیتی ہیں۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ ایک دوسری جگہ فرماتا ہے کہ بعض لوگوں کو جب مُلک میں کوئی اقتدار حاصل ہوتا ہے تو وہ مظالم پر اُتر آتے ہیں اور اقتصادی اور نسلی طور پر دوسروں کو کچلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پس جہاں اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزادی دی ہے وہاں ہمارے لئے یہ خطرہ بھی ہے کہ ہم کہیں اس آزادی کا غلط استعمال نہ کرنے لگ جائیں اور بنی نوع انسان کو چاہے وہ ہمارے مُلک کے ہوں یا دوسرے ممالک کے کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں بھی صحابہؓ سے بعض غلطیاں ہوئیں۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو جب بھی ان کا علم ہُوا۔ آپؐ نے فوراً ان کا تدارک کر دیا مثلاً ایک دفعہ آپؐ نے کچھ صحابہؓ کو باہر خبر رسانی کے لئے بھجوایا۔ دشمن کے کچھ آدمی اِن کو حرم کی حد میں مل گئے صحابہؓ نے اس خیال سے کہ اگر ہم نے ان کو زندہ چھوڑ دیا تو یہ جاکر مکہ والوں کو خبر دیں گے اور ہم مارے جائیں گے اِن پر حملہ کر دیا اور اِن میں سے ایک شخص لڑائی میں مارا گیا۔ جب یہ خبریں دریافت کرنے والا قافلہ مدینہ واپس آیا تو پیچھے پیچھے مکّہ والوں کی طرف سے بھی ایک وفد شکایت لے کر آگیا کہ انہوں نے حرم کے اندر ایک آدمی مار دیا ہے۔ جو لوگ حرم کے اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر ظلم کرتے رہتے تھے۔ ان کو جواب تو یہ ملنا چاہیئے کہ تم نے کب حرم کا احترام کیا ہے کہ تم ہم سے حرم کے احترام کا مطالبہ کرتے ہو۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ جواب نہ دیا بلکہ فرمایا کہ ہاں بے انصافی ہوئی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اس خیال سے کہ حرم میں وہ محفوظ ہیں انہوں نے اپنے بچاؤ کی پوری کوشش نہ کی ہو۔ اس لئے آپ لوگوں کو خون بہا دیا جائے گا۔ چنانچہ آپ نے قتل کا وہ فدیہ جس کا عربوں میں رواج تھا۔ ان کے ورثاء کو ادا کیا۔ اس طرح ایک دفعہ میدانِ جنگ میں آپؐ نے ایک عورت کی لاش دیکھی تو آپ کا چہرہ سُرخ ہوگیا اور آپؐ نے

فرمایا یہ بہت بُری بات ہے۔ ایک صحابی کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اس وقت ایسی ناراضگی کی حالت میں تھے کہ مَیں نے کبھی آپؐ کو ایسی حالت میں نہ دیکھا۔ اس طرح ایک اور واقعہ ہُوا۔ لڑائی ہو رہی تھی کہ کفّار میں سے ایک شخص نے بلند آواز سے کہہ دیا کہ مَیں صابی بنتا ہوں اس زمانہ میں مسلمانوں کو عام طور پر صابی کہا جاتا تھا جیسے بعض لوگ ہمیں قادیانی کہتے ہیں۔ اَب اگر کوئی ناواقف شخص وفاتِ مسیح کا مسئلہ سمجھ کر احمدیت اختیار کرلے اور کہے کہ مَیں قادیانی ہوگیا ہوں تو ہم اسے یہ نہیں کہہ سکتے کہ تو ہماری جماعت میں سے نہیں۔ مگر ایک صحابی نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور اسے قتل کردیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ اس صحابی پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا جب اس نے توبہ کرلی تھی تو تم نے اسے کیوں قتل کیا۔ اس صحابیؓ نے عرض کیا یارسول اللہ وہ شخص ڈر کے مارے اسلام کا اظہار کر رہا تھا ورنہ حقیقتاً وہ مسلمان نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تُو نے اس کا سینہ پھاڑ کر دیکھ لیا تھا کہ وہ ڈر کے مارے اسلام کا اظہار کر رہا ہے۔ وہ صحابیؓ کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ناراضگی کا مجھ پر اس قدر اثر ہُوا کہ مَیں نے خواہش کی کہ کاش مَیں آج مسلمان ہوتا تا میرے پچھلے گناہ معاف ہوجاتے۔ پس قومیں بعض اوقات دولت اور طاقت کے نشے میں دوسروں پر ظلم بھی کرنے لگ جاتی ہیں۔ اس لئے بے شک تم خوشیاں مناؤ اور خوشیاں منانا تمہارا حق ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں۔ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ وطن سے محبت کرنا بھی ایمان میں داخل ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی مَیں نصیحت کروں گا کہ تم اپنے لئے اور دوسروں کے لئے استغفار بھی کرو۔ اور دُعا کرو کہ تم میں سے کسی سے کوئی ایسی غلطی سرزد نہ ہو کہ اس کی وجہ سے اسلام پر اعتراض عائد ہوجائے۔ لوگ مانیں یا نہ مانیں خدا تعالیٰ تمہیں ایک دن دُنیا پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ اس نے خود حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو الہاماً فرمایا ہے "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"۔ اور جب وہ وقت آئے گا کہ بادشاہ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے تو وہ کون سے احمق ہوں گے جو تم سے برکت حاصل نہیں کریں گے۔ کپڑے تو بے جان چیز ہیں اور تم جاندار ہو۔ جب وہ وقت آئے گا کہ بادشاہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے تو آپ کے صحابہؓ اور

تابعین اور پھر تبع تابعین سے بھی اُن کے درجات کے مطابق برکت حاصل کی جائے گی۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے کتنے فاصلے پر تھے۔ لیکن بغداد کے بادشاہ اُن سے برکت ڈھونڈتے تھے۔ بلکہ صرف انہیں سے برکت نہیں ڈھونڈتے تھے بلکہ ان کے شاگردوں سے بھی برکت ڈھونڈتے تھے۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کرتے رہو کہ طاقت مل جانے کے بعد کہیں ظُلم نہ کرنے لگ جاؤ۔ اور تمہاری امن پسندی عصمت بی بی از بے چادری والی نہ ہو۔ اگر تم طاقت ملنے پر ظالم بن جاؤ گے تو تمہاری آج کی نرمی بھی ضائع ہو جائے گی اور خدا تعالیٰ کہے گا کہ اپنے تو تمہارے ناخن ہی نہیں تھے اس لئے تم نے سر کھجلانا کیسے تھا۔ اَب مَیں نے تمہیں ناخن دیئے ہیں تو تم نے سر کھجلانا بھی شروع کر دیا ہے۔ پس تم خوشی منانے کے ساتھ ساتھ استغفار بھی کرتے رہو اور اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی دُعائیں کرو کہ وہ اس آزادی کو سب کے لئے مبارک کرے پھر جن لوگوں کے ہاتھ میں اس وقت ملک کی باگ ڈور ہے ان کے لئے بھی دُعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ انہیں سچی نیکی اور تقویٰ اور انکسار عطا کرے جو ایک مومن کا خاصہ ہے۔ صحابہ کرامؓ کو دیکھ لو باوجود اس کے کہ انہیں ہر قسم کی بڑائی حاصل تھی۔ اِن میں حد درجہ کا انکسار پایا جاتا تھا اور غرور سے وہ کوسوں دُور رہتے تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید ہی کو دیکھ لو۔ انہوں نے چند آدمیوں کے ساتھ رومی حکومت سے ٹکر لے لی تھی حالانکہ اس وقت کی رومی سلطنت اس وقت ہندوستانی حکومت سے بھی بہت زیادہ طاقت ور تھی اور خالدؓ کے ساتھی خواہ اس وقت کتنے بھی زیادہ ہوں۔ بہرحال پاکستان کی طاقت سے کم طاقت رکھتے تھے۔ لیکن انہوں نے رومی حکومت سے ٹکر لی اور پھر اس جنگ میں فتح حاصل کی۔ اسی خالدؓ کو بعض وجوہات کی بناء پر حضرت عمرؓ نے کمانڈر ان چیف کے عہدے سے برطرف کر دیا۔ ان کی برطرفی کا آرڈر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے ذریعہ بھیجا گیا تھا۔ حضرت ابوعبیدہ نے حضرت خالد کے ماتحت کام کیا تھا اور وہ جانتے تھے کہ اسلامی فتوحات میں ان کا بہت بڑا دخل ہے۔ انہیں خیال گذرا کہ شاید خالدؓ کو برطرفی کا حکم بُرا لگے۔ اس لئے انہوں نے فوری طور پر اس کا اعلان نہ کیا۔ لیکن بعض لوگوں کو اس کا پتہ لگ گیا اور انہوں نے خالدؓ کو بھی بتا دیا۔ یہ سُنکر خالدؓ حضرت ابوعبیدہ کے پاس آئے اور کہنے لگے مجھے معلوم ہوا ہے کہ میری برطرفی کے احکام آچکے ہیں

لیکن آپ نے مجھے نہیں بتایا جس دن آپ کے پاس میری برطرفی کے احکام آئے تھے آپ کو چاہئے تھا کہ اس دن مجھے اطلاع دے دیتے تاکہ مَیں فوری طور پر خلیفہ وقت کے احکام کی تعمیل کر دیتا۔ یہ میرا استعفیٰ ہے۔ اسے حضرت عمرؓ کے پاس بھجوا دیں اور فوج کا کام سنبھال لیں۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا کہ مَیں حضرت عمرؓ کو بھی لکھوں گا مگر آپ سے بھی کہتا ہوں کہ مَیں سپہ سالاری کا عہدہ اس وقت قبول کروں گا جب آپ وعدہ کریں کہ آپ حسبِ سابق میرے ساتھ مل کر کام کرتے رہیں گے۔ حضرت خالدؓ نے کہا کہ مَیں آپ کی ایک سپاہی سے بھی بڑھ کر اطاعت کروں گا۔ مَیں نے جو خدمت کی ہے وہ کسی مرتبہ اور عزّت کے لئے نہیں کی بلکہ میری ساری خدمت خدا تعالیٰ کی خاطر تھی۔ تو دیکھو خالدؓ کی بڑائی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ لیکن پھر بھی ان میں کس قدر انکسار پایا جاتا تھا۔ لیکن آج کل ایک وزیر کسی وجہ سے وزارت سے ہٹتا ہے تو وہ اپنی علیحدہ پارٹی بنا لیتا ہے پس تم دُعائیں کرو کہ آزادی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ ایسی رُوح پیدا کرے کہ جُوں جُوں مُلک وقوم کو طاقت اور قوّت ملتی جائے۔ تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اور خدا تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب قرآن کریم کو قائم کرنے کی کوشش کرتے چلے جاؤ ایسا نمونہ دکھاؤ کہ ہندو خود تمہارے پاس آئیں اور کہیں کہ ہم مسلمان بننا چاہتے ہیں اور یہ کوئی بعید بات نہیں۔ آخر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو کس تلوار نے جیتا تھا پھر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو کس تلوار نے جیتا تھا۔ یہ سب لوگ قرآن کریم کی تعلیم سے متأثر ہو کر ایمان لائے تھے۔ اسی طرح اب بھی قرآن کریم کی تعلیم ہندوؤں کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کر سکتی ہے۔

ایک مشہور عیسائی مصنف کارلائل نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اُس نے دُنیا کے مشہور آدمیوں کا ذکر کیا ہے۔ جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی شامل ہے۔ اس کتاب میں وہ ایک جگہ لکھتا ہے۔ عیسائی مصنّف اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جب دعویٰ کیا تو اس وقت آپ اکیلے تھے اور پھر آہستہ آہستہ لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ پس سوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے بغداد میں اسلام کے لئے تلوار چلائی۔ انہیں کس تلوار سے اسلام کی طرف کھینچا گیا۔ ان لوگوں کو صرف دلائل اور براہین سے ہی اسلام کی طرف مائل کیا گیا تھا۔ پھر جب بڑے بڑے لوگوں کو

دلائل اور براہین سے اسلام میں داخل کیا گیا تھا۔ تو کمزور اور ادنیٰ لوگوں کو دلائل اور براہین سے کیوں داخل نہیں کیا جا سکتا تھا۔

پس ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کی تعلیم کو ہم زیادہ سے زیادہ بہتر رنگ میں پھیلائیں اور اپنے اخلاق فاضلہ سے انہیں متأثر کریں۔ اگر پاکستان اس ذمہ داری کو احسن طریق پر ادا کرے تو انگلستان، امریکہ، جرمنی، فرانس، سپین، آسٹریا، سوئٹزرلینڈ، روس اور جاپان بلکہ ساری دنیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھ کر آپ کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو جائے گی اور وہ آپ کی غلامی میں فخر کرے گی.....“[1]

فصل ششم

افغانستان میں ایک مخلص احمدی کی شہادت

افغانستان کے مخلص احمدی ۱۹۰۱ء سے حق و صداقت کے لئے جانی قربانی پیش کرتے آ رہے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب[2] کو وسط ۱۹۰۱ء میں اور حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید[3] کو بتاریخ ۱۴ر جولائی ۱۹۰۳ء میں جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ خلافت ثانیہ کے عہد میں تیسری شہادت حضرت مولوی نعمت اللہ صاحب[4] کو ۱۹۲۴ء میں نصیب ہوئی۔ ۱۹۳۹ء میں ولیداد خانصاحب اور آپ کا ڈیڑھ ماہ کا ننھا بچہ شہید کیا گیا۔ آپ[5] کے بعد بھی بعض افغانستانی احمدی شہید کئے گئے۔ جن میں داؤد جان صاحب خاص طور پر

---

[1] روزنامہ الفضل

[2] تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۱۸۵ ۔ [3] تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۳۲۷ تا ۳۵۵ ۔

[4] تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۴۴۷ تا ۴۶۰ ۔ [5] تاریخ احمدیت جلد ۸ صفحہ ۵۵۸ ۔

قابلِ ذکر ہیں۔ آپ موضع جاجی ضلع پختیہ صوبہ کابل کے رہنے والے تھے اور علاقہ کے معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے خاندان میں اکیلے اور نہایت مخلص احمدی تھے۔ جو تھوڑا ہی عرصہ قبل ربوہ میں آکر حضرت مصلح موعودؓ کے ہاتھ پر بیعت سے مشرف ہوئے تھے۔ آپ دسمبر ۱۹۵۵ء کے جلسہ سالانہ ربوہ میں شامل ہوئے اور ربوہ میں مجاہدِ بورنیو ڈاکٹر بدرالدین صاحب مرحوم کی کوٹھی واقع دارالصدر شمالی ربوہ میں ایک ماہ تک قیام کیا۔

واپسی پر لوگوں کو جب اس بات کا علم ہوا کہ آپ ربوہ گئے تھے۔ انہیں پکڑ لیا گیا اور علاقہ کے حاکم نے مطالبہ کیا کہ اسے موت کی سزا دو۔ مگر حاکم علاقہ تو شریف انسان تھے۔ اُن کے دل میں رحم تھا انہوں نے کہا کہ میں اس کے قتل کی کوئی وجہ نہیں دیکھتا۔ ہمارے مُلک میں مذہبی آزادی ہے۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ حاکم اسے مارنے کے لئے تیار نہیں تو انہوں نے قید خانہ پر حملہ کر دیا۔ اس کے دروازے توڑ دیئے اور داؤد جان کو قید خانہ سے نکال باہر کیا اور دریافت کیا کہ وہ گذشتہ جلسہ سالانہ کے موقع پر ربوہ پاکستان گیا تھا۔ انہوں نے کہا ہاں مَیں گیا تھا۔ اس پر انہیں کھُلے میدان میں کھڑا کر کے گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔[1]

یہ دردناک واقعہ کس تاریخ کو پیش آیا۔ اس کے بارے میں کوئی قطعی رائے نہیں دی جاسکتی۔ البتہ بعض قرائن کی رُو سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ فروری ۱۹۵۶ء کے آخری ایّام تھے۔

مرحوم کی عمر بوقتِ شہادت قریباً تیس سال تھی۔ مرحوم نے اپنے پیچھے ایک بیوہ (محترمہ گل بی بی صاحبہ)۔ ایک بیٹی (امینہ خانم) اور تین بیٹے (غازی جان۔ ابراہیم جان۔ گل جان) یادگار چھوڑے۔ حادثۂ شہادت کے بعد پسماندگان کو بھی بہت سے آلام و مصائب میں سے گذرنا پڑا۔ جس کی تفصیل بہت درد انگیز ہے۔ یہ مظلوم خاندان بڑی مشکل سے ہجرت کر کے پاکستان پہنچا۔[2]

---

[1] الفضل ۱۳؍اپریل ۱۹۵۶ء صفحہ ۵ و الفضل ۱۴؍جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۲۔

[2] اس دردناک سانحہ کے چند ماہ بعد وسط ماہ جون ۱۹۵۶ء میں افغانستان میں ایک ہلاکت آفرین زلزلہ آیا جو اتنی شدید نوعیت کا تھا کہ دریاؤں نے اپنا رُخ بدل لیا کئی نالے ناپید ہو گئے۔ کابل اور نواحی علاقوں کے ہزاروں مکانات گر گئے۔ چھ سو افراد ہلاک ہوئے۔ مجروحین کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ الغرض یہ زلزلہ قیامتِ صغریٰ کا نمونہ تھا جو کوئٹہ کے ۱۹۳۵ء کے زلزلہ سے بھی شدید اور ہولناک تھا۔

حضرت مصلح موعودؓ نے شہید مرحوم کا جنازہ غائب ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو نماز جمعہ کے بعد پڑھایا اور مرحوم کا یوں ذکر کیا :۔

"یہ مخلص دوست جلسہ پر ربوہ آئے تھے۔ واپس گئے تو بعض لوگوں نے اُن کی شکایت حکام میں کر دی۔ انہوں نے بلا کر دریافت کیا کہ کیا تم ربوہ گئے تھے تو انہوں نے کہا ہاں میں ربوہ گیا تھا۔ اس پر انہیں قید کر دیا گیا۔ مگر ان کی قوم کی اس سے تسلّی نہ ہوئی۔ چنانچہ ایک بڑے زبردست ہجوم نے قید خانہ پر حملہ کر دیا اور اس کے دروازے اور کھڑکیاں توڑ دیں اور پھر انہیں نکال کر لے گئے اور کھلے میدان میں کھڑا کر کے شہید کر دیا۔ مرنا تو سب نے ہے لیکن اس قسم کی موت بہت دکھ اور تکلیف کا موجب ہوتی ہے اور مارنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق بناتی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا کہ تو اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آگئی ہے لیکن ظالم کی مدد کیسے کی جائے۔ آپ نے فرمایا ظالم کو ظلم سے روکو یہی اس کی مدد ہے۔ پس تم دعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کی حفاظت فرمائے اور جن لوگوں نے یہ غلطی کی ہے انہیں بھی ہدایت دے۔ تا بجائے اس کے کہ وہ احمدیوں کے خلاف تلوار اٹھائیں اُن کے دل احمدیت کے نور سے منوّر ہو جائیں اور انہیں نیکی کی راہوں پر چلنے کی توفیق نصیب ہو۔"[1]

اسلامی ممالک کی نسبت حضرت مصلح موعودؓ کے تأثرات

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ ہمیشہ ہی مسلمان ملکوں کی ترقی و بہبود کے لئے کوشاں رہتے تھے اور ان کی نیک شہرت کے خواہاں بھی تھے۔ داؤد جان کے بہیمانہ قتل کے واقعہ سے چونکہ بیرونی دنیا میں حکومت افغانستان کی بدنامی کا خدشہ تھا۔ اس لئے حضور نے ۹ مارچ ۱۹۵۶ء کو شہید مرحوم کی نماز جنازہ پڑھاتے ہوئے وضاحت فرمائی کہ ان کی شہادت میں افغانستان کا ہرگز کوئی دخل نہیں۔ ازاں بعد ۳۰ مارچ ۱۹۵۶ء کو ایک مفصّل خطبہ ارشاد

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۳ اپریل ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ تا ۵۔

فرمایا جس میں افغانستان سمیت تمام اسلامی ممالک کی نسبت اپنا یہ تجربہ بتایا کہ ان میں اسلام کے اثر کے ماتحت خدا ترسی کا زیادہ بہتر نمونہ پایا جاتا ہے. چنانچہ آپ نے پہلے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اس میں حکومت افغانستان پر کوئی حرف نہیں آتا۔ ازاں بعد فرمایا :۔

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جب صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کو شہید کیا گیا اور مُلک میں احمدیوں کے خلاف جوش پیدا ہو گیا تو کچھ احمدی وہاں سے بھاگ کر ہندوستان آگئے مجھے یاد ہے امان اللہ خاں سابق شاہ افغانستان تخت پر بیٹھا تو اس نے انگریزوں سے لڑائی کی اور اتفاق ایسا ہُوا کہ اس لڑائی میں پٹھانوں کا پلّہ بھاری رہا۔ عام طور پر سمجھا جاتا تھا کہ انگریزوں کے مقابلہ میں پٹھانوں کی طاقت کچھ بھی نہیں۔ لیکن مَیں نے اِن دنوں رؤیا میں دیکھا کہ اگر انگریزوں نے اس محاذِ جنگ پر اپنے چوٹی کے افسر نہ بھیجے تو انہیں شکست ہوگی۔ نادر شاہ جو موجودہ شاہ افغانستان کے والد تھے، وہ افغان فوج کے جرنیل تھے۔ انہیں خدا تعالےٰ نے توفیق دی اور انہوں نے کامیابی کے ساتھ انگریزوں کو پیچھے دھکیلنا شروع کر دیا. اتفاق کی بات ہے کہ اس لڑائی کے کچھ عرصہ بعد شملہ گیا تو وہاں گورنمنٹ آف انڈیا کے ہوم سیکرٹری نے مجھے چائے پر بُلایا۔ اس وقت کے چیف آف دی جنرل سٹاف بھی ان کے ساتھ تھے۔ باتوں باتوں میں مَیں نے انہیں اپنی رؤیا سُنائی۔ اس پر چیف آف دی جنرل سٹاف بے اختیار بول اُٹھے کہ آپ کی رؤیا بالکل درست ہے اور مَیں اس کا گواہ ہوں. مَیں اِن دنوں فوج کا کمانڈر تھا جو پٹھانوں سے لڑ رہی تھی۔ ایک دن پٹھان فوج ہمیں دھکیل کر اتنا پیچھے لے گئی کہ ہماری شکست میں کوئی شُبہ باقی نہ رہا تھا۔ اور ہمیں مرکز کی طرف سے یہ احکام موصول ہو گئے تھے کہ فوجیں واپس لے آؤ۔ چنانچہ ہم نے اپنا سامان ایک حد تک واپس بھجوا دیا تھا۔ لیکن اتفاق ایسا ہُوا کہ پٹھان فوج کو ہماری فوجی طاقت کے متعلق غلطی لگ گئی اور وہ آگے نہ بڑھی اگر وہ آگے بڑھ آتی تو افغان فوج ڈیرہ اسمٰعیل خان تک ہمیں دھکیل کر لے آتی۔ اور ہمارے ہاتھ سے پنجاب بھی نکل جاتا۔

اس لڑائی کے بعد افغانستان کا ایک وفد منصوری آیا۔ مَیں نے اپنا ایک وفد منصوری بھیجا تاکہ وہ افغان نمائندوں سے گفتگو کر سکے۔ انہوں نے کہا کہ آخر ہمارا کیا قصور ہے کہ آپ کے مُلک میں ہمارے آدمی مارے جاتے ہیں۔ نیک محمد خاں صاحب جو غزنی کے گورنر میر احمد خانصاحب کے

بیٹے ہیں۔ اس وفد کے ممبر تھے۔ جو ہم نے منصوری بھیجا۔ افغان وفد میں محمود طرزی صاحب بھی تھے جو امان اللہ خاں کے خُسر تھے۔ اور حکومت افغانستان کی طرف سے پیرس میں سفیر بھی رہ چکے تھے۔ اور ایک ہندو وزیر تھے۔ جو اس وقت حکومت افغانستان کے وزیر خزانہ تھے۔ ہندو وزیر نے نیک محمد خاں کو دیکھتے ہی کہا تم تو پٹھان ہو تم یہاں کیسے آئے ہو۔ انہوں نے کہا مَیں احمدی ہوں۔ آپ کے مُلک میں امن نہیں تھا اس لئے مَیں یہاں آگیا۔ وزیر نے کہا تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ انہوں نے کہا۔ مَیں غزنی کا رہنے والا ہوں اور وہاں کے گورنر میر احمد خاں صاحب کا بیٹا ہوں۔ ہندو وزیر روتے ہوئے نیک محمد خاں صاحب سے بغل گیر ہوگیا اور کہنے لگا تم میر احمد خان کے بیٹے ہو اور یہاں پھر رہے ہو۔ میر احمد خاں تو میرا بھائی تھا۔ تمہیں افغانستان میں کون کچھ کہہ سکتا ہے تم اپنے وطن میں واپس آجاؤ۔ مَیں تمہاری حفاظت کروں گا۔ محمود طرزی صاحب نے بھی کہا کہ اگر تم افغانستان آجاؤ تو تم پر کوئی سختی نہیں ہوگی۔ مَیں خود نگرانی کروں گا تم ایک درخواست بھیج دو تو مَیں تمہاری واپسی کا انتظام کروں گا۔ چنانچہ ہم نے مولوی نعمت اللہ خانصاحب کو جو پہلے سے افغانستان میں موجود تھے۔ محمود طرزی صاحب سے ملنے کے لئے کہا۔ اور انہوں نے حسبِ وعدہ احمدیوں کی بعض تکالیف کا ازالہ کر دیا۔ اس موقع پر ہمارے مبلغ نے اپنے آپ کو جس طرح گورنمنٹ کے سامنے ظاہر کر دیا تھا پبلک پر بھی ظاہر کر دیا۔ شروع میں تو امان اللہ خانصاحب نے دلیری دکھائی اور جہاں کہیں احمدیوں پر سختی ہوتی تھی۔ وہ خود فون کے ذریعے اسے روکتا اور کہتا کہ ہمارے مُلک میں ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔ لیکن بعد میں مولویوں سے ڈر گیا۔ اور مولوی نعمت اللہ خاں کو سنگسار کرنے کا حکم جاری کر دیا گیا۔ لیکن خدا تعالےٰ نے امان اللہ خان کو بغیر سزا کے نہ چھوڑا جب نادر شاہ نے برسرِ اقتدار آنا چاہا تو لازماً اس سے ہمیں ہمدردی تھی مگر نادر شاہ کو فوج نہیں ملتی تھی۔ اُس نے خیال کیا۔ اگر وزیری اُس کے ساتھ مل جائیں تو اسے فتح کی امید ہوسکتی ہے۔ چنانچہ وہ سرحد پر آیا اور اس نے وزیریوں کو ساتھ ملانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ وہاں ایک احمدی حکیم تھے۔ جن کا وزیریوں پر اثر تھا۔ انہوں نے نادر شاہ کے حق میں وزیریوں میں پروپیگنڈا کیا۔ چنانچہ آہستہ آہستہ وزیری اس کے ساتھ شامل ہونے لگے اور تھوڑے عرصہ میں ہی ایک بڑا لشکر تیار ہوگیا۔ ایک اور احمدی نوجوان بھی وہاں

تھے جو خوست کے رہنے والے تھے۔انہوں نے بھی اس کی مدد کی۔ چنانچہ نادر شاہ نے ان دونوں کو محبت کی نگاہ سے دیکھا اور وزیریوں کے اس لشکر کے ذریعے شاہی فوج کو شکست دی اور افغانستان کے تخت پر قابض ہو گیا۔ فتح کے بعد اس نے احمدیوں سے کہا کہ تم افغانستان واپس چلو مَیں تمہیں آزادی دُوں گا۔ لیکن جب کچھ مدّت تک انتظار کرنے کے باوجود احکام جاری نہ ہوئے تو احمدی دوست نادر شاہ سے ملے اور اسے اس کا وَعدہ یاد دلایا۔ نادر شاہ نے کہا مجھے اپنا وَعدہ خوب یاد ہے۔ لیکن اگر موجودہ مخالفت کے دَور میں مَیں نے احکام جاری کر دیئے تو مجھے خوف ہے کہ افغان کہیں مجھے ہی نہ مار ڈالیں۔ آپ کچھ دیر صبر کریں مناسب موقع ملنے پر مَیں احکام جاری کر دُوں گا۔ پھر چند ماہ اور گذر گئے۔ لیکن پھر بھی حکومت کی طرف سے کوئی احکام جاری نہ ہوئے۔ اس پر ہمارے احمدی دوست پھر نادر شاہ سے ملے۔ اور کہا کہ اب تو ہم تنگ آچکے ہیں آخر آپ کب احکام جاری فرمائیں گے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد نادر شاہ نے کہا کہ مجھے ایک ترکیب سوجھی ہے۔ مَیں تمہارے خلاف حکومت کے پرانے حکم کی تائید کر دیتا ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی مَیں یہ حکم بھی دے دیتا ہوں کہ اگر کسی نے دوسرے شخص پر کوئی ایسا الزام لگایا جس کی سزا موت ہوئی اور وہ تحقیقات کے بعد جھوٹا ثابت ہُوا تو الزام لگانے والے کو بھی موت کی سزا دی جائے گی۔ اس نے عام لوگوں پر قیاس کرتے ہوئے خیال کیا کہ جب کسی شخص کو یہ پتہ لگ جائے گا کہ اَب اسے موت کی سزا ملنے والی ہے تو وہ احمدی ہونے سے انکار کر دے گا اور دوسری طرف الزام لگانے والا ڈرے گا کہ اگر تحقیقات پر اس نے احمدی ہونے سے انکار کر دیا تو مجھے موت کی سزا ملے گی۔ چنانچہ واقعہ میں ایسا ہی ہُوا۔ اس اعلان کے نتیجہ میں لوگ ڈر گئے کہ اگر ہم کسی کو قادیانی کہیں گے اور وہ موقعہ پر قادیانی ہونے سے انکار کر دے تو ہمیں موت کی سزا ملے گی۔ اس کے نتیجہ میں احمدی بے دھڑک وہاں رہنے لگ گئے انہیں کوئی کچھ نہیں کہتا تھا۔ ظاہر شاہ کے وقت میں بھی ایسا ہُوا کہ اگر کسی والی نے احمدیوں کو پکڑ لیا اور اُن سے رشوت طلب کی تو بادشاہ نے نہ صرف انہیں آزاد کروا دیا بلکہ والی نے اگر کچھ روپیہ لے لیا تھا تو وہ بھی واپس دلوا دیا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ سب کچھ اسلام کے اثر کی وجہ سے ہے۔ چاہے اُن کے ملک میں کتنی غیر آئینی ہے مگر چونکہ وہ مسلمانوں کی نسل سے ہیں اس لئے ان میں کسی حد تک نیکی کا مادّہ موجود

ہے۔ اب بھی یہ خبر ملی ہے کہ تیرہ احمدی جو گرفتار کئے گئے تھے، حکومت نے انہیں رہا کر دیا ہے۔ یہ چیز بتاتی ہے کہ چاہے مسلمانوں میں کتنی خرابیاں ہوں۔ اسلامی تعلیم کا ان پر اس قدر اثر ضرور ہے کہ انہیں نیکی کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے ہم خوشی اور افسوس کے مواقع پر حکومتوں کو تاریں دیتے ہیں تو غیر احمدی اسلامی حکومتیں ہماری تعداد کم ہونے کی وجہ سے ہماری تاروں اور پیغامات کی پرواہ بھی نہیں کرتیں لیکن اسلامی حکومتیں ان کی قدر کرتی ہیں۔ مجھے یاد ہے ابن سعود کو ایک دفعہ کسی موقع پر تار دی گئی تو انہوں نے فوراً اپنے نام سے جماعت کا شکریہ ادا کیا۔ پھر ایک دفعہ اُردن کے شاہ عبداللہ کو میں نے خط لکھا تو انہوں نے اس کے جواب میں اپنے دستخطوں سے ایک مفصّل خط بھجوایا۔ شاہ ایران کو ایک دفعہ ہمدردی کی تار دی تو انہوں نے حسین اعلیٰ کے ذریعہ جو اس وقت وزیر دربار تھے شکریہ کی تار بھیجی۔

غرض میں نے دیکھا ہے کہ اسلامی حکومتوں میں بہت سے اسلامی اخلاق ابھی باقی ہیں مثلاً مصر میں ہماری جماعت کے امیر فوت ہوئے تو خود جنرل نجیب اور کرنل ناصر نے ہمدردی کی تاریں ان کے خاندان کو دیں بلکہ اِن میں سے ایک نے دو تاریں دیں۔ ایک تار ان کے اپنے خاندان کے رئیس ہونے کی وجہ سے اور ایک تار ان کے جماعت کے امیر ہونے کی حیثیت سے لیکن یہ باتیں ان علاقوں میں نہیں پائی جاتیں جو ہندو اثر کے نیچے ہیں مثلاً یہی دیکھ لو جب میں لاہور جاتا ہوں تو وہاں بڑی جماعت ہے اور اسمبلی کے ۲۵ - ۳۰ ممبر ایسے ہوتے ہیں جو ہمارے ووٹوں سے ممبر بنے ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ہندو اثر کے نیچے رہے ہیں اس لئے وہ ملنے سے گھبراتے ہیں۔ لیکن جب میں پشاور گیا تو اس وقت جو پارٹی بھی مجھے دی گئی اس میں صوبائی وزیر اعظم خان عبدالقیوم خانصاحب اور دو تین اور وزیر اور جوڈیشل کورٹ کے جج بھی شریک ہوئے۔ اس کے مقابلہ میں لاہور میں بعض چھوٹے چھوٹے رئیس بھی ہماری پارٹیوں میں آنے سے گھبراتے ہیں حالانکہ ان پر ہمارے احسانات بھی ہوتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہی ہے کہ لاہور کا علاقہ ہندو اثر کے نیچے رہا ہے اور پشاور اسلامی اثر کے نیچے ہے۔ اس لئے وہاں ابھی تک اسلام کا اثر پایا جاتا ہے۔ افغانستان میں جو تیرہ احمدیوں کو رہا کیا گیا ہے اس کو بھی اسلام کے اثر کا ہی نتیجہ سمجھتا ہوں۔ بلکہ داؤد جان صاحب کو بھی جو شہید کر دیئے گئے ہیں۔ علاقہ کے گورنر نے بچانے کی پوری کوشش

کی لیکن ہجوم نے حملہ کر کے انہیں باہر نکال لیا۔ اور گولی مار کر شہید کر دیا۔ وہاں ہر شخص کے پاس ہتھیار ہوتے ہیں اور جب لوگ جوش میں آ جاتے ہیں تو حاکم بھی ڈر جاتے ہیں۔ بہرحال میرا تجربہ یہی ہے کہ جن ممالک میں اسلامی اثر پایا جاتا ہے وہاں کے رہنے والوں میں زیادہ اچھے اخلاق پائے جاتے ہیں۔ ان میں زیادہ تواضع ہوتی ہے۔ اور ان میں زیادہ انکسار پایا جاتا ہے لیکن جن لوگوں پر اسلامی اثر نہیں یا وہ غیر قوموں کے ساتھ رہ رہ کر اپنی اسلامی روایات کو بھول گئے ہیں۔ ان میں اب اسلام والی باتیں نہیں پائی جاتیں بلکہ ان میں غرور زیادہ پایا جاتا ہے۔ ورنہ اسلام کی برکت سے اسلامی ممالک میں بھی اگرچہ ہماری جماعت کی مخالفت کی جاتی ہے مگر تعلقات کے بارہ میں ان کی حالت دوسروں کی نسبت بہت زیادہ اچھی ہے۔ ابھی پچھلے دنوں مجھے ایران کے ایک مذہبی لیڈر کا خط آیا جس میں اُس نے لکھا کہ آئیں ہم مل کر اسلام کی خدمت کریں۔ مَیں نے اسے یہی لکھا ہے کہ ہم تو اس کے لئے تیار ہیں مگر تم خود غور کر لو۔ کہیں بعد میں لوگوں کی مخالفت پر پیچھے نہ ہٹ جانا۔ ہمارے مُلک میں تو لوگوں کی یہ کیفیت ہے کہ جب مسلم لیگ قائم ہوئی تو اس کی مالی حالت اتنی کمزور تھی کہ انہیں اپنے جلسے منعقد کرنے کے لئے بھی روپیہ نہیں ملتا تھا اور ہمیشہ میں انہیں مدد دیا کرتا تھا لیکن اب یہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ ہمارا مُسلم لیگ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہا۔

مجھے لاہور میں ایک دفعہ لکھنؤ کے ایک وکیل ملے۔ انہوں نے کہا کہ مَیں قریباً نو سال مولانا محمد علی صاحب کا سیکرٹری رہا ہوں اور مجھے خوب یاد ہے کہ جب کبھی مسلم لیگ کا جلسہ ہوتا تھا آپ کو اس میں بلایا جاتا تھا۔ اور آپ سے مشورہ لیا جاتا تھا۔ مَیں نے کہا دوسرے مسلمان تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارا مُسلم لیگ سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ وہ کہنے لگے کہ کوئی شخص جو حالات سے واقف ہو ایسا نہیں کہہ سکتا۔ میں خود مسلم لیگ کے جلسوں میں شریک ہوتا رہا ہوں اور مجھے خوب یاد ہے کہ آپ کو ان جلسوں میں بُلایا جاتا تھا اور جب روپیہ کی وجہ سے جلسہ نہ ہو سکتا تھا تو آپ سے مالی امداد لی جاتی تھی۔ ہم لوگ جو ابھی تک زندہ موجود ہیں اس بات کے گواہ ہیں۔ مَیں نے کہا کمرہ میں بیٹھ کر آپ کے گواہی دینے سے کیا بنتا ہے۔ اگر آپ میں جرأت ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ آپ حق بات کہہ رہے ہیں تو اخباروں میں بھی اپنا بیان شائع کروائیں۔ پس حقیقت یہی ہے کہ

جن ممالک میں اسلامی اثر پایا جاتا ہے ان میں ہمیں اخلاق، تواضع اور انکسار نظر آتا ہے۔ اور انہیں خدا تعالیٰ سے بھی محبت ہوتی ہے اس طرح سکھوں میں مَیں نے دیکھا ہے کہ ان میں بھی خدا تعالیٰ کی محبت پائی جاتی ہے۔ مَیں نے عام طور پر دیکھا ہے کہ سکھ ملنے آتے تھے تو وہ ہاتھ جوڑ کر رونے لگ جاتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ دُعا کریں ہمیں خدا مل جائے۔ اسی طرح ہندوؤں میں بھی ایک طبقہ ایسا ہے جس میں خدا تعالیٰ سے ملنے کی تڑپ پائی جاتی ہے۔ بدقسمتی ہماری ہے کہ ہم نے ان میں تبلیغ بند کر دی ہے اور خدا تعالیٰ کی نعمت کو تالے لگا دیئے ہیں۔ اگر ہم انہیں تبلیغ کریں تو وہ ضرور اثر قبول کر لیں مجھے ایک دعوت کے موقع پر کراچی کے ایک انڈین ہائی کمشنر ملے انہوں نے باتوں باتوں میں بتایا کہ مجھے اسلام کی کتابیں پڑھنے کا بڑا شوق ہے اور آپ کا لٹریچر بھی مَیں نے پڑھا ہے۔ اس طرح تصوّف کی طرف مجھے رغبت ہے۔ اور فارسی اور عربی کی قابلیت جس قدر مَیں پیدا کر سکا ہوں اس کے مطابق تصوّف کی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔

غرض بڑے بڑے ہندوؤں میں بھی خدا تعالیٰ کا خوف پایا جاتا ہے مدراس کے مشہور کانگرسی لیڈر شری راجگوپال اچاریہ کے متعلق مَیں نے دیکھا ہے کہ ان میں بھی خدا تعالیٰ کا خوف پایا جاتا ہے اور ان کا دل چاہتا ہے کہ ہندوستان میں عدل و انصاف قائم رہے اور مسلمانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے لیکن ہم ان لوگوں تک اسلام کی تعلیم مناسب طریق سے نہیں پہنچاتے۔ بہرحال یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ حکومت افغانستان نے ہمارے تیرہ احمدیوں کو چھوڑ دیا جو دوست شہید کر دیئے گئے ہیں اُن کی شہادت میں بھی گورنمنٹ کو کوئی دخل نہیں لوگ انہیں زبردستی قید خانہ سے نکال کر لے گئے اور شہید کر دیا۔ بہرحال دوست دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس ملک میں احمدیوں کے لئے امن کی صورت پیدا کر دے اور جن لوگوں نے وحشیانہ نمونہ دکھایا ہے انہیں ہدایت دے آخر وہ بھی ہمارے بھائی ہیں۔ اور خدا تعالیٰ چاہے تو وہ انہیں ہدایت دے سکتا ہے"۔[2]

---

[2] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۴؍ جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۲ تا ۴۔

داؤد جان کی شہادت سے متعلق اخبار "ریاست" کا اداریہ

دہلی کے ہفت روزہ "ریاست" نے داؤد جان صاحب مرحوم کی شہادت سے متعلق حسب ذیل ادارتی نوٹ سپردِ اشاعت کیا:-

"افغانستان میں مذہبی آزادی —— احمدیوں کی سنگساری
قابلِ توجہ کنگ ظاہر شاہ۔

چند روز ہوئے افغانستان کے ملاؤں اور مذہبی دیوانوں نے کابل کے جیل خانہ پر حملہ کر کے ایک افغان داؤد جان کو جیل سے نکال کر اس کو ہلاک کر دیا۔ جس کے حالات یہ ہیں۔

داؤد جان احمدی خیالات کے تھے اور وہ پچھلے سال احمدیوں کے سالانہ جلسہ میں شامل ہونے کے لئے ربوہ (ضلع جھنگ پاکستان) گئے۔ اس جلسہ میں شامل ہونے کے بعد یہ جب واپس کابل پہنچے تو وہاں کے مذہبی ملّاؤں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ احمدیوں کے سالانہ جلسے میں شامل ہونے کے لئے ربوہ گئے تھے۔ داؤد جان ایک نیک اور مذہبی شخصیت تھے۔ جو جھوٹ بولنا گناہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں آپ ربوہ گئے تھے۔ اُن کے ربوہ جانے کے جرم میں ان ملاؤں نے افغان گورنمنٹ سے مطالبہ کیا کہ داؤد جان کو گرفتار کر کے ان کو سزا دی جائے۔ چنانچہ افغانستان کی گورنمنٹ کے حکم سے آپ گرفتار کئے گئے۔ اور ابھی آپ پر مقدمہ نہ چلایا گیا تھا کہ مذہبی ملّا بے صبر ہو گئے اور انہوں نے مذہبی غنڈوں کو ساتھ لیکر کابل جیل پر حملہ کیا۔ داؤد جان کو جیل سے نکالا اور جیل سے باہر لے جا کر ان کو ہلاک کر دیا۔ یہ واقعہ نہ صرف افغانستان میں مذہبی آزادی کے جنازہ کا ثبوت تھا۔ اس سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ افغان گورنمنٹ لا اینڈ آرڈر کے اعتبار سے کس طرح مفلوج ہے جہاں کہ لوگ قیدیوں کو جیل سے بھی جبراً لے جا سکتے ہیں۔ افغانستان کے اس واقعہ ہائلہ کے متعلق اب کابل کی تازہ اطلاع ہے کہ افغان گورنمنٹ نے ان تمام لوگوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا ہے جو جیل پر حملہ کر کے داؤد جان کو ہلاک کرنے کا باعث تھے۔

افغانستان میں مذہبی آزادی کا عدم وجود نیا واقعہ نہیں۔ جو کچھ آج کابل میں ہوا آج سے بہت برس پہلے کنگ امان اللہ کے زمانہ میں بھی ہو چکا ہے۔ جہاں احمدیوں کو اختلافِ مذہب کے

جرم میں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا گیا اور وہاں کے کئی احمدی جو افغانستان کے باشندے تھے۔ افغانستان سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ افغانوں اور انگریزوں کی جنگ (اس وقت کے کمانڈر انچیف افغانستان کے موجودہ بادشاہ ظاہر شاہ کے والد نادر خان تھے) کے بعد صلح کے سلسلے میں افغان لیڈروں کا ایک ڈیپوٹیشن ہندوستان آیا جس میں افغانستان کے وزیر اعظم محمود طرزی اور ایک ہندو وزیر بھی شامل تھے تو احمدیوں کا ایک وفد اس ڈیپوٹیشن سے ملا اور اس وفد کی قیادت افغانستان کے ایک احمدی نیک محمد خان کر رہے تھے جو غزنی کے گورنر میر احمد خان کے بیٹے تھے۔ یہ وفد جب افغان لیڈروں اور وزراء سے ملا تو ہندو وزیر نے نیک محمد خان سے پوچھا کہ تم تو افغانستان کے باشندے معلوم ہوتے ہو۔ تم احمدیوں کے وفد میں کیونکر شامل ہوئے۔ تو نیک محمد خان نے جواب دیا کہ آپ غزنی کے گورنر میر احمد خان کے بیٹے ہیں اور احمدی ہونے کے جرم میں ہجرت کر کے ہندوستان آ چکے ہیں۔ اس ہندو وزیر نے جب یہ سنا کہ یہ گورنر میر احمد خاں کے لڑکے ہیں تو آپ ضبط نہ کر سکے اور آپ روتے ہوئے نیک محمد خاں سے بغل گیر ہو گئے کیونکہ گورنر میر احمد خاں اس ہندو وزیر کے گہرے دوستوں میں سے تھے اور کہا کہ تم واپس افغانستان آ جاؤ۔ تمہیں افغانستان میں کوئی کچھ نہ کہہ سکے گا اور افغان گورنمنٹ تمہاری حفاظت کرے گی۔ چنانچہ اس ہندو وزیر اور افغانستان کے وزیر اعظم محمود طرزی (جو ایشیا کے ممالک میں ایک بہت بڑے سیاست دان اور کنگ امان اللہ کے خسر تھے) نے احمدیوں کو حفاظت کا یقین دلایا اور یہ واقعہ ہے کہ حفاظت کے اس یقین دلانے کے بعد افغانستان کی گورنمنٹ نے افغانستان کے احمدیوں کی حفاظت بھی کی۔ مگر اس کے بعد احمدیوں کے خلاف افغانستان کے ملاؤں نے جب یہ شور پیدا کیا تو کنگ امان اللہ نے بغاوت سے خوفزدہ ہو کر ایک احمدی مولوی نعمت اللہ کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور یہ پبلک میں سنگسار کئے گئے۔

سوال یہ ہے کہ حالات کے بدلنے کے بعد جب کہ یہ قرار دے لیا گیا ہے کہ دنیا میں ہر شخص کو مذہبی اور سیاسی خیالات رکھنے کا حق حاصل ہے۔ امریکہ جیسے سرمایہ پرست میں کمیونسٹ رہ سکتے ہیں۔ مصر میں عیسائیوں کو مسلمانوں جیسے حقوق حاصل ہیں۔ جاپان، چین اور برما جیسے بدھ مذہب رکھنے والے ممالک میں عیسائی اور مسلمان رہ سکتے ہیں۔ روس میں بھی مساجد اور

مذہبی معابد موجود ہیں اور ہندوستان میں ہر مذہب کے انسان کو پوری مذہبی آزادی حاصل ہے۔ تو کیا افغانستان میں احمدیوں کا مذہبی غنڈوں کے ہاتھوں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جانا انصاف پسند دُنیا کی نظروں میں قابلِ درگزر قرار دیا جا سکتا ہے جس پر افغانستان کے موجودہ بادشاہ کنگ ظاہر شاہ اور ان کی گورنمنٹ کو سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیئے۔ ہم چاہتے ہیں کہ کنگ ظاہر شاہ اور ان کی گورنمنٹ احمدیوں کی حفاظت کا ذمّہ لے تا کہ وہاں آئندہ کسی شخص کو بھی اس ننگِ انسانیت فعل کی جرأت نہ ہو اور وہاں ہر مذہب کے لوگ دوسرے ممالک کی طرح آزادی اور اطمینان کے ساتھ زندہ رہ سکیں۔"[1]

فصلِ ہفتم

نخلہ کے نام سے ایک نئی بستی کی بنیاد

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ تقسیمِ ہند سے قبل تبدیلیٔ آب و ہوا کے لئے اکثر پالم پور اور ڈلہوزی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ پہاڑی مقامات ایک تو زیادہ بلندی پر واقع نہیں ہیں۔ دوسرے ان کی آب و ہوا معتدل ہونے کے باعث حضور انور کے مزاج مبارک کے موافق تھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد اس مقصد کے لئے مَری میں خیبر لاج حاصل کی گئی مگر مَری موزوں جگہ ثابت نہ ہوئی۔ اس لئے حضور کی ہدایت پر جابہ ضلع سرگودہا (حال ضلع خوشاب) کے قریب اس سال کے شروع میں نخلہ کے نام سے ایک اضافی بستی کی بنیاد رکھی گئی۔ نخلہ کی زمین نواب مسعود احمد خاں صاحب کی ملکیت تھی۔ تعمیرات سے پہلے اس جگہ دو چھولداریاں نصب کی گئیں جو سرگودہا سے کرائے پر حاصل کی گئی تھیں۔ سب سے پہلے حضرت مصلح موعودؓ کی کوٹھی کی

---

[1] ہفتہ وار ریاست دہلی ۲۵ رجون ۱۹۵۶ء۔

بنیاد رکھی گئی جس کی ابتدا میں بعض مقامی لوگوں نے مخالفت کی۔ مگر خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ روک غیر احمدی شرفاء کی مداخلت سے بہت جلد دُور ہو گئی۔ یہ کوٹھی حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب چیئرمین صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی نگرانی میں ۱۹۵۶ء کے وسطِ آخر میں نہایت تیزی سے پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ کوٹھی کا نقشہ سیّد سردار حسین شاہ صاحب نے تیار کیا۔ اور اس کے حسابات کی خدمت مکرم ملک فضل عمر صاحب مولوی فاضل نے سرانجام دی۔

نخلہ میں حضورؓ کی کوٹھی کے علاوہ مندرجہ ذیل عمارات بھی تعمیر کی گئیں:۔

(۱) مسجد۔ (۲) دفتر پرائیویٹ سیکرٹری۔ (۳) بیرکس برائے پہریداران۔ (۴) کوارٹرز برائے صاحبزادگان حضرت مصلح موعودؓ۔ (۵) کوارٹرز برائے ناظر صاحبان و وکلاء حضرات تحریک جدید (۶) بیرکس برائے غیر ملکی طلباء۔ (۷) کوارٹر برائے ڈسپنسری و ڈسپنسر۔ (۸) کوارٹر برائے معلّم نخلہ۔ (۹) گیسٹ ہاؤس برائے جامعہ نصرت ربوہ۔[1]

نخلہ کے ماحول کو خوشگوار اور پُر فضا بنانے کے لئے ایک باغ بھی لگایا گیا جس میں ولایتی شریفہ، یوکلپٹس، مالٹا، آلوچہ، آڑو، امرود، انگور، انجیر اور فالسہ کے پودے لگائے گئے۔

نخلہ کی قیام گاہوں میں روشنی اور پنکھوں کے لئے جنریٹر نصب کیا گیا جو محمد اکرام اللہ صاحب ملتان چھاؤنی کے ذریعہ مہیا ہوا۔ وائرنگ کے لئے نصرت کمپنی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ جس کے نگران صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب اور مینیجر چوہدری غلام حسین صاحب تھے۔

نخلہ کے پرانے ریکارڈ کے مطابق سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ تعمیرات کا معائنہ کرنے کے لئے نخلہ میں پہلی بار ۲۵؍جون ۱۹۵۶ء (احسان ۱۳۳۵ ہش) کو رونق افروز ہوئے۔ اور ایک رات کے قیام کے بعد مری تشریف لے گئے۔ اس ابتدائی سفر کے بعد حضورؓ ہر سال جابہ میں تشریف لے جاتے رہے۔ آخری بار حضورؓ نے ۹؍جولائی ۱۹۶۲ء (وفا ۱۳۴۱ ہش) کو سفر نخلہ اختیار فرمایا اور قریباً اڑھائی ماہ تک قیام فرما رہنے کے بعد ۲۶؍ستمبر

---

[1] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ ۱۹۵۷-۵۸ء صفحہ ۱۲۱

نقشہ تعمیرات نخلہ ضلع سرگودہا (حال خوشاب)

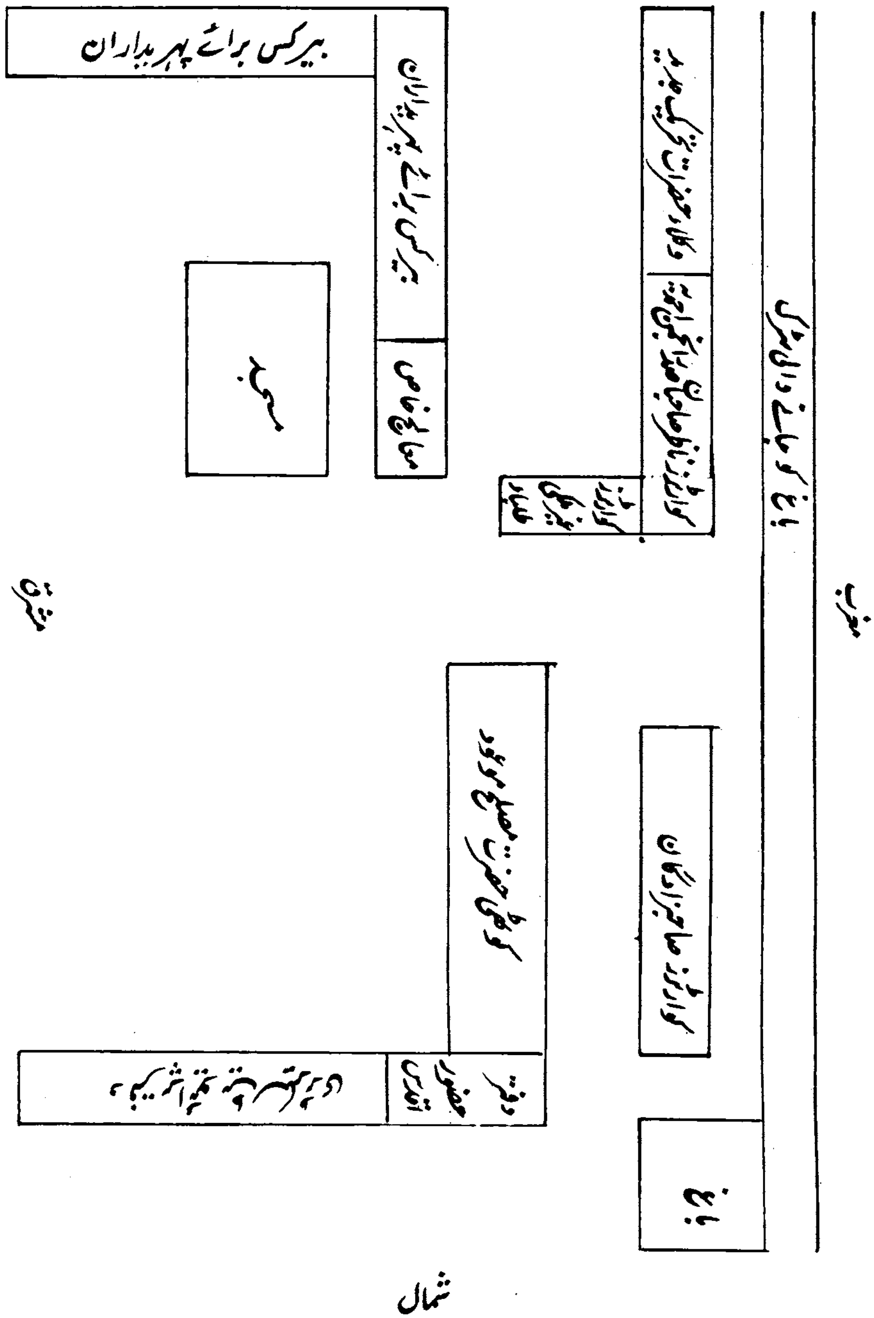

۱۹۶۲ء (تبوک ۱۳۴۱ہش) کو ربوہ تشریف لائے۔[1]

نخلہ میں سلسلہ احمدیہ کے بہت سے اہم دینی کام سرانجام پائے۔ حضورؓ نے یہاں متعدد ایمان افروز خطبات جمعہ ارشاد فرمائے۔ تفسیر صغیر جیسی عظیم الشان تفسیر یہیں پایۂ تکمیل تک پہنچی (جس کا ذکر آگے آ رہا ہے)۔ بہت سے خوش قسمت افراد اور جماعتوں کو اپنے پیارے امام سے شرف باریابی کے قیمتی مواقع میسّر آئے۔

حضرت مصلح موعودؓ کے وصال (۸ نومبر ۱۹۶۵ء) کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رضی اللہ عنہ بھی اپنے مبارک عہدِ خلافت کے اوائل میں نخلہ تشریف لے گئے۔[2]

افسوس مئی/جون ۱۹۷۴ء کے ملکی ہنگاموں کے دوران نخلہ کی بستی نہایت بے دردی سے تاخت و تاراج کر دی گئی۔

اخبار المنیر لائل پور[3] کا اعتراف حق

سال ۱۹۵۶ء (۱۳۳۵ہش) کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اندرونی اور بیرونی مخالفتوں کے باوجود سلسلہ احمدیہ کے مخالف پریس نے نہ صرف جماعتِ احمدیہ کی خارق عادت ترقی کا واضح لفظوں میں

---

[1] صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی مطبوعہ رپورٹوں کے مطابق سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کے قیام نخلہ کی تفصیلی تاریخیں درج ذیل ہیں:۔

(۱۹۵۶ء/۱۳۳۵ہش) از ۳ ستمبر تا ۵ ستمبر، از ۷ نومبر تا ۹ نومبر، از ۲ دسمبر تا ۵ دسمبر

(۱۹۵۷ء/۱۳۳۶ہش) از ۲۲ جنوری تا ۲۵ جنوری، از ۲۶ مارچ تا ۲۹ مارچ، از ۸ مئی تا ۱۶ ستمبر۔ (۱۱ جولائی سے ۲۷ جولائی تک مری میں قیام رہا)۔ از ۲۳ ستمبر تا ۱۰ اکتوبر، ۱۴ اکتوبر تا ۲۴ اکتوبر۔

(۱۹۵۸ء/۱۳۳۷ہش) از ۲۲ اپریل تا ۳۰ اپریل۔

(۱۹۵۹ء/۱۳۳۸ہش) از ۷ مئی تا ۱۰ مئی، ۷ جون تا ۳ اگست۔

(۱۹۶۰ء/۱۳۳۹ہش) از ۱۹ جون تا ۲۸ جون۔ (۱۹۶۱ء/۱۳۴۰ہش) از ۱۲ جون تا ۱۵ جون۔ ۲۱ جون تا ۲ اکتوبر

(۱۹۶۲ء/۱۳۴۱ہش) از ۹ جولائی تا ۲۶ ستمبر۔

[2] سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ۶۶-۱۹۶۵ء صفحہ ۴۔ [3] حال فیصل آباد۔

اقرار و اعتراف کیا بلکہ اس کے خلاف اُٹھنے والی بعض مخالف تحریکات کے مذہبی اور سیاسی خدوخال بھی پوری طرح بے نقاب کر ڈالے جو صداقتِ احمدیت کا منہ بولتا نشان تھا۔ اس سلسلہ میں اخبار المنبر (لائل پور) کے چند ادارتی نوٹ درج کئے جاتے ہیں :۔

(۱)۔ "ہمارے بعض واجب الاحترام بزرگوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں سے قادیانیت کا مقابلہ کیا۔ لیکن یہ حقیقت سب کے سامنے ہے کہ قادیانی جماعت پہلے سے زیادہ مستحکم اور وسیع ہوتی گئی۔

مرزا صاحب کے بالمقابل جن لوگوں نے کام کیا ان میں سے اکثر تقویٰ، تعلق باللہ، دیانت خلوص، علم اور اثر کے اعتبار سے پہاڑوں جیسی شخصیتیں رکھتے تھے۔ سید نذیر حسین صاحب دہلوی۔ مولانا انور شاہ صاحب دیوبندی، مولانا قاضی سید سلیمان منصور پوری۔ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی۔ مولانا عبدالجبار غزنوی۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اور دوسرے اکابر رحمہم اللہ وغفر لہم کے بارے میں ہمارا حسن ظن یہی ہے کہ یہ بزرگ قادیانیت کی مخالفت میں مخلص تھے اور ان کا اثر و رسوخ اتنا زیادہ تھا کہ مسلمانوں میں بہت کم ایسے اشخاص ہوئے ہیں جو ان کے ہم پایہ ہوں۔

اگرچہ یہ الفاظ سننے اور پڑھنے والوں کے لئے تکلیف دہ ہوں گے اور قادیانی اخبارات و رسائل بھی چند دن اپنی تائید میں پیش کر کے خوش ہوتے رہیں گے لیکن ہم اس کے باوجود اس تلخ نوائی پر مجبور ہیں کہ ان اکابر (نوّر اللہ مرقدھم وبرّد مضاجعھم) کی تمام کاوشوں کے باوجود قادیانی جماعت میں اضافہ ہوا ہے متحدہ ہندوستان میں قادیانی بڑھتے رہے تقسیم کے بعد اس گروہ نے پاکستان میں نہ صرف پاؤں جمائے۔ بلکہ جہاں ان کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ وہاں ان کے کام کا یہ حال ہے کہ ایک طرف تو روس اور امریکہ سے سرکاری سطح پر آنے والے سائنسدان ربوہ آتے ہیں۔ (گذشتہ ہفتہ روس اور امریکہ کے دو سائنس دان ربوہ وارد ہوئے) اور دوسری جانب ۱۹۵۳ء کے عظیم تر ہنگامہ کے باوجود

●۔ قادیانی جماعت اس کوشش میں ہے کہ اس کا ۵۷-۱۹۵۶ء کا بجٹ پچیس لاکھ (۲۵,۰۰,۰۰۰) کا ہو۔

۔ ربوہ کے کالج، ہائی سکول اور پرائمری مدارس میں سینکڑوں مسلمانوں کے بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ جن کا مستقبل اعتقادی اعتبار سے خطرناک ترین ہے۔

•۔ قادیانی شعبہ خدمتِ خلق (خدام الاحمدیہ) کی بوگس رپورٹوں اور سطحی قسم کے پروپیگنڈا کی حقیقت سے باخبر ہونے کے باوجود ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ سینکڑوں مسلمانوں نے ان کے کام سے اثر قبول کیا۔

•۔ حکومت میں ان کا اثر علیٰ حالہ قائم اور موجود ہے۔

•۔ ملازمتوں میں ان کی ترقی حسبِ سابق ہے۔

•۔ تجارت میں اگرچہ ان کی وہ ہمہ گیر اسکیم جو ۱۹۵۱-۵۲ء میں مرزا محمود احمد صاحب کے حسبِ ایما پنجاب کی منڈیوں پر چھا جانے کی غرض سے بنائی گئی تھی، ناکام رہی ہے۔ لیکن یہ اَمرِ واقعہ ہے ان کا تجارتی رسُوخ ترقی پذیر اور مالی حالت مستحکم ہے۔

•۔ ربوہ بسُرعت ایسا شہر بن رہا ہے جو تعلیم، تجارت، کارخانوں اور دوسرے مادّی وسائل کے اعتبار سے پاکستان کا متوسط شہر ہوگا اور امتیاز یہ کہ دُنیا میں واحد ایسا شہر ہوگا جس میں کوئی شخص مرزا غلام احمد صاحب کا منکر نہیں ہوگا۔

•۔ ۱۹۵۳ء کے وسیع ترین فسادات کے بعد جن لوگوں کو یہ وہم لاحق ہوگیا ہے کہ قادیانیت ختم ہو گئی یا اس کی ترقی رُک گئی۔ انہیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ پاکستان میں پہلی مرتبہ بلدیاتی اداروں میں بلکہ (بعض اطلاعات کی بناء پر) مغربی پاکستان اسمبلی میں قادیانی ممبر منتخب کئے گئے ہیں۔

•۔ پاکستان سے باہر دُنیا کے کم و بیش تیس ممالک میں سے اکثر ایسے ملک ہیں جن کے قادیانی عقیدہ رکھنے والوں نے "صدر انجمن احمدیہ ربوہ" اور "صدر انجمن احمدیہ قادیان" کے نام لاکھوں کی جائیدادیں وقف کر رکھی ہیں[۱]"

(۲)۔ "قادیانی باطل ان تمام مخالفتوں کے علی الرغم کیوں قائم و موجود ہے اور خواہ چیونٹی کی رفتار سے چلے کیوں وسیع ہوتا جا رہا ہے؟ — اس سوال کا جواب ہمارے نزدیک یہ

---

[۱] ہفت روزہ "المنبر" لائل پور ۱۳ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۰۔

ہے کہ اس کائنات میں سنّت اللہ (الٰہی قانون نافذ) یہ ہے کہ فاطرِ کائنات نے چند ایسے ضوابط قائم کر رکھے ہیں کہ جو گروہ (خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر) انہیں اپنا لے وہ قائم بھی رہے گا اور مادّی و ظاہری اعتبار سے ارتقاء و عروج بھی حاصل کرتا رہے گا۔

(۱) پہلا ضابطۂ قیام و ارتقاء یہ ہے کہ ﴿اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ﴾۔
ہر وہ چیز جو انسانیت کے لئے نفع رساں ہو اسے زمین پر قیام و بقا عطا ہوتا ہے۔

رحیم و رحمان کی رحمت کا جوش اور دوام متقاضی ہے کہ انسانیت بڑھے، پھولے اور ترقی پائے۔ اسی مقصد کے لئے کائنات میں "نفع رسانی" کا عنصر سب پر غالب رکھا گیا ہے۔ اور جس چیز میں یہ جوہر جب تک موجود رہتا ہے اس کی حفاظت عناصر فطرت کے ذمّہ بطور فرض عائد ہے۔ درخت کے پتّے خواہ کانٹے دار درختوں کے ہوں یا پھلدار اشجار کے، جب تک زہریلے گیسوں کو جذب کرتے اور صحت آور ہَوا باہر پھینکتے رہتے ہیں۔ درخت کی جڑ انہیں غذا بہم پہنچاتی رہتی ہے۔ لیکن جونہی ان کی افادیت ختم ہو جاتی ہے ٹہنیاں انہیں اپنے جسم سے کاٹ دیتی ہیں اور وہ ایندھن کی شکل میں بھاڑوں اور چولہوں میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔

قادیانیت میں نفع رسانی کے جو جوہر موجود ہیں ان میں اوّلین اہمیت اس جدوجہد کو حاصل ہے جو اسلام کے نام پر وہ غیر مُسلم ممالک میں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ قرآن مجید کو غیر ملکی زبانوں میں پیش کرتے ہیں۔ تثلیث کو باطل ثابت کرتے ہیں۔ سیّد المرسلینؐ کی سیرتِ طیّبہ کو پیش کرتے ہیں۔ ان ممالک میں مساجد بنواتے ہیں۔ اور جہاں کہیں ممکن ہو اسلام کو امن و سلامتی کے مذہب کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔

کہا جا سکتا ہے اور ہم خود اسے زیادہ شدّت کے ساتھ کہتے ہیں کہ قادیانی حضرات دین کی تحریف کرتے ہیں۔ وہ اس سیرتِ رسولؐ کے تصوّر سے ہی محروم ہیں۔ جو انبیاء علیہم السّلام نے پیش کی تھی۔ یہ بھی بجا ہے کہ وہ اس دودھ میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی مسیحیت کے زہر کو ملا کر پیش کرتے ہیں۔ لیکن با ایں ہمہ یہ امر قابلِ اعتراف ہے کہ "فَیُبَلِّغُ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ" کا فرض جو امّتِ محمدیّہ پر عائد کیا گیا تھا۔ اُمّت کی کوتاہی کے باعث معطّل یا کم از کم نیم معطّل تھا۔ اس باطل گروہ کے ذریعہ اسلام اور صاحبِ اسلام کا رسمی تعارف اور بعض حصّوں میں تفصیلی

تعارف ان کے ذریعہ کرایا جا رہا ہے۔ اور جب تک کوئی صحیح العقیدہ گروہ آگے بڑھ کر کرّہ ارض کے تمام باشندوں میں اسلام کی دعوت کا بیڑہ نہیں اُٹھا لیتا۔ عین ممکن ہے کہ صرف اسی کام کے لئے اس جماعت کو نعمتِ زندگی عطا کی جائے۔

غیر مُسلم ممالک میں قرآنی تراجم اور اسلامی تبلیغ کا صرف اسی اصول "نفع رسانی" کی وجہ سے قادیانیت کے بقا اور وجود کا باعث ہی نہیں ہے۔ ظاہری حیثیت سے بھی اس کی وجہ سے قادیانیوں کی ساکھ قائم ہے ایک عبرت انگیز واقعہ خود ہمارے سامنے وقوع پذیر ہُوا۔ ۱۹۵۴ء میں جب جسٹس منیر انکوائری کورٹ میں علم اور اسلامی مسائل سے دل بہلا رہے تھے اور تمام مسلم جماعتیں قادیانیوں کو غیر مسلم ثابت کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھیں۔ قادیانی عین انہی دنوں ڈچ اور بعض دوسری غیر مُلکی زبانوں میں ترجمہ قرآن مکمّل کر چکے تھے۔ اور انہوں نے انڈونیشیا کے صدرِ حکومت کے علاوہ گورنر جنرل پاکستان مسٹر غلام محمد اور جسٹس منیر کی خدمت میں یہ تراجم پیش کئے گویا وہ زبان حال و قال یہ کہہ رہے تھے کہ ہم ہیں وہ غیر مُسلم اور خارج از ملّتِ اسلامیہ جماعت جو اس وقت جب کہ ہمیں آپ لوگ "کافر" قرار دینے کے لئے پَر تول رہے ہیں۔ ہم غیر مسلموں کے سامنے قرآن اُن کی مادری زبان میں پیش کر رہے ہیں۔

غور فرمائیے ان لوگوں کا تأثر کیا ہوگا؟ اور قادیانیوں کا یہ کام ان کی زندگی اور ترقی میں کس حد تک ممد و معاون ہے؟

مقصد کی لگن اور ایثار، یہ جوہر بھی جس گروہ یا فرد میں پایا جائے گا وہ بڑھے پھُولے گا۔ اور اس میں قدرت کفر و اسلام کے امتیاز کے بغیر ایثار کرنے والے کو نتائج سے بہرہ ور کرتی ہے۔ قادیانیوں نے گذشتہ پچاس سال میں اندرون اور بیرون مُلک اپنی اسلامی زندگی کو قائم رکھنے اور قادیانی تحریک کو عام کرنے کے سلسلے میں جدوجہد کی ہے۔ اس کا یہ پہلو نمایاں ہے کہ انہوں نے اس کے لئے ایثار و قربانی سے کام لیا ہے۔ مُلک میں ہزاروں اشخاص ایسے ہیں جنہوں نے اس نئے مذہب کی خاطر اپنی برادریوں سے علیحدگی اختیار کی۔ دنیوی نقصانات برداشت کئے اور جان و مال کی قربانیاں پیش کیں۔

بلاشُبہ ہم ان لوگوں کو غیر مخلص سمجھتے ہیں۔ جو اپنے متعلق یہ جاننے کے باوجود کہ ان کی

زندگیاں کھلے فاحش سے آسودہ ہیں۔ اور اپنے آپ کو الہامِ الٰہی کا مورد قرار دیتے ہیں اور اس حقیقت سے کما حقّہٗ آگاہ ہونے کے باوصف کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور اس کے قانونِ جزا و سزا پر یقین نہیں رکھتے بایں ہمہ وہ محبتِ الٰہی اور احساسِ آخرت پر مواعظ اور خطبے دے کر اپنے مریدوں کو دامِ تزویر میں پھنسائے ہوئے ہیں۔ لیکن ہم کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں کہ قادیانی عوام میں ایک معقول تعداد ایسے لوگوں کی ہے۔ جو اخلاص کے ساتھ اس سراب کو حقیقت سمجھ کر اس کے لئے مال و جان اور دنیوی وسائل و علائق کی قربانی پیش کرتی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بعض افراد نے کابل میں سزائے موت کو لبّیک کہا۔ بیرونِ ملک دُور دراز علاقوں میں غربت و افلاس کی زندگی اختیار کی۔ اور عین اُس وقت کہ جب قادیانی خلافت سے متعلق حضرات بیش قیمت مقوّی ادویات کو آب و دانہ کی طرح استعمال کرتے اور بیک وقت چار چار بیویوں کے جلو میں اپنے عشرت کدوں میں مسّرت و عیش کے شب و روز گذارتے تھے۔ یہ مخلص لوگ نائیجیریا، جرمنی اور اسرائیل میں ایسے لوگوں کے ماتحت افلاس کے باوجود کام کر رہے تھے جو بین الاقوامی سازشوں کے کرتا دھرتا تھے۔ بہرنوع قادیانی باطل کے قیام و ثبات میں "مقصد کی لگن اور اس کے ایثار" کا جزو حق ایک ایسا جوہر ہے جس نے اس گروہ کو معتدبہ فائدہ پہنچایا ہے۔

تیسرا پایہ جس پر قادیانی قصر قائم ہے۔ وہ تنظیم ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابتداءً انگریز کا مفاد قادیانی جماعت کے معرضِ وجود میں لانے کا محرّک تھا۔ لیکن یہ حقیقت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ حکیم نورالدین صاحب اور ان کے بعد مرزا محمود احمد صاحب کی انتظامی صلاحیتوں نے قادیانی جماعت کو بہت بڑی اولاد بہم پہنچائی ہے۔ قادیانی خلیفہ ایک چالاک قسم کے سیاسی راہ نما ہیں۔ جو خود تو آمریّتِ مطلقہ کے مدعی ہیں۔ اور اُن کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ ان کا تقرر بھی خدا کی جانب سے ہُوا ہے۔ اور معزول بھی انہیں خدا ہی کر سکتا ہے۔ لیکن انہوں نے اس کے باوجود اپنی جماعت کو جس طریق پر منظم کیا ہے چاہے وہ مستقبل میں ایک خطرناک غبارہ ہی ثابت کیوں نہ ہو۔ ہم اس کی وضاحت آئندہ کے مباحث میں کریں گے مگر اس وقت تک اس نظم کے تین پہلو ہم اپنے ناظرین کے سامنے پیش کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔

تقسیمِ ملک کے وقت مشرقی پنجاب کی یہ واحد جماعت تھی جس کے سرکاری خزانہ میں اپنے

معتقدین کے لاکھوں روپے جمع تھے۔ اور جب یہاں مہاجرین کی اکثریت بے سہارا ہوکر آئی تو قادیانیوں کا یہ سرمایہ جُوں کا توں محفوظ پہنچ چکا تھا۔ اور اس سے ہزاروں قادیانی بغیر کسی کاوش کے ازسرنو بحال ہوگئے۔ پھر یہ موضوع بھی مستحق توجہ ہے کہ یہ وہ واحد جماعت ہے جس کے ۳۱۳ افراد تقسیم کے لمحہ سے آج تک قادیان میں موجود ہیں۔ اور وہاں اپنے مشن کے لئے کوشاں بھی ہیں اور منظم بھی۔

دوسرا پہلو تعمیر ربوہ کے سلسلہ میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ سابق (حکومت) کے ایک انگریز گورنر نے بہت سستے داموں ربوہ کی زمین قادیانیوں کو دیدی تھی لیکن کیا اس حقیقت کا انکار ممکن ہے کہ اس زمین سے لاکھوں روپیہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ نے کمایا اور اس سے شاندار بلڈنگیں اور جماعتی ضروریات کے لئے عمارات تعمیر کیں اور آج یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ

دُنیا میں ربوہ وہ واحد شہر ہے جس میں مرزا غلام احمد صاحب کو نبی اللہ تسلیم کرنے والوں کی اپنی حکومت ہے۔ ان کا اپنا نظامِ عدالت ہے۔ اس کا اپنا خلیفہ ہے جس کا ہر حکم واجب التعمیل ہے۔ اس کا اپنا سرکاری بینک ہے۔ جس میں قادیانیوں کا لاکھوں روپیہ تجارت، صنعت اور حرفت کے کاموں پر لگا ہُوا ہے۔ اس ربوہ میں:۔

• فوجی ٹریننگ • تبلیغی تربیت • سائنس و فلسفہ کی اعلیٰ تعلیم • صنعت و حرفت کی تعلیم کا اہتمام اسی طرح موجود ہے۔ جس طرح کا انتظام منظّم حکومتیں کیا کرتی ہیں۔

قادیانی تنظیم کا تیسرا پہلو وہ تبلیغی نظام ہے جس نے اس جماعت کو بین الاقوامی جماعت بنا دیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ:۔

• بھارت • کشمیر • انڈونیشیا • اسرائیل • جرمنی • ہالینڈ • سوئٹزرلینڈ • امریکہ • برطانیہ • دمشق • نائیجیریا • افریقی علاقے اور پاکستان کی تمام قادیانی جماعتیں مرزا محمود احمد صاحب کو اپنا امیر اور خلیفہ تسلیم کرتی ہیں اور ان کے بعض دوسرے ممالک کی جماعتوں اور افراد نے کروڑوں روپیوں کی جائیدادیں "صدر انجمن احمدیہ ربوہ" اور "صدر انجمن احمدیہ قادیان" کے نام وقف کر رکھی ہیں۔

تیسرا پہلو قابلِ توجہ یہ ہے کہ قادیانیوں کا منصوبہ آئندہ سال ۱۹۵۶-۵۷ء کے لئے یہ ہے۔

اس سال کا بجٹ پچاس لاکھ روپے کا ہو۔

یہ ہے وہ جماعت جسے ہم باطل سمجھتے ہیں۔ اور باطل سمجھنا کسی تعصّب، ضد یا عناد و حسد پر مبنی نہیں بلکہ ہم خلوص کے ساتھ قرآن و سنّت کے بیّنات کی روشنی میں مرزا صاحب کے دعاوی کو سراسر غلط سمجھتے ہیں اور ان کی نبوّت کا تسلیم کرنا ہمارے نزدیک امتِ محمدیہ سے خروج و ارتداد ہے۔

اب غور فرمائیے کہ اس جماعت کی مخالفت میں جو کام آج تک کئے گئے ہیں وہ اپنی جگہ اہمیت مقصدیت اور خلوص کے باوصف حصولِ مدّعا کے لئے کیوں کامیاب نہیں ہو سکے"[1]

(۳)۔ متعدد اخبارات (جن میں احرار کے حامی اخبارات خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں) کی متفقہ روایت یہ ہے کہ:۔

"جھنگ ۲۲ر فروری (۱۹۵۶ء۔ ناقل) گذشتہ شب نمازِ عشاء کے بعد "مجلس تحفّظِ ختمِ نبوت" کے زیرِ اہتمام ایک اجلاسِ عام منعقد ہوا جس میں مولانا غلام قادر خطیب جامع مسجد قاضیاں، مولوی محمد لقمان مظفرگڑھی، اور سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے تقاریر کیں۔ مولوی محمد لقمان (مظفرگڑھی) نے اچھوتے انداز میں چندہ جمع کیا۔ انہوں نے کہا کہ مجلس تحفّظِ ختمِ نبوّت کا خرچ بہت بڑھ گیا ہے۔ آئندہ سال کا بجٹ ایک لاکھ ہوگا۔ (ایک اخبار نے اس "اچھوتے انداز" کی وضاحت یوں کی ہے۔ جلسہ گاہ میں کپڑے کی جھولیاں بنا کر تمام حاضرینِ جلسہ سے فرداً فرداً چندہ دینے کے لئے کہا گیا۔ اس اثناء میں اسٹیج سے مقرر صاحب سامعین کو چندہ دے کر جنّت کا ٹکٹ کٹوانے پر عجیب و غریب طریقوں سے اکساتے رہے۔۔۔۔۔ ماشاء اللہ سو سو کے نوٹ دو اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ جب تک آپ لوگ دو[2] ہزار روپیہ نہیں دیں گے حضرت شاہ صاحب اسٹیج پر نہیں آئیں گے۔ جلدی کیجئے۔ مولوی محمد لقمان صاحب بار بار کہہ رہے تھے۔ بابوؤ! جینٹلمینو! دین کی حفاظت کے لئے چندہ دو ماشاء اللہ دس دس اور سَو سَو کے نوٹ جلدی کرو۔ رات جا رہی ہے۔ جنّت کے ٹکٹ کٹوا لو وغیرہ وغیرہ) انہوں نے اپنی خالہ کا ایک خواب بیان کیا جس

---

[1] ہفت روزہ المنیر لائل پور ۲ر مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۷، ۸۔ [2] صاف پڑھا نہیں جاتا۔

میں حضورؐ کی زیارت کا ذکر تھا۔

اس جلسہ میں "شاہ صاحب" کے بارے میں متعدد اخبارات کی رپورٹ یہ ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ " مولانا محمد عبداللہ درخواستی کو ایک خواب آیا۔ ان سے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری نبوت پر کتے بھونک رہے ہیں اور انہیں بند کرنا مولوی محمد عبداللہ درخواستی اور عطاء اللہ شاہ بخاری کا کام ہے۔" شاہ صاحب نے کہا کہ "حضور خاتم النبیینؐ نے میرے نام پیغام دیا ہے کہ میں ختم نبوت کے مسئلہ کو کامیابی سے چلاؤں۔" ہم نے ان رپورٹوں کو سخت ذہنی اذیت اور دلی کوفت کے ساتھ کے پڑھا اور یہاں نقل کیا ہے۔ مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری اب اپنی عمر کے اس دور میں ہیں۔ جس کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کتنے روز کے مہمان ہیں۔ انہیں خود بھی اس کا احساس ہے اور ان کے مفلوج اعصاب شہادت دے رہے ہیں کہ بہر حال اب آخری مرحلہ آیا چاہتا ہے — ظاہر ہے کہ ہر وہ شخص جو خدا پر ایمان رکھتا ہے جس کو قیامت اور جزا و سزا پر یقین ہے۔ اس کی آخری خواہش بھی یہی ہوتی ہے۔ اور اُس کے ساتھ ہمدردی رکھنے والے ہر شخص کی آرزو بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ عُمر کے اس آخری لمحہ میں ایسے اعمال و افعال سے کنارہ کش رہے جو کل اُس کے لئے اذیت اور بازپُرس کا باعث ہوں — بلاشُبہ ہم سب گناہوں میں غرق ہیں۔ اور خصوصیت سے ہمیں اپنی معصیتوں کا شدید احساس ہے اور ان پر اپنے رحیم و رحمان سے آقا بالحاح عفو طلب ہیں — اور یہ بات بھی کسی صاحبِ نظر سے پوشیدہ نہیں کہ دُنیا میں جتنے گناہ پائے جاتے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہمیت تین قسم کے گناہوں کو حاصل ہے۔

اوّل۔ خدائے ذوالجلال کے بارے میں گستاخی، ان کے سامنے کبر اور ان پر افتراء پردازی۔

دوم۔ سیّد المرسلین کے ادب و احترام میں کمی، آپ کے ناموس پر حملہ۔ آپ کی ذاتِ اقدس پر خود غرضی کے لئے افتراء پردازی۔

سوم۔ کسی مسلمان کی جان، اس کے مال، اس کی عزّت اور اس کے ایمان پر حملہ۔

شاہ صاحب کی جانب منسوب کردہ الفاظ اگر صحیح ہیں۔ یا انہوں نے اس مفہوم کو بیان کیا ہے کہ حضور سرورِ کائنات رُوحی و نفسی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منتخب فرمایا کہ وہ ختمِ نبوّت کی حفاظت

کریں اور اب شاہ صاحب اسی ارشادِ رسالت کی تعمیل کے لئے شہر شہر گھوم پھر رہے ہیں تو ہم دُکھ بھرے دل سے کہتے ہیں کہ شاہ صاحب نے حضور اقدس کی شان میں (نادانستہ) ایسی گستاخی کی ہے جس سے وہ جتنی جلدی توبہ کر لیں ان کے لئے بہتر ہے

شاہ صاحب کی اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ سیّد العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے شاہ صاحب کی ان تقریروں کو جو وہ تحفظِ ختمِ نبوّت کے نام پر آج تک کرتے رہے اور اب کر رہے ہیں، منظوری اور پسندیدگی حاصل ہے اور اسی وجہ سے انہیں دربارِ رسالت سے یہ امتیاز عطا ہُوا ہے کہ آٹھ کروڑ مسلمانوں میں سے انہیں اس عظیم کام کے لئے منتخب فرمایا گیا ہے۔ اور ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب کی یہ تقریریں جو وہ قادیانیت کے خلاف کر رہے ہیں۔ (جن میں سے آیات کی تلاوت اور اُن کے بعض مطالب کی تبلیغ کا حصّہ جو فی الحقیقت ان کی تقریروں کا ۱/۱۰۰ ہوگا مستثنیٰ کر لیا جائے)۔ اگر انہیں دربارِ رسالت کی پسندیدگی حاصل ہے تو ہم اس اسلام کو جو کتاب وسنّت میں پیش کیا گیا ہے اور جس میں ذہن، قلب، زبان اور اعضاء کو مسئولیت سے ڈرایا گیا ہے۔ خیر باد کہنے کو تیار ہیں۔

ہمارے نزدیک شاہ صاحب نے نہایت غلط سہارا لیا ہے۔ اور مسلمانوں میں جو عقیدت رحمۃ اللعالمین بأبی ھو و اُمّی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ موجود ہے اس سے نہایت غلط قسم کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے — اور پھر اس میں جب ہم مزید دیکھتے ہیں کہ وہ اس خواب سے مراد یہ لیتے ہیں۔ کہ "تحفظِ ختمِ نبوّت" کے نام پر جو نظم (؟) انہوں نے قائم کر رکھا ہے۔ حضور خاتم النبییّن روحی ونفسی فداہ اس نظم کی تائید فرما رہے ہیں تو ہماری رُوح لرز جاتی ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ نظم اور اس کے تحت متعین کردہ مبلّغین کا کام اور اس کے نام پر حاصل کئے گئے، صدقات، زکوٰتیں اور چندے اس بُری طرح صَرف ہونے کے باوجود انہیں پیغمبر امین کی پسندیدگی حاصل ہے تو ناگزیر ہے کہ ان تمام احادیثِ رسالت مآب کو خیر باد کہہ دیا جائے جن میں آپ نے مسلمانوں کے مال کے احترام کی اہمیّت بیان فرمائی ہے۔ اور جن میں اموال المسلمین میں خیانت کو حرام اور موجب سزا بتلایا گیا ہے۔"[۱]

---

[۱] ہفت روزہ المنیر لائل پور ۹ر مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۴۔

(۴) "ختمِ نبوّت کا ایک لازمی تقاضا یہ تھا کہ اُمتِ محمدیہ بنیان مرصوص کی حیثیت سے قائم علی الحق رہتی۔ اس کے جُملہ مکاتیبِ فکر اور تمام فرقوں کے مابین دین کے اساسات پر اس نوع کا اتحاد ہوتا جس نوع کا اتحاد ایک صحیح الذہن امّت میں ہونا ناگزیر تھا لیکن غور کیجئے کیا ایسا ہُوا ؟۔

بلا شُبہ ہم نے متعدد مراحل پر اتحادِ امّت کے تصوّر کو پیش کیا اور سب سے زیادہ قادیانیوں کے خلاف مناظرہ کے سٹیج سے ڈائرکٹ ایکشن کے دیراتے تک ہم نے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسلام کے تمام فرقے "یک جان" ہیں۔ لیکن کیا حقیقتاً ایسا تھا۔ کیا حالات کی شدید سے شدید تر نا مساعدت کے باوجود ہماری تلوارِ تکفیر نیام میں داخل ہوئی ؟ کیا ہولناک سے ہولناک تر واقعات نے ہمارے فتاویٰ کی جنگ کو ٹھنڈا کیا ؟ کیا کسی مرحلہ پر بھی "ہمارا فرقہ حق پر ہے اور باقی تمام جہنّم کا ایندھن ہیں"۔ کے نعرہ سے کان نامانوس ہوئے ؟

اگر ان میں سے کوئی بات نہیں ہوئی تو بتائیے اس سوال کا کیا جواب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی ختمِ نبوت پر ایمان رکھنے والی امّت کے اگر تمام فرقے "کافر" ہیں اور ہر ایک دوسرے کو جہنمی کہتا ہے تو لامحالہ ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو سب کو اس کُفر اور جہنّم سے نکال کر اسلام اور جنّت کا یقین دلا سکے۔

اگر ایک سطحی ذہن اس سوال کا جواب نہ پاکر ہماری تمام علمی کاوشوں، مناظروں اور خطابات کے علی الرغم قادیانیت کی اندھی غار میں گر جائے تو اس میں قصور کس کا ہے[1]"۔

(۵) "اس وقت جو کوشش "تحفظِ ختمِ نبوّت" کے نام سے قادیانیت کے خلاف جاری ہے۔ قطع نظر اس سے کہ کوشش کا اصل محرّک خلوص، خدا کے دین کی حفاظت کا جذبہ ہے یا حقیقی وجہ معاشی اور منفی ذہن کے رجحانات کا مظاہرہ ہے۔ ہماری رائے میں یہ کوشش نہ صرف یہ کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے مفید نہیں ہے بلکہ ہم علی وجہ البصیرت کامل یقین و اذعان کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ جدوجہد قادیانی شجرہ کے بار آور ہونے کے لئے مفید کھاد کی حیثیت

---

[1] ہفت روزہ "المنیر" لائل پور ۹ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۵۔

رکھتی ہے۔

تحفظِ ختم نبوّت ہو یا مجلسِ احرار۔ ان دونوں کے نام سے آج تک قادیانیت کے خلاف جو کچھ کہا گیا ہے اس نے قادیانی مسئلہ کو اُلجھایا ہے۔ ان حضرات کے اختیار کردہ طرزِ عمل نے راہِ حق سے بھٹکنے والے قادیانیوں کو اپنے عقائد میں پختگی کا مواد فراہم کیا ہے۔ اور جو لوگ مذبذب تھے انہیں بدعقیدگی کی جانب مزید دھکیلا ہے۔

استہزاء، اشتعال انگیزی، یادہ گوئی، بے سروپا لفّاظی اس مقدس نام کے ذریعہ مالی غبن، لادینی سیاست کے داؤ پھیر، خلوص سے محروم اظہارِ جذبات، مثبت اخلاقِ فاضلہ سے تہی کردار، ناخدا ترسی سے بھرپور مخالفت کسی بھی غلط تحریک کو ختم نہیں کرسکتی اور ملّتِ اسلامیہ پاکستان کی ایک اہم محرومی یہ ہے کہ "مجلسِ احرار" اور "تحفظِ ختم نبوّت" کے نام سے جو کچھ کیا گیا ہے۔ اس کا اکثر و بیشتر حصّہ انہی عنوانات کی تفصیل ہے[1]۔

مجلسِ مشاورت ۱۹۵۶ء (۱۳۳۵ہش)

اس سال جماعتِ احمدیہ پاکستان کی سالانہ مشاورت ۲۹، ۳۰، ۳۱ مارچ ۱۹۵۶ء (امان ۱۳۳۵ہش) کو حسبِ سابق لجنہ اماءاللہ مرکزیہ ربوہ کے ہال میں منعقد ہوئی۔ ۱۹۵۵ء / ۱۳۳۴ہش کی مشاورت کے دوران تو حضرت مصلح موعودؓ کراچی میں سفرِ یورپ کے لئے قیام فرما تھے۔ مگر اس مشاورت میں حضور رونق افروز ہوئے اور اپنے خدام کو بیش قیمت ہدایات اور رُوح پرور کلمات سے نوازا۔ مشاورت میں ۳۹۲ نمائندے شامل ہوئے۔ جن میں پاکستان اور آزاد کشمیر کے علاوہ مندرجہ ذیل ممالک کے نمائندگان بھی تھے۔ انڈونیشیا۔ مشرقی افریقہ۔ چین۔ گولڈ کوسٹ (غانا) شام۔ ڈچ گی آنا۔ ٹرینیڈاڈ۔ عدن۔ بھارت (قادیان)۔ مشاورت میں عالمی عدالتِ انصاف کے جج چودھری محمد ظفر اللہ خانصاحب نے بھی شرکت کی۔ اور کارروائی میں مدد کے لئے حضور کے ساتھ سٹیج پر تشریف فرما رہے۔ اور ایسے وقت میں جب کہ حضور رونق افروز نہ ہوتے آپ کو حضورؓ کی نیابت میں شوریٰ کی صدارت کے فرائض بھی انجام دینے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت مصلح موعودؓ

---

[1] ہفت روزہ "المنبر" لائل پور ۶ جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۷۔

نے صدر انجمن احمدیہ کے بجٹ (بارہ لاکھ اکتالیس ہزار آٹھ سو دس ۱۲٫۴۱٫۸۱۰) روپے اور تحریک جدید کے مجموعی بجٹ (تیرہ لاکھ تیس ہزار چار سو اسی ۱۳٫۳۰٫۴۸۰) روپے کی منظوری عطا فرمائی۔[1]

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے نمائندگان کو متعدد بار خطاب فرمایا جس میں جماعت کی راہنمائی کیلئے متعدد قیمتی نصائح فرمائیں۔ حضورؓ کے بعض اہم ارشادات بطور نمونہ درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

(۱) "ہمیں دُعا کرنی چاہئیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری اولادوں کو ہمیشہ ہمیش کے لئے اسلام کا کام جاری رکھنے کی توفیق دے۔ اگر ہماری اولادوں میں ایمان کا سلسلہ قائم رہے۔ تو تھوڑے روپے سے بھی قیامت تک کام ہوتا چلا جائے گا۔ کیونکہ روپے کی مقدار کو دوام حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ اخلاص اور ایمان کا جوش دوام اختیار کرتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء اور صحابہ کو جو ملا وہ انہوں نے اسلام کی خدمت میں لگا دیا۔ لیکن اس کے بعد اسلام لاوارث ہوگیا۔ روپیہ تو مسلمانوں کے پاس بہت آیا لیکن اُن میں اخلاص اور ایمان کا سلسلہ باقی نہ رہا۔ اب اسلام کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں اپنے دین کی محبت کی چنگاری سلگا دی تھی۔ اس لئے جو کام آپ سے پہلے بڑی بڑی اسلامی حکومتیں بھی نہ کر سکیں وہ ایک گمنام اور معمولی گاؤں کا رہنے والا کر گیا۔ جس کا شدید سے شدید دشمنوں کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے۔ پس ہمیں دُعا کرنی چاہئیے کہ خدا تعالیٰ یہ ایمان ہم میں اور ہماری آئندہ نسلوں میں قائم رکھے۔ اور ہماری اولاد نہ صرف اس جوش کی وارث ہو جو ہمارے دلوں میں خدمتِ دین کے لئے پایا جاتا ہے بلکہ اس کا جوش ہم سے بڑھ کر ہو۔ تا اسلام کا جھنڈا اُن کے ہاتھ میں رہے اور وہ کبھی سرنگوں نہ ہو۔"[2]

(۲) "سب سے بڑی چیز جس کی کسی دینی سلسلہ کو ضرورت ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ اس میں خلافت اور تنظیم ہمیشہ کے لئے قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت قائم رہے۔ اگر یہ سب باتیں قائم رہیں تو

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۶ء مطبوعہ الفضل ۲ر اپریل ۱۹۵۶ء (شہادت ۱۳۳۵ھش) صفحہ ۱
[2] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۶ء صفحہ ۲، ۳ (تلخیص) ناشر مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور سیکرٹری مجلس مشاورت۔

دُنیا کی فتح میں کوئی شُبہ باقی نہیں رہتا۔ مَیں تو بیمار ہوں اور مجھے بعض دفعہ اپنی زندگی کا ایک ایک دن دُوبھر معلوم ہوتا ہے لیکن مجھے یہ بات نظر آرہی ہے۔ اور ہم میں سے جو لوگ زندہ رہیں گے وہ دیکھیں گے کہ چند سالوں کے اندر اندر دُنیا میں ایک عظیم الشّان تغیّر پیدا ہوگا اور احمدیّت ایک نمایاں حیثیت اختیار کرے گی۔ بلکہ اب بھی احمدیت نے اتنی اہمیت حاصل کر لی ہے کہ امریکہ کے ایک رسالہ نے جس کی اشاعت دو کروڑ کے قریب ہے، ایک زبردست مضمون لکھا ہے کہ مشرقی افریقہ میں احمدیوں نے اسلام کی اس طرح تبلیغ کی ہے کہ اس کے مقابلہ میں عیسائیت شکست کھا کر رہ گئی ہے۔ اور انگلستان کے ایک اور مشہور شخص نے بھی لکھا ہے کہ مشرقی افریقہ میں اَب عیسائیت کی اشاعت کے لئے کوئی موقع نہیں رہا اور احمدیوں نے اس کے لئے کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔ یہ احمدیت کی صداقت کا ایک بڑا نشان ہے[۱]۔"

(۳)۔ "جس قدر عشق قرآن کریم سے حضرت خلیفہ اوّل کو تھا۔ اس کو مدّنظر رکھتے ہوئے یہ کوئی بعید اَمر نہیں تھا کہ تراجم قرآن کریم کا کام انہی کے زمانہ میں شروع ہوجاتا۔ لیکن چونکہ یہ سعادت خدا تعالیٰ نے میرے لئے مقدّر کر رکھی تھی، اس لئے اس زمانہ میں یہ کام شروع نہ ہُوا تا قرآن کریم کے انوار کا ظہور میرے زمانۂ خلافت میں ہو اور حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا یہ الہام پورا ہُوا کہ " نور آتا ہے نور"۔

اس الہام کا ایک مفہوم یہ بھی تھا کہ میرے زمانۂ خلافت میں قرآنِ کریم کی اشاعت ہوگی اور اس کے تراجم مختلف زبانوں میں کئے جائیں گے کیونکہ قرآن کریم کا ایک نام "نور" بھی رکھا گیا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اَب تک جو کام ہُوا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہُوا ہے۔ اور اُسی نے مختلف زبانیں جاننے والے آدمی ہمیں مہیّا کئے ورنہ ہمارے پاس مختلف زبانیں جاننے والے لوگ موجود نہیں تھے ...... پس یہ برکتیں اللہ تعالیٰ نے صرف ہمارے لئے رکھی تھیں۔ درحقیقت ان تراجم کا کام کسی فرد کا کام نہیں تھا۔ بلکہ خلافت، تنظیم اور جتھے کا کام تھا ورنہ جماعت میں سے کون ہے جو ان تراجم میں سے ایک ترجمہ بھی شائع کروا سکتا۔ لیکن ہم سب نے مل کر وہ کام کر لیا جو بڑے

---

[۱] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۶ء / ۱۳۳۵ھ صفحہ ۱۶

بڑے بادشاہ بھی نہیں کر سکے تھے۔

کہتے ہیں ایک شخص نے موت کے وقت اپنے سب بیٹوں کو بلایا اور جھاڑو منگوا کر کہا اس جھاڑو میں سے ایک تنکا نکال کر توڑو۔ انہوں نے اس تنکے کو بڑی آسانی سے توڑ دیا۔ اس کے بعد اُس نے اُنہیں جھاڑو دیا اور کہا کہ اُسے توڑو مگر اُن سے نہ ٹوٹا۔ اس پر اُس نے کہا میرے بیٹو! تم نے دیکھا کہ ایک ایک تنکا ذاتی طور پر کوئی قوّت نہیں رکھتا۔ تم نے اسے ایک انگلی کے دباؤ سے ہی توڑ دیا۔ لیکن جھاڑو کو توڑنا تمہارے لئے مشکل ہو گیا۔ اسی طرح اگر تم متفرق ہو گئے تو دُنیا کی ہر طاقت تمہیں تباہ کر سکتی ہے لیکن اگر تم اکٹھے اور متفق رہے تو تم محفوظ اور مطمئن رہو گے۔

اسی طرح یہ خلافت اور تنظیم کی ہی برکت ہے کہ جماعت نے متعدد زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم شائع کر دیئے۔ ورنہ جماعت میں کوئی ایک فرد بھی ایسا مالدار نہیں جو ان تراجم میں سے ایک ترجمہ بھی شائع کروا سکتا۔[1]

(۴)۔ ”تم جو چاہو۔ کرلو۔ لیکن یاد رکھو وہ دن آنے والا ہے جب احمدیت کے کاموں میں حصّہ لینے والے بڑی بڑی عزّتیں پائیں گے لیکن ان لوگوں کی اولادوں کو جو اس وقت جماعتی کاموں میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے۔ دھتکار دیا جائے گا۔ جب انگلستان اور امریکہ ایسی بڑی بڑی حکومتیں مشورہ کے لئے اپنے نمائندے بھیجیں گی اور وہ اُسے اپنے لئے موجبِ عزّت خیال کریں گے اس وقت ان لوگوں کی اولاد کہے گی کہ ہمیں بھی مشورہ میں شریک کرو۔ لیکن کہنے والا انہیں کہے گا کہ جاؤ تمہارے باپ دادوں نے اس مشورہ کو اپنے وقت میں ردّ کر دیا تھا اور جماعتی کاموں کی انہوں نے پرواہ نہیں کی تھی۔ اس لئے تمہیں بھی اس مشورہ میں شریک نہیں کیا جا سکتا۔

پس اس غفلت کو دُور کرو۔ اور اپنے اندر یہ احساس پیدا کرو کہ جو شخص سلسلہ کی کسی میٹنگ میں شامل ہوتا ہے۔ اس پر اس قدر انعام ہوتا ہے کہ امریکہ کی کونسل کی ممبری بھی اُس کے سامنے ہیچ ہے۔ اور اُسے سو حرج کر کے بھی اس میٹنگ میں شامل ہونا چاہیئے۔ اگر وہ اس میٹنگ میں

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۶ء/۱۳۳۵ھ صفحہ ۲۰

شامل نہیں ہوتا تو اس کی غیر حاضری کی وجہ سے سلسلہ کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا لیکن وہ خود الٰہی انعامات سے محروم ہو جائے گا۔

جب شوریٰ نہیں تھی تب بھی کام چلتا تھا۔ اور اب شوریٰ بلائی جاتی ہے۔ تب بھی کام چل رہا ہے۔ پس تم حصّہ لو یا نہ لو سلسلہ کا کام چلتا رہے گا۔ ہاں اگر تم اس وقت جماعتی کاموں میں حصّہ نہیں لیتے اور انہیں اپنے لئے موجبِ عزّت خیال نہیں کرتے تو تمہاری اولادیں آئندہ انعامات سے محروم ہو جائیں گی۔ لوگ اپنی زندگیوں میں اپنی اولادوں کے لئے ہزاروں ہزار روپیہ کی جائیدادیں بنا جاتے ہیں تا اُن کے کام آئیں۔ تم بھی اگر سلسلہ کے کاموں میں حصّہ لیتے رہو گے تو تمہارا ایسا کرنا تمہاری اولاد کے لئے ایک بڑی بھاری جائیداد ثابت ہوگا۔

یاد رکھو۔ اگر تم میں سے کسی کو سلسلہ کے کسی کام کے لئے مقرر کیا جائے تو اس کا اس سے بھاگنا سخت غلطی ہے۔ تم سلسلہ کے کام کی سرانجام دہی میں ہرگز کوتاہی نہ کرو بلکہ اُسے اپنی عزّت کا موجب سمجھو۔ اگر تم سلسلہ کے کاموں کو عزّت والا قرار دو گے تو خدا تعالیٰ بھی تمہیں عزّت والا بنا دے گا۔ گو اس وقت جماعت کے پاس دولت نہیں، اسے دُنیا میں کوئی اہمیت حاصل نہیں لیکن تھوڑے عرصہ میں ہی احمدیت دُنیا پر غالب آنے والی ہے اور اس کے آثار خدا تعالیٰ کے فضل سے نظر آرہے ہیں۔ بڑے بڑے لوگوں کی توجہ احمدیت کی طرف ہو رہی ہے۔ یہ بڑے بڑے لوگ جس علاقہ سے بھی آئیں گے وہ احمدیت کو زیادہ معزز سمجھیں گے اور احمدیت کی وجہ سے انہیں اور عزّت حاصل ہوگی لیکن جو لوگ سلسلہ کے کاموں میں شریک ہونے کو ذلّت اور وقت کا ضیاع سمجھیں گے اُن کے علاقہ میں عزّت دیر سے آئے گی اور اگر وہ عزّت آگئی تو جن لوگوں نے اپنے وقت میں سلسلہ کی خدمت میں کوتاہی کی ہوگی ان کی اولادیں اس عزّت سے محروم کر دی جائیں گی۔ پس آئندہ کے لئے احتیاط کرو اور ہمیشہ سلسلہ کے کاموں کو عزّت کی نگاہ سے دیکھو۔ تم میں سے کسی کو سلسلہ کے کسی کام کے لئے مقرر کیا جائے تو وہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ نے اُسے بہت بڑے خطاب سے نوازا ہے[1]۔"

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۶ء صفحہ ۲۴، ۲۵۔

(۵)۔ " دَورے بھی مفید ہو سکتے ہیں۔ جب حکومت کے افسروں کی طرح ان کا پروگرام بنایا جائے۔ اور پہلے سے اُن کا وقت مقرر کر کے متعلقہ جماعت کو اطلاع دے دی جائے تا کہ وہ ارد گرد کے پچاس ساٹھ جماعتوں کے لوگوں کو وہاں بلالے۔ اور پھر وہاں کانفرنس کی جائے ورنہ جس قسم کے دَورے سال کے دوران میں کئے گئے ہیں۔ انہیں ہرگز دَورہ نہیں کہا جا سکتا۔ دَورہ اس چیز کا نام ہے کہ کسی جماعت میں ارد گرد کے پچاس ساٹھ میل تک کے رہنے والے احمدیوں کو اکٹھا کیا جائے اور ان سے جماعتی امور پر تبادلۂ خیال کیا جائے اور پھر جو مشورہ طے پائے اس پر عمل کیا جائے پھر مَیں نے یہ ہدایت بھی دی تھی کہ ناظر صرف اپنے صیغہ ہی کا خیال نہ رکھے بلکہ جب دَورہ پر جائے تو صدر انجمن احمدیہ کے ہر ناظر سے ہدایات لے کر جائے اور جو دقتیں انہیں پیش ہوں۔ اُن کو دُور کرے مثلاً اگر بعض جماعتوں میں جھگڑے طے نہ ہو رہے ہوں یا تعلیم کا اچھا انتظام نہ ہو تو چاہیے دَورہ کرنے والے ناظر کا ان اُمور سے کوئی تعلق نہ ہو اُس کا فرض ہے کہ وہ ان اُمور کو بھی اپنے پروگرام میں شامل کرے[1]"

مالا بار احمدیہ کانفرنس کیلئے برقی پیغام

۷، ۸ / اپریل ۱۹۵۶ء کو پینگاڈی علاقہ شمالی مالا بار میں آل کیرالہ[2] احمدیہ کانفرنس منعقد ہوئی جو نہایت درجہ کامیاب رہی۔ اس کانفرنس میں حضرت مصلح موعود کا برقی پیغام عبدالرحیم صاحب (ابن مولانا عبداللہ صاحب مالا باری) نے پڑھ کر سنایا۔ اصل پیغام انگریزی میں تھا جسے پڑھنے کے بعد انہوں نے اس کا ملیالم زبان میں بھی ترجمہ کیا۔ حضورؓ کے انگریزی پیغام کا ذیل میں اُردو ترجمہ دیا جاتا ہے:۔

" مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ احمدیہ جماعت اکھلا کیرالہ (علاقہ مالا بار) نے ایک کانفرنس میں اجتماع کر کے برادران کو احمدیت کی تعلیم سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے مجھے اس بات سے بھی مسرت ہے کہ اس وقت حق و صداقت کے بیج بونے کے لئے جنوبی ہندوستان بہترین کھیت ثابت ہو رہا ہے۔ مَیں اس بات سے بھی خوش ہوں کہ آپ لوگوں نے اپنی فرض شناسی کا ثبوت

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۵۶ء صفحہ ۵۳، ۵۴۔ [2] KERALA

دیا ہے۔ اس قسم کے بہت سے اجتماع ہر سال ہونے چاہئیں اور ہمارے مبلغین کو طوفانی دَورے کر کے لوگوں کو سچائی کے سرچشمہ کی طرف لانا چاہیئے۔ ہمارے رسول مقبول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں مسلمانوں کو اپنی طرف بُلا رہے ہیں۔ صرف ایک حضرت شیخ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ لاکھوں ہندو اسلام کی طرف آئے اور اب بھارت میں چار کروڑ مسلمان ہیں وہ چالیس کروڑ غیر مسلموں کو اسلام میں لا سکتے ہیں۔

پس حالات کے تقاضا کو سمجھو اور اس کے مطابق اعمال بجا لاؤ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے اور مخلص سپاہی بنو۔ دُنیا میں امن کو قائم کرنے والے بنو۔ اور جلدی اور مستقل مزاجی سے کام کرو۔ خدا تعالیٰ یقیناً تمہاری مدد کرے گا۔ اور تم لوگوں کے دلوں کو حق وصداقت کے لئے فتح کرنے کے قابل ہو جاؤ گے۔

پس مایوس نہ ہوں اور خدا تعالیٰ پر یقین اور بھروسہ رکھیں۔ خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے۔ مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی مایوسی بھی کُفر کے برابر ہے۔ مسلمان بہادر ہوتے ہیں۔ پس سچے اور بہادر بنو۔ اور ہمیشہ بذریعہ خط وکتابت میرے ساتھ تعلقات رکھو۔

بھارت میں امن کے قیام کا باعث بنو۔ ہر مسلمان تمہارے کاموں کو سمجھتا ہے اور تمہارے خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو تسلیم کرتا ہے۔ وہ یقیناً خدا تعالیٰ کے لئے اور مُلک کی بہتری کے لئے تمہاری تقلید کرے گا۔

اَے میرے خدا! اپنے فرشتوں کو حُکم دے کہ بھارت کے حالات اسلام کے لئے ایسے موافق ہو جائیں جیسے مَیں چاہتا ہوں۔" خلیفۃ المسیح[1] (ترجمہ از انگریزی)

مولانا محمد اسماعیل صاحب فاضل وکیل ہائی کورٹ یادگیر کانفرنس کی تفصیلی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ:-

(اس پیغام نے) "نفخِ روح کا کام دیا اور احمدی بھائی، بہنوں اور بچوں کے ازدیادِ ایمان کا موجب ہُوا۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ ہر فردِ بشر میں ایک خاص جوش، ولولہ اور اُمنگ اُبھر

---

[1] بدر ۱۴؍جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۲

آئی ہے"[1]

حضرت مصلح موعود کا پیغام تعلیم الاسلام ہائی سکول کے سٹاف کے نام

تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر صوفی محمد ابراہیم صاحب بی۔ ایس سی۔ بی ٹی[2] محترم ماسٹر نذیر احمد صاحب رحمانی، صوفی غلام محمد صاحب اور ماسٹر اللہ بخش صاحب (زراعتی ماسٹر) شاندار تعلیمی خدمات بجا لانے کے بعد یکم جون ۱۹۵۶ء میں ریٹائر ہوئے اس موقع پر حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے قلم مبارک سے حسب ذیل پیغام عطا فرمایا جو روزنامہ الفضل ۵ ، جون ۱۹۵۶ء کے صفحہ اوّل پر اشاعت پذیر ہوا۔

" مجھے معلوم ہوا ہے کہ ٹی. آئی. ہائی سکول ربوہ سے مندرجہ ذیل مدرسین ریٹائر ہو رہے ہیں صوفی محمد ابراہیم صاحب ہیڈ ماسٹر. صوفی غلام محمد صاحب. ماسٹر نذیر احمد صاحب رحمانی اور ماسٹر اللہ بخش صاحب. ان لوگوں نے اپنے اپنے وقت میں اپنے کام کو نہایت جانفشانی سے پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی حسن خدمت کو قبول فرمائے اور ان کی ریٹائر ہونے کی بعد کی زندگی بھی نہایت خوشگوار اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور احسانوں کے نیچے گذرے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کو اور ان کی اولادوں کو اسلام کی خدمت کی توفیق بخشتا رہے[3]"

"نور ہسپتال" کے نام پر ایک شاخسانہ

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے نوٹس میں یہ بات آئی کہ مختلف حلقوں میں یہ وسوسہ پیدا کیا جا رہا ہے کہ ربوہ کے نئے ہسپتال کا نام " فضل عمر ہسپتال" کی بجائے " نور ہسپتال" ہونا چاہیئے۔

بعد ازاں ایک معترض کا خط بھی حضور کی خدمت میں پہنچا جس نے اس اطلاع کی تصدیق کر دی حضور نے الفضل ۲۴ مئی ۱۹۵۶ء میں اپنے وضاحتی نوٹ کے ساتھ یہ خط شائع کرا دیا مگر اس کے باوجود یہ صاحب بذریعہ مکتوب اپنی اس رائے پر مصر رہے کہ بہر حال " نور ہسپتال" ہی نام

---

[1] اخبار "بدر" قادیان ۱۴ ، جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ کالم ۳۔ [2] آپ کے بعد جناب ماسٹر محمد ابراہیم صاحب جمونی ہیڈ ماسٹر ہوئے۔ [3] روزنامہ الفضل ربوہ ۵ ، جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۔

رکھا جائے۔ جس پر حضورؓ نے یہ دوسرا مکتوب اور اس کا جواب الجواب بھی شائع فرما دیا۔ تا مخلصینِ جماعت ہوشیار ہو جائیں کہ بعض لوگ اخلاص و عقیدت کا لبادہ اوڑھ کر کس طرح جماعت کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے میں مصروف ہیں؟۔

(پہلا مکتوب)

"میرے پیارے آقا سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جب سے مَیں نے "الفضل" اخبار میں پڑھا ہے کہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ نے فیصلہ کیا کہ نُور ہسپتال کا نام فضلِ عمر ہسپتال کے نام پر بدل دیا جائے مجھے سخت تکلیف ہوئی ہے۔ اس لئے نہیں کہ حضور کے نام کی طرف کیوں منسوب کیا جا رہا ہے۔ بلکہ اس خیال سے کہ "نور" کا نام کیوں اُڑا دیا گیا ہے۔

حضور آپ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے محسن زادے ہیں اور حضرت مولوی صاحب آپ کے مُحسن۔ طبّ میں جو کمال اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کو عطا فرمایا تھا، ایک دُنیا کو قادیان کھینچ کر لایا۔ اور اس طرح ان کا وجود طبابت کے اعتبار سے بھی ایک وسیع تبلیغ کا ذریعہ بنا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں خلیفہ اوّل منتخب کر کے نوازا۔ جہاں تک حضور کی ذات کا تعلق ہے وہ اتنی عظیم الشّان ہے۔ اور دُنیا کے کونے کونے تک جس خوبصورتی سے حضور نے احمدیت کا پیغام پہنچایا ہے وہ اتنا بے نظیر کارنامہ ہے کہ زمانہ اس نام کو مٹا نہیں سکتا اور آنے والی نسلیں قیامت تک حضور کو یاد رکھیں گی اور ان کی دُعائیں آپ کے ساتھ رہیں گی۔ اس لئے "فضل عمر" کا نام بجائے "نُور" کے رکھ دیا جائے تو اس سے حضور کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ لیکن "نور" کا نام حذف کرنے سے جماعت الزام کے نیچے آجاتی ہے کہ اتنی جلدی ایک مُحسن کو بھول گئی۔ اس لئے میری درخواست ہے کہ حضور انجمن کے فیصلہ کو اپنے حُکم سے منسوخ فرمائیں۔ البتہ یہ ضرور ہو کہ "نُور ہسپتال" کے نیچے یہ لکھا جائے کہ اس کی بنیاد اور تعمیر فضلِ عمر کے ہاتھوں سے ہوئی ہے[1]"

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۴ر مئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۳

(حضرت مصلح موعودؓ کا جواب)

"ایک صاحب کا خط مجھے نورہسپتال کے نام کے متعلق ملا ہے. (میں اس کا نام ظاہر نہیں کرنا چاہتا لیکن خط بھجوا رہا ہوں. کہ اس کو بغیر نام کے شائع کر دیا جائے) اس مضمون کا خط مجھے ربوہ میں بھی ملا تھا. جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی لوگوں کے دلوں میں شبہ ایک ہی وقت میں پیدا ہوا ہے. سو یاد رہے کہ نورہسپتال قادیان میں تھا. اس کا نام نہیں بدلا گیا. بلکہ وہ قادیان میں موجود ہے. اس کو قادیان سے اُٹھا کر لانے کی ہمیں توفیق نہیں. جب بھی خدا تعالیٰ ہمیں قادیان دلائے گا. نورہسپتال نورہسپتال ہی رہے گا. فضلِ عمر ہسپتال ایک نئی عمارت ہے جو نئے لوگوں کے چندوں سے بنی ہے. ہر چندہ دینے والی جماعت یا منتظم جماعت کا حق ہوتا ہے کہ وہ جو چاہے اپنی عمارت کا نام رکھ دے. اگر اس قانون کو تسلیم کر لیا جائے کہ جو عمارت کسی بزرگ کے نام سے موسوم کی جائے تو جہاں کہیں بھی اس فن کی نئی عمارت بنائی جائے وہی نام اس کو دینا چاہیئے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ آئندہ جماعت احمدیہ جہاں کہیں ہسپتال بنائے اس کا نام نورہسپتال رکھے. کیا کوئی معقول آدمی ایک منٹ کے لئے اس خیال کی صحت کو تسلیم کر سکتا ہے. جب مختلف ممالک میں جماعتیں ہسپتال بنائیں گی تو کسی جگہ پر وہ اس ملک کے کسی وزیر کے نام پر اس ہسپتال کا نام رکھیں گی. کسی جگہ کسی بڑے مبلغ کے نام پر اس کا نام رکھیں گی. غرض ہر ملک اور ہر علاقہ میں نئے نئے ناموں پر ہسپتال بنتے جائیں گے. ربوہ میں جو ہسپتال بنا ہے. ان لوگوں نے جنہوں نے وہ ہسپتال بنایا ہے مجھ سے خواہش کی کہ اس کا نام فضلِ عمر ہسپتال رکھ دیں اور میں نے اجازت دے دی. کیا یہ ہسپتال قادیان سے اُٹھا کر لایا گیا ہے. کہ یہ خیال کیا گیا ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل کا نام اس سے الگ کر دیا گیا ہے. حضرت خلیفہ اوّلؓ کی زندگی میں تو اس ہسپتال کی ایک اینٹ بھی نہیں رکھی گئی تھی. اگر اس خیال کو وسیع کیا جائے تو جس طرح قادیان میں غرباء کے لئے جو مختلف مکان بنائے گئے تھے. اس جگہ کا نام ناصر آباد رکھا گیا تھا کیونکہ میر ناصر نواب صاحب نے وہ مکان چندہ کر کے بنوائے تھے. اب ربوہ میں محلہ الف میں غرباء کے لئے مکان بنائے گئے ہیں تو یہ اعتراض بھی ہونا چاہیئے کہ اس کا نام محلہ دارالیمن کیوں رکھا گیا. پھر جماعت کو قانون بنا دینا چاہیئے کہ جہاں جہاں بھی کوئی ہسپتال بنایا جائے. اس کا نام

نُور ہسپتال رکھا جائے۔ اور جہاں جہاں بھی غربا کے لئے مکان بنائے جائیں، ان کا نام ناصر آباد رکھا جائے۔ پس یہ ایک محض جذباتی اور عقل سے عاری خیال ہے۔ نُور ہسپتال قادیان میں موجود ہے۔ وہ اَب بھی نُور ہسپتال ہے۔ اور جب کبھی خدا تعالےٰ ہمیں قادیان دے گا تو ہم کوشش کریں گے کہ وہ ہمیشہ نُور ہسپتال رہے۔ ممکن ہے اس وقت کی مالی حالت کے لحاظ سے ایک نیا ہسپتال جو اس سے بیسیوں گنے بڑا ہو بنائیں اور اس کا کوئی اور نام رکھ دیں۔ لیکن نور ہسپتال نُور ہسپتال ہی رہے گا۔ اور نور ہسپتال ہے۔ قادیان میں رہنے والے اَب بھی جب خط لکھتے ہیں تو نُور ہسپتال کا نام نور ہسپتال ہی لکھتے ہیں۔ پس قادیان میں بننے والے ہسپتال کا نام نور ہسپتال رکھنے کی وجہ سے قیامت تک کے لئے احمدی اس بات پر مجبور نہیں کہ جہاں کہیں وہ کوئی ہسپتال بنائیں اس کا نام نُور ہسپتال رکھیں۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اس نئے ہسپتال کے بنانے والوں نے اپنے اعلان میں بیوقوفی کی ہے۔ اور یہ لکھا ہے کہ اجازت دی جائے کہ نُور ہسپتال کی بجائے اس کا نام فضلِ عمر ہسپتال رکھا جائے۔ حالانکہ یہ نیا ہسپتال ہے۔ قادیان والا نہیں۔ لیکن ہسپتال کے منتظمین کی بیوقوفی کی وجہ سے جماعت کے تمام افراد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ بھی بیوقوف بن جائیں۔ فقط والسّلام مرزا محمود احمد"[1]

(دُوسرا مکتوب)

"پیارے حضرت صاحب۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضور کا مضمون برائے نُور ہسپتال ربوہ خاکسار نے پڑھا۔ حضور والا ! جہاں تک ہسپتال کی مکانیت کا تعلق ہے قادیان والا ہسپتال نُور ہسپتال ہی رہے گا۔ اور قیامت تک اس کے نام کو کوئی مٹا نہیں سکتا اور ربوہ والا ہسپتال یقیناً وہ ہسپتال نہیں جس کی بنیاد حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے رکھی۔ مگر پیارے آقا جہاں تک تبرک کا تعلق ہے ہمیں یقینی طور پر ربوہ والے ہسپتال کا نام بھی نُور ہسپتال ہی رکھنا چاہیئے۔ ربوہ کی بیشتر عمارات کے نام بھی وہی رکھے گئے ہیں جو ان کے نام قادیان میں تھے۔ مثلاً تعلیم الاسلام ہائی سکول کی بنیاد

---

[1] الفضل ۲۴ مئی ۱۹۵۶ء صٓ ۳ ۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے رکھی اور اس کا نام تعلیم الاسلام ہائی سکول تجویز فرمایا۔ اب ربوہ کے سکول کا نام بھی وہی ہے۔ حالانکہ وہ سکول جس کی بنیاد حضور نے اپنے دستِ مبارک سے رکھی تھی وہیں رہ گیاہے۔ اس طرح اور بھی کئی عمارات ہیں جن کا تبرکاً ظلّی طور پر وہی نام رکھا گیا ہے۔ جو اِن عمارات کا قادیان میں تھا اس لئے حضور والا میری عقلِ ناقص کے مطابق تبرک اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کا نام بھی نور ہسپتال ہی رکھا جائے۔ بے شک اس کی مکانیت اور اس کی بنیاد کے لحاظ سے اس کا نام بدل سکتے ہیں مگر جب باقی اکثر عمارتیں جو تعمیر کی گئی ہیں اُن کا بھی وہی نام رکھا گیاہے تو پھر خاص کر نورؔ ہسپتال کے نام کے بدلنے کی خاص ضرورت کیوں پیش آگئی۔

اس کے علاوہ عرصہ پانچ سال سے جو شروع میں کچّا ہسپتال تھا اس کا نام بھی نور ہسپتال ہی رکھا گیا حالانکہ اس کی بنیاد بھی حضور نے ہی رکھی تھی۔ تو اَب اس نئے ہسپتال کے لئے صدر انجمن کا نیا نام تجویز کرنا ایک عجیب سی بات نظر آتی ہے۔

حضور والا چونکہ تمام عمارتوں اور محلوں وغیرہ کے نام تبرکاً قادیان کے ہی ناموں جیسے رکھے گئے ہیں۔ اس لئے وہی تبرکاً اس بات کا شدید مقتضی ہے کہ اس ہسپتال کا نام بھی نُور ہسپتال ہی رہنے دیا جائے۔ خاکسار کو اُمید ہے کہ حضور صدر انجمن احمدیہ کو ارشاد فرمائیں گے کہ وہ اپنا فیصلہ منسوخ کر دے۔"

(حضرت مصلح موعودؓ کا جواب الجواب)

"سکول اور کالج کے نام تبدیل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کسی آدمی کے نام پر نہیں تعلیم الاسلام اِن کا نام ہے اور وہ حضرت مسیح موعودؑ کے رکھے ہوئے نام ہیں۔ کیا تعلیم الاسلام نام کی بجائے آپ کے خیال میں تعلیم عیسائیت یا تعلیم ہندویت رکھا جاتا۔

جن کے چندوں سے یہ ہسپتال بنا ہے وہ شوریٰ میں مل کر یہ فیصلہ کر دیں کہ اس کا نام نُور ہسپتال رکھ دیا جائے تو فوراً بدل دیا جائے گا۔ درحقیقت یہ ہسپتال چندوں سے بن بھی نہیں رہاہے بلکہ ہماری تجارتی کمائی سے بن رہاہے۔ دس ہزار میں ربوہ کی زمین خریدی گئی جس میں سے پانچ ہزار روپیہ مَیں نے دیا۔ اس فروخت سے جو نفع ہُوا اس سے کالج سکول اور ہسپتال بن

رہے ہیں۔

آپ شوریٰ میں یہ معاملہ پیش کر دیں۔ اگر شوریٰ برہان الدین ہسپتال نام رکھ دے تو وہ رکھ دیا جائے گا۔ کالج کا نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے رکھا تھا اور ہسپتال کا نام میر ناصر نواب صاحبؓ نے۔ کیا آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور میر ناصر نواب صاحب کو ایک دھبہ دینا چاہتے ہیں؟۔

مَیں آخر آپ لوگوں کا غلام تو نہیں کہ ہر احمدی مجھے جو حکم دے وہ مَیں مان لوں۔ جماعت کی اکثریت کا فیصلہ مَیں ماننے کو تیار ہوں۔ جو زید یا بکر یہ سمجھتا ہے کہ اس کا کہنا ماننا مجھ پر واجب ہے وہ بے شک میری بیعت چھوڑ دے۔" (پرائیویٹ سیکرٹری)[1]

افسوس حضرت مصلح موعودؓ کے اس حقیقت افروز جواب پر بھی بعض لوگوں کی تسلی نہ ہوئی جس پر حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے الفضل ۲۰ رجون ۱۹۵۶ء میں ایک دَرد بھرا نوٹ سپردِ قلم فرمایا جس میں اعتراض اُٹھانے والے عناصر کو مقامِ خلافت کی عظمت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے واضح فرمایا کہ ؎

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

چنانچہ آپ نے لکھا کہ:۔ " اداروں کے نام ایک رسمی سی بات ہے ربوہ کے ہسپتال کا نام نورؔ ہسپتال ہو یا فضلِ عمر ہسپتال اس سے جماعت کی تنظیم اور ترقی پر کیا خاص اثر پڑ گیا ہے؟ پس خدا کے لئے دوست خاموش ہو جائیں اور حضرت صاحب کو مزید پریشان نہ کریں۔ کیا ہمارے دوست بنی اسرائیل کے طریق پر قدم مارنا چاہتے ہیں؟ جو ہر بات پر سوالوں اور اعتراضوں کی بھرمار کر کے حضرت موسیٰ کو تنگ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ جب ایک دفعہ کسی مسلمان کہلانے والے نے اسی قسم کا اعتراض کر کے ہمارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کیا تو آپ نے اس پر یہ الفاظ فرمائے کہ "قَدْ اُوْذِیَ مُوْسٰی اَکْثَرَ مِنْ ھٰذَا فَصَبَرَ۔" یعنی حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل نے اپنے ناواجب سوالوں اور اعتراضوں کے ذریعہ

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۵ رجون ۱۹۵۶ء صفحہ ۳

اس سے بڑھ کر تنگ کیا۔ مگر موسیٰؑ نے صبر سے کام لیا۔ بہرحال حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز دونوں ہی ہمارے امام ہیں۔ ایک سابق امام اور ایک موجودہ امام۔ اگر ربوہ میں قائم ہونے والے ایک ادارہ کا نام خواہ وہ فنِ طبّ سے ہی تعلق رکھتا ہو۔ عملہ ہسپتال کی تجویز پر فضل عمر ہسپتال نام رکھ دیا گیا تو اس سے اندھیر کونسا ہو گیا"۔ [۱]

فصل ہشتم

نوجوانانِ احمدیت میں رُوحانی انقلاب

حضرت مصلح موعودؓ کی علالت کے نتیجہ میں نوجوانانِ احمدیت کے اندر ایسی زبردست رُوحانی تبدیلی پیدا ہو گئی کہ دُعاؤں اور درُود شریف کے بکثرت ورد سے اُن پر جنابِ الٰہی کی طرف سے رؤیا اور کشوف کے دروازے کھُل گئے جس پر حضرت مصلح موعودؓ نے خطبہ جمعہ یکم جون ۱۹۵۶ء میں نہایت خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:۔

"کہنے کو تو مسلمان کہتا ہی رہتا ہے کہ اس کو صراطِ مستقیم کی خواہش ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ صراطِ مستقیم اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی ملتا ہے اور اس فضل کو کھینچنے کے لئے خدا کوئی نہ کوئی ذریعہ بنا دیتا ہے۔ میں سوچا کرتا ہوں کہ کسی شاعر نے کیا سچ کہا ہے کہ ؎

خدا شرّے برانگیزد کہ خیرے مادر آں باشد

یعنی خدا تعالیٰ بعض وقت شرّ میں سے بھی ہمارے لئے خیر اور بھلائی اور برکت کے سامان پیدا کر دیتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ میری بیماری سے پہلے جماعت کے نوجوان وہی تھے جو

---

[۱] روزنامہ الفضل ۲۰ جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۵، ۶۔

اَب ہیں اور اُن کے تعلقات بھی ویسے ہی تھے جیسے اَب ہیں لیکن دُعاؤں اور درود کی طرف اُن کی زیادہ توجہ نہیں تھی لیکن جب میری بیماری کی خبریں شائع ہوئیں تو انہوں نے اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ دُعائیں کر رہے ہیں تو انہوں نے بھی دُعائیں کرنی شروع کر دیں پھر انہوں نے سُنا کہ درود سے دُعائیں زیادہ سُنی جاتی ہیں۔ اس پر انہوں نے بھی درود پڑھنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ تھے تو پچیس پچیس چھبیس چھبیس سال کے لیکن پہلے انہیں رؤیا وکشوف نہیں ہوتے تھے۔ لیکن ان دُعاؤں اور درود کی کثرت کی وجہ سے مَیں دیکھتا ہوں کہ درجنوں احمدیوں کو بڑی اعلیٰ درجہ کی خوابیں آنی شروع ہو گئیں ہیں۔ اور ہر ڈاک میں ایسے کئی خطوط نکل آتے ہیں جن میں خوابیں درج ہوتی ہیں۔ بعض دفعہ روزانہ پانچ پانچ چھ چھ خط اکٹھے آجاتے ہیں۔ جن میں خوابیں درج ہوتی ہیں۔ اور ان میں سے بعض اتنی شاندار ہوتی ہیں کہ اُن کے پڑھنے سے صاف پتہ لگتا ہے کہ یہ خدائی رؤیا ہیں۔ یہ اسی بات کا نتیجہ ہے کہ چاہے میری بیماری کی وجہ سے وہ خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے لیکن بہرحال ان کو خدا تعالیٰ کی طرف توجہ پیدا ہوئی اور چاہے انہوں نے دُعا کی قبولیت کے لئے ہی دُرود پڑھا۔ مگر درود کی برکات سے انہیں حصّہ مل گیا۔ چنانچہ ان دُعاؤں اور درود اور خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے کے نتیجہ میں ایسی ایسی خوابیں دوستوں کو آرہی ہیں کہ انہیں پڑھ کر حیرت آتی ہے اور ان کا لفظ لفظ بتا رہا ہوتا ہے کہ سچّی ہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اگر یہ تحفہ جو ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے مِلا ہے اس سے ان کے اندر حقیقی لذّتِ ایمان پیدا ہو گئی اور انہوں نے دُعاؤں اور ذکرِ الٰہی کی عادت کو ترک نہ کیا تو یہ رؤیا وکشوف کا سلسلہ ان کے لئے مستقل طور پر جاری ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے فضل اِن پر متواتر نازل ہونے شروع ہو جائیں گے۔"[1]

ٹیونس۔ زیکوسلاواکیہ اور مراکش میں اشاعت احمدیت

یہ سال تبلیغِ اسلام اور اشاعتِ احمدیت کے اعتبار سے بہت اہم سال تھا جس میں ایک طرف اگر حکومتِ سپین نے تبلیغِ دین کی بندش کا فیصلہ

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۲ر جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ (ایضاً ۲۹ر مئی ۱۹۵۶ء صفحہ ۲)

کیا تو دُوسری طرف دُنیا کے متعدد ممالک مثلاً ٹیونس، زیکوسلاواکیہ اور مراکش تک احمدیت کی آواز پہنچانے کا سامان کر دیا۔ چنانچہ حضرت مصلح موعودؓ نے خطبہ جمعہ ۱۵؍جون ۱۹۵۶ء میں خدا تعالیٰ کے ان تازہ افضال اور تصرفات پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"دُنیا اس وقت اسلام کی پیاسی ہے اور وہ ہم سے مبلغین اور لٹریچر کا مطالبہ کر رہی ہے کل ہی ایک ایسے ملک سے چٹھی آئی ہے کہ جہاں مسلمانوں کی بڑی بھاری تعداد ہے۔ وہاں ایک شخص نے قرآن کریم کا دیباچہ جو میرا لکھا ہُوا ہے جرمنی میں پڑھا اور پھر اس نے لکھا کہ میں نے آپ کا دیباچہ پڑھا ہے اور مَیں اس سے بڑا متأثر ہُوا ہوں۔ اگر ہماری زبان میں آپ اسے شائع کر دیں تو ہمارے مُلک میں بیس لاکھ مسلمان ہیں ان کے متعلق آپ سمجھ لیں کہ وہ فوراً آپ کی جماعت میں شامل ہو جائیں گے۔ مگر سوال یہ ہے کہ جو کام شروع ہیں اگر وہی پُورے نہ ہوسکے ہوں تو ہم نئے کام کس طرح شروع کر سکتے ہیں ورنہ دُنیا میں ایسے حالات پیدا ہو رہے ہیں جن سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کئی ممالک جن میں اس وقت عیسائیت کو غلبہ حاصل ہے اگر ان میں تبلیغ کی جائے اور لٹریچر پھیلایا جائے تو وہ بہت جلد احمدی ہو جائیں گے ..... محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی کرسی بلند سے بلند تر ہوتی چلی جائے گی۔ خواہ ساری عیسائی دُنیا زور لگالے۔ ساری ہندو دُنیا زور لگالے۔ ساری یہودی دُنیا زور لگالے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی کرسی کو کھینچنے والا کوئی انسان پیدا نہیں ہُوا۔ وہ آسمان کی بلندیوں کی طرف اُڑتی چلی جائے گی اور اگر زمین کے لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اس کرسی پر نہیں بیٹھنے دیں گے تو آسمان سے خدا اُترے گا اور وہ خود آپؐ کو اس کرسی پر بٹھائے گا یہ خدائی قضا ہے جو بہرحال پُوری ہو کر رہے گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا شعر ہے کہ ؏

قضائے آسماں است ایں بہرحالت شود پیدا

یہ آسمان کی قضا ہے اور اس نے ہو کر رہنا ہے نہ امریکہ کی طاقت ہے۔ نہ اسرائیل کی طاقت ہے، نہ روس کی طاقت ہے، نہ انگلستان کی طاقت ہے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اس کرسی سے اتار سکے۔ سپین کی بھلا حیثیت ہی کیا ہے۔ پچھلے دس پندرہ سال میں وہاں تین حکومتیں بدل چکی ہیں۔ لیکن پھر بھی اگر بعض حکومتیں فرض شناسی سے کام نہیں

لیں گی اور ظلم کرنا شروع کر دیں گی تو اللہ تعالیٰ اس ظلم کو برداشت نہیں کرے گا اور خدا خود انہیں مجبور کرے گا کہ وہ اسلام کے راستہ سے روکیں دُور کریں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہمارے مبلغوں کو اگر عقل دے تو اب بھی وہ ایسے سامان پیدا کر رہا ہے جن سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے پچھلے دنوں ٹیونس کا ایک شہزادہ جو تخت کا وارث تھا مصر میں آیا اور احمدی ہو کر چلا گیا۔ مگر ہمارے مبلغوں نے یہ غلطی کی کہ اس سے تعلق نہیں رکھا اسی طرح الجزائر کا ایک نمائندہ پچھلے دنوں آیا اور مجھے مِلا اور کہنے لگا کہ مولوی آپ کی مخالفت کیوں کرتے ہیں مَیں نے خود احمدیت کا مطالعہ کیا ہے اور مجھے اس کی تعلیم بڑی اچھی نظر آتی ہے مَیں نے کہا یہ اُن سے پوچھو کہ وہ کیوں مخالفت کرتے ہیں۔ کہنے لگا میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ وہ ایسی اچھّی باتوں کی کیوں مخالفت کرتے ہیں۔ اسی طرح زیکوسلویکیا کا ایک نمائندہ مجھے زیورک میں مِلا اور کہنے لگا کہ مَیں احمدی ہونا چاہتا ہوں۔ مَیں نے کہا جلدی نہ کرو۔ پہلے مولویوں کی باتیں سُن لو۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں ان کی باتیں سُنکر کہنے لگ جاؤ کہ اب مَیں مرتد ہونا چاہتا ہوں۔ پھر مَیں نے اسے اختلافات بتائے اور کہا کہ ہم حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی وفات کے قائل ہیں اور وہ انہیں آسمان پر زندہ سمجھتے ہیں۔ ہم قرآن کی کسی آیت کو منسوخ نہیں سمجھتے مگر وہ کئی آیات کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اس طرح ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام کی اشاعت کے لئے تلوار کی ضرورت نہیں مگر وہ جہاد کا یہی مفہوم سمجھتے ہیں کہ تلوار کے ساتھ غیر مسلموں کی گردنیں کاٹ دی جائیں۔ وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ آپ کیا باتیں کر رہے ہیں۔ ہمارے مُلک کے لوگ پہلے ہی اِن باتوں کو مانتے ہیں ہمارے مُلک میں تعلیم زیادہ ہے اس لئے کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو آسمان پر زندہ سمجھتا ہو پھر ہمارے ملک میں ٹیٹو کی حکومت ہے۔ اگر ہم لوگوں کو یہ مسئلہ بتائیں گے کہ غیر مسلموں کو قتل کرنا جائز ہے تو ٹیٹو پہلے ہماری گردنیں کاٹے گا اور کہے گا کہ تمہیں تو جب تلوار ملے گی دیکھا جائے گا پہلے مَیں تمہاری گردنیں اڑاتا ہوں۔ ہماری عقل ماری ہوئی ہے کہ ہم اس مسئلہ کو تسلیم کریں۔ باقی رہا قرآن میں منسوخی کا سوال۔ سو یہ بات بھی بالکل واضح ہے اگر مان لیا جائے کہ قرآن میں بعض منسوخ آیات ہیں تو اس کے معنے یہ ہیں کہ سارا قرآن ہی قابلِ اعتبار نہیں۔ ہم ایسے بے وقوف نہیں کہ ان باتوں کو مان لیں۔ آپ بے شک تسلّی رکھیں۔ مولویوں کا نہ ہم پر اثر ہو سکتا ہے اور نہ میرے مُلک کے دوسرے

لوگوں پر۔ آپ بے شک لٹریچر بھیجیں۔ ہمارے نوجوان ان مسائل کو خوش آمدید کہیں گے اور وہ خوش ہوں گے کہ آپ نے ان کو گمراہی سے بچا لیا۔ غرض اللہ تعالیٰ کے فضل سے غیرملکوں میں اسلام کے پھیلنے کے سامان پیدا ہو رہے ہیں اور چند ممالک تو ایسے نظر آ رہے ہیں کہ اگر ان میں صحیح طور پر تبلیغ کی جائے تو وہ لوگ عیسائیت کو چھوڑ کر بہت جلد اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان کے دلوں میں خواہش پیدا ہو رہی ہے کہ اسلام کی تعلیم ان تک پہنچے اور وہ اسے قبول کریں۔ بے شک سپین کی گورنمنٹ ہمارے مبلّغ کو نکال دے اور مولوی اس پر خوشیاں منا لیں۔ مگر الٰہی تدبیر کا وہ کہاں مقابلہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ادھر سپین کی گورنمنٹ نے ہمارے مبلّغ کو نوٹس دیا اور ادھر مراکش کے مسلمانوں نے خط و کتابت شروع کر دی کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں گویا اگر ایک ملک ٹانگ کھینچتا ہے تو دوسرا کرسی بچھانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ اسلام کے پھیلنے کے خود سامان کر رہا ہے۔ شروع میں جب اسلام پھیلا تھا تو خدا نے ہی پھیلایا تھا"۔[1]

فصل نہم

سیرالیون میں ایک عظیم نشان کا ظہور

سیرالیون احمدیہ مشن کا اخبار افریقن کریسنٹ THE AFRICAN CRESCENT ایک عیسائی پریس میں چھپتا تھا۔ مگر اس سال کے وسط اوّل میں پریس کے عیسائی پرنٹر نے پادریوں کے اکسانے پر نہ صرف پرچہ چھاپنے سے انکار کر دیا اور مسودات واپس کر دیئے بلکہ ایڈیٹر کریسنٹ کو یہاں تک لکھا کہ ہمارا مسیح تو مُردے زندہ کیا کرتا تھا اور مختلف قسم کے معجزے دکھایا کرتا تھا اگر آپ کا مسیح بھی اپنے دعویٰ میں صادق ہے تو اس سے کہو کہ کم از کم تمہارا اخبار ہی چھاپ دیا

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۰ جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۴

کرے۔ اس طنزیہ جواب سے مخلصینِ سیرالیون کو سخت تکلیف ہوئی مگر وہ خدائے عزّ و جل کے حضور فریاد کرنے اور حضرت مُصلح موعود کی خدمتِ اقدس میں درخواستِ دُعا بھیجنے کے سوا اور کیا کر سکتے تھے۔ سو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسیح محمدی کے لئے ایسی غیرت دکھلائی کہ سخت مخالف حالات کے باوجود بہت جلد اس نے ایک نئے اور اعلیٰ درجہ کے پریس کا سامان کر دیا۔ انگلستان سے چار مشینیں منگوائی گئیں اور ان کو علی روجرز صاحب کے وقف شدہ مکانوں میں نصب کر دیا گیا۔

ہُوا یہ کہ مولانا محمد صدیق صاحب امیر و انچارج مشن سیرالیون نے پریس کے لئے ایسی پرجوش تحریک کی کہ سیرالیون جیسی غریب اور نسبتاً چھوٹی جماعت نے اپنے پریس کے لئے چودہ سو پونڈ کی خطیر رقم جمع کر لی۔ اس شاندار مالی جہاد میں جماعت کے دوسرے مخلصین کے علاوہ سیّد علی روجرز، احمدی پیراماونٹ چیف آنریبل ناصر الدین گامانگا صاحب اور مسٹر قاسم صاحب سیکشن چیف غالا نے نمایاں حصّہ لیا۔[1]

حضرت مصلح موعودؓ کو اس رُوح پرور واقعہ کی اطلاع پر بے انداز مسرّت ہوئی اور آپ نے ۲۹؍جون ۱۹۵۶ء کے خطبہ جمعہ میں اس تازہ نشان کی تفصیلات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:۔

"اس ہفتہ میں مجھے ایک مبلغ کی طرف سے ایک چٹھی آئی ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ کس طرح ہمارا خدا ایک زندہ خدا ہے۔ اس کے بعد اپنا ایک ذاتی واقعہ اس کے ثبوت کے طور پر بیان کروں گا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہم نے یہاں اخبار جاری کیا اور چونکہ ہمارے پاس کوئی پریس نہیں تھا۔ اس لئے عیسائیوں کے پریس میں وہ اخبار چھپنا شروع ہوا۔ دو چار پرچوں تک تو وہ برداشت کرتے چلے گئے لیکن جب یہ سلسلہ آگے بڑھا تو پادریوں کا ایک وفد اس پریس کے مالک کے پاس گیا اور انہوں نے کہا تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم اپنے پریس میں ایک احمدی اخبار شائع کر رہے ہو۔

---

[1] الفضل ۲۴، ۲۵؍جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ (وفا ۱۳۳۵ ہش) و مخلص خط مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری ۱۵؍جولائی ۱۹۵۶ء

جس نے عیسائیوں کی جڑوں پر تبر رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ اسے غیرت آئی اور اس نے کہہ دیا کہ آئندہ یہ تمہارا اخبار اپنے پریس میں نہیں چھاپوں گا۔ کیونکہ پادری اس پر بُرا مناتے ہیں۔ جب اپنا اخبار چھپنا بند ہو گیا تو عیسائیوں کو اس سے بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے ہمیں جواب دینے کے علاوہ اپنے میں بھی ایک نوٹ لکھا۔ کہ ہم نے تو احمدیوں کا اخبار چھاپنا بند کر دیا ہے۔ اَب ہم دیکھیں گے کہ اسلام کا خدا اُن کے لئے کیا سامان پیدا کرتا ہے۔ یعنی پہلے ان کا اخبار ہمارے پریس میں چھپ جایا کرتا تھا۔ اَب چونکہ ہم نے انکار کر دیا ہے۔ اور ان کے پاس اپنا پریس کوئی نہیں اس لئے اَب ہم دیکھیں گے کہ یہ جو مسیح کے مقابلے میں اپنا خدا پیش کیا کرتے ہیں اس کی کیا طاقت ہے۔ اگر اس میں کوئی قدرت ہے تو وہ ان کے لئے خود سامان پیدا کر دے وہ مبلغ لکھتے ہیں کہ جب مَیں نے یہ پڑھا تو میرے دل کو سخت تکلیف محسوس ہوئی۔ اور میں نے سمجھا کہ گو ہماری یہاں تھوڑی سی جماعت ہے لیکن بہرحال مَیں انہیں کے پاس جا سکتا ہوں اور کہہ سکتا ہوں کہ اس موقع پر وہ ہماری مدد کریں تاکہ ہم اپنا پریس خرید سکیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ مَیں نے لاری کا ٹکٹ لیا اور پونے تین سو میل کے فاصلہ پر ایک احمدی کے پاس گیا تاکہ اسے تحریک کروں کہ وہ اس کام میں حصّہ لے۔ یہ شخص جس کے پاس ہمارا مبلّغ گیا کسی زمانہ میں احمدیت کا شدید مخالف ہُوا کرتا تھا۔ اتنا سخت مخالف کہ ایک دفعہ کوئی احمدی اس کے ساتھ دریا کے کنارے جا رہا تھا کہ اس احمدی نے تبلیغ شروع کر دی وہ دریا کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ دیکھو یہ دریا اُدھر سے اِدھر بہہ رہا ہے اگر یہ دریا یکدم اپنا رُخ بدل لے اور نیچے سے اوپر کی طرف اُلٹا بہنا شروع کر دے تو یہ ممکن ہے۔ لیکن میرا احمدی ہونا ناممکن ہے مگر کچھ دنوں کے بعد ایسا اتفاق ہُوا کہ کوئی بڑا عالم فاضل نہیں بلکہ ایک لوکل افریقن احمدی اس سے ملا اور چند دن اس سے باتیں کیں تو وہ احمدی ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی مدد کی اور اس کی مالی حالت پہلے سے بہت اچھی ہو گئی وہ افریقن اپنے گاؤں کا چیف یعنی رئیس ہے مگر ہمارے ملک کے رئیسوں اور اُن کے رئیسوں میں فرق ہوتا ہے۔ اُن کے رئیس اور چیف عموماً ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے ہمارے ہاں نمبردار اور سفید پوش ہوتے ہیں۔ گو بعض چیف بڑے بڑے بھی ہوتے ہیں مثلاً لنڈن میں میری ریسپشن RECEPTION کے موقعہ پر جو افریقن چیف آیا اس کے ماتحت تین لاکھ آدمی تھا۔ گویا ریاست پٹیالہ سے بھی

بڑی ریاست اس کے ماتحت تھی۔ پس بے شک بعض بڑے بڑے چیف بھی ہوتے ہیں۔ جب ہم اُن کے متعلق چیف کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو بعض احمدی اس سے دھوکا کھا جاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے بہت بڑا رئیس مراد ہے۔ حالانکہ اس کے معنے صرف ایک چھوٹے نمبردار کے ہوتے ہیں۔ وہاں قاعدہ یہ ہے کہ لوگ اپنے چیف کا خود انتخاب کرتے ہیں۔ گاؤں والے اپنے چیف کا انتخاب کرتے ہیں اور شہر والے اپنے چیف کا انتخاب کرتے ہیں۔ گاؤں کا چیف چھوٹا چیف ہوتا ہے۔ قصبہ کا چیف اس سے بڑا چیف ہوتا ہے اور شہروں کے چیف ان سے بڑے ہوتے ہیں پھر اس ضلع کے الگ الگ چیف ہوتے ہیں۔ جنہیں پیرامونٹ چیف PARAMOUNT CHIEF کہتے ہیں۔ یعنی راجوں کا راجہ۔ بہرحال وہ مبلغ لکھتے ہیں کہ میں اس چیف کے پاس گیا جو ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا، احمدیت میں داخل ہوا تھا اور جو کسی زمانہ میں احمدیت کا اتنا مخالف ہوا کرتا تھا کہ اس نے یہ کہا تھا کہ دریا اپنا رُخ بدل سکتا ہے اور وہ نیچے سے اوپر کی طرف بہہ سکتا ہے۔ لیکن میں احمدی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھو کہ جونہی وہ احمدی ہوا اس کی زمین میں سے ہیروں کی کان نکل آئی اور گو قانون کے مطابق گورنمنٹ نے اس پر قبضہ کر لیا مگر اسے کچھ رائلٹی دینی پڑی جس سے یکدم اس کی مالی حالت اچھی ہونی شروع ہو گئی۔ اور جماعتی کاموں میں بھی اس نے شوق سے حصّہ لینا شروع کر دیا۔ بہرحال وہ لکھتے ہیں کہ میں اس کی طرف جا رہا تھا کہ خدا تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ ابھی اس کا گاؤں آٹھ میل پرے تھا کہ وہ مجھے ایک دوسری لاری میں بیٹھا ہوا نظر آ گیا اور اس نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ اس وقت وہ اپنے کسی کام کے سلسلہ میں کہیں جا رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی لاری سے اُتر پڑا اور کہنے لگا کہ آپ کس طرح تشریف لائے ہیں۔ میں نے کہا کہ اس اس طرح ایک عیسائی اخبار نے لکھا ہے کہ ہم نے تو ان کا اخبار چھاپنا بند کر دیا ہے۔ اگر مسیح کے مقابلہ میں ان کے خدا میں بھی کوئی طاقت ہے تو وہ کوئی معجزہ دکھا دے وہ کہنے لگا آپ یہیں بیٹھیں۔ میں ابھی گاؤں سے ہو کر آتا ہوں۔ چنانچہ وہ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہی اس نے پانچ سو پونڈ لا کر ہمارے مبلغ کو دے دیا۔ پانچ سو پونڈ اس سے پہلے دے چکا تھا گویا تیرہ ہزار کے قریب روپیہ اس نے دے دیا اور کہا کہ میری خواہش ہے آپ پریس کا جلدی انتظام کریں تاکہ عیسائیوں کو جواب دے سکیں۔ کہ اگر تم نے ہمارا اخبار چھاپنے

سے انکار کر دیا تھا تو اب ہمارے خدا نے بھی ہمیں اپنا پریس دے دیا ہے۔ ایک ہزار پونڈ ہمارے ملک کی قیمت کے لحاظ سے تیرہ ہزار روپیہ کا بنتا ہے۔ اور یہ اتنی بڑی رقم ہے کہ بڑے بڑے تاجر بھی اتنا روپیہ دینے کی اپنے اندر توفیق نہیں پاتے۔ وہ بڑے مالدار ہوتے ہیں مگر اتنا چندہ دینے کی ان میں ہمت نہیں۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ اس سے پہلے جب اس چیف نے پانچ سو پونڈ چندہ دیا تھا تو میں ایک شامی تاجر سے بھی ملا تھا۔ میں نے اسے تحریک کی کہ وہ بھی اس کام میں حصہ لے اور میں نے اسے کہا فلاں گاؤں کا جو رئیس ہے اس نے پانچ سو پونڈ چندہ دیا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ میری طرف سے بھی آپ پانچ سو پونڈ لکھ لیں اور پھر کہا کہ میں اس وقت پانچ سو پونڈ لکھواتا ہوں مگر میں دُوں گا اس چیف سے زیادہ۔ یہ کتنا بڑا ثبوت ہے اس بات کا کہ ہمارا خدا ایک زندہ خدا ہے۔ ایک معمولی گاؤں کا چیف ہے اور پھر احمدیت کا اتنا مخالف ہے کہ کہتا ہے اگر دریا اُلٹا چلنے لگے تو یہ ممکن ہے لیکن یہ ممکن ہی نہیں کہ میں احمدی ہو سکوں۔ مگر پھر خدا تعالیٰ اسے احمدیت میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور نہ صرف احمدیت میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرماتا ہے بلکہ یکدم اسے ہزاروں روپیہ سلسلہ کو پیش کرنے کی توفیق مِل جاتی ہے''۔[1][2]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰؍جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۲، ۳۔

[2] مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری فرماتے ہیں:۔

''مذکورہ بالا پریس کے لئے جب مالی تحریکیں کی جارہی تھیں تو مجھے دن رات یہ فکر رہنے لگا کہ اب ہم احمدیہ پریس کہاں اور کس عمارت میں فٹ کریں گے کیونکہ ہمارے پاس اس وقت ''بو'' میں سوائے ایک احمدیہ دارالتبلیغ کی عمارت کے اور کوئی عمارت نہ تھی۔ اسی فکر میں ایک شب بے چینی کے عالم میں بار بار بستر پر پہلو بدلتے ہوئے خاکسار اللہ تعالیٰ کے حضور ملتجی تھا کہ الٰہی اس پریس کے لئے عمارت کا کیا انتظام کیا جائے کہ اچانک اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالا کہ محترم الحاج علی روجرز صاحب کو تحریک کروں کہ وہ اپنے دو مکان اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر جماعت کے نام ہبہ کر دیں۔ چنانچہ اگلے روز خاکسار نے مکرم الحاج علی روجرز صاحب کے پاس جاکر انہیں کہا کہ جماعت کی

حضورؓ نے مزید فرمایا :-

"مَیں نے پچھلے دنوں تحریک جدید کے بیرونی مشنوں کے متعلق ایک خطبہ پڑھا تھا جس میں مَیں نے ذکر کیا تھا کہ تحریک جدید کے پاس بیرونی مشنوں کے لئے اتنا کم روپیہ رہ گیا ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) فوری ضروریات کے پیشِ نظر آپ یہ دونوں مکان مع ساتھ والی زمین کے اللہ تعالیٰ کی خاطر احمدیہ مشن کو ہبہ کر دیں کیونکہ ان کی اس وقت اشد ضرورت ہے۔ مَیں قربان جاؤں اس پیارے بزرگ بھائی کے وہ کسی تردد اور عذر کے بغیر فی الفور سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے وہ دونوں مکان ہبہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور کہنے لگے کہ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے بالکل درست ہے۔ لائیں کاغذ اور قلم اور مجھ سے ابھی ابھی لکھوائیں۔ چنانچہ اسی وقت ہم مشن کے دفتر میں پہنچے اور مَیں نے لوکل قانون کے مطابق انگریزی میں معاہدے کا ڈرافٹ تیار کر کے اس کی تین نقول کیں اور بطور گواہ جماعت کے دوسرے سرکردہ ممبران کو بلا کر اُن کے سامنے الحاج علی روجرز صاحب سے دستخط کروائے۔ چنانچہ اس کے بعد سے شہر کے وسط میں دونوں عمارتیں اور خالی زمین قانونی طور پر احمدیہ مشن سیرالیون کی ملکیت ہو گئیں۔ اُن کی قیمت مع زمین اُس وقت تین ہزار پونڈ سے کم نہ تھی۔ ان میں سے ایک عمارت میں پریس قائم کیا گیا اور دوسری عمارت جماعت کی سنٹرل لائبریری اور پبلک ریڈنگ رُوم کے طور پر استعمال ہونے لگی جس کا افتتاح ملک کے سینکڑوں باشندوں کی موجودگی میں "بو" کے ڈسٹرکٹ کمشنر صاحب نے کیا اور پھر پبلک کا ہر طبقہ اس لائبریری اور ریڈنگ روم سے فائدہ اٹھانے لگا۔ اس ریڈنگ روم میں لوکل اخبارات کے علاوہ دُنیا بھر سے ہر قسم کے کم و بیش تیس روزانہ ہفتہ وار اور ماہوار اخبار اور رسالے وغیرہ باقاعدہ آیا کرتے تھے جن میں سے اکثر احمدیہ لائبریری کے نام پر مفت آتے تھے۔ یہاں اظہارِ تشکر کے طور پر ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا کہ مجوزہ پریس کی مشینیں خریدنے کے لئے محترم الحاج علی روجرز صاحب نے اپنے دونوں مکانوں کے علاوہ اپنے اور اپنے خاندان کی طرف سے بطور چندہ پریس ۵۰۰ پونڈ نقد بھی ادا فرمایا فجزاہ اللہ تعالیٰ۔

پریس کے لئے انگلستان سے آمدہ چار مشینیں سالہا سال تک مشن کی ضروریات پُورا کرنے کے علاوہ تجارتی لحاظ سے بھی سُود مند ثابت ہوئیں۔

شائد اَب ہمیں اپنے مشن بند کرتے پڑیں مگر ادھر مَیں نے خطبہ پڑھا اور اُدھر اللہ تعالیٰ کا فضل دیکھو کہ ایک دن مَیں نے ڈاک کھولی تو اس میں ہمارے ایک مبلّغ کا خط نکلا جس میں اس نے لکھا کہ ایک جرمن ڈاکٹر نے احمدیت کے متعلق کچھ لٹریچر پڑھا تو اس نے ہمیں لکھا کہ مجھے اور لٹریچر بھجواؤ۔ چنانچہ اس پر مَیں نے آپ کا لکھا ہوا دیباچہ قرآن اسے بھجوا دیا۔ دیباچہ پڑھ کر اس نے لکھا کہ مَیں چاہتا ہوں کہ اس کو اپنے مُلک میں چھاپا جائے اور بڑی کثرت سے یہاں پھیلایا جائے اور مَیں اس بارے میں آپ کی ہر طرح مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔ پھر اُس نے لکھا کہ یہاں بیس لاکھ جرمن نسل کے مسلمان پائے جاتے ہیں۔ اگر دیباچہ کا یہاں کی زبان میں ترجمہ ہو جائے تو بیس لاکھ مسلمان عیسائیوں کے ہاتھ میں جانے سے بچ جائے گا۔ اور وہ احمدیّت کو قبول کرلے گا۔ گویا ہم تو یہ ڈر رہے تھے کہ کہیں خدانخواستہ ہمارے پہلے مشن بھی بند نہ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ نے ہماری تبلیغ کے لئے راستے کھول دیئے۔ پھر جب خطبہ شائع ہوا تو باہر سے بھی اور اندر سے بھی ہمارے خدا کے زندہ ہونے کی کثرت سے مثالیں ملنی شروع ہوگئیں۔ ایک غیر احمدی کا خط آیا کہ مَیں نے آپ کا خطبہ پڑھا تو میرا دل کانپ گیا کہ آپ کو اسلام اور مسلمانوں کی تکلیف کی وجہ سے کس قدر دُکھ ہوا ہے۔ مَیں سو روپیہ کا چیک آپ کو بھجوا رہا ہوں آپ اس روپیہ کو جس طرح چاہیں خرچ کریں پھر ایک اور خط کھولا تو وہ ایک احمدی کا تھا اور اس میں لکھا تھا کہ مَیں سو روپیہ بھجوا رہا ہوں تاکہ بیرونی مشنوں کے اخراجات میں جو کمی آئی ہے وہ اس سے پُوری ہو سکے۔ پھر ایک عورت کا خط آیا کہ مَیں پچاس روپے بھجوا رہی ہوں تاکہ جو نقصان ہُوا ہے اس کا ازالہ ہو سکے۔ پھر چوتھا خط مَیں نے کھولا تو اس میں ایک ترکی پروفیسر کا ذکر تھا۔ ہمارا ایک احمدی ان دنوں ایک ترکی پروفیسر سے ترکی زبان سیکھ رہا ہے اور ایک سو بیس روپے ماہوار اسے ٹیوشن دیتا ہے وہ ترکی پروفیسر اسلام کا دشمن تھا اور رات دن اسلام اور ہستیٔ باری تعالیٰ پر اعتراض کرتا رہتا تھا وہ احمدی لکھتا ہے کہ مَیں نے ایک دن فیصلہ کیا کہ چاہے میری پڑھائی ضائع ہو جائے مَیں نے آج اس سے مذہبی بحث کرنی ہے۔ چنانچہ مَیں اس سے بحث کرتا رہا۔ اور پھر مَیں نے اسے آپ کا لکھا ہوا دیباچہ قرآن دیا کہ وہ اسے پڑھے وہ دیباچہ لے گیا اور پڑھنے کے بعد مجھے کہنے لگا کہ مَیں آج سے پھر مسلمان ہوگیا ہوں۔ پھر جب مہینہ ختم ہُوا اور مَیں اسے روپیہ دینے کے

لئے گیا تو وہ کہنے لگا کہ تم مجھ پر یہ مہربانی کرو کہ یہ روپیہ میری طرف سے اپنے امام کو بھجوا دو۔ اور انہیں کہو کہ وہ جس طرح چاہیں اس روپیہ کو خرچ کریں اَب دیکھو ایک دہریہ انسان ہے خدا تعالیٰ پر رات دن ہنسی اڑاتا ہے۔ اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ لیکن اس پر ایسا اثر ہُوا ہے کہ جب اسے ٹیوشن کی فیس پیش کی جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ یہ روپیہ مجھے نہ دو۔ بلکہ اپنے امام کے پاس بھیج دو اور انہیں کہو کہ وہ اسے جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ اس کے بعد مَیں نے جو پانچواں خط کھولا وہ ایک احمدی دوست کا تھا جو انڈونیشیا سے بھی پَرے رہتے ہیں۔ انہوں نے لکھا کہ یہ اطلاع ملتے ہی کہ بیرونی مشنوں کو جو روپیہ بھجوایا جاتا تھا۔ اس میں کمی آگئی ہے مَیں نے اڑھائی سو پونڈ لنڈن بنک میں تحریک جدید کے حساب سے جمع کروا دیا ہے میری خواہش تھی کہ مَیں چھ سو پونڈ جمع کراؤں۔ مگر سردست فوری طور پر مَیں نے اڑھائی سو پونڈ بنک میں جمع کرا دیا ہے۔ پھر چھٹا خط مَیں نے کھولا تو وہ ایک ایسے دوست کی طرف سے تھا جو پاکستان کے باہر کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے لکھا آپ اس فکر میں اپنی صحت کیوں برباد کر رہے ہیں۔ ہماری جائیدادیں اور ہمارے بیوی بچّے کس غرض کے لئے ہیں۔ ہم اِن سب کو قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آپ پونڈوں کا فکر نہ کریں آپ جتنے پونڈ چاہیں گے ہم جمع کر دیں گے اور اس بارہ میں آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے دیں گے۔ غرض اس طرح متواتر خطوط آنے شروع ہو گئے ہیں کہ صاف معلوم ہوتا ہے اس خطبہ کے پہنچتے ہی تمام جماعتوں میں اک آگ سی لگ گئی ہے اور لوگ انتہائی بے تابی کے ساتھ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح پشاور سے ایک دوست کا خط آیا جس میں انہوں نے لکھا کہ یہ خطبہ پڑھ کر مجھے سخت تکلیف ہوئی ہے۔ اگر تمام احمدی کوشش کریں تو کیا وہ سات ہزار دو سو پونڈ بھی جمع نہیں کر سکتے۔ ہم خدا تعالےٰ کے فضل سے اس کام کے لئے پُوری طرح تیار ہیں۔ اور ہم خود اس روپیہ کو جمع کریں گے۔ آپ اس بارے میں کسی قسم کی تشویش سے کام نہ لیں۔ یہ تو کل اور پرسوں کی ڈاک کا ذکر تھا۔ آج ڈاک آئی اور مَیں نے اسے کھولا تو اس میں سے ایک شہر کی خدام الاحمدیہ کی مجلس کی طرف سے خط نکلا جس میں یہ ذکر تھا کہ ہم نے آپ کا خطبہ تمام خدام کو پڑھ کر سنایا۔ جس پر فوراً مقامی خدام نے دو سو روپیہ چندہ کے وعدے لکھوا دیئے اور ہم کوشش کر رہے ہیں کہ یہ روپیہ وصول کر کے بہت جلد مرکز میں بھجوا دیں۔

"....غرض دیکھو ہمارا خدا کیسا زندہ خدا ہے کہ جو کام ہم نہیں کر سکتے تھے اس کے لئے وہ آپ سامان مہیّا کر رہا اور خود لوگوں کے دلوں میں تحریک کر رہا ہے۔ چنانچہ ایک طرف ایک ٹرکی پروفیسر کے دل میں تحریک پیدا ہوتی ہے کہ وہ اپنی کمائی کا روپیہ اپنی ذات پر خرچ کرنے کی بجائے تبلیغ اسلام کے لئے بھجوا دے تو دوسری طرف ایک جرمن ڈاکٹر کے دل میں تحریک پیدا ہوتی ہے کہ ہم خود اسلام کی اشاعت میں حصّہ لینے کے لئے تیار ہیں۔ آپ دیباچہ کا ترجمہ ہماری ملکی زبان میں کروا دیں تو لاکھوں لوگ احمدی ہونے کے لئے تیار ہیں۔ اسی طرح جو پاکستان کے باہر احمدی رہتے ہیں۔ اُن کے دل میں تحریک پیدا ہوئی ہے اور وہ لکھتے ہیں کہ آپ کیوں فکر کرتے ہیں۔ آپ ہمیں حکم دیں تو ہم اپنے بیوی بچّے بھی اس راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں اور جتنے پونڈ چاہیں گے ہم جمع کر دیں گے۔ مگر ہم سے یہ تکلیف نہیں دیکھی جاتی کہ آپ فکر اور تشویش سے اپنی صحت کو برباد کر لیں۔ غرض اللہ تعالےٰ نے اپنے زندہ اور قادر ہونے کا ایک نمایاں ثبوت ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ وہ کتنی بڑی طاقتیں رکھنے والا خدا ہے[1]۔"

اس سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ:۔

"ہماری مثال حضرت عائشہؓ والی ہوگئی ہے۔ جب مدینہ میں پہلی دفعہ ہوائی چکیاں آئیں اور باریک آٹا پسنے لگا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ازواج مطہرات میں سے سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ آٹا تحفۃً پیش کیا جائے۔ چنانچہ مدینہ میں سب سے پہلے یہ آٹا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر بھجوا دیا گیا۔ اور اس کے پھلکے تیار کئے گئے۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ اس سے پہلے پتھر پر دانہ کوٹ کر دلیہ سا بنا لیا جاتا تھا اور اس کی روٹی تیار کی جاتی تھی جب پہلی دفعہ نرم اور ملائم آٹے کی روٹی پکا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پیش کی گئی تو آپ نے اس میں سے ایک لقمہ توڑ کر اپنے منہ میں ڈالا اور پھر آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگ گئے۔ ایک عورت جو پاس بیٹھی ہوئی تھی وہ کہنے لگی۔ بی بی آپ روتی کیوں ہیں۔ روٹی تو بڑی ملائم اور نرم ہے اور ہم نے اس آٹے کی بڑی تعریف سُنی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰ر جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۳، ۴۔

مَیں اس لئے نہیں روتی کہ آٹا خراب ہے بلکہ مجھے اس روٹی کو دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یاد آگیا ہے ہم اس زمانہ میں دانوں کو پتھروں سے کچل کر دلیہ سا بنا لیتی تھیں اور اس کی روٹیاں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلایا کرتی تھیں۔ آخری عمر میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضعیف ہوگئے تو آپ کے لئے روٹی چبانا بڑا مشکل ہو گیا تھا۔ پس مجھے اس روٹی کو دیکھ کر رونا آگیا اور مجھے خیال آیا کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں بھی یہ چکیاں ہوتیں تو مَیں آپؐ کو اس آٹے کی روٹی پکا کر کھلاتی۔ ہمارا بھی یہی حال ہے۔ اَب تو ہمارا صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ چودہ پندرہ لاکھ کا ہے۔ اور تحریک جدید کا بجٹ بھی بارہ تیرہ لاکھ کا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے زمانہ میں یہ کیفیّت تھی کہ کئی مقامات پر حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے یہ لکھا ہے کہ اَب تو ہم پر اتنا بوجھ ہے کہ پندرہ پندرہ سو روپیہ ایک مہینے کا خرچ ہے۔ گویا اس زمانہ میں اٹھارہ ہزار روپیہ کا سالانہ خرچ تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام اسے بڑا بوجھ قرار دیتے تھے لیکن اس زمانہ میں بعض ایسے احمدی ہیں کہ اُن میں سے ایک ایک اس بوجھ کو آسانی سے اُٹھا سکتا ہے۔ اس وقت بعض دفعہ ایسی حالت ہوتی تھی کہ لنگر میں آٹا نہیں ہوتا تھا اور منتظمین کو حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں روپیہ کے لئے درخواست کرنی پڑتی تھی۔ ۱۹۰۵ء میں جو زلزلہ آیا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کچھ عرصہ کے لئے باغ میں تشریف لے گئے تو مجھے خوب یاد ہے ایک دن آپ باہر سے آئے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی حمد و ثنا کر رہے تھے اس وقت آپ نے حضرت امّاں جان کو بُلایا اور فرمایا یہ گٹھڑی لے لو اور دیکھو اس میں کتنی رقم ہے۔ حضرت امّ المومنین رضی اللہ عنہا نے کمرہ سے باہر نکل کر بتایا کہ اس کپڑے میں چارسو یا پانچ سو کی رقم ہے۔ آپ نے فرمایا آج ہی لنگر والے آٹے کے لئے روپیہ مانگ رہے تھے اور میرے پاس کوئی روپیہ نہیں تھا اور میں حیران تھا کہ اس کا کیا انتظام ہوگا۔ اتنے میں مَیں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک غریب آدمی جس نے میلے کپڑے پہنے ہوئے تھے آیا اور اس نے یہ گٹھڑی مجھے دے دی۔ مَیں نے سمجھا کہ اس میں پیسے ہی ہوں گے لیکن اب معلوم ہؤا کہ روپے تھے اس پر آپ دیر تک اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے رہے کہ اس نے کیسا فضل نازل فرمایا ہے۔ بے شک ہماری نگاہ میں چارسو روپیہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا لیکن اس وقت ہم ان

چیزوں کو دیکھتے تو ہمارا ایمان تازہ ہوتا تھا اور اَب ہمیں اس سے سینکڑوں گنے زیادہ روپیہ ملتا ہے اور وہ روپیہ ہمارے ایمان کو بڑھاتا ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے۔ مجھے اپنی عمر میں بعض غیر احمدیوں نے دو دو تین تین چار چار ہزار روپیہ نذرانہ کے طور پر دیا ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے زمانہ میں یہ حالت تھی کہ آپ کو چار سو روپیہ ملا تو آپ نے سمجھا شائد اس میں پیسے ہی ہوں گے ورنہ اتنا روپیہ کون دے سکتا ہے آج اگر وہی زمانہ ہوتا تو وہ لوگ جو اس وقت افسوس کر رہے ہیں ان کو بھی قربانی کا موقع مل جاتا اور ہر شخص قربانی کرکے سمجھتا کہ مجھے خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی خدمت کا موقع عطا فرما کر مجھ پر احسان فرمایا ہے۔ لیکن وہ زمانہ تو گذر گیا اَب پھر ایک دوسرا زمانہ آگیا ہے۔ جس میں خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے دین کی خدمت کے لئے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا کر رہا ہے۔ بہر حال ہر زمانہ کے لحاظ سے خدا اپنی زندگی کا ثبوت دیتا چلا آیا ہے اس زمانہ میں چار سو روپیہ کا مل جانا خدا تعالیٰ کے زندہ ہونے کا ایک ثبوت تھا اس زمانہ میں کبھی کبھی چالیس پچاس ہزار دے کر اس نے اپنی زندگی کا ثبوت دیا ہے اور آج خدا تعالیٰ کے زندہ ہونے کا ثبوت وہ اڑھائی سو پونڈ ہیں جو ایک دوست نے اطلاع ملتے ہی لنڈن بنک میں جمع کروا دیئے۔ اسی طرح اس ترکی پروفیسر کا وہ روپیہ بھی زندہ خدا کا ایک نشان ہے جو اس نے اپنے اوپر خرچ کرنے کی بجائے مجھے دین پر خرچ کرنے کے لئے بھجوا دیا۔ یا پھر خدا تعالیٰ کے زندہ ہونے کا ثبوت اس حبشی چیف کا واقعہ ہے جس نے احمدیہ پریس کے لئے ایک ہزار پونڈ دو قسطوں میں دے دیا اور یا پھر خدا تعالیٰ کے زندہ ہونے کا ثبوت افریقہ کے اس دوست کا خط ہے جنہوں نے یہ لکھا کہ آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ آپ روپیہ کے متعلق کسی قسم کا فکر نہ کریں۔ بیرونی مشنوں کیلئے جتنے پونڈوں کی ضرورت ہو ہمیں لکھیں ہم کسی نہ کسی طرح جمع کر دیں گے۔ غرض خدا تعالیٰ ہر زمانہ میں اپنے زندہ ہونے کا ثبوت مہیّا کرتا ہے اور اس طرح وہ اپنے مومن بندوں کے ایمانوں کو بڑھاتا رہتا ہے۔ مجھے وہ زمانہ خوب یاد ہے جب اشتہار چھپوانے کے لئے بھی ہمارے پاس کوئی روپیہ نہ ہوتا تھا۔ مَیں جب خلیفہ ہُوا اور غیر مبایعین کے مقابلہ میں مَیں نے پہلا اشتہار لکھا تو اس وقت ہماری مالی حالت اتنی کمزور تھی کہ اس اشتہار کے چھپوانے کے لئے بھی ہمارے پاس

کوئی روپیہ نہیں تھا۔ ہمارے نانا جان میر ناصر نواب صاحب مرحوم کو اس کا علم ہُوا تو اس وقت ہسپتال کے لئے چندہ جمع کر رہے تھے۔ انہوں نے ڈھائی سو روپے کی پوٹلی لا کر میرے سامنے رکھ دی اور کہا کہ آپ اس روپیہ کو استعمال کریں جب آپ کے پاس روپیہ آئے گا تو وہ مجھے دے دیں۔ چنانچہ سب سے پہلا اشتہار ہم نے انہیں کے روپیہ سے شائع کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وہ دن دکھایا کہ یا تو دوسو اور اڑھائی سو کے لئے ہمارے کام رُکے ہوئے تھے یا اب ایک ایک شخص ہی بیس بیس ہزار دینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے مثلاً پچھلے سال مَیں بیمار ہُوا تو ڈاکٹروں نے مجھے ولایت جانے کا مشورہ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ اس نے ایک لاکھ سے زیادہ روپیہ اس غرض کے لئے جمع کر دیا۔ غرض زمانے ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں اور بدلتے چلے جائیں گے ایک زمانہ میں لوگ اربوں ارب روپیہ دیں گے اور انہیں پتہ بھی نہیں لگے گا کہ اُن کے مال میں سے کچھ کم ہُوا ہے کیونکہ دینے والے کھرب پتی ہونگے اور جب وہ بیس یا ئیس یا پچاس ارب روپیہ دیں گے تو انہیں پتہ بھی نہیں لگے گا کہ ان کے خزانے میں کوئی کمی آئی ہے۔ اس وقت انہیں یاد بھی نہیں رہے گا کہ کسی زمانہ میں پچاس روپیہ کی بھی ضرورت ہوتی تھی تو اس کے لئے بھی دُعائیں کرنی پڑتی تھیں۔ تم تذکرہ پڑھو تو تمہیں اس میں یہ لکھا ہُوا دکھائی دے گا کہ ایک دفعہ ہمیں پچاس روپیہ کی ضرورت پیش آئی اور جیسا کہ اہل اللہ پر کبھی کبھی ایسی حالت گذرتی ہے اس وقت ہمارے پاس کچھ بھی نہیں تھا تب ہم نے وضو کیا اور جنگل میں جا کر دُعا کی اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام نازل ہُوا کہ

"دیکھو مَیں تیری دُعاؤں کو کیسے جلد قبول کرتا ہوں"۔ اس کے بعد ہم واپس آئے تو بازار سے گذرے اور ڈاک خانہ والوں سے پوچھا کہ کیا ہمارے نام کوئی منی آڈر آیا ہے یا نہیں۔ انہوں نے ایک خط دیا جس میں لکھا تھا کہ پچاس روپے آپ کے نام بھجوا دیئے گئے ہیں چنانچہ اسی دن یا دوسرے دن وہ روپیہ ہمیں مل گیا۔ (تذکرہ صفحہ ۱۵۲)

غرض ایک زمانہ ایسا گذرا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو پچاس روپوں کے لئے بھی فکر ہوتا تھا کہ وہ کہاں سے آئیں گے اور یا اب یہ حالت ہے کہ سندھ میں جو میری اور سلسلہ کی زمینیں ہیں اُن پر تین ہزار روپیہ ماہوار تنخواہوں کا ہی دینا پڑتا ہے۔ گویا کجا تو

یہ حالت تھی کہ پندرہ سو روپیہ ماہوار کا خرچ ساری جماعت کے لئے بوجھ سمجھا جاتا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے لئے خاص طور پر علیحدگی میں دُعا کرنا ضروری سمجھا اور کجا یہ حالت کہ اسی شخص کا بیٹا سینکڑوں روپیہ ماہوار اپنے کارکنوں کو تنخواہیں دیتا ہے اور انجمن کے افسروں کو ملا کر وہ رقم ہزاروں روپیہ کی بن جاتی ہے۔ اور ربوہ کے دفتروں کو ملا کر کوئی نوّے ہزار ماہوار کی رقم بن جاتی ہے۔ یہ کتنا عظیم الشّان فرق ہے جو ہر شخص کو دکھائی دے سکتا ہے[1]

خطبہ کے آخر میں حضور نے یہ پیشگوئی فرمائی:-

"مگر ابھی کیا ہے۔ ابھی تو صرف ہزاروں روپیہ خرچ ہو رہا ہے پھر کوئی وقت ایسا آئے گا کہ صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کا تین تین ارب کا بجٹ ہو گا پھر ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کا تین تین کھرب کا بجٹ ہو گا یعنی صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کا سالانہ بجٹ ۶ کھرب کا ہو گا۔ پھر یہ بجٹ پدم پر جا پہنچے گا کیونکہ دُنیا کی ساری دولت احمدیت کے قدموں میں جمع ہو جائے گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے صاف طور پر لکھا ہے کہ مجھے یہ فکر نہیں کہ روپیہ کہاں سے آئے گا مجھے یہ فکر ہے کہ اس روپیہ کو دیانت داری کے ساتھ خرچ کرنے والے کہاں سے آئیں گے۔ چنانچہ دیکھ لو حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے وصیت کا نظام جاری فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسی برکت دکھ دی کہ باوجود اس کے کہ انجمن کے کام ایسے ہیں جو دلوں میں جوش پیدا کرنے والے نہیں پھر بھی صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ تحریک جدید کے بجٹ سے ہمیشہ بڑھا رہتا ہے کیونکہ وصیت اُن کے پاس ہے۔ اس سال کا بجٹ بھی تحریک جدید کے بجٹ سے دو تین لاکھ روپیہ زیادہ ہے حالانکہ تحریک کے پاس اتنی بڑی جائیداد ہے کہ اگر وہ جرمنی میں ہوتی یا یورپ کے کسی اور ملک میں ہوتی تو ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو کروڑ روپیہ سالانہ اُن کی آمد ہوتی۔ مگر اتنی بڑی جائیداد اور بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کرنے کی جوش دلانے والی صورت کے باوجود محض وصیت کے طفیل صدر انجمن احمدیہ کا بجٹ تحریک جدید سے بڑھا رہتا ہے۔ اسی لئے اب وصیت کا نظام میں نے امریکہ اور انڈونیشیا میں بھی جاری کر دیا ہے اور وہاں سے اطلاعات آ رہی ہیں کہ لوگ بڑے شوق سے

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰ جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۵، ۶۔

اس میں حصّہ لے رہے ہیں۔ گو امریکہ کے مبلّغ اس معاملہ میں بہت سُستی سے کام لے رہے ہیں میں نے سمجھا کہ چونکہ یہ خدا تعالیٰ کا قائم کردہ نظام ہے۔ اگر اس نظام کو بیرونی ملکوں میں بھی جاری کر دیا جائے تو وہاں کے مبلغوں کے لئے اور مشنوں کے لئے اور مسجدوں کی تعمیر کے لئے بہت بڑی سہولت پیدا ہو جائے گی غرض یہ کہ خدا تعالیٰ کا ایک بہت بڑا نشان ہے جو اس نے اپنے زندہ ہونے کے ثبوت کے طور پر تمہارے سامنے ظاہر کیا ہے۔ اَب تمہارا کام ہے کہ تم اِن نشانات سے فائدہ اٹھاؤ اور خدا تعالیٰ کے دامن کو ایسی مضبوطی سے پکڑ لو کہ وہ تم سے کبھی جدا نہ ہو۔ تمہیں اگر ایک چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی مل جائے تو تم اسے ضائع کرنا کبھی پسند نہیں کرتے۔ اگر تمہیں دو آنے مل جائیں تو تم ان دو آنوں کا ضائع ہونا بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر تمہیں کہیں سے ایک روپیہ مل جائے تو تم اس ایک روپیہ کا ضیاع بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر تمہارے پاس ایک ٹٹیل اور مریل گھوڑا ہو تو تم اس مریل گھوڑے کو بھی ضائع کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ تمہارے پاس ایک زندہ خدا ہو اور تم اس سے غافل ہو جب تم اس کا ہاتھ پکڑ لو گے تو وہ تمہیں کبھی بھی نہیں چھوڑے گا۔ بلکہ ہر موقع پر تمہاری غیر معمولی نشانات سے تائید فرمائے گا۔ اگر تمہارے جاہل باپ دادا نے یہ ضرب المثل بنائی ہوئی تھی کہ "ہتھ پھڑے دی لاج رکھنا" اور وہ جس کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے اسے کبھی نہیں چھوڑتے تھے تو کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر تم نے مضبوطی کے ساتھ اپنے خدا کے دامن کو پکڑ لیا تو وہ تمہاری لاج نہیں رکھے گا۔ وہ ایسی لاج رکھے گا کہ دُنیا میں کسی نے ایسی لاج نہیں رکھی ہو گی اور وہ تمہارا اس طرح ساتھ دے گا کہ تمہارے ماں باپ نے بھی تمہارا اس طرح کبھی ساتھ نہیں دیا ہو گا۔[1]

مسلمانوں پر حکومتِ فرانس کے ظلم و تشدّد کے خلاف احتجاج

حکومتِ فرانس ایک عرصہ سے الجزائر کے حریت پسند مسلمانوں پر بے پناہ مظالم توڑ رہی تھی۔ یہ سلسلہ اس سال کے وسط میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ جب کہ فرانسیسی فوج نے الجزائر شہر کے پرانے عرب محلوں سے کم و بیش دو ہزار عربوں کو گرفتار کر کے اُن پر مظالم

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰ر جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۶، ۷۔

کا پہاڑ گرا دیا جس سے پوری دُنیائے اسلام میں شدید قلق اور بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ مؤتمر عالم اسلامی پاکستان کی طرف سے پاکستان میں ۲۹ جون ۱۹۵۶ء کو یوم الجزائر منایا گیا جماعتہائے احمدیہ پاکستان نے بھی اس روز احتجاجی جلسے کئے اور حکومتِ فرانس کے سفیر متعینہ کراچی کو تار اور خطوں کے ذریعہ اپنے دلی جذبات سے آگاہ کیا اور حکومتِ فرانس پر زور دیا کہ وہ مسلمانوں پر اپنے مظالم کا سلسلہ ختم کر دے اور الجزائر کو آزادی کا پورا پورا حق دے۔

اس سلسلہ میں ۲۹ جون ۱۹۵۶ء کو نماز جمعہ کے بعد اہلِ ربوہ کا ایک غیر معمولی اجلاس زیرِ صدارت الحاج حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال منعقد ہوا جس میں صاحبِ صدر کے علاوہ مولانا ابوالعطاء صاحب، قاضی محمد نذیر صاحب فاضل، چوہدری محمد شریف صاحب اور حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے الجزائر میں مسلمانوں پر حکومتِ فرانس کے ظلم و تشدّد کے خلاف پُر زور احتجاج کیا۔ اجلاس میں حسب ذیل قرار دادیں پیش ہو کر بالاتفاق منظور ہوئیں:-

۱۔ اہالیانِ ربوہ کا یہ اجلاسِ عام حکومتِ فرانس کے ظُلم و استبداد پر انتہائی رنج و قلق کا اظہار کرتا ہے جو اس نے الجزائر کے نہتے مسلمانوں کو کچلنے کے لئے شروع کر رکھا ہے۔ حکومتِ فرانس کو چاہیئے کہ اس ظلم کو فوراً بند کرے۔ ہمیں یقین ہے کہ الجزائر کے مظلوم مسلمانوں کا یہ خونِ ناحق رنگ لائے بغیر نہیں رہے گا اور کوئی مادّی طاقت ان کو حصولِ آزادی کے مقصد سے نہیں روک سکے گی۔

۲۔ اہالیانِ ربوہ کا یہ اجلاسِ عام سلامتی کونسل کے صدر کے اس بیان پر کہ "الجزائر کے متعلق پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک کی طرف سے پیش کردہ قرار داد اقوامِ متحدہ کے منشور کی سپرٹ کے منافی ہے۔" سخت افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ اس کا یہ بیان اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ الجزائر میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہنے پر بڑی طاقتیں رضامند ہیں ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ الجزائر کے مسئلہ کو سلامتی کونسل میں زیرِ بحث لانے کے لئے ان طاقتوں کے نمائندے اس کی تائید نہ کرتے۔

۳۔ اہالیانِ ربوہ کا یہ اجلاس الجزائر میں مظلوم مسلمانوں سے اظہارِ ہمدردی کرتا ہے اور انہیں

اپنا ہر قسم کا تعاون پیش کرتا ہے اور دُعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں اپنے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے۔

۴۔ اِن قراردادوں کی نقول حکومت ہائے فرانس، امریکہ، برطانیہ کے نمائندگان مقیم کراچی۔ صدر جمہوریہ پاکستان۔ وزیرِ اعظم پاکستان سیکرٹری موتمر عالم اسلامی سیکرٹری جنرل یو۔ این او اور پریس کو بھجوائی گئیں۔[1]

الجزائری محبّانِ وطن نے ایسی بہادری اور صبر و استقلال سے تحریکِ آزادی کو چلایا کہ ساری دُنیا دنگ رہ گئی۔ آخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے سامان ہوئے کہ فرانس ایک نئے انقلاب سے دوچار ہو گیا اور جنرل ڈیگال برسرِ اقتدار آئے جنہوں نے الجزائر کے مظلوم ملک کو آزادی دلا دی۔ اور الجزائری مسلمان غلامی کی زنجیروں کو کاٹ کر آزادی کی فضا میں سانس لینے لگے۔

فصل دہم

احمدیہ مُسلم سکنڈے نیویا مشن کا قیام

۱۹۳۲ء میں حضرت مُصلح موعودؓ کو عالم رؤیا میں دکھایا گیا کہ "ناروے۔ سویڈن۔ فن لینڈ اور ہنگری کے لوگ احمدیت کا انتظار کر رہے ہیں"۔[2]

اس خواب کی عملی تعبیر وسط ۱۹۵۶ء میں رونما ہوئی۔ جبکہ سکنڈے نیویا میں احمدیہ مُسلم مشن کی بنیاد پڑی جو خلافتِ ثانیہ کے عہدِ مبارک کا آخری یورپین مشن تھا۔ یہ علاقہ شمالی یورپ کا حصّہ ہے۔ جو ڈنمارک، سویڈن اور ناروے کے ممالک اور مغربی جانب واقع جزیرہ آئس لینڈ پر مشتمل ہے۔ اس مشن کے محرّک ایک سویڈش نوجوان مسٹر گنار ایرکسن (GUNNAR ERIKSON) تھے جو

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۳؍ جولائی ۱۹۵۶ء صفحہ ۱ و ۸۔

[2] کتاب "مجاہد ہنگری" صفحہ ۱۳۱ از حاجی احمد خانصاحب ایاز طبع اول ۱۹۳۶ء گجرات۔

سولہ سترہ سال کی عمر میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں ۱۹۵۵ء کے قیامِ لنڈن کے دوران حاضر ہوئے اور مشن کھولنے کی درخواست کی[۱] جس کی منظوری حضورؓ نے لنڈن کانفرنس (منعقدہ ۲۲ تا ۲۴ جولائی ۱۹۵۵ء) میں عطا فرمائی[۲] اس نئے مشن کے افتتاح کے لئے حضرت مصلح موعودؓ کے حکم سے کمال یوسف صاحب مرکزِ احمدیت سے ۱۲ اپریل ۱۹۵۶ء کو روانہ ہوئے۔ حضورؓ نے چوہدری عبداللطیف صاحب بی۔ اے انچارج جرمنی مشن کو ہدایت فرمائی کہ وہ بھی مشن کے افتتاح کے لئے اُن کے ساتھ سویڈن کے شہر گوٹن برگ (GOTEN BORG) پہنچیں چنانچہ یہ دونوں مجاہد ۱۴ جون ۱۹۵۶ء کو گوٹن برگ پہنچے[۳] اور شہر میں مشن ہاؤس کا انتظام کرنے کے بعد اشاعتِ اسلام کا کام شروع کر دیا۔ چوہدری عبداللطیف صاحب بی اے نے اس نئے اسلامی مشن کے قیام کی تفصیلی خبر حسب ذیل الفاظ میں سپردِ اشاعت کی:-

"خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کے بھروسہ پر عاجزانہ دعاؤں کے ساتھ اپنے محبوب آقا سیدنا حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تعمیل میں برادرم کمال یوسف صاحب کے ہمراہ ۱۴ جون ۱۹۵۶ء گوٹن برگ (GOTEN BORG) شہر میں خاکسار وارد ہوا..... نئے مشن کے قیام کے لئے پہلا ضروری کام مناسب کمرہ کی تلاش ہوتا ہے۔ اس بارے میں خاص تگ و دو اور کوشش کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ گوٹن برگ شہر میں ایک کمرہ مناسب کرایہ پر مل گیا ہے جس میں برادرم کمال یوسف صاحب منتقل ہو چکے ہیں۔ ایک ہفتہ قیام کے دوران مختلف سوسائٹیز سے تعلقات پیدا کئے۔ گورنمنٹ کے محکمہ متعلقہ کے افسر انچارج کو ملنے کا موقع ملا۔ اس نے ہمارے تبلیغی کام میں خاص دلچسپی کا اظہار کیا اور ہر ممکن امداد کا پورا پورا یقین دلایا بلکہ برادرم کمال یوسف صاحب کو زبان سیکھنے کے بارہ میں بھی امداد کا وعدہ کیا۔ تبلیغی ملاقاتوں کے سلسلہ میں سب سے اہم ملاقات ایک ایرانی دوست سے ہوئی ان سے خاکسار نے ہمبرگ سے خط و کتابت کے ذریعہ تعلقات پیدا کر لئے تھے۔ ان سے تفصیلی گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ اور انہوں نے خدا کے فضل سے مشن کے قیام کے سلسلہ میں

---

[۱] روزنامہ الفضل ربوہ ۶ اکتوبر ۱۹۷۹ء صفحہ ۵۔ [۲] الفضل ربوہ ۱۴ اپریل ۱۹۷۰ء صفحہ ۳
[۳] الفضل ۱۷ جون ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۔

خاصی دلچسپی کا اظہار کیا اور ہر ممکن امداد کا یقین دلایا۔ یہ دوست جرمن زبان بھی جانتے ہیں اس لئے انہیں جرمن لٹریچر مطالعہ کے لئے دیا۔ جرمن کونسل جنرل اور دانش کونسل جنرل سے بھی برادرم کمال یوسف صاحب کی ملاقات کروائی۔ اور انہوں نے مشن کے کاموں کے سلسلہ میں امداد کا وعدہ کیا۔ اور یونیورسٹی کے جرمن زبان کے ایک پروفیسر کے ذریعہ مختلف علمی اداروں سے تعارف کروانے کا یقین دلایا۔ گوٹن برگ کے سب سے بڑے اخبار GOTE BORGS POSTE نے اپنی اشاعت مورخہ ۲۲ رجون میں ہم دونوں کے فوٹو کے ساتھ خاکسار کا انٹرویو نہایت اچھے الفاظ میں شائع کیا۔ اس میں مضمون نگار نے اسلام کو امن، صلح اور رواداری کا مذہب قرار دیتے ہوئے اہالیانِ سویڈن کی توجہ ہمارے مشن کی طرف مبذول کرائی ہے۔ مضمون نگار لکھتا ہے کہ مسٹر لطیف نے بتایا کہ لفظ اسلام کا مطلب امن ہے۔ اس لئے اسلام امن کے قیام پر خاص زور دیتا ہے۔ اسلام صرف (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نبی قرار نہیں دیتا بلکہ حضرت مسیح کو بھی نبی قرار دیتا ہے۔ اسلام عالمگیر اخوت کا حامی ہے۔ گوٹن برگ میں بھی مناسب وقت پر مسجد تعمیر کی جائے گی۔ جماعت ہمبرگ (جرمنی) میں عنقریب مسجد تعمیر کروا رہی ہے۔ ایک مسلمان دن میں پانچ دفعہ اپنے ربّ کے حضور سربسجود ہوتا ہے۔ مسٹر لطیف نے اس بات پر زور دیا کہ اسلامی نماز میں ایک خاص رُوحانی قوّت ہے اور اللہ اپنے عاجز بندوں کی مخلصانہ دُعاؤں کو پایۂ قبولیت بھی بخشتا ہے۔ آخر میں برادرم کمال یوسف صاحب کا ذکر کرتے ہوئے مضمون نگار لکھتا ہے کہ گفتگو کے دوران وہ اپنے آئندہ مشن کے قیام کی تجاویز سوچنے میں منہمک نظر آتے تھے۔ مضمون نگار نے یہ بھی ذکر کیا کہ جماعت احمدیہ کا مرکز پاکستان میں ہے جہاں مبلغین دُنیا بھر میں تبلیغ کے کام کو سرانجام دینے کے لئے تیار کئے جاتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی تائید و نصرت کے بھروسہ پر سویڈن میں مشن کی داغ بیل ڈال دی گئی ہے۔ اس اہم نئے مشن کا قیام حضرت امیر المومنین کی اولوالعزمی، بلند ہمتی اور دین حق کی اشاعت کے درد کا مظہر ہے۔"[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۲ رجولائی ۱۹۵۶ء صہ ۳

اس مشن کی تبلیغی خدمات کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

۱۔ دورِ خلافتِ ثانیہ (از جون ۱۹۵۶ء تا نومبر ۱۹۶۵ء)

۲۔ دورِ خلافتِ ثالثہ (از نومبر ۱۹۶۵ء تا جون ۱۹۸۲ء)

۳۔ دورِ خلافتِ رابعہ (از جون ۱۹۸۲ء تا تاحال)

مشن کا پہلا دور (خلافت ثانیہ میں)

چوہدری عبداللطیف صاحب اگرچہ مشن کھولنے کے بعد واپس جرمنی تشریف لے گئے تاہم حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد مبارک کی تعمیل میں ۸ر نومبر ۱۹۶۱ء تک (جبکہ اس مشن کو مستقل حیثیت دے دی گئی) آپ جرمنی میں ہی رہ کر اس کی نگرانی کے فرائض انجام دیتے رہے مگر براہ راست ذمہ داری چونکہ کمال یوسف صاحب پر عائد ہوتی تھی اس لئے انہوں نے تبلیغِ اسلام کے لئے ہر ممکن ذرائع کو بروئے کار لانے کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ محترم کمال یوسف صاحب کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک کمرہ کرائے پر لیا۔ کھانا باہر سے کھانا پڑتا تھا کیونکہ اس ملک میں PAYING GUEST بنانے کا رواج نہیں۔ پریس سے رابطہ کیا اور لوگ آنے شروع ہوگئے۔ مگر کسی مالک مکان نے مجھے اپنے گھر میں ٹکنے نہیں دیا۔ زیادہ سے زیادہ دو تین ماہ کسی گھر میں رہ سکا۔ اس کے بعد جواب مل جاتا۔ اور اس طرح بیسیوں مکان بدلے۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ لوگ اسلام کے مخالف تھے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ میرے پاس کثرت سے لوگ آتے تھے اور بار بار گھنٹی بجتی تھی۔ جس پر اہلِ خانہ تنگ پڑتے تھے اور بعض اوقات اتنے تنگ آتے کہ مجھے مکان چھوڑنے کے لئے کہہ دیتے۔[1]

پہلا پھل

آپ کی تبلیغی مساعی کا پہلا پھل مسٹر ایرکسن تھا جو ۷ر اگست ۱۹۵۶ء کو داخل احمدیت ہوگئے جن کا اسلامی نام سیف الاسلام محمود رکھا گیا۔ چنانچہ وہ مشن کے لئے بہت مفید وجود ثابت ہوئے اور سویڈن کے اعزازی مبلغ بنائے گئے اور انہی کی ادارت میں فروری ۱۹۵۹ء میں ماہنامہ ایکٹو اسلام تین زبانوں میں جاری ہوا۔[2]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۶ر اکتوبر ۱۹۷۹ء صفحہ ۵

[2] روزنامہ الفضل ربوہ ۶ر اکتوبر ۱۹۷۹ء صفحہ ۳

سکنڈے نیویا کے بعض دیگر ابتدائی مبایعین

سیف الاسلام محمود (سٹاک ہالم) کے بعد ابتدا میں جو خوش نصیب اسلام و احمدیت میں داخل ہوئے اُن کے نام یہ ہیں :۔

۱۔ عبدالسلام میڈسن صاحب ڈنمارک (اعزازی مبلغ ڈنمارک)۔
۲۔ الاستاذ نُور احمد صاحب بولستاد (اعزازی مبلغ ناروے)۔
۳۔ بے مورتکدی تولسن۔ کوپنہاجن تاریخ بعیت ۱۸ر اپریل ۱۹۵۹ء۔
حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۱ر مئی ۱۹۵۹ء کو عربی مکتوب کے ذریعہ بعیت کی منظوری عطا فرمائی اور انہیں تلقین کی کہ تعلیماتِ اسلامی پر گامزن رہیں۔
۴۔ بدحت ابراہیم بیگورورج (مالمو سویڈن کی جماعت کے قائد خدام الاحمدیہ)
۵۔ عبدالوہاب ہانسن (ڈنمارک)۔
۶۔ عبدالواحد رولسن (ڈنمارک)۔
۷۔ نوح سوینڈ ہانسن (ڈنمارک)۔

اوسلو میں مرکز کا قیام

جناب کمال یوسف صاحب کچھ عرصہ گوٹن برگ میں مقیم رہنے کے بعد سٹاک ہالم میں منتقل ہوگئے۔ جہاں قریباً ۱½ سال تک اشاعت اسلام میں مصروف رہے۔ بعد ازاں ۲۸ر اگست ۱۹۵۸ء کو آپ نے اوسلو میں اپنا مشن قائم کر لیا اور جلد ہی پریس اور عوام سے مضبوط رابطہ قائم کر لیا۔ ازاں بعد ذاتی دعوت نامے اور اخبار میں اعلان کے بعد ایک تبلیغی جلسہ منعقد کیا جو بہت کامیاب رہا۔ اور پھر آپ نے ڈنمارک میں ایک عام اجلاس بلایا جس میں کالجوں اور سکولوں کے طلباء اور پادری خاصی تعداد میں شامل ہوئے۔ آپ کی تقریر کے بعد بہت سے سوالات کئے گئے جن کے تسلّی بخش جوابات دیئے گئے۔ اس موقع پر مسٹر میڈسن (محمد عبدالسلام صاحب) نے بھی عمدہ پیرائے میں معجزات قرآنی پر روشنی ڈالی علاوہ ازیں ڈنمارک کے ایک اور کثیرالاشاعت اخبار نے مبلغ احمدیت کا مفصّل انٹرویو لیا اور نمایاں جگہ پر اسے شائع کیا جس کے نتیجہ میں مُلک بھر سے بہت سے تبلیغی خطوط آنے شروع ہوگئے اور مزید اخباروں نے بھی آپ کے انٹرویو شائع کئے اور جب اخبارات کو علم ہُوا کہ ڈنمارک کے بعض

مقامی لوگوں نے احمدیت کو قبول کر لیا ہے اور وہ با قاعدہ نماز اور روزہ کی پابندی کرتے ہیں تو انہوں نے مسٹر محمد عبدالسلام (سابق میڈسن) کا ایک مفصّل انٹرویو اپنے خاص ایڈیشن میں سپردِ اشاعت کیا۔ جس میں تفصیل کے ساتھ اسلامی تعلیمات کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ ازاں بعد سٹیٹ ریڈیو کی درخواست پر ہمارے اس نو مُسلم بھائی نے سٹیٹ پادری کے ساتھ ریڈیو پر مذہبی مذاکرہ میں حصّہ لیا۔ مذاکرہ کا موضوع نجات تھا۔ اس مذاکرہ کے بعد مُلک کے تعلیمیافتہ طبقہ میں اسلام کے متعلق عام چرچا شروع ہو گیا اور سویڈن کے حلقوں میں بھی اسلام کے بارے میں دلچسپی اور بیداری کی ایک نئی لہر پیدا ہو گئی۔ چنانچہ سویڈن میں بھی ایک نو مُسلم کا انٹرویو شائع ہوا۔ جس کے معًا بعد ریڈیو نے اُن کا ایک مذہبی مذاکرہ بھی نشر کیا جو بہت اثر انگیز ثابت ہوا۔

کوپن ہیگن پریس میں احمدیت کا چرچا

کوپن ہیگن کے ایک اخبار KRiSTELIGHT DAGBLAD OF COPEN HAGEN نے اپنی اشاعت ۱۵ دسمبر ۱۹۵۸ء میں ایک عیسائی مشنری ALFRED NEILSEN کا ایک مضمون شائع کیا جس میں لکھا "ہمیں اس سے دلچسپی ہے کہ اسلامی حملہ کا سکنڈے نیویا میں کیا نتیجہ پیدا ہوگا؟ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ ان لوگوں کو کامیابی ہوگی۔ یہ احمدی عام مسلمانوں سے زیادہ سنجیدہ ہیں۔"[۱]

مُلکی لائبریریوں میں اسلامی لٹریچر

محترم کمال یوسف صاحب نے انہی ایّام میں ناروے ڈنمارک۔ سویڈن۔ فن لینڈ کی تمام مشہور لائبریریوں میں کتاب "اسلامی اصول کی فلاسفی"۔ "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" اور "لائف آف محمدؐ" کے سیٹ رکھوائے۔ علاوہ ازیں سویڈن کے ایک مشہور مستشرق کو اسلامی لٹریچر پیش کیا۔

نو مُسلموں کی تعلیم و تربیت

اس مُلک میں تبلیغی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ کی تعمیر کے لئے نو مُسلموں کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دینا بھی ضروری تھا محترم کمال یوسف صاحب نے اس پہلو کو شروع سے ہی خاص اہمیت دی۔

---

[۱] "مغرب کے افق پر" صفحہ ۲۷ از محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب۔

نومسلموں کو بڑی محنت اور توجہ سے نماز کے اسباق دیئے۔ قرآن مجید ناظرہ پڑھایا اور نماز روزہ کی پابندی کا ایک غیر معمولی شوق اور ولولہ پیدا کر دیا۔ جس کا ملکی پریس نے بھی خاص طور پر چرچا کیا۔ ایک اور سویڈش نومسلم محمود ارکسن کے متعلق پریس نوٹ شائع ہوا کہ جب اُسے واجبی فوجی تعلیم کے لئے فوج میں داخل ہونا پڑا تو اس نے براہِ راست بادشاہ سے نماز کو صحیح اوقات پر ادا کرنے کے لئے رخصت کی درخواست کی جسے منظور کر لیا گیا جو سویڈن کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا سب سے پہلا موقع تھا۔ نماز روزہ کی پابندی کے علاوہ ابتدا ہی سے سلسلہ کی مالی قربانیوں میں بھی اس ملک کے نومسلم سرگرم حصّہ لینے لگے تھے اور سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعودؓ کے لئے غیر معمولی اخلاص اور غیرت کا جذبہ بھی اُن میں پیدا ہو چکا تھا۔ اس حقیقت کا اندازہ لگانے کے لئے اُن ابتدائی ایّام کا صرف یہ واقعہ بیان کرنا کافی ہوگا کہ کمال صاحب نے ایک بار ایک نومسلم نوجوان سے ووکنگ کے رسالہ اسلامک ریویو کا تازہ پرچہ طلب کیا تو اس نے جواب دیا کہ عرصہ ہوا مَیں نے اُسے بند کرا دیا اور بتایا کہ مَیں نے اس کا پیشگی چندہ دیا ہوا تھا۔ لیکن جب اس میں مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان کے خلاف ایک مضمون دیکھا تو مَیں نے ووکنگ کو اطلاع دی کہ اسے میرے نام بھیجنا فوراً بند کر دیں[1]۔ جناب کمال یوسف صاحب کا بیان ہے کہ "ایک مسلمان ڈینش انجنیئر SVEND HANSAN احمدی ہونے سے قبل حضورؒ کی ملاقات کے لئے ربوہ حاضر ہوئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے ملاقات کے بعد انہوں نے ایک دوست کو لکھا کہ "یہ چیز مجھ پر واضح ہو چکی ہے۔ کہ یہ شخص (یعنی حضرت خلیفۃ المسیح) ہی حقیقی اسلام پیش کرتے ہیں۔ یہ یقیناً خلیفہ راشد ہیں۔ انسانی مسائل کا انہیں گہرا ادراک ہے اور اس قدر منکسر المزاج ہیں کہ اسی وجہ سے ہم سب کے لئے بہت اعلیٰ نمونہ ہیں"۔ جماعت کے وائس پریذیڈنٹ کے متعلق مشہور تھا کہ انہیں ایک خاص ملک جانے میں بہت انقباض ہے۔ ایک دن حضرت خلیفۃ المسیح کی ہدایت آئی کہ وہ اس علاقہ میں تبلیغی دَورہ کے لئے جائیں۔ انہوں نے بغیر کسی تردّد کے اسی وقت جانا قبول کر لیا[2]۔

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۷ دسمبر ۱۹۵۸ء صفحہ ۳، ۴۔ [2] الفضل ۱۸ اپریل ۱۹۷۰ء صفحہ ۳

فن لینڈ میں پیغامِ احمدیت

فن لینڈ میں حقیقی اسلام کی پہلی آواز وسط ۱۹۱۳ء میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کے ذریعہ پہنچی جو ان دنوں موسمی تعطیلات کے دوران لنڈن سے سویڈن، فن لینڈ اور روس تشریف لے گئے۔ اور فن لینڈ کی ایک معزز تعلیم یافتہ خاتون تک پیغامِ اسلام ایسے مؤثر انداز میں پہنچایا کہ وہ اسلام کی گرویدہ ہوگئی۔ اس ایمان افروز واقعہ کی تفصیل آپ نے انہی دنوں بذریعہ مکتوب ۱۸ ستمبر ۱۹۱۳ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی خدمت میں ارسال کر دی تھی جو اخبار "بدر" قادیان ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۳ء کے صفحہ ۱۳، ۱۴ پر شائع ہوئی۔ اس واقعہ کے قریباً پنتالیس سال بعد جناب کمال یوسف صاحب نے ۲۶ مارچ ۱۹۵۸ء سے یکم مئی ۱۹۵۸ء تک فن لینڈ کا دورہ کیا اور اس علاقے میں مقیم ترکی مسلمانوں اور اُن کے امام سے رابطہ پیدا کر کے ان تک احمدیت کی آواز پہنچائی۔ اس سلسلہ میں آپ فن لینڈ کے دارالسلطنت ہلسنکی (HEL SINKI) اور ٹمپرے (TAMPERE) بھی تشریف لے گئے۔ امام ہلسنکی ولی احمد حکیم نے بڑے اخلاص اور جوش کے ساتھ بار بار کہا کہ جماعت قادیان کا لٹریچر میں نے پڑھا ہے اور اس میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں۔ ٹمپرے کے امام حبیب الرحمٰن صاحب شاکر نے دورانِ گفتگو بتایا کہ ضیاء الدین ابن فخر الدین مرحوم مفتی روس نے اعتراف کیا تھا کہ دُنیا کے میں اگر کوئی قرآن کا صحیح ترجمہ اور تفسیرِ قرآن جاننے والے لوگ ہیں تو وہ قادیانی ہیں۔ امام ٹمپرے جماعت احمدیہ کی خدمات کے بہت مداح تھے۔[1]

ماہنامہ ایکٹو اسلام کا اجراء

جنوری ۱۹۵۹ء سے سکنڈے نیویا مشن کی طرف سے الحاج سیف الاسلام محمود کی ادارت میں "ایکٹو اسلام" (ACTIVE ISLAM) ایک ماہنامہ جاری کیا گیا جو سویڈش، نارویجن اور ڈینش تین زبانوں میں چھپتا تھا۔[2] ڈینش کلیسا کے مشہور پادری BERTIL WIBERG نے چرچ کے سالنامہ کی رپورٹ میں اس رسالہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا۔ "ایکٹو اسلام سکنڈے نیویا کی جماعت احمدیہ کا

---

[1] تلخیص رپورٹ دورہ فن لینڈ بشمولہ جنرل فائل سکنڈے نیویا۔

[2] روزنامہ الفضل ربوہ یکم اپریل ۱۹۵۹ء صـ۳

شائع کردہ رسالہ ہے جب اُس نے مشن کے قیام کا اعلان چند سال ہوئے کیا تو بہتوں کے لئے حیرانی کا موجب ہوا[1]"

ڈنمارک ایک مستقل مشن کی حیثیت سے

مرکزِ سلسلہ کی طرف سے ۲۵ر مارچ ۱۹۵۹ء کو ڈنمارک مشن براہِ راست جرمنی مشن کی نگرانی میں دے دیا گیا اور سویڈن میں تبلیغی ذمّہ داری جناب کمال یوسف صاحب کو سونپی گئی۔ دو سال بعد اکتوبر ۱۹۶۱ء میں ڈنمارک کو ایک مستقل مشن کی حیثیت دے دی گئی۔ اور پورے سکنڈے نیویا مشن کے انچارج کمال یوسف صاحب مقرر کئے گئے۔

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کا دَورہ کوپن ہیگن

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر اکتوبر ۱۹۶۱ء کے دوسرے ہفتے میں کوپن ہیگن کے مختصر دَورہ پر تشریف لائے اور سکنڈے نیویا مشن کا براہِ راست انچارج کمال یوسف صاحب کو تجویز فرمایا اور فوری طور پر خانہ خدا کی زمین خرید کر اُس کی تعمیر کرنے کی ہدایت فرمائی اور ایک پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا جس میں کثرت سے پریس رپورٹرز اور نیوز ایجنسیز شامل ہوئیں۔ کم و بیش پچاس اخبارات نے آپ کے فوٹو کے ساتھ جلی حروف اور بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ اس کی رپورٹ شائع کی جن کا خلاصہ یہ تھا کہ ایک مسجد گنبد اور مینار کے ساتھ کوپن ہیگن کے وسط میں تعمیر کی جائے گی۔ یہ فیصلہ اس بنیاد پر کیا گیا ہے کہ سکنڈے نیویا اور خصوصاً ڈنمارک میں اسلام جلد جلد ترقی کر رہا ہے۔ اس مختصر دورہ کے دوران مکرم بشیر احمد صاحب رفیق بطور سیکرٹری آپ کے ساتھ رہے[2]

دوسرے مرکزی مبشرینِ اسلام کی آمد

جناب کمال یوسف صاحب ۷ سال تک تنہا اشاعتِ حق کے جہاد میں مصروف رہے۔ جس کے بعد مشن کی سرگرمیوں میں ایسی وسعت پیدا ہوئی کہ سکنڈے نیویا کے تینوں ممالک یعنی ڈنمارک، سویڈن اور ناروے میں تین مستقل مشن قائم کر دیئے گئے۔ ان مشنوں کا چارج سنبھالنے کے لئے اور تبلیغی کوششوں کو تیز تر

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۱۹ر اپریل ۱۹۷۰ء صفحہ ۱۹۔ [2] فائل تبشیر ۱۹۶۱ء نمبر ۱/۴۱

کرنے کے لئے مرکزِ احمدیت سے جو مبشرینِ اسلام خلافتِ ثانیہ و ثالثہ کے عہدِ مبارک میں تشریف لائے اُن کے نام یہ ہیں۔

(ڈنمارک)۔ (۱) سیّد مسعود احمد صاحب۔ (۲) سیّد جواد علی صاحب۔ (۳) حیدر علی صاحب ظفرؔ۔
(۴) منصور احمد صاحب مبشرؔ۔

(سویڈن)۔ (۱) سمیع اللہ صاحب زاہدؔ۔ (۲) منیر الدین احمد صاحب۔ (۳) عبدالقدیر صاحب۔
(۴) حامد کریم محمود صاحب۔

(ناروے)۔ ناروے میں جناب کمال یوسف صاحب ہی متعین کئے گئے۔

ذیل میں سکنڈے نیوین ممالک کے مبلغینِ کرام کی تاریخ روانگی اور واپسی پر مشتمل خاکہ دیا جاتا ہے:۔

نام مبلّغ	تاریخ روانگی	واپسی	دوبارہ روانگی	واپسی
(ڈنمارک)				
۱۔ کمال یوسف صاحب	۱۲؍اپریل ۱۹۵۶ء	۱۸؍اکتوبر ۱۹۶۲ء	۲۸؍مارچ ۱۹۶۵ء	۲۶؍اگست ۱۹۶۹ء
۲۔ سیّد مسعود احمد صاحب	۷؍مئی ۱۹۶۲ء	۱۰؍جون ۱۹۶۵ء	۱۲؍جون ۱۹۶۹ء	(آپ ۱۶؍اپریل
	۱۹۷۳ء کو ڈنمارک سے ہالینڈ آ گئے۔ اور ۲۹؍دسمبر ۱۹۷۴ء کو وہاں سے سوئٹزرلینڈ تشریف لے گئے اور وہاں سے ۱۲؍فروری ۱۹۷۷ء کو ڈنمارک واپس آ گئے اور ۳؍دسمبر ۱۹۸۲ء کو واپس مرکز تشریف لائے)۔			
۳۔ سیّد جواد علی صاحب	۱۸؍مارچ ۱۹۷۳ء	۱۰؍نومبر ۱۹۷۴ء		
۴۔ حیدر علی ظفر صاحب	۲۱؍جنوری ۱۹۷۴ء	۲۵؍مارچ ۱۹۷۸ء	۶؍مارچ ۱۹۸۲ء	۲۶؍فروری ۱۹۸۴ء
۵۔ منصور احمد صاحب مبشر	۷؍جنوری ۱۹۸۱ء	۱۴؍جولائی ۱۹۸۴ء	۶؍ستمبر ۱۹۸۴ء	
(سویڈن)				
۱۔ کمال یوسف صاحب	۳؍ستمبر ۱۹۷۰ء	۱۰؍دسمبر ۱۹۷۳ء	۱۲؍جنوری ۱۹۷۵ء	۶؍ستمبر ۱۹۷۹ء
۲۔ سمیع اللہ صاحب زاہد	۳۱؍جولائی ۱۹۷۶ء	۱۸؍ستمبر ۱۹۷۹ء		

نام مبلغ	روانگی	واپسی	دوبارہ روانگی	واپسی
۳۔ منیر الدین احمد صاحب	۷ر اگست ۱۹۷۳ء	۹ر اکتوبر ۱۹۷۶ء	۲۳ر مارچ ۱۹۷۹ء	۲۴ر دسمبر ۱۹۸۰ء
۴۔ میر عبد القدیر صاحب	۱۵ر اپریل ۱۹۸۱ء	تا حال		
۵۔ حامد کریم محمود صاحب (ناروے)	۳۰ر جنوری ۱۹۷۹ء	۲۳ر نومبر ۱۹۸۱ء	۲ر اپریل ۱۹۸۲ء	۱۹ر نومبر ۱۹۸۳ء
۱۔ کمال یوسف صاحب				

خلاصہ۔ المختصر یہ کہ حضرت مصلح موعود کے زمانۂ خلافت میں اوسلو (ناروے) سٹاک ہالم اور مالمو (سویڈن) اور کوپن ہیگن (ڈنمارک) میں نئی جماعتیں بنیں۔ بعض اور شہروں میں بھی بیعتیں ہوئیں۔ ڈینش ترجمہ و تفسیر قرآن کے کام کا آغاز ہوا۔ مشن کو اتنی وسعت ہوئی کہ ایک مرکزی مبلّغ کے علاوہ تین یورپین نو احمدی، عبد السلام صاحب میڈسن ڈنمارک میں، الحاج سیف الاسلام محمود ایرکسن صاحب سویڈن میں اور الاستاذ نور احمد صاحب بولستاد ناروے میں اعزازی مبلغ بنائے گئے۔

خواتینِ احمدیت کی مالی قربانی

حضرت سیّدہ ام متین صاحب صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ نے ۲۷ر دسمبر ۱۹۶۴ء کو احمدی خواتین کے جلسہ سالانہ پر تحریک فرمائی کہ حضرت مصلح موعودؓ کے عہدِ خلافت پر پُورے پچاس برس گزر چکے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے اس عظیم فضل و احسان کا عملی شکریہ ادا کرنے کے لئے انہیں یورپ کے کسی ایک مُلک میں خانہ خدا تعمیر کرنا چاہیئے[۱] اور اس کے لئے ڈنمارک کے دارالحکومت کوپن ہیگن کو تجویز کیا جہاں سیّد مسعود احمد صاحب مبلغِ اسلام کی شبانہ روز کوشش سے خانہ خدا کے لئے زمین خریدی جا چکی تھی۔ مسجد فضل لنڈن اور مسجد مبارک ہیگ کی طرح مسجد کوپن ہیگن کی تحریک پر بھی خواتینِ احمدیت نے نہایت شاندار طور پر لبیک کہا[۲]

[۱] روزنامہ الفضل ۲ر جنوری ۱۹۶۵ء صفحہ ۴۔ [۲] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ لجنہ جلد سوم صفحہ ۴۲۸ تا ۴۳۲ از حضرت سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ صدر لجنہ مرکزیہ ربوہ طبع اوّل ۲۵ر دسمبر ۱۹۷۳ء۔

"مسجد نصرت جہاں" کا سنگِ بنیاد

اس مسجد کی بنیاد صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل اعلیٰ تحریک جدید نے جمعۃ المبارک ۶ رمئی ۱۹۶۶ء کو ٹھیک ایک بجے دوپہر کوپن ہیگن میں رکھی۔

کئی روز قبل ہی اخبارات میں اس کے سنگِ بنیاد کا چرچا شروع ہو چکا تھا۔ ایک روز قبل ڈینش ریڈیو نے اہم خبروں میں یہ خبر بار بار نشر کی۔ محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب، امام مسجد لنڈن بشیر احمد صاحب رفیق، مسز احسان اللہ ڈینشن نو مسلمہ لنڈن سے، مکرم چوہدری عبداللطیف صاحب امام مسجد ہمبرگ جرمنی سے، مکرم برادرم نور احمد صاحب بولستاد اوسلو، ناروے سے اور متعدد احمدی بھائی سویڈن سے اس تقریب میں شمولیت کے لئے تشریف لائے۔ سنگِ بنیاد کی کارروائی ساڑھے بارہ بجے شروع ہوئی تھی۔ اس سے قبل ہی سفیر ایران اور ان کے سیکرٹری، ترکی، انڈونیشیا، اور سنی گال ایمبیسی کے فرسٹ سیکرٹری، لارڈ میئر کے سٹاف کے اکثر ممبر اور ڈپٹی میئر عرب اور ایران کے تجار اور ڈینش مسلمان ایک گیند نما خیمہ میں جمع تھے۔ کارروائی کے دوران پاکستان کے وزیرِ قانون اور پاکستانی ایمبیسی کے فرسٹ سیکرٹری بھی تشریف لائے۔ ٹھیک ½ ۱۲ بجے تلاوتِ قرآن مجید ہوئی۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۲۵ تا ۱۳۰ (ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی تعمیرِ کعبہ کے وقت کی دعائیں ہیں) کے بعد ان کا ترجمہ احباب کو سنایا گیا۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے عمدہ انداز میں یورپ میں جماعتِ احمدیہ کے ذریعہ مساجد کی تعمیر، ان کی تاریخ مسجد کی اہمیت اور مقام پر روشنی ڈالی اور پھر احمدی مستورات کی ان مالی قربانیوں کا بڑے مؤثر رنگ میں ذکر فرمایا جو انہوں نے ڈنمارک، ہیگ (ہالینڈ) اور لنڈن کی مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں کیں۔ حاضرین اور بیشتر اخبارات نے بھی لجنہ کی قربانیوں کو بہت سراہا۔ آپ کے خطاب کا ڈینش ترجمہ مکرم برادرم عبدالسلام صاحب میڈسن نے احباب کو سنایا[1] جس کے بعد محترم صاحبزادہ صاحب محراب کی سمت بڑھے۔ جہاں سنگِ بنیاد رکھنے کا پروگرام تھا۔ بنیاد کے لئے مسجد مبارک قادیان کی ایک اینٹ حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے دعا کے بعد اپنی زندگی

---

[1] اس خطاب کا مکمل متن الفضل ۱۶ رجون ۱۹۶۶ء میں شائع شدہ ہے۔

ہی ہیں بھجوا دی تھی۔ اس اینٹ کو برادرم عبدالرؤف خانصاحب نے احرام کے کپڑے کے ایک ٹکڑے پر (جو آبِ زمزم سے دُھلا ہُوا تھا) رکھا۔ مبلغ انچارج مکرم عبدالسلام میڈسن صاحب نُوراحمد بوستاد صاحب اور زکریا سن آرکیٹیکٹ نے اس کو چاروں کونوں سے پکڑا اور صاحبزادہ صاحب نے یہ اینٹ عاجزانہ دُعاؤں کے ساتھ مسجد کے مجوّزہ محراب میں کعبۃ اللہ کی سمت میں نصب کر دی اور پھر رقّت آمیز دُعا کرائی۔ سنگِ بنیاد رکھنے کے بعد معزز مہمانوں کو کھانا پیش کیا گیا اور فرداً فرداً تمام احباب سے ملاقات کی گئی۔ عربوں کے ایک نمائندہ کی طرف سے جماعت کا شکریہ ادا کیا اور عربی میں سب احباب کو خوش آمدید کہا۔ پھر ڈپٹی لارڈ میئر نے جماعت کو خوش آمدید کہا اور اس علاقہ میں مسجد تعمیر ہونے پر خوشی کا اظہار کیا۔ کھانے کی تیاری میں لجنہ کی سیکرٹری صاحبہ مسز مریم ملر اور مسز مبارکہ میڈسن اور مسز جمال نے بہت محنت اُٹھائی۔ کھانے کے بعد مکرم برادرم عبدالسّلام صاحب میڈسن نے جمعہ کی اذان دی اور حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے خطبہ جمعہ دیا جس میں مسجد کے مقام کی وضاحت کی اور فرمایا کہ موجودہ سائنسی دَور میں رُوحانیت اور مادّی ترقی صرف اس صورت میں ہم آہنگ ہو سکتی ہے کہ ہر انسان اپنے تئیں اعمال کے لئے خدا کے سامنے جواب دِہ تصوّر کرے۔

اکثر اخبارات نے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی سنگِ بنیاد کے وقت موجودگی اور پہلا جمعہ پڑھانے کو بہت اہمیت دی اور مشن کی شہرت میں بہت اضافہ ہُوا۔ سنگِ بنیاد کا پروگرام ڈینش اور سویس ٹیلیویژن پر دکھایا گیا۔ ڈینش پریس نے سنگ بنیاد کی بکثرت خبریں شائع کیں اور چار اخبارات نے اس پر اداریے بھی سپردِ قلم کئے[1]۔

مسجد "نصرت جہاں" کا افتتاح

سکنڈے نیویا کی اس پہلی اور تاریخی مسجد کا مبارک افتتاح حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقدس ہاتھوں سے ۲۱ر جولائی ۱۹۶۷ء کو ہُوا۔ حضورؒ نے پہلے اس مسجد میں پہلی نمازِ جمعہ پڑھائی اور اس کے بعد ایک مختصر مگر پُر معارف انگریزی خطاب فرمایا جس کے پہلے حصّہ

---

[1] الفضل ربوہ ۱۶ر جون ۱۹۶۶ء۔ ایضاً الفضل ۲۲ر ستمبر ۱۹۶۶ء صہ مضمون جناب عبدالسّلام میڈسن صاحب۔

میں اسلام کی اس بے مثال تعلیم کو نمایاں طور پر پیش کیا کہ مسجد خانہ خدا ہے۔ کسی کی ملکیت نہیں لہٰذا اسلامی مساجد کے دروازے ہر ایسے فرد اور ہر ایسی مذہبی جماعت کے لئے کھلے ہیں جو خدائے واحد کی پرستش کرنا چاہے۔ خطاب کے دوسرے حصّہ میں حضور نے پنج بنائے اسلام کی تشریح فرمائی اور بتایا کہ یہ پانچ ستون ہیں جن پر مسجد استوار ہوتی ہے[1]۔ اس تقریر کے بعد حضور نے اجتماعی دعا کرائی۔

اس یادگار افتتاحی تقریب میں یورپ کے مبلغینِ اسلام، احمدی احباب، غیر ملکی سفراء ڈنمارک کی سربرآوردہ شخصیتیں اور کوپن ہیگن کے معزز شہری کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ اس موقع پر حضور نے پریس کانفرنس سے بھی خطاب فرمایا جس میں عالمی اخبارات کے نمائندوں نے بھاری تعداد میں شرکت کی۔ نیز ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے حضور کا خصوصی انٹرویو بھی ریکارڈ کیا۔

کوپن ہیگن کی اہم شخصیتوں کی ملاقات اور حضرت امام جماعتِ احمدیہ کا عیسائی دنیا کو چیلنج

کوپن ہیگن میں حضور ایک ہفتہ قیام فرما رہے اور پھر ۲۷ جولائی ۱۹۶۷ء کو انگلستان میں تشریف لے آئے[2]۔ اس دوران افتتاحِ مسجد کے بعد بھی حضورؓ کی اہم دینی مصروفیات نقطۂ عروج پر رہیں مثلاً ۲۲ جولائی کی شام کو حضور کی خدمت میں ڈینش مشنری سوسائٹی کے بعض نامور منّاد، کوپن ہیگن یونیورسٹی کے مستشرق اور کوپن ہیگن میوزیم کے ایتھنالوجی ڈیپارٹمنٹ کے ڈائریکٹر اور ان کے منشیر کے علاوہ عیسائی منّادوں کے ایک بورڈ کے دو ممبر حاضر ہوئے جو اُن دنوں احمدیت پر ریسرچ کر رہے تھے[3]۔ سب سے پہلے سیکرٹری ڈینش مشنری سوسائٹی نے ارکان وفد کا تعارف کرایا۔ پھر سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ ملاقات کے آخر میں حضور نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسب ذیل چیلنج کا انگریزی ترجمہ پڑھ کر فرمایا کہ یہ دعوت اَب بھی کھلی ہے۔ ہمیں خوشی ہوگی اگر عیسائیت کی سچائی اور صداقت کا فیصلہ کرنے کے لئے عیسائی حضرات یہ دعوت قبول کر لیں۔ چیلنج یہ تھا کہ:۔

---

[1] مفصّل تقریر ملاحظہ ہو روزنامہ الفضل ربوہ ۱۱ راگست ۱۹۶۷ء صٓ۳ و صٓ۵۔

[2] روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹ رجولائی ۱۹۶۷ء صٓ۱۔ [3] روزنامہ الفضل ربوہ ۲ راگست ۱۹۶۷ء صٓ۳

"توریت اور انجیل قرآن کا کیا مقابلہ کریں گی۔ اگر صرف قرآن شریف کی پہلی سورۃ کے ساتھ ہی مقابلہ کرنا چاہیں یعنی سورۃ فاتحہ کے ساتھ جو فقط سات آیتیں ہیں اور جس ترتیب انسب اور ترکیب محکم اور نظام فطرتی سے اس سورۃ میں صدہا حقائق اور معارف دینیہ اور روحانی حکمتیں درج ہیں ان کو موسیٰ کی کتاب یا یسوع کے چند ورق انجیل سے نکالنا چاہیں تو گو ساری عمر کوشش کریں تب بھی یہ کوشش لاحاصل ہوگی اور یہ بات لاف دگزاف نہیں بلکہ واقعی اور حقیقی یہی بات ہے کہ توریت اور انجیل کو علوم حکمیہ میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ بھی مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہم کیا کریں اور کیونکر فیصلہ ہو۔ پادری صاحبان ہماری کوئی بات بھی نہیں مانتے۔ بھلا اگر وہ اپنی توریت یا انجیل کو معارف اور حقائق کے بیان کرنے اور خواص کلام الوہیت ظاہر کرنے میں کامل سمجھتے ہیں تو ہم بطور انعام پانسو روپیہ نقد ان کو دینے کے لئے تیار ہیں[1]۔"

اس کے علاوہ حضور نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حسب ذیل چیلنج بھی دُہرایا:

"جس قدر اصول اور تعلیمیں قرآن شریف کی ہیں وہ سراسر حکمت اور معرفت اور سچائی سے بھری ہوئی ہیں اور کوئی بات اُن میں ایک ذرہ مواخذہ کے لائق نہیں اور چونکہ ہر ایک مذہب کے اصولوں اور تعلیموں میں صدہا جزئیات ہوتی ہیں اور اُن سب کی کیفیت کا معرض بحث میں لانا ایک بڑی مہلت کو چاہتا ہے۔ اس لئے ہم اس بارہ میں قرآن شریف کے اصولوں کے منکرین کو ایک نیک صلاح دیتے ہیں کہ اگر ان کو اصول اور تعلیمات قرآنی پر اعتراض ہو تو مناسب ہے کہ وہ اوّل بطور خود خوب سوچ کر دو تین ایسے بڑے سے بڑے اعتراض بحوالہ آیات قرآنی پیش کریں جو اُن کی دانست میں سب اعتراضات سے ایسی نسبت رکھتے ہوں جو ایک پہاڑ کو ذرّہ سے نسبت ہوتی ہے۔ یعنی اُن کے سب اعتراضوں سے اُن کی نظر میں اقویٰ و اشد اور انتہائی درجہ کے ہوں۔ جن پر اُن کی نکتہ چینی کی پُرزور نگاہیں ختم ہوگئی ہوں اور نہایت شدّت سے دوڑ دوڑ کر انہی پر جا ٹھہری ہوں سو ایسے دو یا تین اعتراض بطور نمونہ پیش کرکے حقیقت حال کو آزما لینا چاہیئے کہ اس سے تمام اعتراضات کا بآسانی فیصلہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اگر بڑے اعتراض

---

[1] کتاب سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب ص۳۴ طبع اوّل ۲۲ جون ۱۸۹۷ء

بعد تحقیق ناچیز نکلے تو پھر چھوٹے اعتراض ساتھ ہی نابود ہو جائیں گے اور اگر ہم ان کا کافی و شافی جواب دینے سے قاصر رہے اور کم سے کم یہ ثابت نہ کر دکھایا کہ جن اصولوں اور تعلیموں کو فریق مخالف نے بمقابلہ ان اصولوں اور تعلیموں کے اختیار کر رکھا ہے وہ ان کے مقابل پر نہایت درجہ رذیل اور ناقص اور دُور از صداقت خیالات ہیں تو ایسی حالت میں فریق مخالف کو در حالت مغلوب ہونے کے فی اعتراض پچاس روپیہ بطور تاوان دیا جائے گا۔[1]

تقریب افتتاح کا چرچا ڈنمارک پریس میں

ڈنمارک پریس نے مسجد کوپن ہیگن کے افتتاح کا وسیع پیمانہ پر چرچا کیا۔ اس سلسلہ میں چند اخبارات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) ڈنمارک کے ایک ہفت روزہ اخبار VALBY BLADET نے اپنی ۲۷ جولائی ۱۹۶۷ء کی اشاعت میں زیر عنوان " سکنڈے نیویا میں سب سے پہلی مسجد کا افتتاح اور خلیفہ صاحب کی مجلس" ـــ لکھا:۔

اس مجلس میں رُوحانی آزادی سے ہمکنار کرنے والی ایک عجیب و غریب فضا چھائی ہوئی تھی۔ اس عجیب و غریب اور حریّت نواز ماحول میں مغربی پاکستان سے تشریف لائے ہوئے خلیفہ مرزا ناصر احمد صاحب کی عظیم اور واجب الاحترام شخصیت سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ آپ کا چہرہ گہری بھوؤں اور سفید ریش سے مزیّن تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا اُن بزرگ اور مقدس ہستیوں میں سے جن کا ذکر کتاب موسٰی میں آتا ہے۔ ایک بزرگ اور مقدس ہستی ہمارے درمیان تشریف فرما ہے۔ فی الواقعہ ہر شخص نے اُس عظمت اور تقدّس کو محسوس کیا جو آپ کے وجود میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہُوا تھا۔ یہ احساس اور یہ تأثر اس وقت اور بھی زیادہ اُجاگر ہو گیا جب آپ نے ان الفاظ کے ساتھ پریس کانفرنس کا آغاز فرمایا۔ " مَیں جنگ کا نہیں، امن کا حامی ہوں اور امن کے ایک پیرو کی حیثیت سے خدا کے اس گھر کے دروازے لوگوں پر کھولنے آیا ہوں "۔

افتتاحی تقریر کے بعد گہری خاموشی کے عالم میں تین منٹ کی دُعا ہوئی۔ ٹیلی ویژن والوں،

---

[1] اشتہار معید الاخیار مشمولہ سُرمہ چشم آریہ ص۳

اُن کی سیلاب کی طرح امنڈی چلی آنے والی روشنیوں، اخبار نویسوں اور ان کے کیمروں سے پھوٹ نکلنے والی فلیش لائٹوں کے باوجود مسجد کے گول کمرے میں ہر طرف وجد آفریں اور پُرکیف خاموشی طاری تھی۔ دُعا کے ختم ہونے پر بھی یہ کیفیت دیر تک طاری رہی اور آہستہ آہستہ پہلی حالت واپس آئی"۔

"افتتاح کا اصل آغاز خلیفہ صاحب کی اقتداء میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی سے ہُوا۔ وہ تمام لوگ جو نماز میں شریک ہونے کے خواہش مند تھے، انہیں نماز میں شریک ہونے کی عام اجازت تھی۔ لیکن اُن کے لئے ضروری تھا کہ وہ جوتے اُتار کر اور انہیں باہر ہی چھوڑ کر مسجد میں داخل ہوں۔ مسجد کے مقدس کمرہ میں داخل ہونے کے لئے بس یہی ایک شرط تھی۔ بہت سے لوگوں کے لئے جنہیں مسجد کی افتتاحی تقریب میں شرکت کا موقع ملا۔ اس نوع کی عبادت میں حصّہ لینا ایک دل موہ لینے والے عظیم تجربہ کی حیثیت رکھتا تھا[1]۔"

(۲)۔ اخبار KRISTELIG DAG BLAD نے جو کلیسائے ڈنمارک کا ترجمان ہے، اپنی ۲۱ر جولائی ۱۹۶۷ء کی اشاعت میں مسجد کی تعمیر کو اسلام کی قوّت و عظمت کا درخشندہ نشان قرار دیتے ہوئے لکھا:۔

"ڈنمارک میں مسجد! آج سے بیس تیس سال قبل یہ تصوّر ہی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ڈنمارک میں بھی کوئی مسجد تعمیر ہو سکتی ہے۔ اس وقت ایسا خیال مضحکہ خیز شمار ہوتا اور اس پر قہقہے بلند کئے جاتے۔ بہر حال یہ ماننا پڑے گا کہ اسلام کی اس شاخ[2] نے فی زمانہ تبلیغی جدوجہد کا حیران کُن مظاہرہ کیا ہے اور اس میدان میں اس نے بڑی حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔ بالخصوص افریقہ میں اس نے جو کامیابی حاصل کی ہے وہ کسی لحاظ سے کم نہیں ہے۔۔۔۔ ہم آج کی خبر کا نوٹس لینا ضروری سمجھتے ہیں اور ہم تو ان لوگوں کی ہمّت اور حوصلہ کی داد دینے کے لئے بھی تیار ہیں جس کے بل پر انہوں نے نسبتاً بہت تھوڑی مدّت میں یہ کچھ کر دکھایا۔ اس امر کا احساس ہمارے لئے چنداں

---

[1] VALBY BLADET ۲۷ر جولائی ۱۹۶۷ء، روزنامہ الفضل ربوہ ۲۵ر اگست ۱۹۶۷ء۔

[2] شاخ سے مراد جماعت احمدیہ ہے (ناقل)۔

دُکھ اور تکلیف کا موجب نہیں ہو سکتا خصوصاً عین ایسے وقت میں جبکہ اسرائیل اور دُنیائے عرب کے درمیان کشیدگی زوروں پر ہے۔ اسلام حقیقتاً ہم سے اتنا دُور اور اتنا متروک نہیں ہے جیسا کہ ہمارے آباء و اجداد عام طور پر یقین کرتے تھے۔ اسلام کی قوّت اور عظمت کا یہ ایک درخشندہ نشان ہے جس کی تعمیر مکمّل ہونے کے بعد آج افتتاح ہُوا ہے[1]۔

(۳)۔ ڈنمارک کے ایک اور روزنامہ AKULET نے اپنے ۲۲ جولائی کے طویل ادارتی مقالہ میں لکھا:۔

"وی ڈورا کی مسجد اُس مذہب کی جو عرب کی پسماندہ وخستہ حال سرزمین میں اب بھی زندہ ہے۔ بہت بعد میں پھوٹنے والی ایک چھوٹی سی شاخ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس موجودہ وقت میں اللہ اور اس کے رسول کو یہاں حاصل کرنے میں بہت دقّت اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا[2]"

(۴)۔ ڈنمارک کے ایک اخبار LOLLANDSTIDENDE نے اپنے ۲۵ جولائی ۱۹۶۷ء کے پرچہ میں لکھا:۔

"آج مسلمانوں کا مذہب یعنی دینِ اسلام ڈنمارک میں پھیلایا جا رہا ہے۔ کوپن ہیگن کے علاقہ وی ڈورا (HVIDOVRE) میں پہلی مسجد تعمیر ہو گئی ہے اور اس کا افتتاح بھی عمل میں آ چکا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ خود ڈنمارک کے کلیسا نے اپنے داخلی حالات کا جائزہ لینے اور آئندہ کے لئے لائحہ عمل تیار کرنے کی غرض سے باقاعدہ ایک کمیشن مقرر کر رکھا ہے۔ اس مسجد کا نوٹس لینا اور اسے قابلِ اعتنا سمجھنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

عیسائیت ڈنمارک میں ایک ہزار سال سے بھی زائد عرصہ سے قائم چلی آرہی ہے اور یہاں ایسے مناد (مرد بھی اور عورتیں بھی) موجود ہیں جنہوں نے ایسے ممالک میں عیسائیت کا پیغام پہنچایا ہے جہاں اسلام ایک مذہب کی حیثیت سے بہت مقبول ہے۔ لیکن آج صورتِ حال مختلف ہے۔ اب خود ڈنمارک میں اسلام اور عیسائیت کے درمیان مقابلہ کی طرح پڑ چکی ہے۔ کلیسا کی اصلاحی تنظیم کو

---

[1] بحوالہ روزنامہ الفضل ربوہ ۲۵ اگست ۱۹۶۷ء۔ [2] روزنامہ الفضل ۲۵ اگست ۱۹۶۷ء صفحہ ۵

جسے " داخلی مشن '' کو خود اپنے ہی گھر میں کلیسا اور مسجد کی باہمی مخالفت کی شکل میں نئی سرگرمی اور جدوجہد کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ وہ ممالک جن میں ہم اپنے مناد بھیجا کرتے تھے اب جواباً ہمارے ہاں مناد بھیج رہے ہیں اور ہمارا قرض چکانے پر تُل گئے ہیں۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ اب حالات بدلے ہوئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس غیر ملکی مذہب اور اس کی تعلیم کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا جو دیگر مذاہب کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ ڈنمارک میں مکمّل مذہبی آزادی ہے۔ البتہ یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اس غیر ملکی مذہب کے بارہ میں عوام کا ردِّ عمل کیا ہوگا؟۔ یہ امر محتاجِ بیان نہیں کہ ڈنمارک میں بڑی تیزی سے مسلمانوں کی ایک جماعت معرضِ وجود میں آچکی ہے اور جس رفتار سے مسجد کی تعمیر عمل میں آئی ہے وہ اس اَمر کی آئینہ دار ہے کہ ڈنمارک کی مُسلم تحریک کے پیچھے پُرعزم اور فعال دماغ کار فرما ہیں۔ اس بات کو تو کوئی بھی تسلیم نہیں کرے گا کہ سارا ڈنمارک حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائے گا۔ لیکن کوپن ہیگن کے علاقہ وی ڈورا میں جس سرگرمی کا ثبوت منظرِ عام پر آیا ہے۔ وہ اپنی وسعت کے لحاظ سے اس نوعیت کی ہے کہ کلیسا اس مُوقف کا سہارا نہیں لے سکتا کہ گویا کچھ ہُوا ہی نہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ڈنمارک جو پہلے بیرونی دُنیا میں عیسائی مناد بھیجا کرتا تھا۔ اَب خود تبلیغی سرگرمیوں کی آماجگاہ بن گیا ہے۔ یہ صورتِ حال ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے اور اس چیلنج کو بہرحال قبول کرنا ہوگا۔[1]

کلیسیا کی طرف سے مخالفت کا آغاز

تقریبِ افتتاحِ مسجد کا پہلا ردّ یہ ہُوا کہ عیسائی حلقے مسجد کی مقبولیت کو دیکھ کر کُھلم کُھلا مخالفت پر اُتر آئے اور اخبارات میں مخالف مضامین کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا۔ ایک پادری نے واضح طور پر اخبار میں لکھا کہ ڈنمارک کی تاریخ کا بدترین دن وہ تھا جس دن " نصرت جہاں " مسجد کا افتتاح کیا گیا۔ اور مَیں ایک عیسائی پادری کی حیثیت سے اس مسجد کا ہرگز روادار نہیں ہو سکتا۔ یہ سلسلہ اتنا وسیع تھا کہ بعض اخبارات نے لکھا کہ پادریوں نے مسجد کے خلاف "جہاد" کا اعلان

---

[1] روزنامہ الفضل ۲۵ اگست ۱۹۶۷ء صفحہ ۹

کر دیا ہے۔ بہت سے لوگوں نے احمدیہ مشن کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ اس سے تو بجائے نفرت کے لوگوں کے دلوں میں اسلام کے حق میں ہمدردی پیدا ہو رہی ہے تو انہوں نے مسجد کے ساتھ ایک چرچ میں ڈنمارک کے مشہور پادری کی (جو مشرقِ وسطیٰ میں مبلغ رہ چکے تھے) تقریر کرائی۔ پادری صاحب نے کہا میں اسلام کا خیر مقدم تو کرتا ہوں مگر ایسے اسلام کا جو جمہور کا اسلام ہے۔ جن کے نزدیک اسلام یہ سکھاتا ہے کہ منکرین جب تک اسلام قبول نہیں کرتے ان کے خلاف عَلَم جہاد بلند کرو۔ اور ان کی گردنیں کاٹ دو۔ یہ بھی کوئی اسلام ہے جو نصرت جہاں مسجد والے پھیلا رہے ہیں[1]۔ پادری ہنرک پیڈرسن نے لکھا:۔

"جب ہم تبلیغی مشن کا لفظ بولتے ہیں تو از خود ہمارے ذہن میں انجیل کی تبلیغ کا تصور آتا ہے۔ جو ہم اور دینوں یہودیوں اور مسلمانوں کو کرتے ہیں۔ ہم عیسائی صدیوں سے اس تصوّر کے عادی ہیں۔ لیکن کوپن ہیگن میں مسجد نصرت جہاں کی تعمیر ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ اسلام ایک لمبے جمود کے بعد دوبارہ فعال تبلیغی مشن بن گیا ہے۔ اور اب جماعت احمدیہ نے بڑے منظم طریق سے پروگرام بنا کر عالمی سطح پر تبلیغ شروع کر دی ...... اور یہ ایک ایسی عالمی تحریک ہے جو عیسائیت کا جواب ہے[2]۔"

جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی کو دیکھ کر پادریوں نے ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جس نے ایک کتاب "شمالی یورپ میں اسلام اور جماعت احمدیہ پر ایک نظر" کے عنوان سے لکھی جس میں بتایا کہ "۱۹۶۷ء میں کوپن ہیگن کے ایک محلہ میں مسجد کا افتتاح کیا گیا، یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ تبلیغ پر عیسائیوں کی اجارہ داری نہیں ...... بلکہ اب ایک غیر ملکی مذہب اسلام جاگ رہا ہے اور عیسائیوں کی صدیوں کی تبلیغ کا منہ توڑ جواب دینے لگا ہے۔ اور یہ بات ہمیں دو[3] چیلنج دیتی ہے۔ ایک یہ کہ نصرت جہاں مسجد کی تعمیر پر ہمارا کیا ردِ عمل ہے؟ دوسرا شمالی یورپ میں اسلام کی موجودگی۔

یہ دو زبردست چیلنج ہیں جو شمالی یورپ میں جماعت احمدیہ کی تبلیغی جدوجہد پیش کرتی ہے[4]۔

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۸، اپریل ۱۹۷۰ء صـ۳۔ [2]، [3]، [4] روزنامہ الفضل مورخہ ۱۹، اپریل ۱۹۷۰ء صـ۳۔

ڈینش ترجمہ قرآن کی اشاعت و مقبولیت

ڈینش زبان میں ترجمہ قرآن حضرت مصلح موعودؓ کی اجازت اور سرپرستی سے ڈنمارک کے پہلے احمدی عبدالسلام میڈسن صاحب نے ۱۹۶۰ء میں شروع کیا تھا، مکرمی کمال یوسف صاحب اور میر مسعود احمد صاحب کو اس کی نظر ثانی کا موقع ملا۔ ترجمہ کے دس پارے حضرت مصلح موعودؓ کی زندگی میں طبع ہوئے مگر مکمّل ترجمہ شروع ۱۹۶۷ء میں ڈنمارک کے مشہور پبلشر BORGEN نے شائع کیا۔ یہ ڈینش زبان کا پہلا ترجمہ قرآن تھا جو میڈسن صاحب نے چھ سال کی محنتِ شاقہ سے تیار کیا جس میں انہوں نے جماعت احمدیہ کی انگریزی تفسیر قرآن اور جرمنی ترجمہ قرآن کے علاوہ تفسیر صغیر اور حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کے ترجمہ قرآن سے بھی استفادہ فرمایا۔ ترجمہ پر ڈنمارک کے ایک مستشرق مسٹر وائس برگ نے نظر ثانی کی۔ قرآن مجید کے عربی بلاک کے متن کی تیاری کے اخراجات تحریکِ جدید نے مہیّا کئے۔ یہ ترجمہ مساوی صفحات کی تین جلدوں پر مشتمل تھا اور اس کے کل صفحات ۱۳۰۰ کے قریب تھے۔ ۱۸ر جنوری ۱۹۶۷ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؓ کی خدمت میں اس ترجمہ کا پہلا نسخہ بذریعہ ہوائی ڈاک بھجوایا گیا جس پر حضور نے مبارکباد کا حسب ذیل تار ارسال فرمایا:-

"مجھے ڈینش ترجمہ حاصل کر کے بہت خوشی ہوئی۔ آپ کو اسی طرح سب احمدی احباب کو مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ خدا کا یہ پیغام جلد از جلد ڈینش لوگوں کے دل منوّر کرے۔"

شاہ فیصل سعودی عرب شاہ حسین اُردن، شاہِ ایران اور صدر جمال عبدالناصر صدر مصر نے بھی مبارکباد کے خطوط بھیجے۔ غیر مسلم حلقوں نے تبصرے کئے اور ڈنمارک کے مشہور پادری کارل ایرک این برگ نے لکھا:-

"عبدالسلام میڈسن تعریف کے مستحق ہیں۔ اکثر ممالک میں ترجمہ قرآن مل جاتا ہے۔ مگر ڈینش لوگ لمبا عرصہ تک اس سے غافل رہے۔ میری خواہش ہے کہ یہ کتاب اور اس کا پیغام عوام و خواص سب پڑھیں کیونکہ یہ کتاب عیسائی کلیسیا کو سب سے بڑا چیلنج ہے۔"

خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ ترجمہ بہت مقبول ہوا۔

اخبار "خلیج ٹائمز" میں ڈینش ترجمہ قرآن کا ذکر

اخبار خلیج ٹائمز KHALEJ TIMES نے ۱۶ر اپریل ۱۹۸۰ء کی اشاعت

یں میڈسن کے ڈینش ترجمہ قرآن کا ذکر کرتے ہوئے لکھا :-

"In 1956, after five years of the political studies including intensive study of the Arabic language and the Holy Quran and extensive study of Hadith and other Islamic literature, Mr. Madsen embraced Islam and took the Muslim name of Abdul Salaam. He invited a Pakistani missionary from Holland to give lecture on Islam at the Teachers Training College in Ribe. In the following years, small communities were established in Stockholm and Oslo.

In 1967 the Glorious Quran was published by the Borgen Publishing House with the Arabic text and with Danish translation and notes made by Abdul Salaam Madsen. "Muhammad – his Life and Teachings;" by the same author, was published at the same time."

(ترجمہ) - پانچ سال تک عربی زبان، قرآن حکیم، حدیث اور دیگر اسلامی لٹریچر کا گہرا مطالعہ کرکے ۱۹۵۶ء میں مسٹر میڈسن نے اسلام قبول کیا اور عبدالسلام اسلامی نام اختیار کر لیا۔ انہوں نے ہالینڈ سے مبلغ اسلام کو دعوت دی کہ ٹیچرز ٹریننگ کالج واقع ریبے میں اسلام کے متعلق لیکچر دیں۔ چند سالوں میں سٹاک ہالم اور اوسلو میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں قائم کی گئیں۔

۱۹۶۷ء میں بورگن پبلشنگ ہاؤس نے عبدالسلام میڈسین کا ڈینش زبان میں کیا ہوا قرآن کریم کا ترجمہ مع نوٹس اور عربی متن کے شائع کیا۔ اسی زمانہ میں اسی مصنف کی کتاب "محمدؐ کی زندگی اور آپ کی تعلیم" شائع ہوئی"۔

یوگوسلاوین حلقوں میں احمدیت کا اثر و نفوذ

اپریل ۱۹۶۹ء کی بات ہے۔ مکرم کمال یوسف صاحب آئس لینڈ کے دورہ پر تشریف لے گئے۔ اور مشن کو عارضی طور پر سنبھالنے کے لئے مولوی بشیر احمد صاحب شمس جرمنی سے ڈنمارک پہنچے۔ اس دوران ایک عجیب ایمان افروز واقعہ رونما ہوا۔ جس کی تفصیل جناب مولوی بشیر احمد صاحب شمس کے الفاظ میں درج ذیل ہے :-

"ایک روز جب خاکسار مشن ہاؤس میں دفتری کام میں مصروف تھا تو ایک ٹیلیفون آیا۔ ایک نوجوان جرمن زبان میں کچھ استفسار کر رہا تھا۔ اُس نے کہا مجھے علم ہوا ہے کہ آپ

جرمن زبان جانتے ہیں۔ لیکن آپ سے کچھ راہنمائی حاصل کرنی چاہتا ہوں۔ گفتگو لمبی تھی لہٰذا خاکسار نے اُسے تجویز کیا کہ ہم آپس میں کسی جگہ مل لیں تو بہتر ہے چونکہ وہ ڈنمارک کے ایک قصبہ میں ایک لوہے کے کارخانہ میں ملازم تھا اور یوگوسلاویہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے کہا کہ مَیں بہت مصروف ہوں۔ چھٹی نہیں مل سکتی۔ اگر آپ میرے پاس وقت نکال کر آجائیں تو مَیں آپ کا بہت ممنون ہونگا۔ کوپن ہیگن سے قریباً ساٹھ کلومیٹر دُور رہتا تھا۔ اگلے روز مَیں ٹرین پر اُس کے پاس پہنچا۔ وہ اسٹیشن پر موجود تھا۔ مجھے مل کر بہت خوش ہُوا۔ گھر پہنچے۔ رات وہیں ٹھہرا۔ رات کو اس نے مجھے سارا واقعہ سُنایا کہ خواب میں اس کے سامنے ایک سفید پگڑی پہنے گھنی لمبی سفید داڑھی والا شخص ظاہر ہُوا۔ جس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جسے بیعت کاغذ کہا گیا۔ اسے خواب میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ جنّت میں داخل ہونے کا کاغذ ہے جب اس شخص نے اپنی اس خواب کا ذکر کیا تو مَیں نے اُسے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رضی اللہ عنہ کی فوٹو دکھائی تو فوراً پکار اُٹھا کہ یہی وہ شخص ہے جسے اُس نے خواب میں دیکھا ہے۔ آخر میں خاکسار نے بیعت فارم کا ذکر کیا تو کہنے لگا کہ میری تسلّی ہوگئی ہے۔ چنانچہ اُس نے بلاتوقف جماعت میں شمولیت اختیار کر لی۔"[1]

ایک ماہ کا دَورہ مکمّل کرنے کے بعد مکرم کمال یوسف صاحب واپس ڈنمارک تشریف لائے تو اس یوگوسلاوین نوجوان کی تحریک پر ہم نے سویڈن جانے کا پروگرام بنایا کیونکہ گوتھن برگ میں بہت سے یوگوسلاوین دوست رہائش رکھتے تھے۔ مکرم محمود ارکسن صاحب لوکل مبلغ سویڈن مقیم سٹاک ہالم کو اطلاع دی۔ گوتھن برگ میں مکرم بشیر الدین احمد صاحب ابن کرنل تقی الدین احمد صاحب کی مدد سے (جو اس وقت وہاں اپنے کاروبار کے سلسلہ میں مقیم تھے) ایک میٹنگ کا اہتمام کیا۔ اور سلسلہ احمدیہ سے متعلق ایک پمفلٹ یوگوسلاوین زبان میں شائع کروالیا۔ اس میٹنگ میں چالیس کے قریب یوگوسلاوین دوست تشریف لائے۔ احمدیت کا تعارف کروایا گیا تو اللہ تعالےٰ کے فضل سے اسی میٹنگ میں ہی پانچ افراد نے باقاعدہ طور پر بیعت کرکے سلسلہ احمدیہ میں

---

[1] رسالہ "تحریک جدید" جولائی ۱۹۶۹ء صفحہ ۲۱۔

شمولیت اختیار کر لی۔ الحمدللہ ۔ اس سارے واقعہ کی اطلاع مکرم کمال یوسف صاحب نے حضور کی خدمت میں بھجوائی۔ حضور نے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ نیز بذریعہ تار حکم دیا کہ آئندہ تین ماہ کے لئے بشیر شمس صاحب گوتھن برگ میں ٹھہریں۔ چنانچہ اس ارشاد کی تعمیل میں خاکسار مزید تین ماہ کے لئے وہاں ٹھہر گیا اور کام کو جاری رکھا۔ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے اس عرصہ میں مزید پچیس افراد سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوگئے الحمدللہ ۔

ہمبرگ جرمنی سے گئے ہوئے مجھے چار ماہ کا عرصہ ہوگیا تھا۔ اس پر مکرم چوہدری عبداللطیف صاحب مبلغ جرمنی نے مرکز کو لکھا کہ وہ اکیلے کام نہیں کر سکتے۔ یا انہیں کوئی اور مبلغ دیا جائے یا بشیر شمس صاحب کو واپس ہمبرگ بھجوا دیا جائے۔ اس پر مرکز کے حکم پر خاکسار ہمبرگ پہنچ گیا۔ ابھی دو ماہ ہی گزرے تھے کہ دوبارہ مجھے حکم ملا کہ مَیں گوتھن برگ (سویڈن) پہنچ کر کام شروع کروں۔ یہ اکتوبر ۱۹۶۹ء کا مہینہ تھا۔ دوبارہ جا کر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے کام شروع کیا جس کے بہت اچھے نتائج برآمد ہوئے۔ اس دوران مکرم کمال یوسف صاحب واپس ربوہ آگئے۔ اور مکرم سیّد مسعود احمد صاحب نے ڈنمارک مشن کا چارج سنبھال لیا۔

گوتھن برگ مشن کی بنیاد

گوتھن برگ میں جماعت احمدیہ کا قیام سٹاک ہالم کے محمود الحسن صاحب اور محترم کمال یوسف صاحب کی کوشش سے ہُوا جنہوں نے گوتھن برگ میں یوگوسلاو احباب کے ایک اجتماع کا انتظام کیا۔ جس میں سب سے پہلے یوگوسلاوین مسلمان HAIRULLAH باقاعدہ بیعت کرکے داخلِ احمدیت ہوئے پھر ان کی تبلیغ سے ایک اور شخص حسن نامی نے بیعت کی .... اب ان دونوں احمدی احباب نے ۱۱ مئی ۱۹۶۹ء کو ایک اور مجلس منعقد کی جس میں مکرم کمال یوسف صاحب مولوی بشیر احمد صاحب شمس نے بھی شرکت کی۔ اس میٹنگ اور اس کے بعد کی کوششوں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے مزید گیارہ اشخاص احمدی ہوگئے۔ ازاں بعد ۳۱ مئی ۱۹۶۹ء کو سیرت النبیؐ کا ایک کامیاب جلسہ منعقد کیا جلسہ کے بعد انفرادی ملاقاتوں کے دوران مزید پانچ افراد سلسلہ سے منسلک ہوگئے۔ پھر مزید تین خاندان جو بارہ افراد پر مشتمل تھے داخلِ جماعت ہوئے۔ اسی طرح جون ۱۹۶۹ء تک یوگوسلاو احمدی احباب کی تعداد ۳۳ تک پہنچ گئی ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے دستِ مبارک سے مسجد ناصر کا سنگِ بنیاد

۲۷ ستمبر ۱۹۷۵ء کا دن گوٹھن برگ (سویڈن) کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا کیونکہ اس دن حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے گوٹھن برگ شہر میں سویڈن کی پہلی مسجد کی بنیادی اینٹ اپنے دستِ مبارک سے نصب فرمائی۔ اس مسجد کی زمین مولوی منیر الدین احمد صاحب نے خریدی تھی۔ خدا کے گھر کا سنگِ بنیاد رکھنے اور اس کی زمین کا معائنہ فرمانے کے بعد حضور نے متعدد افراد کو شرفِ مصافحہ بخشا اور انہیں حقائق و معارف سے سرفراز فرمایا۔[1]

گوٹھن برگ میں یورپین مبلغین کی کانفرنس

اگلے روز ۲۸ ستمبر ۱۹۷۵ء کو ہوٹل سکنڈے نویا میں جہاں حضور قیام فرما تھے یورپ کے جملہ احمدیہ مشنوں کے مبلغین کی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں مندرجہ ذیل مبلغین کو شرکت کرنے اور حضور کے ارشادات سے مستفید ہونے کی سعادت نصیب ہوئی:۔

۱۔ مکرم بشیر احمد خان صاحب رفیق (امام مسجد لنڈن)۔
۲۔ مکرم چوہدری کرم الٰہی صاحب ظفر (مبلغ سپین)۔
۳۔ مکرم مولوی فضل الٰہی صاحب انوری (امام مسجد نور فرنکفورٹ مغربی جرمنی)۔
۴۔ مکرم حیدر علی صاحب ظفر (امام مسجد فضلِ عمر ہمبرگ)
۵۔ مکرم سیّد مسعود احمد صاحب (امام مسجد محمود زیورک سوئٹزرلینڈ)۔
۶۔ مکرم جناب کمال یوسف صاحب (امام مسجد نصرت جہاں کوپن ہیگن ڈنمارک)۔
۷۔ مکرم منیر الدین احمد صاحب (مبلغ سویڈن)[2]۔

چودہ ۱۴ یوگوسلاوین کا قبولِ احمدیّت

اس تاریخی کانفرنس کے علاوہ نمازِ عصر کے بعد ایک مبارک مجلس بھی منعقد ہوئی جس میں حضور نے یوگوسلاوین دوستوں کو شرفِ زیارت بخشا اور ان کی درخواست پر ہر ایک کے ساتھ

---

[1] الفضل ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۵ء۔ [2] ایضاً صـ۲

باری باری فوٹو کھنچوائے۔ یہ سلسلہ تقریباً نصف گھنٹہ تک جاری رہا۔ الفضل کے نامہ نگار خصوصی جناب مسعود احمد خانصاحب دہلوی کا بیان ہے کہ

"اس تمام عرصہ میں ان یوگوسلاوین دوستوں پر ایک ایسا کیف کا عالم طاری رہا کہ یُوں محسوس ہوتا تھا کہ اس عالم میں نہیں ایک اور ہی عالم میں ہیں اور ان کی جانب سے ذوق و شوق اور ولولہ عشق کا اظہار خدائی تصرف کے ماتحت ہو رہا ہے"۔[1]

نماز مغرب و عشا کے بعد عشائیہ کی بابرکت تقریب تھی۔ حضور اس کے دوران اور بعد میں غلبۂ اسلام کے سلسلہ میں احمدی احباب کو ان کی ذمّہ داریوں سے آگاہ فرماتے رہے۔

ایک یوگوسلاوین مخلص احمدی برادرم شعیب موسیٰ صاحب اپنی اہلیہ کو بیعت کرانے میں صرف اس لئے متامل تھے کہ وہ پہلے پُوری صحت کے ساتھ قرآن شریف پڑھنا سیکھیں۔ مگر حضور نے فرمایا کہ حق کھُل جانے پر اسے قبول کرنے اور فارم پُر کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیئے۔ دینی تربیت اس کے بعد ہی ہوسکتی ہے۔ اس پر شعیب موسیٰ صاحب زنانہ کمرہ کے دروازہ پر اپنی اہلیہ سے ملے اور حضور کے منشاء سے آگاہ کیا تو انہوں نے بخوشی بیعت فارم پُر کر دیا۔ فارم پُر کرنے کی دیر تھی کہ بہت سے دیگر یوگوسلاوین دوستوں اور بہنوں کی طرف بیعت فارم دیئے جانے کا مطالبہ ہونے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے چودہ یوگوسلاوین باشندوں نے جن میں چھ مَرد اور آٹھ خواتین تھیں۔ بیعت فارم پُر کر کے قبول احمدیت کا اعلان کر دیا۔ اس خدائی تصرّف و نصرت کے رُوح پرور نظارہ سے تمام مجلس میں خوشی اور مسرّت کی زبردست لہر دوڑ گئی۔ حضور نے بیعت کرنے والے احباب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ "بیعت میرے ساتھ نہیں بلکہ خدائے قادر و قدوس کے ساتھ ایک عہد ہے جو آپ نے اس وقت باندھا ہے۔ ہمارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا کہ مہدی علیہ السّلام کے زمانہ میں اسلام دُنیا بھر میں غالب آئے گا۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی بشارت کے مطابق وہ زمانہ آ گیا۔ ظہورِ مہدی علیہ السّلام کی دوسری صدی جس کے شروع ہونے میں پندرہ سال رہ گئے ہیں، غلبۂ اسلام کی صدی ہوگی۔ آپ نے غلبۂ اسلام کے لئے جدوجہد کرنے اور قربانیاں پیش

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۵ء صہ

کرنے کے لئے آج اپنے خدا سے عہد کیا ہے۔ اس ارشاد کے بعد حضور نے نہایت مخلص یوگوسلاوین احمدی برادرم جناب عزت ادلی ورچ کو جو ترجمانی کے فرائض انجام دے رہے تھے، ہدایت فرمائی کہ وہ یہ بات نو مبایعین تک پہنچا دیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے نومبائع احمدی بھائیوں کو مخاطب کر کے اُن تک یوگوسلاوین زبان میں حضور کا یہ ارشاد پہنچایا۔ سب نے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے حضور سے استقامت کے لئے دُعا کی درخواست کی۔ اس کے بعد حضور ایدہ اللہ کے ارشاد کی تعمیل میں جناب عزت ادلی ورچ صاحب نے زنانہ کمرہ کے دروازے پر جا کر ان بہنوں کے سامنے بھی جنہوں نے بیعت فارم پُر کئے تھے۔ یوگوسلاوین زبان میں حضور کے مذکورہ بالا ارشاد کو دہرایا۔ اس کے بعد حضور نے ہاتھ اُٹھا کر لمبی پُرسوز دُعا کرائی۔ جس میں جُملہ حاضرین شریک ہوئے۔ یہ ایک خاص دُعا تھی جو دلوں کو سکینت و طمانیت سے بھرنے کا موجب بنی۔ دُعا کے بعد بھی قلبی مسرت کے زیرِ اثر سب کی آنکھیں نمناک تھیں۔ اور لب مالکِ حقیقی کی ستائش میں جنبش کر رہے تھے۔ بلاشبہ خوش قسمت ہیں وہ احباب جنہیں اس مجلس اور اس کے اختتام پر ہونے والی دُعا میں شرکت کی توفیق ملی۔

دُعا سے فارغ ہونے کے بعد حضور نے یوگوسلاوین احباب سمیت جُملہ حاضر احباب کو ایک دفعہ پھر شرفِ مصافحہ بخشا اور حضور ۹ بجے رات کے بعد مشن ہاؤس سے ہوٹل سکنڈے نیویا واپس تشریف لے آئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے سویڈن میں پہلی مسجد کا سنگِ بنیاد رکھے جانے کے سب سے پہلے طیّب و شیریں ثمر سے نواز کر دلوں کو خوشی و مسرّت سے بھر دیا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔"

مسجد ناصر کی افتتاحی تقریب

۲۰ اگست ۱۹۷۶ء کو سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے مسجد ناصر کا افتتاح فرمایا۔ اس تقریب میں شرکت کرنے کے لئے سویڈن، ناروے، ڈنمارک، انگلستان، ہالینڈ، مغربی جرمنی، سوئٹزرلینڈ، امریکہ مشرقِ وسطیٰ اور پاکستان کے ایک ہزار احباب تشریف لائے۔ شرکت کرنے والوں میں یورپ کے مختلف ممالک میں جماعتِ احمدیہ کی تعمیر کردہ ساتوں مساجد کے درج ذیل امام اور دیگر مبلغین کرام بھی شامل تھے۔ مکرم بشیر احمد خان صاحب رفیق (امام مسجد فضل لندن)۔ مکرم عبدالحکیم صاحب اکمل (امام مسجد مبارک دی ہیگ ہالینڈ)۔ مکرم مولوی فضل الٰہی صاحب انوری (امام مسجد نور فرینکفورٹ)۔ مکرم حیدر علی صاحب ظفر (امام مسجد فضل عمر ہمبرگ مغربی جرمنی)۔ مکرم چوہدری مشتاق احمد صاحب

باجوہ (امام مسجد محمود زیورک سوئٹزرلینڈ)۔ مکرم سیّد مسعود احمد صاحب (امام مسجد نصرت جہاں کوپن ہیگن ڈنمارک)۔ مکرم کمال یوسف صاحب (امام مسجد ناصر گوٹن برگ۔ سویڈن) مکرم کرم الٰہی صاحب ظفر (مبلغ سپین)۔ مکرم منیر الدین احمد صاحب (مبلغ سویڈن)۔ مکرم سمیع اللہ صاحب زاہد (مبلغ سویڈن)۔ مکرم نور احمد بوستاد صاحب (آنریری مبلغ ناروے)۔ مکرم عبدالسلام صاحب میڈسن (آنریری مبلغ ڈنمارک)۔ مکرم منیر الدین شمس صاحب (مبلغ انگلستان)۔ مکرم مولوی محمد اسمٰعیل منیر صاحب (سابق مبلغ سیرالیون)۔

سکنڈے نیوین ممالک اور مغربی جرمنی کے نومسلم احمدی احباب وخواتین بھی بڑی تعداد میں آئے ہوئے تھے۔ سویڈن کے مقامی احباب وخواتین اس کے علاوہ تھیں۔ مسجد کے احاطہ کو خوبصورت قطعات سے سجایا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں سویڈن کے مبلغین کرام کے علاوہ سویڈن اور اوسلو کے احباب نے بھی محنت سے کام کیا۔ بالخصوص یوگوسلاوین احمدی بھائی مکرم شعیب موسیٰ صاحب اس خدمت میں پیش پیش تھے۔ ساڑھے دس بجے صبح حضور نے مشن ہاؤس میں ایک پُرہجوم پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا اور مؤثر انداز میں صحافیوں کے سوالات کے جوابات دیئے۔ پریس کانفرنس کے دوران اور اس کے بعد بھی یورپ کے مختلف ممالک سے احباب کی آمد کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ پریس کانفرنس ختم ہوتے ہی نمازِ جمعہ کی تیاری شروع ہوئی۔ گوٹن برگ کے سب سے پہلے یوگوسلاوین احمدی مکرم شعیب موسیٰ صاحب نے حضورؒ کے ارشاد پر اذان دی جس کے بعد حضورؒ نے انگریزی زبان میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔

حضورؒ نے سورۃ توبہ کی مندرجہ ذیل آیت نمبر ۱۰۹ تلاوت فرمائی اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔

ترجمہ:۔ کیا وہ شخص جو اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے تقویٰ اور رضامندی پر رکھتا ہے زیادہ اچھا ہے یا وہ جو اس کی بنیاد ایک پھسلنے والے کنارے پر رکھتا ہے جو گر رہا ہوتا ہے پھر وہ کنارہ اس عمارت سمیت جہنّم کی آگ میں گر جاتا ہے اور اللہ ظالم قوم کو کامیابی کا راستہ نہیں دکھاتا۔

اس آیت کی روشنی میں حضورؒ نے مسجد کے کسٹوڈینز کی یہ ذمّہ داریاں بیان کیں۔ اوّل یہ کہ

وہ اسے پاک صاف اور مطہّر رکھیں۔ اس میں پانی مہیّا کریں اور ایسی تمام دیگر ضروریات بہم پہنچائیں جن کا موجود ہونا عبادت بجا لانے کے لئے ضروری ہو۔ دوّم یہ کہ وہ مساجد میں ایسا ماحول پیدا کریں کہ جو لوگ ان میں عبادت کے لئے آئیں۔ ان کا زندہ تعلّق خدا تعالیٰ کے ساتھ قائم ہونے میں مدد ملے۔

حضورؓ نے مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دو قسم کی مساجد کا ذکر کر کے ان کے درمیان پائے جانے والے امتیاز کو واضح فرمایا ہے۔ چنانچہ اس آیت کی رُو سے جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر ہو اور وہ لوگوں کا خدا تعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلّق پیدا کرنے والی ہو وہ حقیقی مسجد ہے۔ برخلاف اس کے وہ مسجد جس کی بنیاد ظُلم کی راہ سے لوگوں کو EXPLOIT کرنے پر ہو۔ اور بناء بریں تقویٰ اللہ سے یکسر خالی ہو۔ وہ حقیقی مسجد نہیں ہے۔ حقیقی مسجد ایک عظیم نشان SYMBOL کی حیثیت رکھتی ہے اور ایک پیغام کی حامل ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ سب لوگ خدا کی نگاہ میں برابر ہیں اور سب اس کے فرمانبردار اور عبادت گزار بندے بن کر اس سے زندہ تعلق قائم کر سکتے ہیں اور اس کے افضال و انعامات کے مورد بن سکتے ہیں۔ اور یہ کہ انہیں ایک دوسرے سے محبّت کرنی چاہیئے۔ خُطبہ کے بعد حضور نے جُمعہ کی نماز پڑھائی۔ اس طرح سویڈن کی سب سے پہلی مسجد کا مبارک افتتاح عمل میں آگیا۔ اس کا افتتاح عمل میں آنے کی دیر تھی کہ گوٹن برگ ریڈیو نے حضورؓ کے خُطبہ جمعہ، نماز جمعہ اور مسجد کے افتتاح کی خبر نشر کرنے کے علاوہ اس میں دی جانے والی اذان نشر کی۔ یہ خبر وقفہ وقفہ سے بار بار نشر ہوتی رہی۔ اور اذان کی آواز بھی ریڈیو کے ذریعہ پُورے شہر میں بار بار گونجتی رہی۔ اس طرح بفضل اللہ تعالیٰ پُورے شہر میں مسجد کے افتتاح کا چرچا ہونے لگا۔ اور لوگ بڑی تعداد میں اسے دیکھنے کی غرض سے آنے لگے۔ رات گئے تک لوگوں کا تانتا بندھا رہا[۱]۔

پریس میں چرچا

سویڈن کے چالیس سے زیادہ اخباروں نے مسجد کے افتتاح کے متعلّق بڑی بڑی تصاویر اور بہت تفصیلی خبریں شائع کیں۔ نیز عیسائی حلقوں نے تبصروں کی شکل میں ردِّ عمل کا اظہار بھی کیا۔ چند اخباروں کے اقتباسات کا آزاد

---

[۱] تلخیص روزنامہ الفضل ۳۰ اکتوبر تا ۸ نومبر ۱۹۷۶ء۔

ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے :-

(۱)۔ گوٹن برگ سے شائع ہونے والے اخبار VASTRA FRULUNDA POSTEN نے اپنے ۲۶ر اگست کے شمارہ میں "پیغمبر اسلام محمدؐ کے نام کی عظمت کے قیام کی خاطر پُروقار افتتاح" کے جلی عنوان اور حضور ایدہ اللہ کے پریس کانفرنس سے خطاب کی نہایت نمایاں تصویر کے تحت پانچ کالموں میں پھیلی ہوئی جو بہت تفصیلی خبر شائع کی اس میں اُس نے افتتاح کے دیگر کوائف کے علاوہ یہ بھی لکھا کہ ...... خلیفہ مرزا ناصر احمد نے اپنی دلکش اور سُریلی آواز میں حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ اس خوبصورت مسجد میں جمع ہونے اور اس سے دلی طور پر وابستہ رہنے کا یہ مقصد ہے کہ ہم خدا کے ساتھ زندہ تعلق قائم کرکے اس دُنیا میں کامیاب زندگی گزار سکیں۔ ہم یہاں اپنے آپ کو اس قابل بنائیں گے کہ ہمیں اپنے پیدا کرنے والے کی رضا حاصل ہو۔ جب ہم ایک نیک مقصد کی خاطر دلی اخلاص کے ساتھ مجاہدہ کرتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کا پیار ہمیں حاصل ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا جب ہمیں خدا تعالیٰ کا پیار حاصل ہو جائے اور ہم اس میں ہو کر زندگی بسر کرنے لگیں تو اس کا پیار ہمیں نوعِ انسان کے ساتھ بھی محبت کا سلوک روا رکھنے پر ابھارتا ہے اور ہم نوعِ انسان کو محبت کا پیغام پہنچائے بغیر رہ ہی نہیں سکتے۔"[1]

(۲)۔ گوٹن برگ سے شائع ہونے والے لوتھرن چرچ کے مذہبی آرگن KYRKOCH FOLK نے اپنے ۳ر ستمبر ۱۹۷۶ء کے شمارہ میں لکھا :-

"پچھلے دنوں گوٹن برگ میں سویڈن کی سب سے پہلی مسجد کا افتتاح عمل میں آیا ہے۔ مسجد کے منصوبہ کو بروئے کار لانے کا سہرا اسلام کی ایک تبلیغی تحریک یعنی جماعت احمدیہ کے سر ہے۔ مسجد کا افتتاح اس جماعت کے سربراہ خلیفۃ المسیح نے فرمایا اور اس میں بہت سے مسلمانوں نے شرکت کی۔ اگلے سال قرآن کا سویڈش زبان میں ترجمہ شائع کیا جائے گا۔ پروگرام یہ ہے کہ آئندہ سولہ سال میں دُنیا کی تمام زبانوں میں قرآن کے تراجم دستیاب ہو سکیں۔ پہلے جس بات کو کوئی بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اب وہ وقوع پذیر ہو رہی ہے۔ اسلام وہ پہلا مذہب نہیں ہے جس نے اپنی تعلیم کو

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۰ر دسمبر ۱۹۷۶ء جلسہ سالانہ نمبر صٓ

پھیلانے کے لئے میدانِ تبلیغ کے طور پر ہمارے ملک کو منتخب کیا ہے۔

اَب سوال یہ ہے کہ سویڈن میں جبکہ مذہبی لحاظ سے ایک نئی صبح کا جھٹ پٹا نمودار ہُوا چاہتا ہے۔ یہاں کے عیسائی اس نئی صورت حال کا کس طرح مقابلہ کرتے ہیں؟ اس سنجیدہ سوال کا آپ کے پاس کیا جواب ہے؟"[1]

(۳)۔ گوٹن برگ کے ایک اور اخبار "گوٹن برگ پوسٹ" GOTEN BORG POSTEN نے اپنی ۱۲ راگست کی اشاعت میں مسجد کے افتتاح کی تفصیلی خبر شائع کرتے ہوئے اسے مسلمانوں کیلئے خوشی کا ایک خاص موقع قرار دیا۔ تاہم اُس نے اس خبر میں اپنی طرف سے ایک سراسر غلط بات بھی شائع کردی اور وہ یہ کہ (نعوذ باللہ) مسجد میں عورتوں کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی تاکہ مسجد کی جگہ ناپاک نہ ہو جائے۔ اگرچہ اخبار نے یہ سراسر غلط اور خلاف واقعہ بات اسلام کے بارہ میں غلط فہمی پھیلانے کی غرض سے شائع کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں سے ہی ایک خیر کا پہلو پیدا کر دیا اور وہ یہ کہ ہر طبقہ کے لوگ (خصوصاً خواتین) بڑی کثرت سے اس کی زیارت کرنے آتے تھے۔ صفحہ ۱۲ پر اخبار نے تین کالمی عنوان کے تحت جو خبر شائع کی اس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔ سہ کالمی عنوان:-

"خلیفۃ المسیح نے ہیگس بو کی پہاڑی پر پہلی مسجد کا افتتاح فرمایا۔"

خبر کا متن:- سویڈن کی پہلی مسجد جسے جماعت احمدیہ نے تعمیر کیا ہے۔ اس کا افتتاح جمعہ کے روز عمل میں آیا۔ تمام مسلمانوں کے لئے یہ ایک خوشی کا موقع تھا۔ تاہم اس میں ایک حد تک اجنبیت پائی جاتی تھی۔ کیونکہ عورتوں نے چہروں پر نقاب ڈالے ہوئے تھے۔ وہ بھی نماز میں شریک تھیں۔ لیکن ایک علیحدہ احاطہ میں ...... پاکستانی مسلمانوں کے ایک سو خاندانوں نے دس لاکھ کرونے کی لاگت سے اسے تعمیر کیا ہے۔ اور اس کے لئے انگلستان اور امریکہ (میں رہنے والے احمدیوں) سے چندہ جمع کیا ہے۔ ہیگس۔ بو کی پہاڑی پر تعمیر شدہ مسجد کے مینارے (جو اذان دینے کے لئے بنائے جاتے ہیں) محض علامتی مینارے ہیں۔ علی الصبح سے سورج غروب ہونے کے دو گھنٹہ بعد تک دن میں

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۷۶ء جلسہ سالانہ نمبر صفحہ ۔

پانچ مرتبہ بلند آواز سے لوگوں کو نماز کے لئے پکار پکار کر بلانا کار دار دہے۔ اس لئے جدید تکنیکی آلات سے استفادہ کرتے ہوئے اذان مسجد کے اندر ہی لاؤڈ سپیکر کی مدد سے دی جاتی ہے.... مسجد کا افتتاح فرقہ احمدیہ کے سربراہ اعلیٰ حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح نے فرمایا۔ تمام دُنیا سے بالعموم اور انگلستان جرمنی اور پاکستان سے خصوصاً آنے والے مہمانوں کے علاوہ ایسٹونین آرتھوڈوکس چرچ کے پادری صاحب بھی اس موقع پر آئے ہوئے تھے۔

حضرت مرزا ناصر احمد (حضرت) احمد (علیہ السلام) کے تیسرے خلیفہ ہیں۔ اس فرقہ کی بنیاد اس غرض سے رکھی گئی تھی تاکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے سب سے آخری اور مکمل دین کی حیثیت سے اصلی اور حقیقی اسلام کا از سر نو احیاء کیا جائے۔ اس فرقے کے دعوے کے بموجب بانیٔ سلسلہ احمدیہ (آخری زمانہ میں آنے والے) موعود مسیح تھے۔ وہ اس لئے آئے تھے تاکہ قرآن کی کامل تعلیم کی جو موجودہ زمانہ کے لئے بھی موزوں ترین تعلیم ہے: نئی تعبیر اور نئی تشریح سے دُنیا کو آگاہ کر سکیں۔ خلیفۃ المسیح نے خطبہ جمعہ میں اس امر پر روشنی ڈالی کہ رضاءِ الٰہی کی خاطر اللہ کے گھر کو پاک صاف رکھنا از حد ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا یہ (یعنی مسجد) ایک ایسی جگہ ہے جہاں ہمیں خدا تعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلق قائم کر کے اس دُنیا میں زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ جو شخص نیک اور دیندار نہ ہو خدا تعالیٰ اس کی راہنمائی نہیں فرماتا۔ خدا تعالیٰ کی راہنمائی اور ہدایت اسے ہی نصیب ہوتی ہے جو عدل۔ امن و عافیت اور آزادی کا درس دیتا اور اس کے قیام کے لئے کوشاں رہتا ہو۔ خدا تعالیٰ ایسے شخص کو محبت یک رنگی اور حقیقی راہنمائی سے نوازتا ہے۔ تاکہ وہ حیاتِ نو اور خدمتِ نوعِ انسان کے پیغام کو پھیلا سکے۔

وہ جماعت جس نے گوٹن برگ میں مسجد بنائی ہے تبلیغِ اسلام کا فریضہ بجا لانے والی ایک مضبوط تنظیم کی حامل ہے۔ سکولوں کے قیام کی وہ زبردست حامی ہے تاکہ مسلمان بچوں کو دینی تعلیم بھی دی جا سکے۔ یہ جماعت کوپن ہیگن۔ لندن۔ دی ہیگ۔ ہمبرگ۔ فرینکفورٹ اور زیورک میں مساجد پہلے ہی تعمیر کر چکی ہے۔ اگلے سال قرآن کا سویڈش زبان میں ترجمہ شائع کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اور منصوبہ یہ ہے کہ آئندہ سولہ سال میں تمام یورپی زبانوں میں قرآن کے تراجم شائع ہو جانے چاہئیں۔

ہیگس بو پر جس مسجد کا افتتاح عمل میں آیا ہے وہ دوسری مساجد کی طرح گنبد سے مزین ہے ...... اس جماعت کے (سویڈن میں) دو مبلغ ہیں۔ جماعت سویڈن نہ صرف بیرونی ملکوں سے آکر یہاں آباد ہونے والے مسلمانوں پر مشتمل ہے بلکہ وہ سویڈش باشندے بھی اس میں شامل ہیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے...... اپنی تقویم کی رُو سے یہ جماعت چودھویں صدی میں سے گزر رہی ہے۔ کیونکہ ہجری اسلامی کیلنڈر کی رُو سے موجودہ سال ۱۳۵۵ھ واں سال ہے[1]"

GOTEN BORG POSTEN ATTED PAGE 21, 1976

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا سفر ۱۹۷۶ء

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ ۱۹۷۶ء کی "کسرِ صلیب کانفرنس" سے خطاب کے بعد لندن سے ۲۴ رجولائی کو روانہ ہو کر ۲۵ رجولائی کی رات کو اوسلو (ناروے) میں رونق افروز ہوئے اور ۲۶ رجولائی کو حضورؒ نے یہاں ایک پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا۔ ۲۸ رجولائی کو اوسلو سے روانہ ہو کر سویڈن کے دارالحکومت سٹاک ہالم میں پہنچے اور چند روز قیام فرمانے، پریس کانفرنس اور انفرادی اور اجتماعی ملاقاتوں میں انوارِ اسلام پھیلانے کے بعد ۳۱ رجولائی کو سویڈن کے شہر گوٹن برگ تشریف لائے اور یکم اگست کی صبح کو ایک پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا جس میں حضورؒ نے موجودہ زمانہ کے مسائل کا حل اسلام سے پیش فرمایا اور قرآن مجید جیسی عظیم کتاب کی طرف نہایت پُرشوکت انداز میں توجہ دلانے کے بعد اشاعتِ قرآن کے سلسلہ میں جماعت احمدیہ کی مساعی پر روشنی ڈالی۔ ریڈیو گوٹن برگ نے اس روز سوا پانچ بجے پریس کانفرنس کی یہ خبر نشر کی:۔

"حضرت مرزا ناصر احمدؒ (جو ۱۹۶۵ء میں جماعت احمدیہ کے تیسرے خلیفہ منتخب ہوئے تھے) نے اپنے پہلے دَورہ میں فرمایا تھا کہ گوٹن برگ کو ایک مسجد کی ضرورت ہے۔ اس کے تقریباً ایک سال بعد ہی ایک بڑی مسجد تعمیر ہو چکی ہے۔ اس مرتبہ آپ نے یہ اعلان فرمایا ہے کہ آئندہ ایک سو سال کے اندر یورپ کی اکثریت مسلمان ہو جائے گی۔ جماعت احمدیہ ایک اسلامی فرقہ ہے اس کی بنیاد انیسویں صدی کے آخر میں رکھی گئی۔ اس جماعت کے قیام کا مقصد تبلیغ کے ذریعہ اسلام کی عظمت کو دوبارہ

---

[1] روزنامہ الفضل ۱۱ر نومبر ۱۹۷۶ء صـ۲۔

قائم کرتا اور دُنیا میں امن پیدا کرتا ہے۔ جماعت احمدیہ کا آغاز شمالی ہندوستان کے ایک چھوٹے سے قصبہ سے ہُوا۔ اور اب یہ جماعت بڑھ کر ایک عالمی جماعت بن چکی ہے۔ اس وقت تمام دنیا میں ان کی تعداد ایک کروڑ ہے۔ سویڈن میں دوصد کے قریب احمدی ہیں۔ حضرت امام جماعت احمدیہ کئی مرتبہ سویڈن کا دَورہ کر چکے ہیں۔ پچھلی مرتبہ ۱۹۷۶ء میں آپ یہاں تشریف لائے تو آپ نے جماعت احمدیہ کی مسجد ناصر کا افتتاح کیا جو سویڈن کی پہلی مسجد ہے۔ آپ کی یہاں دوبارہ آمد کی غرض یہ ہے کہ قرآن مجید کی اشاعت و تفہیم کی عالمی مہم کو آخری شکل دی جائے۔ قرآن مجید مسلمانوں کی مقدس کتاب ہے۔ یہ نشریہ آخر میں اس فقرہ پر ختم ہُوا کہ اَب یہ دیکھنا باقی ہے کہ اہلِ سویڈن اگلے سو سال میں واقعہ میں مسلمان ہو جائیں گے۔[1]

گوٹن برگ میں دو روزہ قیام کے بعد حضور ۳؍ اگست کو کوپن ہیگن میں رونق افروز ہوئے۔ راستہ میں حضورؒ نے سویڈن کے شہر مالمو میں بھی کچھ وقت کے لئے قیام فرمایا۔ جہاں مقامی اخبارات کے نمائندوں نے حضورؒ سے انٹرویو لیا۔ ۴؍ اگست کو حضورؒ نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور اسی روز شام کو ایک جلسہ سے خطاب فرمایا۔ ۶؍ اگست کو حضور نے ایک مقامی اخبار کے نمائندہ کو شرفِ ملاقات بخشا اور انٹرویو دیا۔ اور ۸؍ اگست کو سکنڈے نیویا کا یادگار دَورہ مکمل کرنے کے بعد کوپن ہیگن سے ہمبرگ تشریف لے گئے۔[2] یہ سفر بھی گذشتہ سفروں کی طرح بہت کامیاب اور مبارک ثابت ہُوا۔ اور مُلکی پریس کے ذریعہ اسلام و احمدیت کی تبلیغ مُلک کے کونہ کونہ تک پہنچ گئی۔ بطور نمونہ چند اخبارات کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے :۔

(ا)۔ روزنامہ ARBEIDER BLADET (۲۱؍ جولائی ۱۹۷۸ء) نے زیرِ عنوان "اسلامی خلیفہ نے ناروے کو عیسائیت سے لاتعلق کر چھوڑا" لکھا .... اسلام تمام بنی نوع انسان کی ہدایت و راہنمائی کے لئے آیا ہے۔ (یعنی اس کی مخاطب ہر قوم اور اس کا ہر فرد ہے) اسلام میں رُوئے زمین کا ہر انسان جب چاہے داخل ہو سکتا ہے۔ جہاں تک قبولِ اسلام کا تعلق ہے اس میں دیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جس کسی کو جب بھی قبولِ حق کی سعادت ملے اس کے لئے

---

[1] الفضل ۱۰؍ ستمبر ۱۹۷۸ء صہ۲ ۔ [2] الفضل ۱۳؍ جولائی ۱۹۷۸ء تا ۱۲؍ اگست ۱۹۷۸ء ۔

بسا غنیمت ہے۔ یہ خلاصہ ہے مسلمان فرقہ احمدیہ کے خلیفہ حضرت حافظ مرزا ناصر احمد کی اس گفتگو کا جو انہوں نے گذشتہ بدھ (۲۶ جولائی ۱۹۷۸ء) کو اوسلو میں اخباری نمائندوں سے ملاقات کے دوران فرمائی ..... خلیفۃ المسیح اس خالص مذہبی جماعت کے روحانی سربراہِ اعلیٰ ہیں۔ دُنیا بھر میں اس جماعت کے افراد کی تعداد ایک کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ اِن میں سے ۱۳۰ افراد ناروے میں رہائش پذیر ہیں۔ خلیفۃ المسیح کے متبعین ان سے اُسی عقیدت و احترام سے ملتے ہیں جو کیتھولک عیسائی پوپ کے ساتھ رَوا رکھتے ہیں۔

.... اس جماعت کا قیام ہندوستان میں ۱۸۸۹ء میں عمل میں آیا تھا۔ موجودہ خلیفہ بانیٔ سلسلہ کے تیسرے جانشین یا خلیفہ ہیں۔ ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ حقیقی اسلام کے علمبردار ہیں اور اسی کی دُنیا میں تبلیغ کرتے ہیں۔ ان کا یہ حقیقی اسلام دُنیا کے دوسرے ساٹھ کروڑ مسلمانوں کے اسلام سے قدرے مختلف اور ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔ خلیفۃ المسیح لندن میں منعقدہ ایک کانفرنس میں شرکت کرنے کے بعد یہاں آئے تھے۔ اس کانفرنس میں مسیح کی صلیبی موت سے نجات کا موضوع زیرِ غور آیا تھا۔ اس فرقے کا دعویٰ ہے کہ ایسے شواہد اور ثبوت موجود ہیں جن سے اس بارہ میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ مسیح واقعہ صلیب کے بعد نوّے سال تک زندہ رہے۔ وہ مشرق کی جانب پیدل سفر کرتے ہوئے اُن علاقوں میں گئے جہاں بنی اسرائیل کے گمشدہ قبائل آباد تھے۔ وہ ایران، افغانستان اور کشمیر آئے۔ یہاں انہوں نے اِن گمشدہ قبائل میں شریعتِ موسوی کی تبلیغ کی اور انہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کے لئے تیار کر لیا ....

خلیفۃ المسیح نے بحیثیت نبی مسیح کے مرتبہ و مقام کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا وہ خدا کا بیٹا ہرگز نہ تھے۔ وہ (تمام دوسرے انسانوں کی طرح) ایک عورت کے بطن سے پیدا ہوئے تھے ..... جماعتِ احمدیہ ایک پُرجوش تبلیغی جماعت ہے۔ اور خلیفۃ المسیح سال کا ایک بڑا حِصّہ اپنی جماعت کا دَورہ کرنے اور اس طرح ان کی نگرانی و راہ نمائی کرنے میں گزارتے ہیں..... خلیفۃ المسیح نے پریس کانفرنس میں الوداعی کلمات کہتے ہوئے فرمایا۔ اسلام بڑا ہی پیارا اور حسین مذہب ہے۔ اگر ایک دفعہ تم اس کے حُسن کے گرویدہ ہو گئے تو اس سے جدائی تمہیں ہرگز گوارا نہ ہوگی [1]

---

[1] بحوالہ الفضل ۶ اگست ۱۹۷۸ء صٓ۳۔

(۲) ۔ سویڈن کے روزنامہ " آربے تت " نے لکھا:۔

" گوٹن برگ ۔ صرف خدا تعالیٰ ہی انسانیت کے درپیش مسائل حل کر سکتا ہے ۔ اس ضمن میں تمام انسانی کوششیں ناکام ہو چکی ہیں ۔ یہ ہیں وہ الفاظ جو جماعت احمدیہ کے رُوحانی سربراہ اعلیٰ حضرت مرزا ناصر احمد نے منگل (یکم اگست) کے روز مسجد ناصر گوٹن برگ میں اخباری نمائندوں سے گفتگو کرتے ہوئے فرمائے ۔ قرآن مجید کی اشاعت کے لئے حضرت مرزا ناصر احمدؒ نے عالمی سطح پر ایک مؤثر مہم چلا رکھی ہے ۔ اس مہم کے تحت قرآن کا دُنیا کی تمام زبانوں میں ترجمہ کر کے ہر مُلک اور ہر قوم میں پھیلایا جائے گا ۔ حضرت مرزا ناصر احمد نے اپنے بیان میں یہ بھی فرمایا کہ انسانیت کی ہر نسل کے مسائل کا حل قرآن میں موجود ہے ۔"

اخبار نے ان عنوانات کے تحت لکھا:۔

" مسلمان خلیفہ گوٹن برگ میں " ۔ " اہلِ سویڈن کی رُوحانی اقدار میں تنزل کے آثار "

خبر کا متن ۔ گوٹن برگ ۔ سویڈش لوگ اگرچہ سخت محنتی انسان ہیں ۔ تاہم ان کی رُوحانی اور اخلاقی اقدار دن بدن انحطاط پذیر ہوتی جا رہی ہیں ۔ یہ بات گذشتہ منگل یکم اگست ۱۹۷۸ء کے روز ایک کروڑ احمدی مسلمانوں کے رُوحانی پیشوا حضرت مرزا ناصر احمد نے مسجد ناصر گوٹن برگ میں کہی آپ کی تشریف آوری کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی آسمانی کتاب قرآن مجید کی عالمی پیمانہ پر اشاعت کی مہم کو تیز سے تیز تر کیا جائے ۔ اس جماعت نے قرآن مجید کا دُنیا بھر میں بولی جانے والی تمام زبانوں میں تراجم شائع کرنے اور انہیں دُنیا میں پھیلانے کا عزم کر رکھا ہے ۔ ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا میرا پیغام یہی ہے کہ اس وقت انسانیت کو جو مسائل درپیش ہیں ان کا اصل اور حقیقی حل صرف اللہ تعالیٰ ہی عطا کر سکتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان مسائل کو حل کرنے کی آج تک جتنی انسانی کوششیں بھی کی گئیں وہ ایک ایک کر کے سب ناکام ثابت ہو چکی ہیں ۔ آپ نے فرمایا اس زمانہ میں انسانیت کو دو بڑے مسائل درپیش ہیں ۔ ان میں سے ایک مسئلہ کا تعلق دُنیا کی بڑی اور چھوٹی قوموں کے مابین تعلقات کی نہج متعین کرنا ہے ۔ دوسرا مسئلہ انسانی حقوق کی تعیین سے تعلق رکھتا ہے ۔

آپ نے کہا ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہر نسل کے مسائل کا حل بیان کر دیا ہے ۔ مزید برآں

وہ نئے پیدا ہونے والے مسائل کے حل کو قرآنی تعلیم کی نئی الہامی توجیہات کے ذریعہ اپنے خاص بندوں پر منکشف فرماتا رہتا ہے۔ اس ضمن میں آپ نے واضح فرمایا کہ قرآنی ہدایات کی پرانی تعبیریں اور تفسیریں اس زمانہ کے نئے مسائل حل کرنے کے سلسلہ میں کافی نہیں ہیں۔ اس کے لئے نئی روشنی اور نئی راہنمائی کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ (انسانوں سے) کلام کرتا ہے۔ اور ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق قرآنی تعلیمات کی نئی تشریحات و توضیحات منکشف فرماتا ہے۔ حضرت مرزا ناصر احمد نے پورے وثوق اور یقین کے ساتھ اعلان فرمایا کہ ایک دن دنیا کے تمام لوگ اسلام قبول کرلیں گے۔ آپ نے اس خیال کا اظہار فرمایا کہ ایسا آئندہ ۱۱۵ سال کے اندر اندر ہو جائے گا۔

اس ضمن میں آپ نے واضح فرمایا کہ سوال یہ نہیں ہے کہ لوگوں سے عیسائیت ترک کروا کے انہیں مسلمان بنالیا جائے گا بلکہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ایک دن ساری دنیا مسلمان ہو جائے گی تو اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ اسلام کی پیاری اور حسین تعلیم اپنے باطنی حسن کی وجہ سے ایک دن ساری دنیا کے لوگوں کے دل جیت لے گی۔ اس وقت روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کے نظریات میں انقلاب آئے بغیر نہ رہے گا۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے آپ نے مزید فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ مغرب میں اسلام کو غلط سمجھا گیا ہے۔ اسی لئے اس بارہ میں یہاں بہت سی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ اسلام ہرگز جبر و تشدّد کا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو پیار و محبت اور امن و آزادی کا علمبردار مذہب ہے۔ آپ نے خبردار فرمایا کہ اگر ہم اُس عالمگیر تباہی سے بچنا چاہتے ہیں جو کرّہ ارض پر منڈلا رہی ہے تو ہمیں انسانوں اور قوموں کے مابین حقیقی مساوات کے قیام کے لئے جدوجہد کرنی چاہئیے[1]....."

(۳)۔ جنوبی سویڈن کے سب سے اہم اور باا‌ثر اخبار روزنامہ سکونسکا ڈاگ بلادت SKANS KA DAG BLADET نے اس عنوان کے تحت لکھا:-

"خلیفۃ المسیح کی مالمو میں تشریف آوری کے موقع پر مسلمان خواتین بھی آئی ہوئی تھیں۔"

جماعت احمدیہ ایک تبلیغی جماعت ہے۔ (اور ساری دنیا میں تبلیغِ اسلام کا فریضہ ادا کرنے میں منہمک

---

[1] آربے تت گوٹن برگ ۲ ر اگست ۱۹۷۶ء بحوالہ الفضل ۲۲ ر اگست ۱۹۷۶ء ص۳-۵

ہے) اس جماعت کی تبلیغی مساعی کا اصل محور تبلیغِ اسلام ہے۔ اس سوال کے جواب میں کہ آپ لوگ تبلیغ کس طرح کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہم سڑکوں پر نکل کر تبلیغ نہیں کرتے۔ ہم براہِ راست لوگوں کے دلوں تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

خلیفۃ المسیح نے خدا تعالیٰ کی ہستی کے متعلق اپنے عقیدہ اور از روئے اسلام انسانی حقوق کی بھی وضاحت فرمائی۔ آپ نے بتایا کہ انسانیت کے چار علیحدہ شعبے ہیں۔ جسمانی، ذہنی، ثقافتی اور رُوحانی۔ ان چاروں شعبوں میں انسانی ترقی کو نقطہ عروج پر پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ انسان ان سے متعلق اپنے حقوق پہچانے۔ کیونکہ کوئی شخص بھی ہمہ جہتی حقوق کا علم حاصل کئے بغیر حقیقی رنگ میں حقوقِ انسانی کے لئے سعی نہیں کر سکتا۔ ان حقوق کا صحیح علم حاصل کرنے کا واحد ذریعہ اسلام ہی ہے کیونکہ اس نے جملہ حقوق انسانی کو واضح طور پر متعین کیا ہے۔ نہ اشتراکیت ہی نے انسانی حقوق کو واضح کیا ہے اور نہ سرمایہ داری نظام نے ہی ان کی تعیین کی ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ کوئی دنیوی نظام بھی ہمہ جہتی حقوق انسانی کی نشاندہی نہیں کر سکتا۔ حقوق انسانی کا صحیح علم خدا تعالیٰ ہی کو ہے جو ہر شئے کا خالق و مالک ہے۔ اور وہی اُن کی تعیین بھی کر سکتا ہے۔ اسی لئے حقوقِ انسانی کی تعیین اور نشاندہی کا واحد ذریعہ اسلام ہی ہے۔

مالمو میں چالیس ممبروں کے علاوہ گوٹن برگ، سٹاک ہالم، لنڈ اور ین شوپنگ میں اس جماعت کے ممبر موجود ہیں۔ اپنے حالیہ دورہ میں خلیفۃ المسیح نے ان سب سے ملاقات کی۔[۱]

احمدی مبلغ کو وزارتِ انصاف کی خصوصی اجازت

ڈنمارک میں بچوں کے نام رکھنے نیز شادی اور نکاح کے سلسلہ میں مروجہ دستور کے مطابق صرف پبلک چرچ۔ لوتھرن چرچ۔ کیتھولک چرچ۔ اہلِ یہود اور میتھوڈسٹ چرچ کو قانونی حق حاصل تھا۔ باقی تمام چرچوں اور مذہبی جماعتوں کو خواہ وہ عیسائی ہوں یا غیر عیسائی۔ یہ حق حاصل نہیں تھا۔ یا تو انہیں انہی چرچوں میں سے کسی ایک چرچ میں اس غرض کے لئے جانا ضروری تھا یا پھر ٹاؤن ہال میں بچوں کے نام اور نکاح وغیرہ کی روایات چرچ سے مختلف

---

[۱] روزنامہ سکونسکا ڈاگ بلادت ۱۴ راگست ۱۹۶۷ء صفحہ ۱۵ کالم ۵ تا ۷۔ بحوالہ الفضل ۲۳ راگست ۱۹۶۷ء

نہیں تھیں۔ صرف خدا کے نام کی بجائے ریاست کا نام استعمال کیا جاتا تھا۔ رسم نکاح کا ٹاؤن ہال میں ادا کرنا کسی مذہبی آدمی کے بھی شایانِ شان نہیں۔ نام کے لئے ہر صورت میں پادری سے سند حاصل کرکے چرچ منسٹری سے منظوری نہیں لینی پڑتی تھی جو نہایت غیر مناسب طریق تھا۔ اس صورت حال کے پیشِ نظر جماعتِ احمدیہ ڈنمارک نے وزارتِ انصاف میں دو دفعہ درخواست کی کہ ہمیں مستقل آزادانہ طور پر اسلامی طریق کے مطابق بچوں کے نام رکھنے اور نکاح وغیرہ کا حق دیا جائے۔ دونوں مرتبہ درخواست نامنظور ہوگئی۔ اس پر احمدیہ مشن نے سب سے پہلے OMBUDSMANDEN (ملکی قانون کے سلسلہ میں اتھارٹی) ادارہ کو اپنی شکایت پہنچائی۔ ازاں بعد مختلف ممالک کے سفراء سے ملاقات کرکے اور خط وکتابت کے ذریعہ یہ درخواست کی گئی کہ اپنی حکومت کے ذریعہ احتجاج کریں۔ جو اکثر اخبارات میں شائع ہوا۔ علاوہ ازیں مکرم کمال یوسف صاحب اور دوسرے احمدیوں نے اخبارات کے ایڈیٹروں سے ملاقات کی جس کے نتیجہ میں اکثر اخبارات نے متواتر احمدیہ مشن کو حق دلانے کیلئے متعدد مضامین اور اداریے سپردِ قلم کئے۔ اس سلسلہ میں ۱۲۰ اخبارات کے تراشے احمدیہ مشنوں نے ریکارڈ کئے۔ ایک اور قدم یہ اُٹھایا گیا کہ ان چرچوں اور مذہبی جماعتوں کو جن کو یہ حقوق حاصل نہیں تھے میمورنڈم لکھ کر ان سے دستخط کرنے کی درخواست کی گئی تاکہ اجتماعی رنگ میں حکومت سے درخواست کرسکیں۔ وجہ یہ کہ چرچ منسٹری کے سیکرٹری نے بیان دیا تھا کہ اگر اس قسم کی درخواست پارلیمنٹ میں سب کے دستخطوں سے پیش ہو تو ہم قانونِ مروّجہ کو بدلنے اور ترمیم کی سفارش پر غور کریں گے۔ چنانچہ مارمن، یونی ٹیرین، لبرل کیتھولک APOSTDIC چرچ اور دو جماعتوں PINSE چرچ نے پورا پورا اتفاق کیا۔ مگر مؤخر الذکر دو چرچوں نے اتفاق کے باوجود دستخط نہ کئے اور یہ مجبوری ظاہر کی کہ انہیں دستخط کرنے سے قبل جنرل اسمبلی کے اجلاس کی منظوری لینی ضروری ہے جو فروری ۱۹۶۲ء میں بلایا جارہا ہے۔ مگر باقی چرچوں نے دستخط کرکے احمدیہ مسلم مشن ہی کو کاغذات بھجوا دیئے۔ اس کے بعد احمدیہ مشن کے تمام ممبروں کی جنہوں نے اتفاق کیا تھا مشن ہاؤس میں میٹنگ بلائی جس میں مزید نئے اقدام تجویز کئے اور پارلیمنٹ کو درخواست بھجوانے پر اتفاق کیا۔ درخواست کو اگلے دن پارلیمنٹ اور پریس میں بھجوا دیا گیا۔ پورے پریس نے اس کو شائع کیا اور پارلیمنٹ میں ہماری درخواست ایجنڈا کے لئے پڑھ کر سنائی گئی۔ مگر ملک کی مضبوط اور

منظم چرچ مشن سوسائٹی نے کوشش کی کہ وہ تمام چرچ جو ہماری میٹنگ میں شمولیت کے لئے آئے یا جنہوں نے اتفاق کا اظہار کیا ان سے بائیکاٹ کرکے بانی چرچوں سے ان کو علیحدہ کر دیا جائے نیز یہودیوں کے نمائندہ نے پریس میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ ہم ہر ممکن کوشش کریں گے کہ مسلمانوں کو یہ حق حاصل نہ ہو۔ اور مخصوص طور پر صرف ہمیں ہی ملے۔ علاوہ ازیں تمام مخالفین اسلام نے جن میں تاریخ مذاہب کے پروفیسر۔ فضلاء اور پادری شامل تھے متفق طور پر کہا کہ یہ غلط بات ہے کہ مسلمان صرف یہ حقوق لیکر خاموش ہو جائیں گے بلکہ وہ اس وقت تک خاموش نہیں ہوں گے جب تک تمام کا تمام ڈنمارک مسلمان نہیں ہو جاتا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مسلمانوں سے تو ہمیں کوئی خطرہ نہیں اصل خطرہ ہمیں صرف مسلمانوں کے فرقے احمدیہ جماعت سے ہے۔ نیز یہ کہ باوجود احمدیوں کی قلیل تعداد کے بہت جلد ڈنمارک کے کلچر پر اسلام کا اثر نمایاں اور واضح ہو گا۔" (پروفیسر GROSS HOLT)[1]

مگر ان تمام مخالفتوں کے باوجود خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایسے سامان پیدا فرمائے کہ بالآخر ۲۷ر اگست ۱۹۸۱ء کو وزارتِ انصاف کی طرف سے باقاعدہ تحریری اجازت نامہ موصول ہو گیا۔ اس طرح چرچ کی طرح جماعت احمدیہ کے مبلغ کو بھی نام رکھنے اور نکاح پڑھانے کا اختیار مل گیا۔[2]

مسجد نور اوسلو کا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ہاتھوں مبارک افتتاح

دسمبر ۱۹۷۹ء میں خدا تعالیٰ نے ایسا سامان فرمایا کہ ناروے کے شہر اوسلو کے وسط میں چار کنال پر مشتمل ایک وسیع و عریض عمارت جماعت احمدیہ نے خرید لی اور اس طرح جہاں ڈنمارک اور سویڈن میں مساجد تعمیر کرنا پڑیں وہاں ناروے میں مسجد اور مشن ہاؤس کے لئے ایک تیار شدہ تین منزلہ عمارت مل گئی اور اس طرح اوسلو میں مسجد نور اور مشن ہاؤس کا قیام عمل میں آ گیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ۲۷ر دسمبر ۱۹۷۹ء کو جلسہ سالانہ کے موقع پر اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ "پچھلے ہفتے ایک بہت بڑی عمارت چار کنال ناروے کے

---

[1] رپورٹ کمال یوسف صاحب مبلغ انچارج ڈنمارک فائل تبشیر جنرل سکنڈے نیویا ۵۲۳۔

[2] فائل سویڈن مشن تحریک جدید ربوہ ۸۱-۱۹۸۰ء ۱۲

شہر اوسلو کے وسط میں بہت عمدہ علاقے میں تین منزلہ عمارت ہے (اور انہوں نے لکھا ہے کہ ہماری جماعت کی ضرورتیں پوری کر کے دو خاندانوں کے رہنے کی گنجائش یعنی دو کوارٹر بھی نکل آئیں گے) وہ خریدی گئی۔ ۱۵ لاکھ کرونے[1] میں۔ یہ بہت اچھی جگہ ہے عین اُس کے سامنے وہاں کے بادشاہ کا ایک پارک ہے، بادشاہ کے نام پر موسوم۔ اس کے دوسری طرف بادشاہ کا محل بھی ہے لیکن بہرحال سامنے کھلا پارک ہے۔ اس کے سامنے سڑک ہے۔ سڑک کے اس طرف وہ بڑا اچھا بنا ہوا مکان۔ بڑی موٹی پتھر کی دیواریں۔ بھروے وغیرہ کروا کے انجنیئر سے پھر وہ خریدا گیا۔ یہ نئی جگہ مل گئی"[2]۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ مسجد نور اوسلو کے افتتاح کے لئے ۳۱ر جولائی کو گوٹن برگ سے بذریعہ کار روانہ ہوئے۔ احباب نے آپ کو دلی دُعاؤں سے رخصت کیا۔ شام ساڑھے سات بجے حضور مسجد نور پہنچے۔ احباب جماعت نے پُرتپاک نعروں سے حضورؒ کا استقبال کیا۔ حضورؒ نے سب سے پہلے احباب سے مصافحہ فرمایا۔ پھر مسجد میں دو نفل ادا کئے۔ اس کے بعد حضورؒ نے مبلغ ناروے مکرم کمال یوسف صاحب اور مبلغ سویڈن مکرم منیرالدین احمد صاحب کی معیت میں پہلی منزل اور اس کے تہہ خانہ کا تفصیلی معائنہ فرمایا۔ اس موقع پر سویڈن ڈنمارک، مغربی جرمنی، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ اور انگلستان کے متعدد احمدیوں کے علاوہ مکرم کمال یوسف صاحب (مبلغ ناروے)، مکرم منیرالدین احمد صاحب۔ مکرم حامد کریم صاحب (مبلغین سویڈن)، مکرم سید مسعود احمد صاحب (مبلغ ڈنمارک)۔ مکرم نواب زادہ منصور احمد خان صاحب (مبلغ جرمنی)۔ مکرم نسیم مہدی صاحب (مبلغ سوئٹزرلینڈ)۔ مکرم منیرالدین شمس صاحب (مبلغ انگلستان)۔ اور مکرم کرم الٰہی صاحب ظفر (مبلغ سپین)، اس موقع پر موجود تھے۔ حضورؒ نے پونے تین بجے ناروے کی سب سے پہلی مسجد میں نماز جمعہ پڑھائی اور اس کا باضابطہ افتتاح فرمایا۔ حضورؒ نے مساجد کا تقدس اور ان کی اہمیت پر انگریزی زبان میں ایک مختصر مگر پُرمعارف خطبہ دیا۔ جس میں واضح فرمایا کہ تمام عبادت گاہیں اللہ ہی کی ملکیت ہیں۔ مسجد کے دروازے تمام اُن احباب کے لئے کھلے ہیں۔ جو خدائے واحد کی پرستش کرنا چاہیں۔ اس تاریخ ساز افتتاحی تقریب کے موقع

---

[1] یہ اس ملک کا سکّہ ہے۔ [2] روزنامہ الفضل ۲۶ر فروری ۱۹۸۰ء صفحہ ۴۔

پر موجود آسٹریا، بنگلہ دیش، ترکی، چین اور فرانس کے قونصل جنرل اور کئی دوسرے ملکوں کے سفارتی نمائندے اور اخبار نویس شامل تھے جن میں سے اکثر نے احمدیہ مشن ہاؤس کے لائبریری رُوم میں بیٹھ کر حضورؒ کا خُطبہ جمعہ بہت توجہ اور نہایت انہماک سے سُنا۔ جمعہ اور عصر کی نمازوں کے بعد حضور مسجد سے ملحق لائبریری روم میں تشریف فرما ہوئے اور سفارتی نمائندوں سے تبادلہ خیال فرمایا۔ نمائندوں نے مسجد کی تقریب افتتاح پر حضورؒ کی خدمت میں مبارک باد پیش کی۔ سوا چار بجے سہ پہر حضورؒ نے مسجد نُور کے احاطہ میں نصب شُدہ بلند و بالا پول پر لوائے احمدیت لہرایا جس کے ساتھ ہی احباب نے نعرے بلند کئے۔ ناروے کی فضاؤں میں لوائے احمدیت لہلہاتا اپنی ذات میں اس حقیقت کا برملا اعلان تھا کہ :۔ ؎

لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود ؛ نشانِ فتح نمایاں بنام ما باشد

اس موقع پر اخبارات اور ٹیلیویژن کے فوٹو گرافر اور فلم ساز بھی بڑی تعداد میں موجود تھے انہوں نے حضورؒ کے بہت سے فوٹو لئے اور مختلف نظارے فلمائے۔ ایک فوٹو انہوں نے خود حضورؒ کی خدمت میں درخواست کر کے خاص اہتمام سے اتارا یہ فوٹو مکرم نُور احمد صاحب بوستاد کے ساتھ کھنچوایا گیا۔ مسجد کے افتتاح کی خبر ناروے کے اخباروں میں بہت وسیع پیمانے پر شائع ہوئی۔ نہ صرف اوسلو سے شائع ہونے والے تمام قومی اخباروں نے خبر اور فوٹو نمایاں طور پر شائع کئے بلکہ مُلک کے دوسرے حصّوں سے شائع ہونے والے اخبارات و رسائل نے بھی اس خبر کو پورے اہتمام سے چھاپا اور بعض نے اس پر اداریئے نوٹ لکھے۔ اوسلو کے میئر نے ۲؍ اگست کو حضورؒ کے اعزاز میں اپنے آفس میں ایک استقبالیہ تقریب کا اہتمام کیا جس میں حضورؒ کو اہلِ شہر کی طرف سے افتتاح کی مبارکباد پیش کی۔ اس افتتاح کو ایک تاریخی واقعہ قرار دیا اور شہر ناروے کے مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور اُن کی دینی و دنیوی ترقی قرار دیا اور خوشحالی کے ضمن میں اپنے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔ حضورؒ نے اسلامی تعلیم کے محاسن و فضائل کو واضح کر کے بتایا کہ دُنیا کے موجودہ مسائل اسلام کی بے مثال و لازوال تعلیم پر عمل پیرا ہونے سے ہی حل ہوں گے۔ میئر موصوف نے حضورؒ کے ارشادات کو دلچسپی، توجہ اور انہماک سے سُنا۔ ۳؍ اگست کو حضورؒ نے احباب سے ملاقات کی اور انہیں دردانگیز پیرایہ میں ۲ گھنٹے تک خطاب فرما کر ان کی ذمّہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ ۴؍ اگست کو

حضورؒ نے مبلغین کی کانفرنس طلب فرمائی۔ جس میں یورپ میں اسلام کی تبلیغی سرگرمیوں کا جائزہ لیا۔ غلبۂ اسلام کی مہم کو تیز سے تیز تر کرنے کے سلسلہ میں انہیں ہدایات دیں۔ نیز تبلیغِ اسلام کی راہ میں حائل بعض مشکلات پر قابو پانے کے طریقوں پر بھی روشنی ڈالی۔ کانفرنس میں غلبۂ اسلام کی نئی صدی کے استقبال کی تیاریوں کا بھی جائزہ لیا گیا۔ یہ کانفرنس حضورؒ کی صدارت میں صبح ساڑھے گیارہ بجے سے ساڑھے بارہ بجے تک جاری رہی۔ اس طرح جملہ تقریبات کے کامیاب افتتاح کے بعد حضورؒ اسی روز اوسلو سے بذریعہ ہوائی جہاز ایمسٹرڈم روانہ ہوگئے۔ سکنڈے نیویا میں حضورؒ کی زندگی کا یہ آخری یادگار سفر تھا جس سے اسلام کا پیغام ایک نئی شان و شوکت کے ساتھ مُلک کے کونے کونے تک پہنچ گیا۔[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کا پہلا سفر سکنڈے نیویا

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جولائی اگست ۱۹۸۲ء میں سکنڈے نیویا کا پہلا سفر اختیار فرمایا۔ حضور ۲۸ جولائی ۱۹۸۲ء کو ربوہ سے روانہ ہوئے اور ۳۱ جولائی ۱۹۸۲ء کو قریباً ایک بجے دوپہر اوسلو کے فضائی مستقر پر ورود فرما ہوئے۔ حضور کے استقبال کے لئے محترم کمال یوسف صاحب (مبلغ انچارج ناروے)، محترم حامد کریم صاحب (مبلغ انچارج سویڈن) اور محترم نورؔ احمد بولستاد صاحب (نیشنل پریذیڈنٹ ناروے) اور سکنڈے نیویا کے دوسرے مخلصین نے حضور کا اور احمدی خواتین نے حضرت بیگم صاحبہ کا پُرتپاک استقبال کیا۔ حضور اوسلو کے احمدیہ مشن ہاؤس میں قیام فرما ہوئے۔ یکم اگست کو حضور نے عصر کی نماز کے بعد تجدید بیعت کے طور پر دستی بیعت لی۔ بیعت سے قبل حضور نے بیعت کی حقیقت، اس کی اہمیت اور رُوح بیعت پر بہت بصیرت افروز انداز میں روشنی ڈالی۔ حضور نے فرمایا ایک مومن کی زندگی میں سب سے اہم موقع وہ ہوتا ہے جب وہ خلیفۂ وقت کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے کیونکہ اس موقع پر وہ جو عہد کرتا ہے وہ کسی انسان سے نہیں بلکہ اپنے خدا سے عہد کرتا ہے۔ خدا سے کئے ہوئے عہد کے نتیجہ میں انسان پر بہت اہم ذمہ داریاں عائد

---

[1] تلخیص کتاب "دورۂ مغرب ۱۴۰۰ھ" صہ ۱۵۸ تا صہ ۲۴۲۔

ہوتی ہیں۔ خدا ہی توفیق دے تو یہ ذمہ داریاں ادا ہو سکتی ہیں۔ اس لئے ہر بیعت کنندہ پر ایک یہ ذمہ داری بھی ہوتی ہے کہ وہ جہاں بیعت کے عہد کو نبھانے میں کوشاں رہے۔ وہاں بیعت کے نتیجہ میں عائد ہونے والی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی خدا تعالیٰ سے توفیق مانگتا رہے۔ بیعت کی حقیقت کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا۔ جہاں تک بیعت کی حقیقت کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر اس آیت میں فرمایا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ. (توبہ: ۱۱۱)

ترجمہ:۔ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو (اس وعدہ کے ساتھ) خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔

بیعت میں دراصل ایک مومن اللہ کے ساتھ سودا کرتا ہے۔ وہ اپنی جان اور اپنا مال اللہ کے ہاتھ بیچ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس سودے کی قیمت اگر بیچنے والا اپنے عہد پر پوری طرح قائم رہے اور اس کا عملی ثبوت دیتا رہے جنت کی شکل میں ادا کرتا ہے یعنی وہ اس کے لئے جنت مقدر کر دیتا ہے..... اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود میں ایک مرکز قائم فرمایا۔ اصل خلیفۃ اللہ آپ ہی ہیں۔ یہ مرکز ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ لیکن اس کے مظہر بدلتے رہتے ہیں اور بدلتے رہیں گے۔ جب بھی مظہر بدلے گا اس کے ہاتھ پر بیعت کی تجدید ضروری ہوگی تاکہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اُس مرکز کے ساتھ وابستگی قائم رہے۔ آیت استخلاف کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ مرکز خلافتِ راشدہ کی شکل میں قائم رہا اور خدا تعالیٰ مومنوں کے ہر خوف کو امن میں تبدیل کرتا رہا۔ جب تک مومن شکر گزار بنے رہے خلافت بھی قائم رہی۔ جب مسلمان ناشکری کے مرتکب ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے بموجب یہ نعمت اُن سے چھن گئی۔ پھر آپ ہی کی پیشگوئی کے موجب اس کا دوبارہ اجراء سیدنا حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے ذریعہ ہوا ہے اور آپ کے بعد یکے بعد دیگرے مظہر ظاہر ہوئے۔ اور ہو رہے ہیں۔ جب بھی مظہر بدلے گا بیعت کی تجدید ضروری ہوگی۔ اس کے بغیر وحدت قائم نہیں رہ سکتی اور گناہوں سے توبہ کا تسلسل برقرار نہیں رہ سکتا۔ رُوحِ بیعت یہ ہے کہ بیعت کرنے والا نفس سے خالی ہو کر کامل اطاعت کی رُوح اپنے

اندر پیدا کرے اور اگر اس راہ میں اسے اپنی جان، اپنی عزیز سے عزیز شئے اور مال کو چھوڑنا پڑے تو دل میں میل نہ آنے دے۔ خلیفہ جب کوئی فیصلہ کرے وہ صحیح ہو یا غلط بیعت کنندہ کا یہ فرض ہے کہ وہ دل میں میل لائے بغیر انشراحِ قلب کے ساتھ اسے قبول کرے۔ اس پر عمل پیرا ہو اور اطاعت کا نہایت اعلیٰ نمونہ دکھائے۔ اس کے لئے اخلاص کا ہونا ضروری ہے۔ اخلاص کے باوجود انسان سے کمزوری ظاہر ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر انسان کی نیت صاف، سیدھی اور کھری ہو تو خدا تعالیٰ اس کے بداثر سے اسے محفوظ رکھتا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ جب میں بیعت لیتا ہوں تو ساتھ ساتھ میں خود بھی بیعت کر رہا ہوتا ہوں اور اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے حضور جواب دہ سمجھ رہا ہوتا ہوں۔

اِن بصیرت افروز ارشادات کے بعد حضور نے اجتماعی بیعت لی۔ اس تاریخی موقع پر الفاظ بیعت دہراتے ہوئے عجیب ربودگی طاری تھی۔ دُعا بھی ایک خاص شان کی حامل تھی۔ خشوع و خضوع اور درد و الحاح کا یہ عالم تھا کہ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ رُوحیں آستانۂ الٰہی پر پانی کی طرح بہہ نکلی ہیں[۱]

پریس کانفرنس

۵ر اگست کو حضور نے گیارہ بجے قبل دوپہر احمدیہ مشن ہاؤس اوسلو کی لائبریری میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا اور جماعت احمدیہ کے اغراض و مقاصد۔ عالمی سطح پر اس کی مذہبی اور فلاحی سرگرمیوں۔ نیز اسلام اور نوعِ انسانی کے مستقبل سے متعلق اخبار نویسوں کے سوالات کے نہایت تسلّی بخش جواب دیئے۔ پریس کانفرنس میں گفتگو زیادہ تر انگریزی زبان میں ہوئی اور نارویجین زبان میں ترجمانی کے فرائض مکرم کمال یوسف صاحب اور نُور احمد صاحب بولستاد نے انجام دیئے۔ اخبار نویسوں نے ایک سوال یہ کیا کہ یورپ میں اب تک کتنے لوگ احمدی ہوئے ہیں۔ حضور نے فرمایا یہ صحیح ہے کہ دوسرے مُلکوں کے مقابلہ میں یورپ میں بہت کم لوگ احمدی ہوتے ہیں اور ابھی اُن کی تعداد چنداں قابل لحاظ نہیں ہے لیکن ہم اپنی طاقت کا مدار تعداد پر نہیں رکھتے۔ بلکہ ایمان اور اخلاص پر رکھتے ہیں۔ ایسے صاحبِ ایمان مخلص و وفا شعار

---

[۱] روزنامہ الفضل ۱۳ر ستمبر ۱۹۸۲ء صفحہ ۳، ۴۔

اور سراپا ایثار خواہ چند ہی ہوں وہ طاقت کا نہایت مؤثر ذریعہ ہوتے ہیں اور بالآخر غالب آ کر رہتے ہیں۔ ایک سوال یہ ہوا کہ یورپ کے ملکوں نے تو ویلفیئر سٹیٹ کی شکل میں اپنے عوام کی معاشی ضروریات پوری کرنے میں بہت کچھ کیا ہے۔ اسلامی معاشی نظام کی رُو سے اس بارہ میں آپ کے کیا نظریات ہیں۔ اور اس میدان میں آپ کی جماعت کیا کر رہی ہے؟ حضور نے فرمایا ہر قوم کا معاشرتی ڈھانچہ (SOCIAL SETUP) اس کے معاشرتی فلسفہ (SOCIAL PHILOSOPHY) پر مبنی ہوتا ہے۔ اسلام کا اپنا ایک معاشرتی فلسفہ ہے جس میں جسم اور رُوح دونوں کی ضروریات کو یکساں اہمیت دی گئی ہے اس کی تفصیلات بیان کرنے کے لئے کافی وقت درکار ہوگا۔ سردست میں ان تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ویلفیئر سٹیٹ کا نظریہ جسمانی ضروریات تک محدود ہوتے ہوئے ہمہ گیر نہیں ہے۔ ہر چند کہ جماعتِ احمدیہ تمام دُنیا میں پھیلی ہوئی ہے تاہم اوّل تو یہ خالصتہً ایک مذہبی جماعت ہے دوسرے کہیں بھی اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اسلام کی سوشل فلاسفی کو پُوری جامعیت کے ساتھ نافذ کر سکے۔ اس لئے اس میدان میں اس کی کوششیں خدمتِ انسانیت تک محدود ہیں۔ ہماری کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہم اپنے محدود وسائل کے مطابق لوگوں کی معاشی مشکلات اس رنگ میں دُور کریں کہ اُن کی عزّتِ نفس مجروح نہ ہو اور انسانی شرف پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔ کیونکہ اسلام نے عزّتِ نفس اور انسانی شرف پر بہت زور دیا ہے۔ ہم حتیّ المقدور خدمت کرتے وقت انسان، انسان میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ نامہ نگار نے سوال کیا کہ آپ کی نگاہ میں انسانیت کا مستقبل روشن ہے یا تاریک؟ حضور نے فرمایا انسانیت کا مستقبل میرے نزدیک ایک حد تک تاریک اور بڑی حد تک تابناک ہے۔ تاریک ان معنوں میں ہے کہ انسانیت اپنے پیدا کرنے والے سے دُور ہو کر تباہی کے قریب جا پہنچی ہے۔ تباہی تو آئے گی اور وہ ہوگی بھی بہت ہولناک لیکن انتہائی ہولناک تباہی کے باوجود انسانیت بچے گی ضرور مکمّل تباہی کا شکار نہیں ہوگی۔ پریس کانفرنس مسلسل ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہی اور ساڑھے بارہ بجے کے بعد اختتام پذیر ہوئی۔

استقبالیہ تقریب

۵ راگست کو ساڑھے تین بجے بعد دوپہر مسجد نُور سے ملحق احمدیہ مشن ہاؤس میں حضور کے اعزاز میں ایک استقبالیہ تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں

زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے نارویجین معززین کے علاوہ اوسلو کے میئر محترم البرٹ نورڈینگن (ALBERT NOR DENGEN) بھی شامل ہوئے۔ حضور نے موصوف کو قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کا ایک نسخہ اور بعض دیگر تحائف دیئے۔ معززین کے ساتھ بہت خوشگوار ماحول میں تبادلۂ خیالات کا دلچسپ سلسلہ ایک گھنٹہ سے زائد عرصہ تک جاری رہا۔ الوداعی مصافحہ کے وقت اوسلو یونیورسٹی کے دو نوجوان طلباء کی درخواست پر حضور نے ایک گھنٹہ تک حضرت مسیح علیہ السلام کے واقعہ صلیب اور ان کی ہجرت کے بارہ میں جماعت احمدیہ کا نقطہ نظر پیش فرمایا۔

ربّانی تائید کا ایک خاص نشان

حضور کی گفتگو کے معاً بعد یونیورسٹی کے دو طالب علم مشن ہاؤس کے صحن میں ہی اپنے پادری سے اُلجھ گئے اور اسلام کی تائید میں اس کے ساتھ زور شور سے بحث کرنے لگے۔ دونوں طالب علم اتنے پُرجوش تھے کہ پادری صاحب گھبرا گئے۔ اور اس خیال سے کہ یہاں اور لوگوں کو پتہ نہ لگ جائے۔ ان طالب علموں کو لے کر فوراً مشن ہاؤس سے باہر نکلنا چاہا۔ لیکن وہ طالب علم چند قدم چل کر پھر پادری صاحب کو روک لیتے اور پھر ان سے بحث کرنے لگ جاتے۔ اس طرح سے بار بار بحث کر کے طالب علموں نے پادری صاحب کا ناطقہ بند کر دیا اور ان کو اپنی جان چھڑانی مشکل ہوگئی۔ سب دوست دلچسپی سے یہ منظر دیکھتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت کا یہ ایک خاص علمی نشان تھا جو حضور کے دَورے کے آغاز میں ناروے کی سرزمین میں ظاہر ہُوا۔ [1]

خطبہ جمعہ

۶ راگست ۱۹۸۲ء کو حضور نے مسجد نُور میں نمازِ جمعہ پڑھائی۔ اس روز اوسلو ہی نہیں بلکہ ناروے کے دوسرے شہروں سے احباب مع مستورات بہت کثیر تعداد میں آئے ہوئے تھے۔ حضور نے درج ذیل آیاتِ قرآنی تلاوت فرمائیں:۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ
وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ
الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ

---

[1] تلخیص روزنامہ الفضل ۱۵ ستمبر ۱۹۸۲ء ص۳-۶۔

رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۔ (الانعام آیت ۱۰۳ تا ۱۰۵)

(ترجمہ)۔ یہ ہے تمہارا اللہ جو تمہارا رب (بھی) ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ہر ایک چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ پس اُس کی عبادت کرو اور وہ ہر ایک (چیز) پر نگران ہے۔ نظریں اس تک نہیں پہنچ سکتیں۔ لیکن وہ نظروں تک پہنچتا ہے اور وہ مہربانی کرنے والا اور حقیقت پر آگاہ ہے۔ تمہارے رب کی طرف سے بنظاہر (دلائل) آچکے ہیں۔ پس جس نے انہیں جان لیا۔ (اس کا یہ فعل) اس کے اپنے (فائدہ کے) لئے ہوگا۔ اور جس نے کجروی اختیار کی (اس کا یہ فعل) اسی پر پڑے گا اور مَیں تمہارا محافظ نہیں ہوں۔

اس کے بعد حضور نے ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حیرت انگیز تصریفِ آیات ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے جیسا کہ اُس نے اگلی ہی آیت میں فرمایا وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ۔ یعنی ہم اسی طرح آیات کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔ اسلوب بیان کے اچانک بدلنے کو تصریف کہتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسلوب بیان بدلا ہے اور یہ بے حکمت نہیں ہے۔ یہاں طبعاً یہ الجھن پیدا ہوتی تھی کہ اتنے حسین قدرتی نظارے دیکھ کر بھی لوگ خدا تعالیٰ سے کیوں غافل ہوتے ہیں اور اُس کے منکر ہو بیٹھتے ہیں۔ برخلاف اس کے صحراؤں اور ویرانوں میں رہنے والوں کو وہ کیسے نظر آ جاتا ہے۔ یہاں کے لوگوں کو دیکھ کر یہ الجھن میرے دل میں بھی پیدا ہوئی۔ اور مَیں پریشان ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین (یعنی ناروے کی سرزمین) کو قدرتی حُسن سے مالا مال کرنے میں بڑی فیاضی سے کام لیا ہے۔ اس کے باوجود یہاں کے لوگ جنہیں سب سے زیادہ اس کا شکر گزار ہونا چاہئیے تھا خود اس کی ہستی ہی کے منکر ہوئے بیٹھے ہیں۔ اور اس سے غافل ہیں۔ تصریفِ آیات کے طور پر یکدم اسلوبِ بیان بدل کر اللہ تعالیٰ نے یہ الجھن دُور کر دی۔ جب میری نظر اس سے اگلی آیت کی طرف گئی۔ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ تو تمام الجھنیں دُور ہو گئیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے تصریفِ آیات

کے ذریعہ یہ امر ذہن نشین کرایا ہے کہ بصائر حق کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر پختہ ایمان پیدا ہوتا ہے۔ انسانوں کو نبیوں کی وساطت سے عطا کئے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مبعوث ہو کر یہ اعلان فرمایا کہ مَیں بصیرتوں کا منبع اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہرِ اتم بن کر تمہارے پاس آگیا ہوں۔ مَیں تمہارا خدا تعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلّق قائم کروں گا۔ اور تمہارے لئے خدا کی ہستی کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہے گی۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ دراصل یہ بتا رہا ہے کہ حُسنِ قدرت کے ذریعہ شرک پیدا نہیں ہوتا۔ نبی آتا ہے اور خدا تعالیٰ سے انسانوں کا رشتہ جوڑتا ہے۔ جب وہ چلا جاتا ہے تو رفتہ رفتہ شرک پھر سر اٹھاتا ہے اور مناظرِ قدرت شرک کی جگہ لے لیتے ہیں۔ جب ان آیات کی طرف توجہ مبذول ہوئی تو سب اُلجھنیں دُور ہو گئیں۔

پہلی مجلسِ شوریٰ

نمازِ جمعہ کے معًا بعد جماعت احمدیہ ناروے کی سب سے پہلی مجلسِ شوریٰ منعقد ہوئی۔ جس میں جماعت احمدیہ ناروے اور اس کی ذیلی تنظیموں کی مجلسِ عاملہ کے اراکین اور دیگر صائب الرائے افراد نے شرکت کی۔ حضور کی منظوری سے محترم صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب نائب ناظر اصلاح و ارشاد اور محترم چوہدری حمید اللہ صاحب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ نے صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی، محترم چوہدری محمد انور حسین صاحب امیر جماعت ضلع شیخوپورہ اور محترم محمود احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کی اور محترم صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب نائب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے خدام الاحمدیہ کی نمائندگی کی۔ انجمن احمدیہ وقف جدید کی نمائندگی خود حضور نے فرمائی۔ محترم صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب نے پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت سے سیکرٹری مجلس شوریٰ کے فرائض سرانجام دیئے۔ مقامی جماعت کے ایک صاحب نے لجنہ اماء اللہ ناروے کے نمائندہ کی حیثیت سے مجلس شوریٰ میں شرکت کی۔

کارروائی کا آغاز تلاوتِ قرآن سے ہوا جو بشارت احمد صاحب صابر نے کی۔ بعد ازاں حضور نے دُعا کرائی۔ پھر حضور انور نے اراکینِ شوریٰ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ جماعت احمدیہ ناروے کے لئے آج کا دن (۶ر اگست ۱۹۸۲ء بروز جمعۃ المبارک) ایک تاریخی دن ہے کیونکہ آج بفضل اللہ تعالیٰ اس کی پہلی مجلس شوریٰ منعقد ہو رہی ہے۔ جب قومیں پھیلتی ہیں اور قومی و جماعتی کاموں میں وسعت پیدا ہوتی ہے تو شوریٰ کے نظام کو بھی وسیع کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اب چونکہ جماعت

اللہ تعالیٰ کے فضل سے قریباً دُنیا کے ہر ملک میں پھیل چکی ہے اور اس میں روز بروز وسعت پیدا ہو رہی ہے۔ اس لئے مَیں نے فیصلہ کیا ہے کہ مرکزی مجلس شوریٰ کی طرز پر ملک میں بھی سال میں ایک بار شوریٰ کا اجلاس ہُوا کرے اور وہ اہم مقامی امور پر غور کر کے خلیفۂ وقت کو مشورہ دیا کرے۔ نیز ارشاد فرمایا۔ اَب چونکہ جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے ساری دُنیا میں پھیل چکی ہے اور ایسے جماعتی مسائل پیدا ہو چکے ہیں جو عالمی نوعیت کے ہیں۔ اس لئے ضروری ہو گیا ہے کہ مختلف ملکوں کی جماعتوں کو شوریٰ کی تربیت دی جائے۔ اگر انہیں شوریٰ کی تربیت نہ دی گئی تو خطرہ ہے کہ کہیں بعض ملکوں کی سوچ غلط راہ پر نہ چلی جائے اور وہ ڈیمو کریسی (جمہوریت) کو ہی شورائی نظام نہ سمجھ لیں۔ اس لئے مَیں آج تمام ملکوں میں شوریٰ کا نظام رائج کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ شوریٰ کے ضمن میں حضور نے فرمایا ایک بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اس میں خلیفۂ وقت خود تو لمبی بات کرتا ہے۔ لیکن دوسروں کو لمبی بات نہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے خلیفۂ وقت کو بصیرت عطا کی ہوتی ہے اور چونکہ ارا کین نے مشورہ اسے دینا ہوتا ہے اس لئے وہ خداداد بصیرت کی وجہ سے مختصر اشارہ بھی سمجھ جاتا ہے۔ مشورہ کی پوری ماہیت اس پر از خود واضح ہو جاتی ہے۔ خلیفۂ وقت خود اس لئے بھی لمبی بات کرتا ہے کہ اسے سب کو سمجھانا ہوتا ہے اور معاملہ کی اہمیت کے مختلف پہلوؤں کو سب کے ذہن نشین کرانا ہوتا ہے احباب کو مشورہ پیش کرتے وقت اس امر کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ شوریٰ کے ارا کین کی بحث کے اختتام پر فرمایا۔ یوں تو تربیت کے مختلف ذرائع پر احباب نے روشنی ڈالی ہے اور اس بارہ میں مشورے پیش کئے ہیں لیکن دُعا کا کسی نے ذکر نہیں کیا حالانکہ دُعا کے بغیر تربیت نہیں ہو سکتی۔ شوریٰ کے اجلاس کے معًا بعد حضور نے ناروے کی مجالس خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کے اجلاسات کی صدارت فرما کر ان کی کارگزاری کا جائزہ لیا۔

مجلسِ ارشاد ۷ راگست حضور کے قیام اوسلو کا آخری دن تھا۔ اس روز پونے آٹھ بجے سہ پہر حضور مجلسِ ارشاد میں رونق افروز ہوئے اور احباب جماعت کو نہایت بصیرت افروز ارشادات سے نوازا۔ اور ایک گھنٹہ تک احباب کے سوالات کے جوابات دیئے۔ اس دوران حضور نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی بن باپ ولادت میں پوشیدہ حکمت اور

نظامِ زکوٰۃ کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔

روانگی ۸ر اگست ۱۹۸۲ء کو حضور ایّدہ اللہ تعالیٰ اوسلو سے گوٹن برگ تشریف لے گئے۔

سکنڈے نیویا پریس میں چرچا خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کے اوسلو میں آٹھ روزہ قیام کا سکنڈے نیویا پریس میں غیر معمولی چرچا ہُوا۔

(۱)۔ مُلک کے ہفتہ وار وسیع الاشاعت اخبار روزنامہ گوٹن برگ پوسٹن GOTEN BORG POSTEN نے ۱۰ر اگست ۱۹۸۲ء کے شمارہ میں لکھا " سوموار کا دن گوٹن برگ میں احمدی مسلمانوں کے لئے ایک بہت اہم دن تھا کیونکہ اُس روز اُن کے رُوحانی پیشوا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب نے احباب جماعت سے ملاقات کی۔ آپ سفید پگڑی اور شیروانی میں ملبوس تھے۔ آپ نے اپنے پَیرووں سے گلابی رنگ کی خوبصورت مسجد میں جو HOGS BOHOJO میں واقع ہے ملاقات کی۔ خلیفہ بننے کے بعد یہ آپ کا پہلا غیر ملکی دَورہ ہے۔ " خلیفہ " کا مطلب ہے بانیٔ جماعتِ احمدیہ کے جانشین۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہ اٹھارھویں[1] صدی کے آواخر میں ہندوستان میں مبعوث ہوئے۔

خلیفۃ المسیح جو پاکستان سے تشریف لائے ہیں آجکل پُورے یورپ کا دَورہ فرما رہے ہیں۔ تاکہ قرآنِ کریم کی تعلیم کو دُنیا بھر میں پھیلانے کی مہم کو تیز کر سکیں۔ پروگرام کے آخری مرحلہ میں آپ نے سپین میں نو تعمیر شدہ مسجد کا افتتاح فرمانا ہے۔ یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو (سپین کے شہر کے قریب) سات سو سال سے زائد عرصہ کے بعد تعمیر کی گئی ہے۔

احمدی مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح موعودؑ دُنیا میں آچکے ہیں اور وہی جماعتِ احمدیہ کے بانی تھے۔ احمدی مسلمانوں اور دوسرے مسلمانوں میں بُنیادی فرق یہ ہے کہ دوسرے مسلمان ابھی تک مسیح موعود کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب نے بتایا کہ مسیح موعودؑ

ل انیسویں صدی چاہیئے (ناقل)

عین وقت پر دُنیا میں تشریف لائے اور انہوں نے خطرناک عالمی جنگوں سے خبردار کیا۔(ان میں سے دو نہایت خطرناک عالمی جنگیں لڑی جا چکی ہیں)۔

(حضرت) خلیفۃ المسیح نے یہ بھی بیان کیا کہ گوٹن برگ میں جماعت احمدیہ زیادہ بڑی تعداد میں نہیں ہے۔ مگر پھر بھی ایک سو پچاس افراد پر مشتمل ہے جن میں پاکستانی۔ سویڈش اور یوگوسلاوین افراد شامل ہیں۔ پوری دُنیا میں اس جماعت کے افراد کی صحیح اور معین تعداد بتانا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ہر روز نئے افراد اس جماعت میں شامل ہو رہے ہیں۔[۱] (ترجمہ)

(۲)۔ اخبار ایکچوالٹ ACTUELT (۱۲ر اگست ۱۹۸۲ء) کے اشاعت نے لکھا:۔

خلیفۃ المسیح بلاشُبہ پُراثر شخصیت کے مالک ہیں۔ یہی نہیں بلکہ آپ اسلامی فرقہ جماعت احمدیہ کے عالمی سربراہ بھی ہیں جس کے ممبران کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ ہے۔

حضرت مرزا طاہر احمد حال ہی میں مسیح موعود کے بعد چوتھے خلیفہ کی حیثیت سے منصب خلافت پر فائز ہوئے ہیں۔ آپ آجکل یورپ کے دَورہ پر ہیں اور کل آپ نے کوپن ہیگن کو اپنی تشریف آوری سے عزّت بخشی ہے۔

آپ نے کل وی ڈورے (HVIDOVRE) کی مسجد میں اسلامی فرقہ کے عقائد اور اس کے مشن پر روشنی ڈالی۔ ڈنمارک میں اس جماعت کے ممبران کی تعداد ۲۰۰ ہے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر پاکستانی ہیں۔ تاہم ڈینش باشندے بھی اس میں روز بروز شمولیت اختیار کر رہے ہیں ...... جماعت احمدیہ کے نزدیک قرآنِ مجید کی رُو سے عورت کو وہی حقوق حاصل ہیں جو مَرد کو حاصل ہیں۔ اس سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ عورت کو شادی کی کسی تجویز کو قبول کرنے یا رَدّ کرنے کا پُورا پُورا اختیار حاصل ہے۔ اسی طرح مہر یا وراثت کی شکل میں جو رقم یا جائیداد عورت کو ملے اسے اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرنے یا اپنے مصرف میں لانے کی بھی وہ پُورے طور پر مجاز ہے (یعنی وہ کُلّی طور پر آزاد ہے کہ وہ جس طرح چاہے اسے خرچ کرے)۔ اس کے باوجود مَرد کو عورت پر ایک گُونہ نسبتی فضیلت حاصل ہے۔

---

[۱] بحوالہ روزنامہ الفضل ۱۱ر اکتوبر ۱۹۸۲ء صفحہ ۶

"ود و ور" کی خوبصورت مسجد کے تمام اخراجات احمدی مستورات نے برداشت کئے تھے۔ انہوں نے اس کی تعمیر کے لئے خود رقوم بطور چندہ ادا کیں[1]۔

(۴)۔ اخبار "بی۔ ٹی" نے اپنے ۱۳ر اگست ۱۹۸۲ء کے شمارہ میں لکھا:۔

"اس ہفتہ اپنے سربراہ اعلیٰ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے "جماعت احمدیہ" نامی اسلامی فرقے کے پچیس تیس ہزار[2] افراد ود و ور میں واقع اپنی مسجد کی طرف کھنچے چلے آئے۔ یہ سربراہ اعلیٰ مسیح موعود کے چوتھے خلیفہ ہیں۔ آپ گذشتہ منگل سے مسجد کے پہلو میں پیلی اینٹوں سے تعمیر شدہ مکان میں مسجد کے امام صاحب کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ امام مسجد نصرت جہاں کوپن ہیگن میں مقیم احمدی مسلمانوں کے امیر ہیں۔

خلیفۃ المسیح سے روز روز ملاقات کا موقع نہیں ملا کرتا۔ خاص طور پر ایک ایسے شخص کو جو جماعت کا رُکن نہ ہو یا بے دلی سے جماعت میں آ شامل ہوا ہو۔ لیکن گذشتہ شام ہمیں پندرہ منٹ کی ملاقات کا موقع ملا۔ اعلیٰ صلاحیتوں کی مالک اس پُرکشش شخصیت کے ساتھ جسے قدرت نے مزاح کی حس سے بھی حصّہ وافر عطا کیا ہے۔ ہماری ملاقات طول پکڑتی گئی اور پندرہ منٹ کی بجائے ۴۵ منٹ تک جاری رہی۔

فی الاصل تو یہ ملاقات مشن کے تہ خانہ میں ملاقات کے لئے مخصوص کمرے میں ہونا تھی اور بہت سے مقامی مسلمانوں نے خلیفۃ المسیح کے ارشادات کو ریکارڈ کرنے کے لئے متعدد ٹیپ ریکارڈرز بھی وہاں لا جمع کئے تھے۔ لیکن خلیفۃ المسیح نے اپنے قافلہ کے ۱۳ ممبران میں سے چند ممبران کی ہمراہی میں ایک لان (گھاس کے ایک قطعہ میں) ملاقات کرنا پسند فرمایا۔ حضرت مرزا طاہر احمد کی عمر ۵۳ سال ہے۔ دو[2] ماہ قبل بطور خلیفۃ المسیح آپ کا انتخاب عمل میں آیا ہے۔ اس منصب پر آپ اپنی وفات تک فائز رہیں گے۔ آپ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے پوتے ہیں۔ ایک کروڑ مسلمانوں کے سربراہ اعلیٰ کی حیثیت میں خلیفہ منتخب ہونے کے بعد یہ آپ کا پہلا غیر ملکی دورہ ہے۔

---

[1] روزنامہ الفضل ۳ر دسمبر ۱۹۸۲ء صفحہ ۲۶۔ [2] اصل تعداد چند ہزار ہوگی (ناقل)

آپ اوسلو اور گوٹن برگ میں مساجد کا دَورہ کرنے کے بعد یہاں تشریف لائے ہیں۔ آج آپ یورپ کے جنوبی علاقوں کی مسجدوں کے دَورہ پر روانہ ہوجائیں گے۔ آپ کا یہ دَورہ ستمبر میں اٹلی اور سپین میں دو مسجدوں کا سنگِ بنیاد رکھنے کے بعد اپنے اختتام کو پہنچے گا۔ (یاد رہے اٹلی میں مسجد کی تعمیر کے انتظامات ابھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچے ہیں۔ سپین میں حضور نے مسجد کا افتتاح فرمانا تھا جو بفضل اللہ تعالیٰ ۱۰ ستمبر کو عمل میں آیا فالحمد للہ۔ ناقل)۔ خلیفۃ المسیح کے ہمراہ آپ کی بیگم اور دو چھوٹی صاحبزادیاں بھی کوپن ہیگن آئی ہیں۔ آپ ۱۹۷۶ء میں بھی اپنی دو بڑی صاحبزادیوں کے ہمراہ یہاں تشریف لائے تھے۔ ان دونوں صاحبزادیوں کی اَب شادی ہوچکی ہے۔ آپ اپنے خاندان کے ہمراہ ربوہ میں رہتے ہیں جو پاکستان کا ایک شہر ہے۔ یہ شہر جماعت احمدیہ کا مرکز ہے جو ۱۹۴۷ء میں بھارت اور پاکستان کی تقسیم کے بعد ایک بنجر علاقہ میں تعمیر کیا گیا ہے۔

گفتگو کے دوران خلیفۃ المسیح نے فرمایا خلافت کا بوجھ بہت بھاری بوجھ ہے اور بہت عظیم ہے یہ ذمّہ داری۔ ہمارا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ ہم اپنے لوگوں کی اس طرح تربیت کریں کہ وہ اسلام کے دائرہ میں رہیں بلکہ ہماری کوشش یہ ہے کہ دُنیا کا ہر شخص اس میں داخل ہوتا کہ وہ آنے والی تباہی سے بچ سکے۔ اسلام تمام بنی نوع انسان کی آخری پناہ گاہ ہے۔ انہیں اس دینِ واحد پر جمع ہوجانا چاہیئے۔ خلیفۃ المسیح نے بڑے فخر سے بتایا کہ اُن کی جماعت کا کوئی رُکن بھی ناخواندہ نہیں ہے اور جماعت میں تعلیم کا معیار بہت بلند ہے اور یہ کہ تعلیم حاصل کرنے میں عورتیں بھی مَردوں سے پیچھے نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا میری اہلیہ کالج میں زیرِ تعلیم رہی ہیں لیکن اس دوران ہماری شادی ہوگئی۔ اور وہ گھر اور بچّوں کی دیکھ بھال میں ہمہ وقت مصروف رہنے لگیں۔ جب سے مَیں خلیفہ بنا ہوں ان کی ذمّہ داریوں میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔ اور ان پر بھی کام کا بوجھ بہت بڑھ گیا ہے۔

خلیفۃ المسیح نے بتایا کہ پاکستان میں واقع جماعت کے مرکز میں کام کرنے والے سٹاف کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ ہے۔ وہ تین بجے صبح بیدار ہوتے ہیں۔ ساڑھے چار بجے وہ پہلی نماز (نمازِ فجر) ادا کرتے ہیں۔ گھنٹہ دو گھنٹہ کی نیند کے بعد وہ سات بجے پھر بیدار ہوتے ہیں۔

روزانہ انہیں سات سو خطوط موصول ہوتے ہیں وہ سب خطوط کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کا جواب ارسال کیا جاتا ہے۔ اوقات کار کا سلسلہ نصف شب تک جاری رہتا ہے اور وہ ہفتہ کے ساتوں دن کام میں رہتے ہیں۔[1]

(۵) مسیحی اخبار کرائسٹ لائٹ ڈیگ (۱۴ر اگست ۱۹۸۲ء) نے لکھا:۔

مسیح (علیہ السلام) صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے۔ کوئی سچا نبی کبھی صلیب پر فوت نہیں ہو سکتا۔ مسیح علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے صلیب پر جان دینے سے محفوظ رکھا۔ زخموں کے مندمل ہونے پر جب آپ صحتیاب ہو گئے تو آپ نے بنی اسرائیل کے گمشدہ قبائل کی تلاش میں افغانستان اور کشمیر کی طرف ہجرت کی۔ بائبل کی رُو سے آپ نے پیشگوئی کی تھی کہ آپ بنی اسرائیل کے گمشدہ قبائل کی طرف ہجرت کریں گے۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو (نعوذ باللہ) جھوٹے ثابت ہوتے۔ یہ ہے وہ عقیدہ جس کا اظہار گذشتہ جمعرات کے روز کوپن ہیگن کے علاقہ "ودوور" میں واقع مسجد نصرت جہاں میں اسلامی فرقہ احمدیہ کے نئے خلیفہ نے اپنے متبعین کے ایک اجتماع کے رُوبرو کمال سنجیدگی اور اعتماد کے ساتھ کیا۔ دُنیا بھر میں پھیلی ہوئی جماعت احمدیہ کے سربراہ کے عہدہ پر نئے خلیفہ حضرت مرزا طاہر احمد کا باضابطہ تقرر ابھی حال ہی میں عمل میں آیا ہے۔ اس جماعت کے ممبران کی تعداد ایک کروڑ بتائی جاتی ہے۔ جماعت احمدیہ کی بنیاد آج سے ۹۰ سال قبل حضرت مرزا غلام احمد نے رکھی تھی۔ ۱۸۸۹ء میں (حضرت) احمد نے دعویٰ کیا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ الہام یہ بتایا ہے کہ آپ وہی مسیح موعود اور مہدی ہیں جس نے احیائے اسلام کا فریضہ انجام دینا ہے اور جس کے آنے کی بشارت (حضرت) محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دی تھی اور بائبل میں بھی مسیح کی آمد ثانی کی شکل میں جس کی پیشگوئی موجود ہے۔ اور مزید برآں ہندوؤں کی مذہبی کُتب میں بھی جس کے ظہور کی خبر دی گئی ہے۔ نئے خلیفہ بانی سلسلہ احمدیہ کے پوتے ہیں اور ان کے چوتھے خلیفہ (یعنی جانشین) ہیں۔ آپ آجکل اپنی جماعت کے افراد سے ملنے کی غرض سے یورپ کے وسیع دورہ کے سلسلہ میں یہاں آئے ہوئے ہیں۔ اس دورہ میں آپ اٹلی میں ایک

---

[1] الفضل ۱۳ر اکتوبر ۱۹۸۲ء صفحہ ۵۔

نئی مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے کے علاوہ سپین میں قرطبہ کے قریب ایک مسجد کا افتتاح کریں گے۔ جو حال ہی میں تعمیر کی گئی ہے۔

کوپن ہیگن میں اجتماع کے رُو برو نئے خلیفہ نے فرمایا۔ بہت سے ایسے قرائن ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح (علیہ السلام) صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے۔ مثلاً یہ کہ وہ صلیب پر صرف تین گھنٹے کے قریب رہے۔ ان کے جسم پر ایسا محلول مَلا گیا جس میں زخموں کو مندمل کرنے والی ادویہ شامل تھیں۔ اس وقت ارض مقدس میں تدفین سے قبل مُردہ جسموں پر ایسا محلول یا مرہم ملنے کا کوئی رواج نہ تھا۔ پھر یہ کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کے پہلو میں نیزہ مارا گیا تو پانی اور خون اس سے بہہ نکلا۔ حالانکہ مُردہ جسم سے پانی اور خون نہیں نکل سکتا۔

آپ نے مزید فرمایا اس تعلق میں بائبل میں جو کچھ لکھا ہے وہ غلط نہیں ہے بلکہ غلط توجیہات کی وجہ سے حقیقت کو کچھ اور ہی رنگ دے دیا گیا ہے۔ نئے خلیفہ ربوہ میں رہتے ہیں جو پاکستان میں واقع ہے۔

آپ نے بتایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام کی مانند خدا تعالیٰ کے نبی تھے۔ دونوں اپنے اپنے زمانہ میں نئی شریعت لے کر آئے تھے۔ دونوں کو شریعت کی حفاظت کے لئے دفاعی جنگیں لڑنا پڑیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح (حضرت مرزا) غلام احمد مسیح موعود کی حیثیت سے مبعوث ہوئے تھے۔ یعنی دین کو ازسرِ نَو زندہ کرنے والے کی حیثیت سے۔ جب مذہب زوال پذیر ہو جاتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ مذہب کے ازسرِ نَو احیاء کی غرض سے ایسے وجودوں کو مبعوث کیا کرتا ہے سو احمدیت حقیقی اسلام ہی کو دُنیا میں آشکار کرنے کی غرض سے آئی ہے۔ یہ حقیقی اسلام ہی نوعِ انسان کا خدا سے تعلق بحال کر کے دُنیا کو تباہی سے بچائے گا۔

جماعت احمدیہ، مسیح علیہ السلام اور آپ کے ابتدائی پیروؤں کی طرح اپنے مشن کی تکمیل کے لئے کبھی تشدّد کا سہارا نہیں لے گی۔ قرآن میں جس جہاد کا ذکر ہے اس سے فی زمانہ رُوحانی جہاد مراد لیا جائے گا۔

حضرت مرزا طاہر احمد نے جو یہاں سے ہمبرگ جانے والے ہیں مزید فرمایا جس طرح عیسائیت صدیوں گمنام رہنے کے باوجود صداقت کے بل پر بالآخر فتحیاب ہوئی۔ اسی طرح احمدیت بھی

ضرور غالب آئے گی۔ انہوں نے کہا ایک مہذب قوم کی حیثیت سے اہلِ ڈنمارک کی خوبی اور تہذیب و انسانیت کے فروغ میں ان کے کردار کی اہمیت اس بات میں نہیں ہے کہ وہ احمدیت کو خاطر میں نہ لا کر اس کے خلاف تشدّد رَوا نہیں رکھتے بلکہ ان کے کردار کی عظمت اس اَمر میں مضمر ہے کہ وہ اپنے دلوں کے دروازے کھول کر احمدیت کے پیغام کی طرف متوجہ ہوں، اس پر غور کریں۔ اور قائل ہونے کی صورت میں اسے قبول کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں[1]

(۶)۔ روزنامہ آربتیت (ARBETET) نے اپنی ۱۱ر اگست ۱۹۸۲ء کی اشاعت میں لکھا :-

"گوٹن برگ میں خلیفۃ المسیح کی تشریف آوری"۔ پرسوں گوٹن برگ میں پاکستان سے خلیفۃ المسیح (حضرت) مرزا طاہر احمد تشریف لائے۔ خلیفۃ المسیح ہونے کی حیثیت میں آپ احمدی مسلمانوں کے مذہبی رہنما ہیں۔ آپ آجکل سارے یورپ کا دَورہ کر رہے ہیں۔ تاکہ اپنی جماعت کے افراد سے ملاقات فرما سکیں۔

آپ نے مسجد ناصر میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بتایا مَیں اس سال جُون میں خلیفہ منتخب ہُوا ہوں اور اس حیثیت میں میرا یہ پہلا غیر مُلکی دَورہ ہے۔ بعد ازاں میں سپین جاؤں گا جہاں ہماری جماعت نے ایک مسجد تعمیر کی ہے جس کا افتتاح ستمبر میں ہو گا۔ قبل اس کے مَیں سویڈن سے جاؤں مالمو میں اپنی جماعت کے ممبران سے بھی ملاقات کروں گا۔ وہاں جماعت کے پچیس افراد رہتے ہیں۔

احمدی مسلمان اسلام کا ایک فرقہ ہیں اور گوٹن برگ میں ان کی تعداد ایک سو پچاس افراد پر مشتمل ہے جن میں اکثریت پاکستانی اور یوگوسلاوین افراد کی ہے۔

مسجد ناصر سویڈن کی واحد مسجد ہے اس کا افتتاح ۱۹۷۶ء میں ہُوا تھا خلیفۃ المسیح مرزا طاہر احمد صاحب نے احمدی مسلمانوں کی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ ہمارے اکثر کام

---

[1] بحوالہ روزنامہ الفضل ۳۰ر دسمبر ۱۹۸۲ء صا۳ - ۳۸ .

تبلیغی نوعیت کے ہیں۔ تاہم اُن کے علاوہ ہم اسپتال اور سکول بھی قائم کرتے ہیں۔ ہماری جماعت کا آغاز ہندوستان کے ایک چھوٹے سے گاؤں سے اٹھارھویں (انیسویں صدی ہونا چاہیئے ناقل) کے آواخر میں ہوا۔ تمام دُنیا میں ہمارے ممبران کی تعداد دس ملین (ایک کروڑ) سے زائد ہے۔ پاکستان میں احمدیوں کی تعداد ۳.۵ (۳۵ لاکھ) کے لگ بھگ ہوگی۔

آپ نے اس امر کی وضاحت کی کہ تمام دوسرے مسلمانوں کی طرح ہم بھی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں۔ آپ نے واضح فرمایا ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم دُنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو یہ اس کی غلط فہمی ہے۔

حضرت مرزا طاہر احمد ترتیب کے لحاظ سے چوتھے خلیفہ ہیں۔ خلیفۃ المسیح کا گوٹن برگ کا دَورہ اپنے ممبران سے ملاقات کی شکل میں سوموار کی رات کو دیر تک جاری رہا[۱]

مشن کی مطبوعات

۱۔ ڈینش ترجمہ قرآن۔ (عبدالسلام صاحب میڈیسن[۲])
۲۔ اسلام کی بنیادی تعلیم پمفلٹ (نارویجن)
۳۔ نماز مترجم (سویڈش)
۴۔ اسلامی تعلیم کا خاکہ (جناب نسیم سیفی صاحب کی کتاب کا سویڈش ایڈیشن)
۵۔ سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السّلام (مصنفہ حضرت مصلح موعودؓ)
۶۔ حقوقِ نسواں (مصنفہ چوہدری محمد ظفراللہ خانصاحب)
۷۔ حرفِ انتباہ (حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ)۔ (سویڈش اور ڈینش ترجمہ)
۸۔ سیرت النبیؐ (عبدالسّلام میڈیسن)

---

[۱] بحوالہ روزنامہ الفضل ۱۱ر اکتوبر ۱۹۸۲ء ص۶

[۲]۔ ایک پاکستانی اہلِ قلم "ڈنمارک میں اسلام" کے زیرِعنوان تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ عبدالسّلام میڈیسن ہیں جن کی راہنمائی اوّل اوّل کسی پرانے مسلمان نے نہیں کی بلکہ اسلام نے خود انہیں راستہ دکھا دیا ہے۔ اور آج یہ خود پرانے مسلمانوں کی راہنمائی کا فریضہ بھی انجام

اس کتاب پر ملک میں بہت تبصرے شائع ہوئے۔ چنانچہ عیسائیوں کے واحد روزنامہ KRICTELIQ BAG BLADOT نے اپنی ۲۷ مئی ۱۹۶۶ء کی اشاعت میں بینٹ آسٹرگارڈ (BENT OSTER GARD) کے قلم سے اس پر حسب ذیل تبصرہ چھپا :-

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) دے رہے ہیں۔ ایک اسکول میں استاد ہیں۔ جب ان سے قبولِ اسلام کا تذکرہ چھڑا تو کہنے لگے۔ میں نے جب یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو عربی کو بطور مضمونِ زبان لیا تھا عربی پڑھی تو قرآن کا مطالعہ بھی کیا اور پھر اس قدر متأثر ہوا کہ دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا۔" جناب عبدالسلام میڈیسن نے قرآن پاک کا ترجمہ ڈینش زبان میں پہلی مرتبہ کیا ہے۔ وہ یہاں کوپن ہیگن کی بستی رودوور (RAHDHOVER) میں تعمیر کی گئی مسجد میں ہر ہفتے ڈینش زبان میں قرآنِ پاک کا ترجمہ اور تفسیر بیان کرتے ہیں۔ سننے والے ڈینش مسلمان بھی ہوتے ہیں اور دوسرے مسلمان بھی۔ قرآنِ پاک کے ترجمہ کے علاوہ بھی انہوں نے اسلام پر کئی مختصر کتابیں لکھی ہیں۔ حضورؐ کی حیاتِ طیبہ پر بھی تقریباً سو صفحات کی ایک کتاب لکھی ہے۔ اب وہ بچوں کے لئے اسلامی تعلیمات پر مبنی مختصر کتابیں لکھ رہے ہیں۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں اس کی ضرورت اور اہمیت پر یوں روشنی ڈالی۔ اس سلسلے میں دو باتیں پیش نظر ہیں۔ پہلی تو یہ کہ نئے ڈینش مسلمانوں کے بچوں کو اسلام سے واقف کرانا ہے کیونکہ خود یہ نئے مسلمان فی الوقت نہ اتنا علم رکھتے ہیں اور نہ ہی اتنا وقت کہ اپنے بچوں کو اسلام کی صحیح تعلیم دے سکیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں اور یورپ بھر کے اسکولوں میں عام معلومات کے طور پر اسلام کے بارے میں بچوں کو جو کچھ پڑھایا جاتا ہے۔ وہ زیادہ تر گمراہ کن مواد پر مشتمل ہے۔ اس لئے اگر بچوں کو اس موضوع پر پڑھنے کی کچھ صحیح کتابیں مل جائیں تو وہ مستقبل میں اسلام سے راہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔" حقیقت یہ ہے کہ بچوں کے لئے لکھنا کچھ آسان کام نہیں اور وہ بھی مذہب کے موضوع پر۔ لیکن عبدالسلام میڈیسن چونکہ خود اُستاد ہیں۔ اس لئے توقع ہے کہ وہ اس کام کو بھی خوش اسلوبی سے سرانجام دے لیں گے۔ جناب عبدالسلام کوپن ہیگن سے کافی دُور ایک دوسرے شہر میں اقامت پذیر ہیں۔ لیکن دین کی خدمت کا جذبہ انہیں ہر ہفتے باقاعدگی سے اتنی دُور آنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ ہر ہفتے اپنے مقررہ وقت پر آتے ہیں اور حق کے متلاشی لوگوں کی پیاس بجھا کر جاتے ہیں۔ میں نے چند بار ان محفلوں میں شرکت کی اور دیکھا کہ نشست کے دوران ان سے نئے نئے سوالات بھی کئے جاتے ہیں اور وہ خندہ پیشانی سے سب کے جوابات دیتے ہیں۔ اللہ ان کی مدد فرمائے اور انہیں اس کا اجرِ عظیم فرمائے۔" (اخبار "جسارت" کراچی ۲۲ جنوری ۱۹۷۳ء صہ کالم ۲)

اس ماہ مَیں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی زندگی پر چار کُتب پڑھی ہیں۔ ان میں سے ایک مشہور مصنف TORANDRU کی کتاب کا بھی مطالعہ کیا تا عبدالسّلام میڈلین کی کتاب کا موازنہ کرسکوں۔ مَیں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ میڈلین کی تصنیف بہت عُمدہ ہے اور انہوں نے سنجیدگی سے مستند اور غیر مستند روایات میں تمیز کی ہے۔ (ترجمہ)[1]

---

[1] بحوالہ روزنامہ الفضل ۱۴ اپریل ۱۹۷۰ء صفحہ ۴۔

ضمیمہ

تاریخ احمدیت جلد ہشتدہم ۱۸

فہرست قافلہ پاکستان برائے جلسہ سالانہ قادیان (۱۹۵۶ء)

۱۔ بابو اللہ بخش صاحب ولد میاں غلام رسول صاحب راولپنڈی۔
۲۔ احمد دین صاحب ولد ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب ہیڈ سٹور کیپر کھیوڑہ ضلع جہلم۔
۳۔ اللہ رکھی صاحبہ بیوہ مولوی محمد عارف صاحب سرگودہا۔
۴۔ ڈاکٹر امتیاز حسین صاحب ولد حافظ نذیر حسین صاحب پاکپتن ضلع منٹگمری (حال ساہیوال)۔
۵۔ احمد دین صاحب ولد رحیم بخش صاحب بھاگووال ضلع سیالکوٹ۔
۶۔ اللہ دتہ صاحب ولد میاں نظام الدین صاحب جراح تھانیوال ضلع ملتان۔
۷۔ اللہ بخش صاحب ولد چودھری خزانہ صاحب دکاندار برتن فروش سیالکوٹ۔
۸۔ احمد علی صاحب ولد جان محمد صاحب ملیانوالہ ضلع سیالکوٹ۔
۹۔ حاجی اللہ دتہ صاحب ولد حاجی احمد دین صاحب لالہ موسیٰ ضلع گجرات۔
۱۰۔ ابراہیم صاحب ولد حاجی جان محمد صاحب مرحوم ننگل شاہو ضلع سیالکوٹ۔
۱۱۔ شیخ اقبال دین صاحب ولد شیخ چراغ دین صاحب جنرل مرچنٹ بہاول نگر۔
۱۲۔ پیر انوار الدین صاحب ولد پیر اکبر علی صاحب مرحوم مری روڈ راولپنڈی۔

۱۳۔ اشرف علی صاحب ولد چودھری محمد بخش صاحب مرحوم مرالی والا ضلع گوجرانوالہ ۔

۱۴۔ بشیراں بیگم صاحبہ زوجہ مولوی تاج دین صاحب لائل پوری ربوہ۔

۱۵۔ بشیر احمد صاحب مرادپوری ولد محمد علی صاحب چک نمبر ۹۶ گ ب لائل پور۔

۱۶۔ برکت اللہ صاحب ولد مولا بخش صاحب گکھڑ ضلع گوجرانوالہ ۔

۱۷۔ چودھری بشیر احمد صاحب کاٹھ گڑھی ولد عبدالرحیم خان صاحب سیکرٹری بھیرہ بس سرگودہا۔

۱۸۔ ملک بشارت احمد صاحب ولد ملک مولا بخش صاحب مرحوم دفتر آبادی ربوہ

۱۹۔ حاجی بلند بخش صاحب ولد ودھاوا صاحب راؤکے ضلع سیالکوٹ۔

۲۰۔ بشیر احمد صاحب قادیانی ولد امام دین صاحب احمد نگر نزد ربوہ ۔

۲۱۔ مولوی تاج دین صاحب لائل پوری ولد علی گوہر صاحب ربوہ۔

۲۲۔ جمال یوسف صاحب ولد سیٹھ محمد سعید یوسف صاحب ربوہ ۔

۲۳۔ جمال الدین صاحب ولد غلام محمد صاحب چک سکندر ضلع گجرات ۔

۲۴۔ جان محمد صاحب ولد چودھری رحمان صاحب ربیو کے ضلع سیالکوٹ ۔

۲۵۔ چراغ بی بی صاحبہ والدہ مولوی محمد صدیق صاحب لائبریرین ربوہ ۔

۲۶۔ حمیدہ بیگم صاحبہ زوجہ پیر شبیر عالم صاحب گولیکی ضلع گجرات۔

۲۷۔ حمیدہ صابرہ صاحبہ بنت ڈاکٹر فیض علی صاحب صابر مرحوم ربوہ ۔

۲۸۔ سید حسین شاہ صاحب ولد سید فضل شاہ صاحب لکھیانہ جھنگ۔

۲۹۔ خیر الدین صاحب ولد ملک بڈھا صاحب راہوالی ضلع گوجرانوالہ ۔

۳۰۔ حیات بیگم صاحبہ زوجہ مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری ربوہ ۔

۳۱۔ حاجی خدا بخش صاحب ولد چودھری جیون صاحب میانوالی ضلع سیالکوٹ ۔

۳۲۔ حمید احمد صاحب ولد علم دین صاحب دوکاندار احمد نگر نزد ربوہ۔

۳۳۔ خضر حیات صاحب نمبردار ولد امیر صاحب چک منگلا ضلع سرگودہا ۔

۳۴۔ رضا محمود صاحب پسر ملک محمد رفیق صاحب ربوہ۔

۳۵۔ مستری روشن دین صاحب ولد مستری محمد دین صاحب دیالگڑھی ربوہ ۔

۳۶۔ زینت بی بی صاحبہ زوجہ مستری چراغ الدین صاحب احمد نگر نزد ربوہ ۔

۳۷۔ سردار رحمت اللہ صاحب ولد ڈاکٹر فیض علی صاحب صابر ربوہ ۔

۳۸۔ رحیم بخش صاحب ولد چودھری مولا داد صاحب چک چہور ۱۱۷ ضلع شیخوپورہ ۔

۳۹۔ زینب بی بی صاحبہ زوجہ شیخ مراد بخش صاحب مراد کلاتھ ہاؤس لائل پور

۴۰۔ شیخ رحمت اللہ صاحب ولد شیخ جھنڈا صاحب مرحوم لائل پور ۔

۴۱۔ دوست محمد صاحب ولد رائے اللہ یار صاحب ٹھٹھہ جوئیہ ضلع سرگودہا ۔

۴۲۔ زینت بی بی صاحبہ زوجہ پیر محمد صاحب مانگٹ اونچے ضلع گوجرانوالہ ۔

۴۳۔ رشید احمد صاحب ولد خدا بخش صاحب کوٹ مومن ضلع سرگودہا ۔

۴۴۔ رحمت اللہ صاحب ولد حاجی فضل محمد صاحب درویش چک ۶۶ ج ب لائل پور ۔

۴۵۔ مسماۃ روڑی صاحبہ زوجہ علی بخش صاحب بدوملہی ضلع سیالکوٹ ۔

۴۶۔ رحیم داد صاحب ولد محمد خاں صاحب ربوہ ۔

۴۷۔ رشید الدین صاحب ولد عزیز الدین صاحب کرونڈی ریاست خیر پور میرس ۔

۴۸۔ سمیع اللہ صاحب ریاض ولد سراج الدین صاحب درویش دارالصدر ربوہ ۔

۴۹۔ سکینہ بیگم صاحبہ زوجہ محمد ظہور خاں صاحب احمد نگر نزد ربوہ ۔

۵۰۔ سردار بیگم صاحبہ زوجہ شیخ محمد دین صاحب سابق مختار عام ربوہ ۔

۵۱۔ سید سردار حسین شاہ صاحب ولد سید عارف حسین شاہ صاحب ربوہ ۔

۵۲۔ سردار احمد صاحب نابینائی ولد علم دین صاحب دارالرحمت ربوہ

۵۳۔ شیخاں بیگم صاحبہ زوجہ محمد بشیر صاحب صراف سیالکوٹ ۔

۵۴۔ ملک شادی خاں ولد امیر بخش صاحب مرحوم سیالکوٹ شہر ۔

۵۵۔ سلطان علی خاں صاحب ولد نعمت علی خاں صاحب چاہ بھاگووالہ ملتان شہر ۔

۵۶۔ سلطان احمد صاحب ولد چودھری نور علی صاحب مرحوم انسپکٹر بیت المال ربوہ ۔

۵۷۔ شریف احمد صاحب ولد میاں محمد مراد صاحب حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ ۔

۵۸۔ سردار احمد صاحب ولد میاں چودھری غلام علی صاحب مرحوم چک ۴۰۸ ج ب لائل پور ۔

۵۹۔ ڈاکٹر سعید احمد صاحب ولد میاں فیروز الدین صاحب انچارج سول ہسپتال کھاریاں۔
۶۰۔ صادقہ خانم صاحبہ زوجہ ملک محمد رفیق صاحب دارالصدر ربوہ۔
۶۱۔ صدیق احمد صاحب پسر عطا محی الدین صاحب جنڈانوالہ ۱۹۵ لائل پور۔
۶۲۔ صالحہ درد بیگم صاحبہ بنت مولانا عبدالرحیم صاحب درد مرحوم لاہور۔
۶۳۔ گیانی عباد اللہ صاحب مینیجر روزنامہ الفضل ربوہ۔
۶۴۔ چودھری عبدالحق صاحب ولد چودھری اللہ دتہ صاحب نواں کوٹ ۹ شیخو
۶۵۔ حافظ عبدالسلام صاحب ولد میاں حیات علی صاحب مرحوم وکیل الاعلیٰ ربوہ۔
۶۶۔ عبدالرشید صاحب انباوی ولد بابو عبدالغنی صاحب مرحوم دارالرحمت ربوہ۔
۶۷۔ مستری عبدالمجید صاحب ولد مستری عبدالغفور صاحب درویش محلہ الف ربوہ۔
۶۸۔ عبدالمجید خانصاحب ولد محمد ظہور خاں صاحب احمد نگر نزد ربوہ۔
۶۹۔ عبدالمنان صاحب ولد ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب دہلوی دارالصدر غربی ربوہ۔
۷۰۔ عبدالمجید خاں صاحب آف ویرووال حال محلہ دارالنصر ربوہ۔
۷۱۔ چودھری عطاء اللہ صاحب ولد نبی بخش صاحب چک ۳۸ سرگودہا
۷۲۔ عنایت اللہ صاحب ولد محمد عبداللہ صاحب فاروق کٹلری ورکس نظام آباد گوجرانوالہ۔
۷۳۔ چودھری عبدالکریم صاحب کاٹھگڑھی ولد عبدالعزیز خاں صاحب محلہ واٹر ورکس سیالکوٹ۔
۷۴۔ ڈاکٹر عبدالکریم صاحب ولد مولا بخش صاحب مرحوم چک ۹۶ گ ب لائل پور۔
۷۵۔ مولوی عبدالعزیز صاحب بھامبڑی ولد چودھری عبدالکریم صاحب دارالصدر شرقی ربوہ۔
۷۶۔ عبدالرحمٰن صاحب زرگر ولد حاجی میاں محمد یوسف صاحب مرحوم پنڈی چیری ضلع شیخوپورہ۔
۷۷۔ مرزا عبدالحق صاحب ولد قادر بخش صاحب مرحوم ایڈووکیٹ سرگودہا۔
۷۸۔ حکیم عبدالعزیز صاحب ولد محمد اسماعیل صاحب چک چٹھہ ضلع گوجرانوالہ۔
۷۹۔ عبدالرحمٰن صاحب ولد خواجہ عبدالصمد صاحب پنساری گوجر خاں ضلع راولپنڈی۔
۸۰۔ عبدالخالق صاحب ولد عبدالماجد صاحب چک ۱۶۸/۱۷۱ شمالی ضلع سرگودہا۔
۸۱۔ عبدالرحیم صاحب ولد حکیم محمد الدین صاحب کچہری بازار اوکاڑہ۔

۸۲۔ عبداللطیف خانصاحب ولد چودھری جلال خاں صاحب محلہ کشمیری سیالکوٹ۔
۸۳۔ ڈاکٹر عبدالغنی صاحب کڑک ولد محمد بخش صاحب سول لائن گوجرانوالہ۔
۸۴۔ عبدالرحمٰن صاحب ولد امام الدین صاحب مرحوم ڈسکہ ضلع سیالکوٹ۔
۸۵۔ عبدالمالک صاحب ولد حافظ احمد دین صاحب مرحوم چک سکندر ضلع گجرات۔
۸۶۔ صُوفی عبدالغفور صاحب ولد بابو غلام محمد صاحب مرحوم داؤد خاص ضلع سیالکوٹ۔
۸۷۔ عبدالحق صاحب ولد محمد جمال صاحب ساکن نرگڑی ضلع گوجرانوالہ۔
۸۸۔ عبدالغنی صاحب زرگر ولد اللہ رکھا صاحب پیر محل ضلع لائل پور۔
۸۹۔ شیخ عبدالواحد صاحب ولد منشی ننھو شاہ صاحب دھرم پورہ لاہور۔
۹۰۔ مولوی عزیز الرحمٰن صاحب ولد غلام محمد صاحب چک منگلا ضلع سرگودہا۔
۹۱۔ عبدالرحمٰن صاحب ولد محمد مقیم صاحب باندھی نواب شاہ سندھ۔
۹۲۔ علی احمد صاحب ولد چودھری علی محمد صاحب مرحوم چک ۲۹۷ ج ب لائل پور۔
۹۳۔ نُور احمد صاحب ولد نبی بخش صاحب دفتری خزانہ صدر انجمن احمدیہ ربوہ۔
۹۴۔ مستری عبدالرحمٰن صاحب ولد علیم اللہ صاحب مرحوم حافظ آباد گوجرانوالہ۔
۹۵۔ علی احمد صاحب ولد رحیم بخش صاحب ٹھیکیدار لکڑی ربوہ۔
۹۶۔ قاضی عبدالرحمٰن صاحب امیر جماعت احمدیہ دوالمیال ضلع جہلم۔
۹۷۔ عبدالقادر خاں صاحب ولد عبدالعزیز خاں صاحب ڈی۔سی آفس بہاولنگر۔
۹۸۔ عبدالعلی صاحب ولد غلام نبی صاحب دھرم پورہ لاہور۔
۹۹۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر امیر جماعت ہائے احمدیہ ڈیرہ غازیخاں۔
۱۰۰۔ حافظ عنایت اللہ صاحب شبنم ولد اللہ رحم صاحب پیرس روڈ سیالکوٹ۔
۱۰۱۔ قریشی عبدالقادر صاحب ولد غلام قادر صاحب ڈیسنٹ کلاتھ ہاؤس اوکاڑہ۔
۱۰۲۔ عبدالغنی صاحب ولد چودھری لال دین صاحب پٹواری مال ڈوگری گھمناں سیالکوٹ۔
۱۰۳۔ چودھری عنایت اللہ صاحب ولد چودھری ثناء اللہ صاحب بہلول پور سیالکوٹ۔
۱۰۴۔ عطا محمد صاحب ولد منشی اللہ دتہ صاحب جاملکے چیمہ ضلع سیالکوٹ۔

۱۰۵۔ بابو غلام حسین صاحب اوورسیر مینیجر نصرت سروس کمپنی ربوہ ۔

۱۰۶۔ غلام رسول صاحب ولد عبدالرزاق صاحب ٹھیکیدار ربوہ ۔

۱۰۷۔ غلام فاطمہ صاحبہ زوجہ احمد دین صاحب مرحوم سمبڑیال ضلع سیالکوٹ ۔

۱۰۸۔ مولوی غلام باری صاحب سیف ولد حکیم چراغ الدین صاحب کوارٹر تحریک جدید ربوہ ۔

۱۰۹۔ غلام احمد صاحب ولد کرم بخش صاحب گکھڑ ضلع گوجرانوالہ ۔

۱۱۰۔ غلام محمد صاحب ٹیچر ولد محمد بوٹا صاحب مرحوم محلہ صرافاں شاہدرہ ۔

۱۱۱۔ غلام رسول صاحب ولد شیر محمد صاحب مرحوم $\frac{146}{E.B}$ نور ایگریکلچرل فارم ملتان ۔

۱۱۲۔ چودھری غلام احمد خاں صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ پاکپتن ضلع منٹگمری

۱۱۳۔ مولوی غلام احمد صاحب فرّخ مربّی سلسلہ احمدیہ سکھر ۔

۱۱۴۔ غلام محمد صاحب ولد چودھری نبی بخش صاحب علی پور چک ۶ ضلع لاہور ۔

۱۱۵۔ چودھری غلام محمد صاحب ولد چودھری ولایت خاں صاحب پوہلا مہاراں ضلع سیالکوٹ ۔

۱۱۶۔ غلام احمد صاحب ولد اللہ دتّہ صاحب کلاتھ مرچنٹ بدوملہی سیالکوٹ ۔

۱۱۷۔ سیّدہ فاطمہ بانو صاحبہ زوجہ محمد یحییٰ خانصاحب مرحوم دارالصدر ربوہ

۱۱۸۔ میاں فضل الٰہی صاحب ولد عبدالعزیز صاحب خانیوال ضلع ملتان ۔

۱۱۹۔ کرم بی بی صاحبہ والدہ مولوی محمد حفیظ صاحب بقاپوری ربوہ ۔

۱۲۰۔ فضل حسین صاحب ولد اللہ جوایا صاحب چھبور کوٹلی ضلع سیالکوٹ ۔

۱۲۱۔ قائم الدین صاحب ولد اللہ وسایا صاحب ریلوے کوارٹرز قصور ۔

۱۲۲۔ سیّد فیاض حیدر صاحب ولد سیّد نذیر حیدر صاحب سیالکوٹ شہر ۔

۱۲۳۔ فیروز الدین صاحب ولد فقیر محمد صاحب انسپکٹر تحریک جدید وکیل المال ربوہ ۔

۱۲۴۔ فضل الدین صاحب ولد عمر دین صاحب منڈی چوہڑ کانہ ۔

۱۲۵۔ فتح محمد صاحب ولد عمر الدین صاحب مرحوم رام گڑھ لاہور ۔

۱۲۶۔ فضل کریم صاحب ولد چودھری عمر الدین صاحب ٹیلر مسجد احمدیہ لائل پور ۔

۱۲۷۔ قمر الدین صاحب ولد جیون خاں صاحب گوٹھ قمر الدین موڑو سندھ ۔

۱۲۸۔ شیخ فضل الرحمٰن صاحب پراچہ ولد میاں محمد امین صاحب سرگودہا۔
۱۲۹۔ لطیف احمد صاحب ولد محمد حسین صاحب درویش دارالرحمت غربی ربوہ۔
۱۳۰۔ مسماۃ لال پری صاحبہ والدہ شیر احمد خاں صاحب افغان درویش ربوہ۔
۱۳۱۔ لال دین صاحب ولد علی بخش صاحب مرحوم بدوملہی سیالکوٹ۔
۱۳۲۔ سید محمد اقبال حسین شاہ صاحب بی اے بی ٹی طارق منزل دارالصدر ربوہ۔
۱۳۳۔ مستری محمد اسمٰعیل صاحب ولد مستری نواب دین صاحب دارالصدر ربوہ۔
۱۳۴۔ شیخ محمد عمر وہرہ صاحب ولد شیخ فضل کریم صاحب وہرہ کراچی حال ربوہ۔
۱۳۵۔ شیخ محمد اسمٰعیل صاحب ولد میاں شاہ دین صاحب لالہ موسیٰ گجرات۔
۱۳۶۔ محمد سلیم صاحب ولد ملک محمد ابراہیم صاحب لالہ موسیٰ گجرات۔
۱۳۷۔ محمد عیسیٰ ظفر صاحب ولد چودھری محمد یوسف صاحب احمد نگر نزد ربوہ۔
۱۳۸۔ مودود احمد صاحب ولد نواب زادہ مسعود احمد خاں صاحب دارالصدر ربوہ۔
۱۳۹۔ نذیر بیگم صاحبہ بنت فضل الدین صاحب مرحوم ربوہ۔
۱۴۰۔ مستری ناظر دین صاحب ولد جھنڈا صاحب مرحوم احمد نگر نزد ربوہ۔
۱۴۱۔ نواب دین صاحب ولد عبداللہ صاحب ٹرنک ساز چنیوٹ۔
۱۴۲۔ نذیر احمد صاحب ولد حبیب اللہ صاحب بزاز لاہور۔
۱۴۳۔ نصیر احمد بشیر صاحب ولد چودھری بشیر احمد صاحب لیکچرار تعلیم الاسلام کالج ربوہ۔
۱۴۴۔ چودھری عبدالقادر صاحب ولد چودھری ملّھن صاحب مرحوم ماہنی شال ضلع ملتان۔
۱۴۵۔ نثار احمد صاحب ولد قریشی فقیر محمد صاحب مرحوم کوٹھی موراں والی ڈسکہ۔
۱۴۶۔ نور الحق صاحب بٹ ولد خواجہ عبدالحق صاحب دکان دار گوجرہ لائل پور۔
۱۴۷۔ محمد ابراہیم صاحب ناصر لیکچرار تعلیم الاسلام کالج ربوہ۔
۱۴۸۔ صوفی محمد ابراہیم صاحب ولد بابو عطاء اللہ صاحب مرحوم سابق ہیڈ ماسٹر ربوہ۔
۱۴۹۔ محمد عبداللہ صاحب ولد عمر الدین صاحب مرحوم حجام ربوہ۔
۱۵۰۔ سید مسعود احمد صاحب ولد حضرت میر محمد اسحٰق صاحب مرحومؓ ربوہ۔

۱۵۱۔ محمد ابراہیم صاحب شاؔد ولد اللہ دتہ صاحب ٹیچر چک چہور ۱۱۷ ضلع شیخوپورہ۔
۱۵۲۔ مرزا محمد صادق صاحب ولد مرزا حسین بیگ صاحب گوجرہ حال ربوہ۔
۱۵۳۔ قریشی محمد صادق صاحب ولد امام الدین صاحب۔
۱۵۴۔ شیخ محمد عبداللہ صاحب ولد ڈاکٹر شیخ محمد یوسف صاحب ہاکورا ورکس وزیر آباد۔
۱۵۵۔ محمد ابراہیم صاحب ولد بھگو المعروف علم دین صاحب وزیر آباد۔
۱۵۶۔ محمد احمد حاؔمی صاحب ایم ایس سی مینجر اسٹار فروٹ پراڈکٹس ربوہ۔
۱۵۷۔ محمد اسحٰق خلیؔل صاحب ولد ماسٹر محمد ابراہیم صاحب خلیؔل ربوہ۔
۱۵۸۔ محمد یامین صاحب ولد محمد اسمٰعیل صاحب کلرک دارالرحمت وسطی ربوہ۔
۱۵۹۔ چودھری محمد شفیع صاحب ولد محمد اسمٰعیل صاحب کلرک ڈی سی آفس گوجرانوالہ۔
۱۶۰۔ محمد عبداللہ صاحب ولد خیرالدین صاحب مسجد احمدیہ گوجرانوالہ۔
۱۶۱۔ مبارک احمد صاحب ولد شیخ عنایت اللہ صاحب دکاندار محلہ اسلام آباد سیالکوٹ۔
۱۶۲۔ محمد علی طاہر صاحب ولد حکیم مہر دین صاحب ملازم محکمہ بجلی لائل پور۔
۱۶۳۔ محمد نصیر باجوہ صاحب ولد حیات محمد صاحب مرحوم انسپکٹر تحریک جدید ربوہ۔
۱۶۴۔ محمد اسلم صاحب ولد فیض احمد صاحب قصاب پوتا بابا صدرالدین صاحب درویش گولبازار ربوہ۔
۱۶۵۔ منیرالدین صاحب ولد میاں قمرالدین صاحب مرحوم گوجرانوالہ حال ربوہ۔
۱۶۶۔ شیخ محمدالدین صاحب ولد شیخ قطب الدین صاحب مرحوم گوجرانوالہ حال ربوہ۔
۱۶۷۔ محمد عطاء ربی صاحب ولد فضل احمد صاحب گول بھوانہ بازار لائل پور۔
۱۶۸۔ محمد بشیر صاحب ولد میاں اللہ دتہ صاحب صراف سیالکوٹ۔
۱۶۹۔ قریشی محمد سعید صاحب ولد قریشی محمد حنیف صاحب ربوہ۔
۱۷۰۔ محمد عمر صاحب سندھی شاہؔد بی اے آنرز ربوہ۔
۱۷۱۔ محمد عبداللہ صاحب ولد صالح محمد صاحب چک منگلا ضلع سرگودہا۔
۱۷۲۔ محمد صادق صاحب ولد چودھری نور محمد صاحب چک ۵۵/۲۔ایل اوکاڑہ۔
۱۷۳۔ ڈاکٹر محمد حفیظ خاں صاحب ولد ڈاکٹر حبیب اللہ خاں صاحب مغل پورہ لاہور۔

۱۷۴۔ محمود احمد صاحب ولد محمد حسین صاحب قلعہ صوبا سنگھ ضلع سیالکوٹ ۔
۱۷۵۔ منشی محکم دین صاحب ولد وریام خاں صاحب باڈہ ضلع لاڑکانہ سندھ ۔
۱۷۶۔ محمد حسین صاحب ولد میراں بخش صاحب مرحوم صراف ڈسکہ سیالکوٹ ۔
۱۷۷۔ ملک محمد شفیع صاحب ولد ملک خدا بخش صاحب مرحوم ریل بازار لائل پور ۔
۱۷۸۔ محمد عیسیٰ صاحب ولد ماہی صاحب مرحوم راجہ جنگ لاہور ۔
۱۷۹۔ محمد صدیق صاحب ولد حبیب اللہ زرگر صاحب پیر محل لائل پور ۔
۱۸۰۔ منظور احمد صاحب ولد احمد دین صاحب داتہ زید کا ضلع سیالکوٹ ۔
۱۸۱۔ محمد فیروز صاحب ولد نور محمد صاحب درزی مانگٹ اُونچے گوجرانوالہ ۔
۱۸۲۔ شیخ محمد شریف صاحب ولد نبی بخش صاحب نمک ڈیلر بدوملہی سیالکوٹ ۔
۱۸۳۔ عبد الحلیم صاحب ولد چودھری مراد علی صاحب انگلش ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول جہلم ۔
۱۸۴۔ محمد صدیق صاحب ولد میاں کرم الٰہی صاحب پریذیڈنٹ دھرم پورہ لاہور ۔
۱۸۵۔ محمد رشید صاحب ولد محمد صاحب مرحوم چک ۳۶۶/ ٹی آئی بی ضلع ملتان ۔
۱۸۶۔ محمد رفیق صاحب ولد میاں کرم الٰہی صاحب پریذیڈنٹ دھرم پور لاہور ۔
۱۸۷۔ منوّر احمد صاحب ولد مولوی محمد ابراہیم صاحب قادیانی درویش دھرم پورہ ۔
۱۸۸۔ ایم عبد الرحمٰن صاحب ولد میاں محمد بخش صاحب ڈیرہ غازیخاں ۔
۱۸۹۔ محمد حسین صاحب ولد امام الدین صاحب محلّہ اراضی یعقوب سیالکوٹ ۔
۱۹۰۔ ملک محمد عاشق صاحب ولد ملک محمد شریف صاحب بھینی شرقپور شیخوپورہ ۔
۱۹۱۔ محمد یعقوب صاحب ولد ابراہیم صاحب اندرون بوہڑ گیٹ ملتان ۔
۱۹۲۔ مولوی محمد احمد صاحب جلیل ولد مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم ربوہ ۔
۱۹۳۔ شیخ محمد اقبال صاحب پراچہ ولد میاں محمد امین صاحب پراچہ مینیجر یونائٹیڈ ٹرانسپورٹ سرگودہا ۔
۱۹۴۔ میاں نواب دین صاحب ولد فوج دار خاں صاحب کچا گولبازار ربوہ ۔
۱۹۵۔ مستری نور محمد صاحب ولد گلاب دین صاحب مرحوم مغل پورہ لاہور ۔

۱۹۶۔ نذیر احمد صاحب ولد محمد عالم صاحب مرحوم منڈی بہاؤالدین گجرات
۱۹۷۔ دین محمد صاحب ولد امیر بخش صاحب عینو والی سیالکوٹ۔
۱۹۸۔ زینب بیگم صاحبہ بیوہ ڈاکٹر غلام علی صاحب مرحوم زراعتی کالج لائل پور۔
۱۹۹۔ مرزا واحد حسین صاحب ولد مرزا حسین بیگ صاحب راہوالی ضلع گوجرانوالہ۔
۲۰۰۔ بابو محمد بخش صاحب ولد چودھری فضل دین صاحب مرحوم دارالنصر ربوہ۔

زائد

۱۔ مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری پرنسپل جامعۃ المبشرین ربوہ۔
۲۔ عطاء الکریم صاحب شاہد پسر مولانا ابوالعطاء صاحب ربوہ۔
۳۔ سردار بشیر احمد صاحب ایس ڈی او لاہور۔
۴۔ چودھری ظہور احمد صاحب آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ ربوہ۔
۵۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب ربوہ۔[1]

---

[1] روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۵ تا ۸۔

پاکستان فورم آف لائبیریا کے انتخابات کے سلسلہ میں
اخبار لائبیرین سٹار کی خبر کا متن

PAKISTANI FORUM ELECTS OFFICERS

The Pakistan Forum of Liberia has elected officers for the year 1974-75.

They are Mr. Ch. Rashid-Ud-din, president; Mr. Raffique Ahmed Butt, secretary-general, re-elect; Mr. Sh. Z.M. Shakeel, treasurer; and Mr. Idrees Ahmed Bashir.

The new officers pledged to continue the good works of their predecessors in maintaining the existing relationship between the Forum and Liberia.

They also assured that they would work cooperatively toward the upliftment of the Forum and continue to participate in worthy programmes in the Forum's contribution toward the social and economic progress of Liberia.

The Forum was formed through the inspiration of the Pakistan Ambassador to Liberia and Ghana, His Excellency S.A. Moid in 1973. His motive was to bring all Pakistani residents in Liberia under one umbrella to contribute their quota toward the social economic development of their country of residence.

It is a non-political and non-profit making organization whose objectives are to create mutual understanding, friendship and unity between Pakistani residents here and the people of Liberia.

With this new line-up of hardworking gentlemen as its officers, it is hoped the Forum will intensify its untiring contributions toward worthy causes.

پاکستانی سفیر جناب ایس اے معید کے خطوط:۔

EMBASSY OF PAKISTAN
P. O BOX 1114
ACCRA
9th December 1974

No. Amb-28/74

Mr. Rashiduddin,
President,
Pakistan Forum of Liberia,
P.O. Box 618,
Monrovia
(Liberia)

SUB:– PUBLICITY ON THE OCCASION OF "THREE YEARS OF PEOPLE'S RULE"

Dear Sir,

I thank you for your letter of 24th October and for your thoughtfulness to keep me informed of the progress of Forum's activities. It is indeed gratifying to learn of the succes of the meeting you organised on 20th October and I have every hope that all Pakistan nationals will continue to emulate the lead given by you in supporting the Forum not only for propogating the right image of Pakistan but also for better understanding of the local people for the people of Pakistan.

I have separately informed you of my plans to visit Monrovia from January 2 to 5 next.

I am writing this to say that this month the People's Regime is completing three years of democratic rule in Pakistan. On this occasion we should try to project the achievements of the People's Rule. I am therefore, enclosing an article on "Minorities in Pakistan" which you may kindly try to be covered in one of your local dailies within this month. As and when the article may appear, please let us have 15 copies of the newspaper.

Thanking you,

Yours faithfully,

Sd/-
(S.A. MOID)
AMBASSADOR

EMBASSY OF PAKISTAN
P.O. BOX 1114
ACCRA

REGISTERED
BY AIR MAIL

No. Amb-13/75

September 4, 1975

My dear Choudhry Rashid Sahib,

This is to acknowledge with thanks the receipt of two packets of the Liberian Star of August 16 & 18, 1975 containing the articles on Pakistan giving an adequate coverage to the function held to celebrate the twenty eight anniversary of the Independance Day on August 14, 1975. We very much appreciate your efforts in mobilising the press and hope that you will continue the good job you are doing for Pakistan.

2. The Ambassador of Pakistan His Excellency Mr. S.A.H. Ahsani, will be arriving Monrovia from Freetown by Nigeria Airways Flight at 1345 hours (1.45 p.m.) on September 22, 1975. I am taking this opportunity to inform you about his programme of visit and hope that you will make appropriate arrangements for His Excellency's reception, Hotel reservation at Monrovia and make his stay as confortable as possible. His Excellency Mr. Ahsani will be staying at Monrovia for a week and is scheduled to leave for Accra on the 4th October, 1975 by Nigeria Airways Flight at 1455 (2.55 p.m.). Our letter of even number dated September 3, 1975 may be replaced by this letter.

With best wishes and kind regards,

Yours sincerely,

Sd/-
(S. Hyderul Hason)
First Secretary.

Mr. Ch. Rashiduddin,
President,
Pakistan Forum of Liberia,
P.O. Box 618,
MONROVIA (LIBERIA).

جلسہ سالانہ ربوہ ۱۹۵۵ء کے روح پرور مناظر (متعلقہ صفحہ ۱۶۳)

۱۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ افتتاحی خطاب سے قبل (السید محمد سلیم الجابی الشامی تلاوت کر رہے ہیں)

۲ - حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحبؓ کی زیر صدارت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب
وکیل التبشیر تقریر فرما رہے ہیں۔ (۲۷ر دسمبر اجلاس اوّل)

۳ ۔ خالدِ احمدیت ملک عبدالرحمٰن صاحبؒ خادم گجراتی تقریر فرما رہے ہیں ۔ زیرِ عنوان "عقائدِ احمدیت پر اعتراضات اور اس کا جواب"۔ (۲۷ دسمبر اجلاس اوّل)

حضرت اقدس سیدنا حضرت مسیح موعود کا ایک یادگار فوٹو (متعلقہ صفحہ ۱۹۸)

کھڑے دائیں سے بائیں :- ۱ - ؟ ۲ - حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ عرفانی مدیر الحکم۔ ۳ - ؟ ۴ - حضرت چوہدری مولا بخش صاحب سیالکوٹی (والد ڈاکٹر شاہنواز خاں صاحب)۔ ۵ - ؟ - ۶ - حضرت ڈاکٹر فیض علی صاحب صابر - مینجر بدر -

کرسیوں پر دائیں سے بائیں :- ۱ - حضرت منشی عبدالعزیز صاحب دہلوی مصنف "مرزا حیرت کی حیرانی"۔ ۲ - حضرت ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب گوڑیانی - ۳ - حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام - ۴ - ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحبؓ - ۵ - حضرت مرزا نیاز بیگ صاحبؓ کلانوری (والد ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب)

نیچے فرش پر :- ۱ - ؟ - ۲ - حضرت چوہدری رستم علی صاحب کورٹ انسپکٹر مدار ضلع جالندھر - ۳ - حضرت منشی محمد اروڑے خاں صاحب کپورتھلوی - ۴ - حضرت منشی کرم علی صاحب کاتب - ۵ - چوہدری فضل دین صاحب -

معتکفین بیتِ مُبارک قادیان ۔ ۲۰ مئی ۱۹۵۵ء (متعلقہ صفحہ ۲۸۲)

کھڑے (دائیں سے بائیں) ۔ ۱۔ جناب محمد احمد صاحب نسیم مالاباری درویش قادیان ۔ ۲۔ حضرت حاجی محمد الدین صاحب رح تہالوی درویش قادیان ۔ ۳۔ خالد احمدیت حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب رح جالندھری امیر المعتکفین ۔ ۴۔ جناب صدیق امیر علی صاحب منگلوری ۔ ۵۔ یونس احمد صاحب اسلم قریشی واقفِ زندگی (ابن ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم مرحوم امیر المجاہدین بیٹے) درویش قادیان

بیٹھے ہوئے (دائیں سے بائیں) ۱۔ مولوی فضل الدین صاحب بنگوی مرحوم ۔ ۲۔ مکرم محمد علوی صاحب مالاباری قادیان

۳۔ بابا جان محمد صاحب سیالکوٹی درویش قادیان ۔

قصرِ خلافت ربوہ میں ایک مبارک تقریب (متعلقہ صفحہ ۳۱۰)

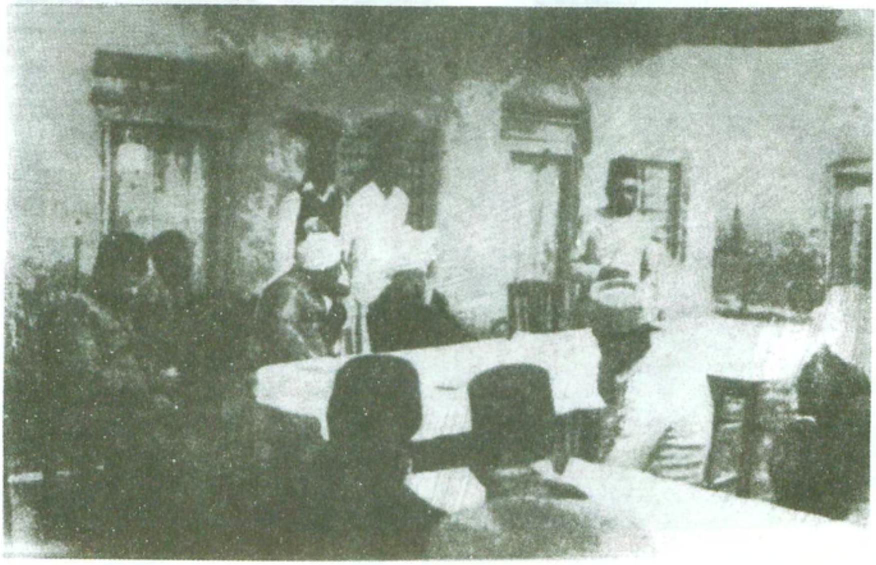

حضرت مصلح موعود کے بائیں طرف حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب تقریر کر رہے ہیں۔ حضور کے دائیں جانب ۔ ۱۔ مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری پرنسپل جامعہ احمدیہ و مدیر الفرقان ۔ ۲۔ ؟ ۳۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر۔

بیت الفضل لندن میں نماز کا ایک نظارہ (متعلقہ صفحہ ۳۱۲)

۱ - ۹ - ۲ مولوی مبارک احمد صاحب ساقی۔ ۳۔ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) ۴۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب واقف زندگی لنڈن۔ ۵۔ سید محمود احمد صاحب ناصر (خلف حضرت سید میر محمد اسحٰق صاحب) ۶ تا ۹ ؟

مسٹر ٹب مین صدر لائبیریا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ (متعلقہ ص ۳۶۵)

گورنمنٹ ہاؤس منرویا

دائیں سے بائیں :-۱۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر۔ ۲۔ ٹب مین صدر لائیبیریا۔ ۳۔ چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ سابق امام بیت الفضل لنڈن۔ ۴۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ
۵۔ چوہدری محمد علی صاحب مضطر ایم۔اے سابق پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ۔

جامعۃ المبشرین ربوہ میں ایک اہم استقبالیہ تقریب (متعلقہ صفحہ ۳۸۴)

(نیچے دائیں سے بائیں) ۱۔ مسٹر محمد یعقوب صاحب آف ٹرینیڈاڈ مرحوم (مبلغ ٹرینیڈاڈ) ۲۔ عبدالعزیز جمن بخش صاحب آف ڈچ گیانا (مبلغ ڈچ گیانا) ۳۔ شیخ عمری عبیدی صاحب مرحوم (مبلغ ٹانگانیکا) ۴۔ مسٹر علی صالح صاحب ٹبورا۔ ۵۔ مولوی یوسف عثمان صاحب کمبولایا۔ ۶۔ مولوی محمد عثمان صاحب چینی (مبلغ سنگاپور) ۷۔ مولوی عبدالوہاب بن آدم صاحب (امیر و مشنری انچارج غانا)۔

(کرسیوں پر دائیں سے بائیں) ۱۔ حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ۔ ۲۔ مولوی محمد شریف صاحب سابق مبلغ بلاد عربیہ۔ ۳۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب۔ ۴۔ حضرت مصلح موعودؓ۔ ۵۔ میاں عبدالرحیم احمد صاحب (وکیل التعلیم) ۶۔ مولانا ابوالعطاء صاحب پرنسپل جامعۃ المبشرین۔ ۷۔ مولوی محمد احمد صاحب جلیل پروفیسر جامعۃ المبشرین (حال ناظم دارالقضاء)

(پیچھے پہلی قطار میں کھڑے۔ دائیں سے بائیں)۔ صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب (ابن حضرت مصلح موعود) مرحوم۔ ۲۔ مولوی محمد عمر صاحب سندھی ۳۔ شیخ اشتیاق علی صاحب لاہور۔ ۴۔ مرزا لطف الرحمٰن صاحب انور (مبلغ جرمنی۔ ٹوگولینڈ۔ غانا)۔ ۵۔ عبدالرشید شریف صاحب ابن مولوی محمد شریف صاحب (حال ڈپٹی سیکرٹری فائننس پنجاب) ۶۔ حضرت مولوی عطا محمد صاحب مرحوم استاذ الجامعہ۔ ۷۔ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب ریاض مرحوم۔ ۸۔ مولوی

محمد احمد صاحب ثاقب استاذ الجامعہ۔ ۹۔ مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب استاذ الجامعہ۔ ۱۰۔ مولوی غلام باری صاحب سیف استاذ الجامعہ۔ ۱۱۔ مولوی حکیم محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم استاذ الجامعہ۔ ۱۲۔ قریشی مقبول احمد صاحب (سابق مبلغ لنڈن و ایوری کوسٹ) ۱۳۔ مولوی سلطان محمود صاحب انور (حال ناظر اصلاح و ارشاد)۔ ۱۴۔ حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے (سابق بانی احمدیہ مشن انگلستان و ناظر اعلیٰ) ۱۵۔ کیپٹن محمد حسین صاحب چیمہ محافظ خاص حضرت مصلح موعودؓ (حال لنڈن)

(دوسری قطار) ۱۔ چوہدری عبدالرحیم صاحب برادر اکبر مولوی محمد صدیق صاحب انچارج خلافت لائبریری ربوہ۔ ۲۔ مولوی مقبول حسین صاحب ضیاء مربی سلسلہ احمدیہ۔ ۳۔ خان بشیر احمد خان صاحب رفیق (سابق امام بیت الفضل لنڈن حال ایڈیشنل وکیل التصنیف لنڈن۔ ۴۔ مولوی بشیر احمد صاحب شمس (سابق مبلغ نائیجیریا۔ جرمن)۔ ۵۔ مولوی محمد اشرف ممتاز صاحب (حال مربی سلسلہ فیصل آباد) ۶۔ آغا سیف اللہ صاحب مربی سلسلہ (حال مینجر روزنامہ الفضل ربوہ) ۷۔ مولوی بشیر احمد صاحب قمر (سابق مبلغ غانا) ۸۔ مولوی احمد صادق صاحب بنگالی (مربی سلسلہ بنگلا دیش) ۹۔ مولوی منیر الدین احمد صاحب (سابق مبلغ کینیا، مشرقی افریقہ۔ سویڈن) ۱۰۔ ملک غلام نبی صاحب (سابق مبلغ سیرالیون۔ غانا) ۱۱۔ مولوی عبدالرشید صاحب رازی (سابق مبلغ غانا۔ تنزانیہ۔ فجی) ۱۲۔ مولوی عبدالحکیم صاحب اکمل (مبلغ ہالینڈ) ۱۳۔ مولوی فضل الٰہی صاحب انوری (سابق مبلغ غانا، جرمنی)۔

(تیسری قطار) ۱۔ حکیم مولوی نذیر احمد صاحب ریحان (حال مربی سلسلہ ملتان) ۲۔ سید رفیق احمد صاحب گجراتی۔ (عربی ٹیچر) ۳۔ چوہدری رشید الدین صاحب (سابق مبلغ نائیجیریا۔ لائیبیریا) ۴۔ مولوی محمد بشیر صاحب شاد (سابق مبلغ سیرالیون) ۵۔ مولوی اقبال احمد صاحب غضنفر (سابق مبلغ سیرالیون) ۶۔ سید کمال یوسف صاحب (مبلغ سکنڈے نیویا) ۷۔ مولوی منیر احمد صاحب عارف (سابق مبلغ برما، نائیجیریا) ۸۔ قریشی عبدالرحمٰن صاحب سیلونی (سابق مبلغ سیلون) ۹۔ شیخ نذیر احمد صاحب بشیر حیدر آبادی سابق مبلغ انگلستان۔ ۱۰۔ محمود احمد صاحب میرپوری مرحوم۔

(چوتھی قطار) ۱۔ شیخ رشید احمد اسحٰق صاحب (سابق مبلغ ڈچ گی آنا) ۲۔ حافظ محمد سلیمان صاحب (سابق مبلغ مشرقی افریقہ) ۳۔ امین اللہ خاں صاحب سالک (سابق مبلغ امریکہ و لنڈن) ۴۔ مولوی محمد اکبر افضل صاحب (سابق مربی سلسلہ حال راولپنڈی) ۵۔ میر غلام احمد صاحب نسیم (سابق مبلغ سیرالیون۔ گیانا۔ زیمبیا) ۶۔ مولوی فاروق احمد صاحب حال مربی سلسلہ بنگلہ دیش) ۷۔ مولوی رشید احمد صاحب سرور (سابق مبلغ ٹانگانیکا)۔

آخری قطار:۔ ۱۔ سردار مقبول احمد صاحب ذبیح (مبلغ مشرقی افریقہ) ۲۔ مولوی نظام الدین صاحب مہمان (سابق مبلغ سیرالیون) ۳۔ مولوی محمد طفیل صاحب منیر (سابق مربی سلسلہ احمدیہ) ۴۔ صلاح الدین خان صاحب بنگالی (سابق مبلغ ہالینڈ)

حضرت فضلِ عمر المصلح الموعود کے دستِ مبارک سے فضلِ عمر ہسپتال
اور
دفتر مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا سنگِ بنیاد۔ (متعلقہ صفحہ ۳۹۹)

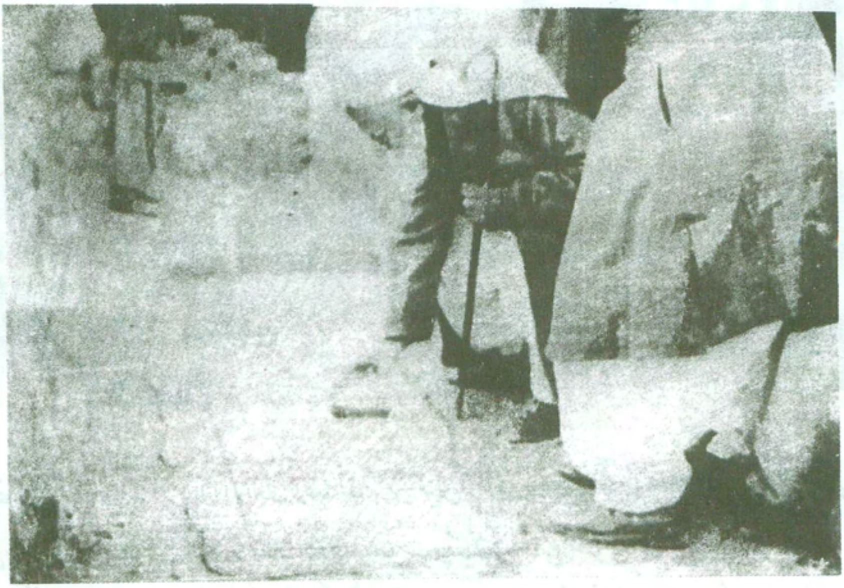

سنگِ بنیاد دفتر مجلس انصار اللہ مرکزیہ

سامنے پہلی قطار :- ۱۔ مولانا ابو العطاء صاحب ۔ ۲۔ میاں غلام محمد صاحب اختر ناظر اعلیٰ ثانی ۔ ۳۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ ۔ ۴۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب پٹیالوی معالج خصوصی ۔

دوسری قطار : ۔ حضور انور کے بالکل پیچھے کیپٹن محمد حسین صاحب چیمہ افسر حفاظت ۔ ۲۔ (بائیں طرف) مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ (خالدِ احمدیت) ۔ ۳۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ۔ ۴۔ مولوی بشارت احمد صاحب بشیرؔ سندھی (سابق مبلغ غانا) ۔

افتتاح بیت نصرت جہاں - کوپن ہیگن (متعلقہ صفحہ ۴۹)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے ہیں۔